بیرا
انوار علیگی

ہرسو گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ سناٹا ایسا کہ پرسکون ہوا بھی شور مچاتی محسوس ہو رہی تھی۔ وقت کی گرہیں کسی حسینہ کے ریشمی بالوں کی طرح خود بخود کھلتی جاتی تھیں۔ آدھی سے زیادہ رات گزر چکی تھی۔

وہ اچانک اڑان بھرتا، اندھیرے کی چادر چیرتا نمودار ہوا......اور بہت آہستگی سے چھت کی دیوار پر اتر گیا۔

ادھر وہ چھت پر اترا......ادھر چھت کے نیچے گہری نیند سوتی سارہ خوفزدہ ہو کر جاگ اٹھی۔ کمرے میں تاریکی کا راج تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ سارہ نے گھبرا کر اپنے دائیں جانب ہاتھ بڑھایا۔ اس کے ہاتھ نے کسی کے وجود کو محسوس کیا۔ وہ بے اختیار اس وجود سے لپٹ گئی اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

''کیا ہوا؟'' اس وجود میں حرکت ہوئی۔

''لائٹ جلاؤ۔'' سارہ نے سرگوشی کی۔

''لائٹ کس نے بند کی؟'' اس نے پوچھا۔

''معلوم نہیں۔'' سارہ نے آہستہ سے اور لرزتے لہجے میں کہا۔

''کہیں بجلی تو نہیں چلی گئی؟'' اس نے خیال ظاہر کیا۔

''پتہ نہیں......لائٹ آن کر کے دیکھو۔'' سارہ بولی۔

اس نے اٹھ کر لائٹ آن کی تو زیرو واٹ کا نیلگوں بلب فوراً جل اٹھا۔ کمرے میں نیلی روشنی پھیل گئی۔

بلب جلتے ہی سارہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور عجیب نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ سارہ کی نظروں میں جانے ایسی کیا بات تھی کہ ایک لمحے کو اس کا دل لرز اٹھا۔ اس نے جلدی سے سائیڈ ٹیبل سے پانی بھرا گلاس اٹھایا اور سارہ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولا۔ ''تم نے کوئی خواب دیکھا ہے کیا؟''

''نہیں۔'' سارہ نے گلاس اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ اس نے آدھا گلاس پانی جلدی جلدی پیا اور گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے سہمے ہوئے لہجے میں گویا ہوئی۔ ''وہ آ گیا ہے؟''

''کہاں ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''اوپر...... چھت پر۔'' سارہ نے سر اوپر اٹھا کر کہا۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا؟'' اس نے استفسار کیا۔

''میرے چبھن ہوئی۔'' سارہ کا ہاتھ بے اختیار اس کے سینے پر چلا گیا۔

''ہوا بھی لگی؟'' وہ بولا۔ ''ٹھنڈی ہوا۔''

''ہاں، ٹھنڈی ہوا بھی محسوس ہوئی۔ یوں لگا جیسے وہ میرے سینے پر آ بیٹھا ہو۔'' سارہ کی آواز لرز رہی تھی۔

اس نے اٹھ کر لائٹ جلائی اور سارہ کی طرف بغور دیکھا۔ وہ بالکل صحیح سلامت تھی۔ اس کے جسم پر کوئی خراش یا زخم کا نشان نہ تھا۔

''کیا میں اوپر جا کر دیکھوں؟'' وہ بولا۔

''نہیں، ہرگز نہیں...... وہ تم پر جھپٹ پڑے گا، یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو۔'' سارہ نے خوفزدہ ہو کر کہا۔

''ہم آخر اس سے کب تک ڈریں گے۔'' اس نے کہا۔

''ہمیں اس سے ڈرنا ہی ہوگا۔ اللہ جانے کیا چیز ہے یہ۔'' سارہ بولی۔

''میری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی۔'' اس نے پوچھا۔

''کیا؟'' سارہ کی آنکھوں میں سوال تھا۔

''یہ بلب کس نے بجھایا؟'' اس نے کہا۔

''مجھے نہیں معلوم...... میری جب آنکھ کھلی تو کمرے میں اندھیرا تھا۔'' سارہ نے بتایا۔

''بٹن کھلا ہوا تھا۔ میں نے بس چھوا تو بلب جل اٹھا۔'' وہ بولا۔

''ہوسکتا ہے بٹن خراب ہو گیا ہو۔'' سارہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

اس نے بجلی کے بٹن کو دو تین بار آن آف کر کے دیکھا، بٹن ٹھیک تھا۔ اس نے کہا۔ ''بٹن تو ٹھیک ہے۔''

سارہ جواب میں کچھ نہ بولی۔

''چلو اب لیٹ جاؤ۔'' اس نے کہا۔ ''ٹیوب لائٹ جلی چھوڑ دوں؟''

''نہیں بند کر دیں۔ بس بلب جلنے دیں۔''

''ڈرو گی تو نہیں۔'' اس نے پوچھا۔

''نہیں۔'' سارہ نے بڑے یقین سے کہا۔ ''جانتے نہیں ہو...... آخر میں بیوی کس کی ہوں۔''

سارہ نے اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔

''کس کی بیوی ہو؟'' وہ ٹیوب لائٹ بند کر کے بیڈ پر آ گیا۔

''شیر کی۔'' سارہ نے اس کے سر کے بال مٹھی میں بھر لئے۔

''اوئے نہیں...... تم صارم کی بیوی ہو۔'' اس نے سارہ کی ناک پکڑی۔

''اور صارم کے معنی کیا ہیں؟'' سارہ ہنس کر بولی۔ ''ذرا بتائیں۔''

''صارم کے معنی ہیں شیر۔'' صارم نے بیڈ پر لیٹتے ہوئے کہا۔ ''چلو میری شیرنی اب سو جاؤ۔ صبح مجھے دفتر بھی جانا ہے۔''

اس میں کوئی شبہ نہ تھا کہ وہ دونوں ہی نڈر تھے۔ اتنے بڑے گھر میں وہ دونوں اکیلے رہتے تھے۔ صارم دفتر چلا جاتا تو وہ تنہا رہ جاتی۔ صارم کے جانے کے بعد خالہ بجو آ جاتی۔ وہ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے میں گھر کی صفائی اور کچھ اوپر کے کام کر کے نکل جاتی۔ گھر میں تھے ہی کتنے افراد، وہ دو ہی تو تھے۔ کام کوئی خاص نہ تھا گھر کا جھاڑو پونچھا، ڈسٹنگ، دو چار برتن، دو چار کپڑے...... بس۔ وہ جلدی جلدی کام نمٹا کر بھاگنے کی کوشش کرتی کہ اسے دوسرے گھروں کے کام بھی کرنے ہوتے۔

سارہ چاہتی کہ وہ دیر تک گھر میں رہے تا کہ تنہائی کا احساس کم ہو۔ وہ کام ختم ہونے کے بعد اسے باتوں میں لگانے کی کوشش کرتی۔ خالہ بجو کے پاس کچھ وقت ہوتا تو وہ ٹھہر جاتی اور اس کے پاس بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی سنانے لگتی۔ یہ باتیں زیادہ تر اس کے مرحوم شوہر اور اپنی بیٹی سے متعلق ہوتیں۔ وہ اس علاقے کی سب سے پرانی ماسی تھی۔

جب وہ پہلی بار اس گھر میں کام کرنے آئی تھی تو اس نے بڑی حیرت سے سارہ کو دیکھا تھا۔ خالہ بجو کو بیگم یعقوب نے بھیجا تھا، کہا تھا ''پڑوس میں جو نئے لوگ آئے ہیں، انہیں ایک کام والی کی ضرورت ہے۔''

''نیم والے گھر میں کوئی آیا ہے؟'' خالہ بجو نے تصدیق چاہی۔

''ہاں۔ اچھے لوگ معلوم ہوتے ہیں...... دو میاں بیوی ہیں۔'' بیگم یعقوب نے بتایا۔

''ائے...... اتنے بڑے گھر میں دو میاں بیوی...... وہ یہاں کتنے دن رہیں گے بھلا۔'' خالہ بجو نے پریشان ہو کر کہا۔

''وہ کرائے دار نہیں ہیں جو چلے جائیں گے...... انہوں نے یہ گھر خرید لیا ہے۔'' بیگم یعقوب نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔ ''آج جاتے ہوئے ان سے ملتی جانا۔''

اور جب خالہ بجو نے نیم والے گھر کا گیٹ بجایا اور کچھ دیر کے بعد سارہ نے گیٹ کھولا تو خالہ بجو اسے دیکھتی رہ گئی۔ اسے امید نہ تھی کہ اس گھر میں آنے والی اتنی کم عمر ہوگی۔ اس کے ذہن میں کوئی موٹی سی پختہ عمر کی عورت کا تصور موجود تھا۔ یہ تو بڑی پیاری سی لڑکی نکلی تھی۔

''مجھے پڑوس والے گھر کی بیگم صاحبہ نے بھیجا ہے۔'' خالہ بجو نے برابر والے گھر کی طرف اشارہ کر

کے کہا۔ ''آپ کو کام والی کی ضرورت ہے؟''

''تم خالہ سجو ہو'' سارہ نے خالہ سجو کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

خالہ سجو پچاس پچپن کے پیٹے میں ایک دبلی پتلی، سانولی سی عورت تھی۔ سارہ کو اس کے چہرے پر دکھ کی لکیر سی نظر آئی۔

''ہاں، میں خالہ سجو ہوں۔'' اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''آجاؤ...... خالہ اندر آجاؤ۔'' سارہ نے گیٹ چھوڑ کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ خالہ سجو اندر آ گئی تو اس نے گیٹ اندر سے بند کیا اور گھر کی طرف بڑھی۔

گھر میں داخل ہو کر سارہ نے ڈائننگ ٹیبل سے ایک کرسی کھینچی اور خالہ سجو سے مخاطب ہو کر بولی۔

''بیٹھو خالہ۔''

پھر وہ خود بھی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

خالہ سجو کرسی پر بیٹھ تو گئی، لیکن سارہ کا چہرہ دیکھ کر جو اس پر حیرانی طاری ہوئی تھی، وہ اس کے چہرے سے نہ گئی۔

سارہ نے خالہ سجو کی حیرت محسوس کر لی تھی، لیکن وہ بولی کچھ نہیں۔ تب خالہ سجو گویا ہوئی۔

''بی بی...... تم نے یہ گھر خرید لیا ہے۔''

''ہاں۔'' سارہ نے اقرار کیا۔

''اتنے بڑے گھر میں تم اکیلی رہو گی۔'' خالہ سجو نے پوچھا۔

''میرے شوہر ہیں، میرے ساتھ۔'' وہ ہنس کر بولی۔ ''میں اکیلی کہاں ہوں۔''

''کہاں ہیں صاحب؟'' خالہ سجو نے کہا۔

''وہ دفتر گئے ہیں۔'' سارہ نے بتایا۔

''پھر اکیلی ہی ہوئی نا...... بی بی، کیا تمہیں اتنے بڑے گھر میں ڈر نہیں لگے گا۔''

''خالہ میں بالکل نہیں ڈرتی۔'' سارہ نے ہنس کر کہا۔ ''ڈر کس بات کا۔''

''بی بی...... کیا تم اس گھر کے بارے میں کچھ جانتی ہو۔'' خالہ نے آہستہ سے کہا۔

''کیا ہے اس گھر میں۔'' سارہ نے خالہ سجو کے چہرے کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اس گھر میں......!'' خالہ سجو نے کچھ بتانے کے لئے منہ کھولا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے چہرے کا رنگ بدلا۔ آنکھوں میں ایک دم خوف سمٹ آیا۔ پھر اس نے جیسے گھبرا کر کہا۔ ''پتہ نہیں بی بی۔''

سارہ نے اسے کریدنا مناسب نہ سمجھا۔ اس کے چہرے پر کچھ اس طرح خوف چھایا تھا، لگتا تھا جیسے وہ بہت پتہ جاننے کے باوجود کچھ بتانا نہ چاہتی ہو، بتاتے ہوئے ڈرتی ہو۔

سارہ نے اس سے فوراً دوسری بات شروع کر دی۔ اسے گھر کے کام کی تفصیل بتائی پیسے طے کئے

اور پوچھا۔ ''خالہ کیا آج سے کام شروع کرو گی۔''

''ہاں، بی بی۔'' یہ کہہ کر خالہ سجو اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر اس نے جھاڑو سنبھال لی۔

سارہ اور صارم کو اس گھر میں آئے ہوئے دس بارہ دن سے زیادہ نہیں ہوئے تھے اور اس گھر کو خریدے ہوئے دو ماہ ہوئے تھے۔ گھر کا قبضہ لینے کے بعد صارم اور سارہ نے اپنے ذوق، مرضی اور ضرورت کے مطابق تبدیلیاں کروائی تھیں۔ پھر اس گھر کی تزئین و آرائش پر خصوصی توجہ دی تھی۔

یہ گھر ایک طویل عرصے سے بند تھا۔ مکان دکھاتے وقت پراپرٹی ڈیلر نے گھر کا دروازہ کھول کر ان دونوں سے کہا۔ ''جائیے صاحب...... مکان اچھی طرح سے دیکھ لیجئے۔ میں ابھی دس منٹ میں واپس آتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ واپس پلٹ گیا تھا۔

سارہ اور صارم یہ بات محسوس نہیں کر سکے تھے کہ پراپرٹی ڈیلر دراصل اندر جانے سے گریزاں تھا اس لئے کہیں جانے کا بہانہ بنا کر سڑک پر کھڑی اپنی گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔ انہوں نے اس بات کی پروا نہ کی تھی، بلکہ اس کی غیر موجودگی کو اپنے لئے بہتر سمجھا تھا، اس طرح وہ اس مکان کو اچھی طرح دیکھ کر اپنے دل کی بات برملا کر سکتے تھے۔

صارم نے ادھ کھلے دروازے کو پورا کھولا اور اندر داخل ہوا۔ سارہ اس کے پیچھے تھی۔ دروازے سے گزر کر جب وہ لاؤنج میں داخل ہوئے تو ایک عجیب سی بو آئی۔ سارہ نے فوراً اپنی ناک پر دوپٹہ رکھ لیا۔ اسی وقت صارم نے کسی چیز کو تیزی سے سامنے کھلے دروازے میں جاتے دیکھا۔ دونوں ہی چونک اٹھے۔ شام کا وقت تھا، باہر روشنی تھی، لیکن مکان میں ملگجا اندھیرا تھا، پھر وہ اس چیز کو اچھی طرح دیکھ بھی نہ پائے تھے۔

''یہ کیا تھا؟'' سارہ نے پوچھا۔

''پتہ نہیں...... کوئی پرندہ تھا شاید۔'' صارم نے خیال ظاہر کیا۔

جب وہ دونوں کمرے دیکھ کر اس دروازے میں داخل ہوئے جس میں کوئی چیز گئی تھی تو صارم نے کسی چیز کو کھڑکی کے ٹوٹے شیشے سے نکل کر اڑتے دیکھا۔

سارہ نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ فوراً بولی۔ ''یہ تو شاید کوئی چیل تھی۔''

صارم کیونکہ واضح طور پر اسے نہیں دیکھ پایا تھا، اس نے اسے صرف چند لمحوں کے لئے کھڑکی کے ٹوٹے شیشے سے نکل کر غائب ہوتے دیکھا تھا، پھر پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی تھی۔ اس کی جسامت اور رنگ دیکھ کر یہی قیاس کیا جا سکتا تھا کہ وہ کوئی چیل تھی۔

یہ مکان ہزار گز پر محیط تھا۔ دو ڈھائی سو گز پر مکان کی تعمیر کی گئی تھی۔ نیچے ایک بڑا لاؤنج، دو بیڈ روم، ڈرائنگ روم اور اوپر محض ایک بیڈ روم تھا۔ مکان کے چاروں طرف زمین چھٹی ہوئی تھی...... اور جو بات ان دونوں کو سب سے زیادہ پسند آئی تھی، وہ یہی تھی۔ مکان کے چاروں طرف لان، پھول، پودے، پھلوں کے درخت لگائے جا سکتے تھے۔ سبزیاں بھی اگائی جا سکتی تھیں۔ غرض مکان کے

چاروں طرف ایک خوبصورت باغیچہ ترتیب دیا جا سکتا تھا۔

مکان دونوں کو پسند آ گیا، انہوں نے خرید لیا۔ اگرچہ اس مکان کی تعمیر خاصی پرانی تھی۔ اس میں تو کوئی تبدیلی کی نہیں جا سکتی تھی۔ اپنی مرضی کا مکان تو ساری عمارت توڑ کر ہی بنایا جا سکتا تھا۔ صارم کے پاس اتنی رقم نہ تھی کہ وہ اس مکان کو گرا کر از سرِنو تعمیر کرتا، لہٰذا اس نے چھوٹی موٹی ترمیم ہی مناسب سمجھی۔ واش روم اور کچن اپنی مرضی کے بنائے گئے۔ مکان کے اندر ٹائلز لگوائے گئے...... اور مکان کے باہر پھول، پودوں اور درختوں کی ابتداء کر دی گئی۔ اس کام کے لئے باقاعدہ ایک مالی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ سارہ نے نرسری سے اپنی پسند کے پودے منگوا کر کیاریوں میں لگوائے۔

دو ماہ بعد جب وہ اس گھر میں منتقل ہوئے تو اس مکان کی شکل ہی بدل چکی تھی۔ چار دیواری کے اندر پھول کھل گئے تھے۔ سبز گھاس کے لان تیار ہو چکے تھے۔ گھر کے باہر بہار کا سماں تھا تو گھر کے اندر کی ڈیکوریشن دل کے اندر پھول کھلاتی تھی۔

سارہ اس مکان میں آ کر بہت خوش تھی۔ وہ اپنے پاس پڑوس کے مکانوں میں بھی ہو آئی تھی۔ پاس پڑوس کی خواتین بھی اس کے گھر کا چکر لگا گئی تھیں۔ وہ اس گھر کی تزئین و آرائش دیکھ کر خوش ہوئی تھیں۔ انہوں نے سارہ کی خوش ذوقی کی تعریف کی تھی۔ انہیں سارہ بھی پسند آئی تھی۔ کیوں نہ آتی، سارہ ایک ہنس مکھ، ملنسار اور شائستہ لڑکی تھی۔

سارہ کو اپنی پڑوسنوں میں بیگم یعقوب زیادہ پسند آئی تھیں۔ بیگم یعقوب کا نام پروین تھا...... سارہ نے انہیں پروین باجی کہنا شروع کر دیا تھا۔

آج پروین باجی نے خالہ بجو کو بھیج دیا تھا۔ خالہ بجو اسے پسند آئی تھی۔ اس نے کام بہت اچھا کیا تھا اور کام کے پیسے بھی زیادہ نہ مانگے تھے۔

اس گھر میں رہتے ہوئے دس بارہ دن ہو چکے تھے۔ سارہ یا صارم نے کوئی غیر معمولی بات محسوس نہ کی تھی۔ البتہ سارہ نے یہ محسوس ضرور کیا تھا کہ اس مکان کا جب ذکر آتا تو پروین باجی کچھ کہتے کہتے رک جاتی۔

ایسا ہی کچھ رویہ آج خالہ بجو نے اختیار کیا تھا۔ وہ اس گھر کے بارے میں زبان کھولتے کھولتے اچانک خاموش ہو گئی تھی۔

یہ بات اس کے ذہن میں محفوظ ہو گئی تھی۔ شام کو صارم جب دفتر سے واپس آیا اور فریش ہو کر چائے پینے بیٹھا تو سارہ نے خالہ بجو کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

''چلو، یہ اچھا ہوا کہ تمہیں تمہارے مطلب کی ماسی مل گئی ورنہ پھر مجھے کچھ کرنا پڑتا۔'' صارم نے ساری بات سن کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''تم کیا کرتے بھلا؟'' سارہ نے اسے ترچھی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''شادی کرتا اور کیا کرتا۔'' صارم نے پورے اطمینان سے کہا۔

''تمہاری دوسری بیوی اگر میری ملازمہ ہو گی تو پھر صارم تم تین شادیاں اکٹھی کر لو۔'' سارہ نے ش ہو کر کہا۔ ''ایک میرے لئے کھانا بنائے گی، ایک گھر کی صفائی کرے گی، ایک میرے پاؤں ائے گی۔''

''پھر میرا کیا ہوگا...... میرا کون خیال کرے گا...... ملکہ جی۔'' صارم نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

''یہ ملکہ آپ کے لئے ہو گی۔ انہیں تو تمہارے قریب بھی پھٹکنے نہ دوں گی۔'' سارہ نے ہنس ر کہا۔

''بھائی...... پھر میں نہیں کر رہا شادی...... تمہیں تمہاری خالہ بجو مبارک ہو۔''

''ہاں...... صارم میں تم سے ایک بات کرنا چاہ رہی تھی۔'' سارہ یکدم سنجیدہ ہو گئی۔

''ہاں...... بولو۔'' صارم بھی اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گیا۔

''خالہ بجو...... مجھے اس گھر میں تنہا دیکھ کر پریشان ہوئی۔ اس نے پوچھا۔ بی بی، کیا تم اس گھر کے بارے میں کچھ جانتی ہو۔ جب میں نے اس سے سوال کیا کہ کیا ہے اس گھر میں تو وہ بتاتے تے بات بدل گئی۔ پتہ نہیں کہہ کر خاموش ہو گئی۔ میں نے بھی اسے کریدنا مناسب نہ سمجھا کہ وہ یہ ڑ لے کہ میں اس کی بات سن کر پریشان ہو گئی ہوں، لیکن صارم......'' سارہ نے ایک لمحہ رک کر ارم کو دیکھا۔

''لیکن کیا؟'' صارم نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور اس کے قریب ہو کر اس کی آنکھوں ں دیکھا۔

''صارم اس مکان کا کوئی پس منظر ضرور ہے۔ کوئی ایسی بات کہ لوگ کہتے کہتے رک جاتے ہیں۔ اید میری وجہ سے...... لوگ سوچتے ہیں کہ میں گھر میں اکیلی رہتی ہوں، کہیں ڈر نہ جاؤں۔'' سارہ نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے دل کی بات کہی۔

''اس گھر میں کچھ نہیں ہے۔'' صارم نے بڑے یقین سے کہا۔ ''اگر یہاں کچھ ہوتا تو اب تک امنے آ چکا ہوتا۔ ہمیں تو اس گھر میں رہتے ہوئے دس بارہ دن ہو گئے ہیں، مجھے تو کوئی بات نہیں سوس ہوئی۔ تمہیں اگر ہوئی ہو تو بتاؤ۔''

''نہیں...... مجھے کچھ محسوس نہیں ہوا۔''

''اصل میں سارہ لوگوں میں تجسس بہت ہوتا ہے۔ وہ بات کا بتنگڑ بنانے کے ماہر ہوتے ہیں۔ ل میں یہ گھر کافی عرصے بعد آباد ہوا ہے۔ تم جانتی ہو کہ ویران گھر کے بارے میں تو ویسے ہی سانے بن جاتے ہیں۔'' صارم نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''اتنا تو میں سمجھتی ہوں۔'' سارہ نے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''لیکن صارم یہ مکان اتنے عرصے سے لی کیوں پڑا تھا؟''

''اس مکان کا مالک کینیڈا میں آباد ہے۔ اسے وہاں گئے ہوئے دس بارہ سال ہوگئے ہیں۔ اس نے وہیں شادی کر لی ہے۔ اب پاکستان آنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں۔ کینیڈا جاتے ہوئے وہ اس مکان کی چابی اپنے پراپرٹی ڈیلر دوست کو دے گیا تھا کہ وہ اس مکان کو کرایہ پر اٹھا دے، بیچنا وہ چاہتا نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر کینیڈا میں اس کا دل نہ لگا تو وہ واپس اس مکان میں آ جائے گا۔ مالک مکان تو وہاں جا کر سیٹ ہو گیا، لیکن اس کا مکان کرائے پر نہ اٹھ سکا۔'' صارم ایک لمحے کے لئے رکا۔

''کیوں؟'' سارہ نے پرتجسس لہجے میں پوچھا۔

''چلو بتائے دیتا ہوں۔'' صارم نے مسکرا کر کہا۔ ''لیکن میری بات سن کر یہ مت سمجھنا کہ میں نے اس مکان سے متعلق حقائق تم سے چھپائے ہیں۔ دراصل پراپرٹی ڈیلر نے تو ہر ممکن طور پر اس مکان کے بارے میں اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کی تھی، لیکن اس نے اس مکان کی جو قیمت بتائی اس نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ اس مکان کی قیمت اس وقت کم از کم تیس لاکھ ہے، جبکہ اس نے یہ مکان محض دس لاکھ میں دیا ہے۔ مجھے شبہ ہوا کہ کہیں پراپرٹی ڈیلر میرے ساتھ کوئی فراڈ نہ کر رہا ہو۔ ہوسکتا ہے کاغذات جعلی ہوں، جب میں نے پراپرٹی ڈیلر سے اپنے شبہ کا اظہار کیا اور مکان خریدنے کا ارادہ ملتوی کرنے کے بارے میں بتایا تو اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ پارٹی ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر ایک دم پریشان ہوگیا۔ اس کی پریشانی دیکھ کر میرا شبہ یقین میں بدل گیا کہ اس مکان کے کاغذات ضرور جعلی ہیں، اس نے یقین دلانے کی بھرپور کوشش کی۔ اس نے کہا کہ وہ کاغذات درست ہونے کی تصدیق ہر طرح سے کرانے کے لئے تیار ہے۔ ساتھ ہی وہ کینیڈا میں مقیم مالک مکان سے بھی بات کرا دے گا۔ میں نے کاغذات کی تصدیق کے لئے جبار ناصر کو لگایا۔ وہ کرائم رپورٹر ہے، وسیع تعلقات رکھتا ہے۔ اس نے چند دنوں میں کاغذات کے اصل ہونے کی تصدیق کر دی، لیکن پریشان وہ بھی تھا کہ تیس لاکھ کی پراپرٹی وہ دس لاکھ میں کیوں دے رہا ہے۔ جب ہم دونوں نے پراپرٹی ڈیلر سے سنجیدگی سے اس موضوع پر بات کی اور دھمکی دی کہ اگر اس نے مکان کو اس قدر سستا فروخت کرنے کی وجہ نہ بتائی تو ہم اس مکان کو ہرگز نہیں خریدیں گے۔ جواب میں اس نے کہا کہ سر میں ہر بات سچ بتا دوں گا، لیکن آپ کو مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا کہ آپ سودا کینسل نہیں کریں گے۔ میں نے یہ جانے بغیر کہ اس سستے سودے کے پیچھے کہانی کیا ہے، اس سے وعدہ کر لیا کہ میں یہ مکان نہیں چھوڑوں گا۔ میری یقین دہانی پر اس نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر یوں گویا ہوا۔

''سر جی آپ جن بھوت سے تو نہیں ڈرتے؟''

''نہیں یار...... میں اس قسم کی کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔ میں خود آدھا جن ہوں۔'' میں نے ہنس کر اسے بتایا۔

میری بات سن کر جیسے اسے حوصلہ ہوا، ہر بات سچ بتانے کے لئے وہ فوراً ہی راضی ہوگیا، اس نے بتایا۔

''سر، اس گھر میں کسی قسم کا اثر ہے۔ اس بات کا اندازہ شروع میں مجھے خود بھی نہ ہوا، جب دو کرایہ دار ایک ایک ماہ رہ کر مکان چھوڑ گئے تو میں کھٹکا۔ کسی کرایہ دار نے مکان چھوڑنے کی کوئی خاص وجہ نہ بتائی۔ بس یوں ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ اس کے بعد جو کرایہ دار آئے وہ ایک ہفتہ بھی اس مکان میں نہ رہ پائے۔ اس کے بعد یوں ہوا کہ کرایہ دار مکان دیکھتا، پسند کرتا، معاہدہ کرتا اور چابی لے جاتا...... لیکن دو چار دن بعد ہی وہ معاہدہ کینسل کرواتا اور چابی میرے حوالے کر کے کچھ اس عجلت سے جاتا کہ پیچھے پلٹ کر بھی دیکھنا گوارہ نہ کرتا۔ میں اس سے پوچھتا ہی رہ جاتا کہ صاحب کیا ہوا، کوئی پریشانی ہے تو بتائیں، جواب میں وہ کہتا نہیں جی کوئی پریشانی نہیں۔ بس دوسری جگہ ہمیں اس سے بہتر مکان مل گیا ہے۔ اس طرح دس پندرہ یا ممکن ہے اس سے بھی زیادہ کرایہ دار اس مکان میں رہنے کے ارادے سے آئے لیکن نہ رہ سکے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ کسی کرایہ دار نے مکان چھوڑنے کی کوئی ایسی وجہ نہیں بتائی جس سے یہ شبہ ہوتا کہ اس گھر میں کوئی اثر وغیرہ ہے۔ جب ایک طویل عرصے تک میری کوشش کے باوجود کوئی کرایہ دار اس مکان میں سیٹ نہ ہوسکا تو میں نے اپنے دوست کو ساری صورت حال بتائی۔ اس اثنا میں وہ کینیڈا میں رہائش پکی کر چکا تھا، اس کی واپسی کا اب کوئی امکان نہ تھا، اس نے کہا کہ مکان بیچ دو۔ میں نے فوراً ہی اس مکان کو بیچنے کا اشتہار لگوا دیا۔ ٹیلی فون پر ایک دو انکوائری آئی اور بس...... پھر میں نے تواتر سے ہر سنڈے کو مختلف اخباروں میں اشتہار لگوایا، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا، پارٹی ٹیلی فون پر ہی بات کر کے چپ سادھ لیتی۔ مکان دیکھنے کی خواہش کے باوجود پارٹی ٹائم دے کر غائب ہو جاتی۔ کوئی ایک سال کے بعد ایک پارٹی ایسی آئی جس نے مکان دیکھا، پسند کیا اور پانچ ہزار روپے بطور ٹوکن منی ادا کیا اور کاغذات تیار کرنے کو کہا...... لیکن ایک ہفتے کے بعد ہی اس کا فون آ گیا کہ وہ مکان نہیں خریدنا چاہتا، میں نے اس سے وجہ پوچھی، اس نے کہا کہ میری بیوی یہ مکان خریدنے پر راضی نہیں۔ میں نے اسے بتایا کہ کیونکہ وہ سودا کینسل کر رہا ہے اس لئے ٹوکن منی واپس نہ ہوگا اس نے کہا ٹھیک ہے۔ آپ پانچ ہزار روپے واپس نہ کریں یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا، اتنی مشکلوں سے اتنے عرصے کے بعد ایک پارٹی پھنسی تھی، وہ بھی ہاتھ سے نکل گئی۔ اس نے اپنے پانچ ہزار روپے کی بھی پروا نہ کی۔ اب میرا شبہ یقین میں بدل گیا۔ اس مکان میں ضرور کوئی گڑبڑ ہے لیکن کیا گڑبڑ ہے یہ کوئی بتانے کو تیار نہ تھا۔ دوسرا گاہک دو سال کے بعد آیا اس نے اپنی فیملی کے ساتھ مکان دیکھا۔ مکان سب کو پسند آیا۔ وہ بہت جلدی میں تھا، ایک ہفتے کے اندر اندر وہ اس مکان کا قبضہ چاہتا تھا۔ میں بہت خوش ہوا میں نے کہا کہ آج رقم دے دیں، آج ہی چابی لے لیں۔ دو چار دن میں، میں کاغذات مکمل کروا کے آپ کے حوالے کر دوں گا۔ اس نے دو دن بعد ساری رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ میں نے یہ سوچ کر دو دن بعد تو یہ ساری رقم ادا کر دے گا، اس سے کوئی ایڈوانس بھی نہ لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دو دن تو کیا دو مہینے تک رقم لے کر نہ آیا۔ میں اس کے بتائے ہوئے فون نمبر پر بات کرتا تو وہاں سے جواب ملتا اس گھر میں اس نام کا کوئی شخص نہیں رہتا اور

نہ ہم نے کسی مکان کا سودا کیا ہے۔ میرا دوست کینیڈا سے مجھے فون کرتا رہتا تھا۔ میں نے اسے سارا ماجرا سنایا تو اس نے کہا۔ اب اگر کوئی پارٹی آئے تو ہر قیمت پر اسے مکان فروخت کر دینا۔ دو سال مزید گزر گئے، پھر آپ آئے۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ آپ کو ہاتھ سے نکلنے نہ دوں گا، لہٰذا میں نے تیس لاکھ کے مکان کی قیمت صرف دس لاکھ بتائی۔ اس قیمت نے آپ کو شبہ میں ڈال دیا۔ آپ نے سوچا میں آپ کے ساتھ فراڈ کر رہا ہوں۔ آپ کے دوست نے ہر طرح سے تصدیق کی۔ یہ بات ثابت ہوگئی کہ مکان کے کاغذات جعلی نہیں ہیں۔ سودا طے ہوگیا، لیکن یہ بات آپ کے دل سے نہ نکل سکی کہ میں نے یہ مکان اتنا سستا کیوں بیچ دیا۔ اب تو میں نے ساری بات صاف صاف آپ کو بتا دی ہے۔ اب تو آپ کو کوئی پریشانی نہیں۔'' پراپرٹی ڈیلر نے اپنی بات مکمل کر کے مجھے تصدیق طلب نظروں سے دیکھا۔

میں نے کہا۔ ''نہیں...... اب کوئی مسئلہ نہیں۔ میں جانوں اور میرا کام جانے۔ اس مکان میں اگر کوئی گڑبڑ ہے تو اس سے میں نمٹ لوں گا۔ ویسے بظاہر تو کسی نے اس مکان کے آسیب زدہ ہونے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟''

وہ بولا۔ ''نہیں سر...... اس مکان کے بارے میں کسی نے کوئی ایسا بیان نہیں دیا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ یہ مکان آسیب زدہ ہے، لیکن سر کوئی بات ضرور ہے۔ وہ کیا بات ہے یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔''

''بس سارہ...... میں نے اللہ کا نام لے کر یہ مکان خرید لیا۔ یوں سمجھو کہ یہ مکان ہمیں جیسے مفت میں ہی مل گیا ہے۔ اگر ہم نے اسے ایک سال کے بعد فروخت کیا تو بیس پچیس لاکھ منافع دے جائے گا...... اب تم اپنے دل میں کوئی وہم نہ پالو۔ اس گھر میں کچھ نہیں ہے۔ اگر یہ مکان نہیں بکا یا اس مکان میں کوئی کرایہ دار نہیں رہ سکا تو یہ ایک اتفاق بھی ہو سکتا ہے، اس گھر میں رہتے ہوئے ہمیں دس بارہ دن ہوگئے ہیں۔ مجھے تو کچھ محسوس نہیں ہوا۔ اگر تم نے کچھ دیکھا ہو تو بتاؤ۔''

''نہیں...... مجھے بھی کچھ محسوس نہیں ہوا، بس آج خالہ سجو کی بات سے ضرور شبہ پیدا ہوا۔ سو تمہیں بتا دیا۔'' سارہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''یار...... یہ ماسی کہیں تمہیں بہکا نہ دے؟'' صارم نے شبہ ظاہر کیا۔ وہ فکرمند تھا۔

''نہیں صارم...... بہکنے والوں میں سے نہیں ہوں۔'' سارہ نے پُریقین لہجے میں کہا۔ ''میرا یقین بڑا پختہ ہے۔ اگر اس گھر میں کوئی ایسی چیز ہے بھی تو میں اس سے ڈرنے والی نہیں۔''

''سن لیا۔'' صارم نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے زور سے کہا۔ ''بھئی میری بیوی، تمہاری جیسی چیزوں سے ڈرنے والی نہیں ہے...... سن لیا نا...... اور میں تو خیر سے ہوں ہی شیر۔''

اسی وقت یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے قہقہہ لگایا ہو۔ دونوں نے ہی اس قہقہے کو محسوس کیا، صرف محسوس لیکن سنا نہیں۔

''یہ کون ہنسا؟'' صارم نے سارہ کی طرف حیرت سے دیکھا۔

''پتہ نہیں۔'' سارہ نے کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ ہنسی کی آواز میرا وہم نہیں۔ جو میں نے محسوس کیا وہ تم نے بھی محسوس کیا۔'' رم نے تصدیق چاہی۔

''ہاں...... کوئی ہنسا ہے۔ یہ احساس تو ہوا لیکن قہقہے کی آواز سنائی نہیں دی۔'' سارہ بولی۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو...... یہ آواز قہقہہ تھا جسے ہمارے کانوں نے نہیں، دل نے سنا۔''

''یہ کیا بات ہوئی بھلا۔'' سارہ الجھن کا شکار ہوگئی۔

''اب یہ تو مجھے بھی......'' صارم بولتے بولتے چپ ہوگیا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''کچھ سنا تم ،۔ کوئی ہنس رہا ہے...... مسلسل زور زور سے قہقہے لگا رہا ہے۔ یہ کوئی مردانہ آواز ہے اور بڑی کرخت ،جیسے کوئی شیطان ہنس رہا ہو۔''

''شیطان؟ یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔'' سارہ فکرمند ہو کر بولی۔ ''مجھے تو کچھ سنائی نہیں دے رہا۔''

''اب وہ چپ ہوگیا ہے۔ سارہ ہمارے آس پاس کوئی ہے ضرور۔'' صارم پُراسرار لہجے میں بولا۔

''میرے پاس تم ہو...... اور میں تمہارے پاس ہوں...... تیسرا ہمارے درمیان کوئی نہیں۔''

''اور یہ قہقہہ۔'' صارم نے پوچھا۔

''تمہارے کان بج رہے ہیں۔'' سارہ نے یقین سے کہا کیونکہ اس کرخت قہقہے کی آواز اس نے ں سنی تھی۔

''لیکن ابھی تو تم نے تائید کی تھی۔'' صارم بولا۔

''ہاں، اس وقت میں نے محسوس کیا تھا۔ کیا پتہ سڑک پر کسی نے قہقہہ لگایا ہو۔''

''ہو سکتا ہے...... ایسا ہی ہو۔ تم یقیناً ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' صارم نے جیسے خود کو تسلی دینے کی شش کی۔

''ارے دفع کرو...... کوئی ہنستا ہے تو ہنسا کرے۔ تم یہ بتاؤ، کیا کھاؤ گے۔'' سارہ نے بات کو نیا رخ ۔ ''کیا پکاؤں؟''

''چلو...... باہر چلتے ہیں۔ رات کا کھانا کہیں باہر کھائیں گے۔'' صارم نے پیشکش کی۔

''او کے۔'' سارہ نے خوش ہو کر کہا اور پھر فوراً ہی تیاری میں مصروف ہوگئی۔

☆......☆......☆

رات کے ساڑھے گیارہ بجے وہ شکم سیر ہو کر گھر واپس لوٹے۔

صارم نے گاڑی اندر کھڑی کر کے باہر کا گیٹ بند کیا۔ اتنے میں سارہ نے گھر کھول دیا۔ وہ ں آگے پیچھے گھر کے اندر داخل ہوئے۔ سارہ کو دروازہ کھولتے ہی اپنے چہرے پر سرد ہوا کا جھونکا وس ہوا۔ اس نے آگے بڑھ کر لاؤنج کی لائٹ جلائی اور صارم کو پیچھے مڑ کر دیکھا۔

صارم نے گھر میں داخل ہو کر لاؤنج کا دروازہ بند کیا اور پھر وہیں کھڑا رہ گیا۔

دونوں کی نظریں ملیں..... جو بات سارہ نے محسوس کی تھی وہ صارم نے بھی محسوس کر لی تھی۔

''گھر کافی ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' سارہ نے کہا۔

''ہاں، باہر کے مقابلے میں کافی ٹھنڈا ہے جبکہ باہر گرمی ہے۔''

''کہیں تم نے ایئر کنڈیشنر کھلا تو نہیں چھوڑ دیا۔'' سارہ نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

''نہیں..... ایئر کنڈیشنر میں نے خود بند کیا ہے، وہ کھلا ہوا نہیں ہو سکتا۔''

بیڈروم کا دروازہ کھلا ہوا تھا، صارم اندر داخل ہوا تو ٹھنڈ کا احساس مزید بڑھا، ایک لمحے کو اسے احساس ہوا کہ واقعی اس سے غلطی ہوگئی ہے اور وہ ایئر کنڈیشنر بند کرنا بھول گیا تھا، لیکن ایسا نہ تھا، جب آگے بڑھ کر اس نے ایئر کنڈیشنر پر نظر ڈالی تو وہ بند تھا۔

پھر صارم نے گھر کی کھڑکیوں کے تمام پردے ہٹا کر چیک کیے۔ کوئی کھڑکی کھلی نہ تھی، لیکن اگر کسی کمرے کی کھڑکی کھلی بھی ہوتی تو باہر سے اندر ٹھنڈ آنے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا، کیونکہ باہر گرمی تھی۔ باہر سے گرمی تو آ سکتی تھی لیکن ٹھنڈ نہیں۔

گرمیوں کا آغاز ہو گیا تھا..... خیر سے کراچی کے موسم کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہاں کا موسم محبوب کی طرح رنگ بدلنے میں ماہر ہے۔ چند گھنٹوں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ دوپہر کو گرمی ہے تو شام کو فضا ابر آلود، رات کو خنکی تو صبح تیز دھوپ۔ سردیوں کے موسم میں سردی نہیں، بارش کے موسم میں بارشیں نہیں..... کراچی کا اپنا موسم کوئی نہیں۔ کوئٹہ میں اگر برف باری ہوگئی تو وہاں کی ٹھنڈی ہوائیں سیدھی کراچی کا رخ کرتی ہیں۔

خیر، اس وقت صارم کے گھر میں جو سردی تھی اس کا تعلق باہر کے موسم سے نہ تھا۔ باہر موسم گرم تھا، حبس سا تھا، ہوا بند تھی لیکن اندر خاصی ٹھنڈ تھی اور یہ ٹھنڈ دھیرے دھیرے بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ ٹھنڈ ان کے بڑے بیڈروم میں جس میں ایئر کنڈیشنر لگا ہوا تھا، زیادہ تھی۔ صارم نے ایئر کنڈیشنر کو اچھی طرح چیک کر لیا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ اور چہرہ بالکل قریب کر کے چیک کیا تھا۔ اگر ایئر کنڈیشنر سے ہوا آ رہی ہوگی تو پتہ چل جائے گا۔ بھلا بند ایئر کنڈیشنر سے بھی کبھی ٹھنڈی ہوا آئی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ ایئر کنڈیشنر چل رہا ہو اور اس سے ٹھنڈی ہوا کے بجائے گرم ہوا آ رہی ہو۔

جلدی جلدی انہوں نے کپڑے تبدیل کئے۔ کپڑے تبدیل کرتے ہوئے انہیں یہ احساس ہوا جیسے وہ سردیوں کے موسم میں کھلی چھت پر کھڑے ہوں۔ سردی کہاں سے آ رہی تھی..... یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ احتیاطاً صارم نے زینے کے اوپر نیچے کے دروازے بھی چیک کر لئے تھے، وہ دونوں بند تھے۔ پھر سارہ نے گھر کے تمام دروازے بند کر دیئے اور وہ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

سردی یہاں بھی تھی، لیکن ان کے بیڈروم کے مقابلے میں نسبتاً کم تھی۔

''یار..... کافی بناؤ۔'' صارم نے کہا۔ ''کچھ تو جسم میں گرمائی آئے۔''

''ہاں..... میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔ ابھی بنا کر لاتی ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر ڈرائنگ روم سے نکل گئی

اور اپنے پیچھے دروازہ کھلا چھوڑ گئی۔

اسے ڈرائنگ روم سے گئے ہوئے ابھی چند ہی لمحے ہوئے تھے کہ وہ دوڑتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

''صارم..... وہ..... وہ۔''

جانے اس نے کیا دیکھ لیا تھا کہ اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔

صارم نے سارہ کا چہرہ دیکھا تو پریشان ہو گیا۔ وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ سارہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ صارم یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کی بیوی مضبوط اعصاب کی مالک ہے، چھوٹی موٹی چیزوں سے وہ ڈرنے والی نہیں۔ اب وہ ڈری ہے تو یقیناً اس نے کوئی غیر معمولی چیز دیکھی ہے۔

صارم بھاگ کر اس کے نزدیک آیا اور اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ ''کیا ہوا سارہ؟''

''صارم..... وہ وہاں!'' سارہ نے کچن کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا ہے وہاں؟'' صارم اسے ساتھ لئے کچن کی طرف بڑھا۔ ''آؤ، میرے ساتھ۔''

''نہیں صارم..... وہاں مت جاؤ..... وہ کہیں تم پر جھپٹ نہ پڑے۔'' سارہ نے کہا۔

''ایسی کیا چیز ہے؟'' صارم اس کا ہاتھ چھوڑ کر آگے بڑھا۔ ''تم یہاں ٹھہرو۔ میں دیکھتا ہوں۔''

''نہیں صارم نہیں۔'' وہ صارم کے پیچھے بھاگی۔

صارم نے کچن کے دروازے میں کھڑے ہو کر محتاط انداز میں چاروں طرف دیکھا۔ کیبنٹ کے اوپر، سلیب پر، چولہوں کے آس پاس، مائیکرو ویو کے اوپر..... اسے وہاں کچھ نظر نہ آیا۔ اس نے مڑ کر سارہ کی طرف دیکھا جو اس کے بازو سے آ لگی تھی۔

''یہاں تو کچھ نہیں۔'' وہ بولا۔

سارہ اب اپنے حواس پر قابو پا چکی تھی۔ اس نے ذرا آگے بڑھ کر واش بیسن کی طرف دیکھا اور پھر وہ فوراً ہی پیچھے ہٹ گئی اور بولی۔ ''اُدھر دیکھو۔''

صارم نے واش بیسن کی طرف نظر کی۔ واش بیسن کے نیچے کسی جانور کی سبزی مائل آنتیں پھیلی ہوئی تھیں..... شاید بکرے کی تھیں۔

''ارے..... یہ کہاں سے آئیں۔'' وہ آنتیں دیکھنے آگے بڑھا۔

''آگے مت جاؤ، وہ کہیں چھپا نہ بیٹھا ہو۔''

''کون؟'' صارم نے پوچھا۔

''صارم جب میں کچن میں کافی بنانے کے لئے داخل ہوئی تو اس منظر کو دیکھ کر میری جان نکل گئی۔ یہاں فرش پر ایک گدھ بڑے انہماک سے آنتیں کھا رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے سر اٹھایا اور اپنی لمبی گردن جھکا کر اس نے اڑنے کے لئے پر تولے..... یوں لگا جیسے وہ مجھ پر جھپٹنا چاہتا ہو۔ اس منظر کو دیکھ کر میں فوراً ہی پلٹ کر بھاگی۔'' سارہ نے بتایا۔

”اوہ……اچھا……تم کچن سے باہر چلو……میں دیکھتا ہوں وہ کہاں ہے۔“

صارم نے پورا کچن چھان مارا۔ حتیٰ کہ سارے کیبنٹ بھی کھول کر دیکھ لئے لیکن گدھ کہیں نظر نہ آیا۔

”سارہ……اندر تو کہیں کوئی گدھ نہیں۔“ اس نے ڈائننگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی سارہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”کہیں وہ باہر تو نہیں آ گیا، کبھی وہ ان کرسیوں کے نیچے چھپا بیٹھا ہو۔“

”ہائے۔“ سارہ ایک دم اچھل کر کرسی سے کھڑی ہو گئی۔

صارم نے پھر ڈائننگ ٹیبل کے نیچے، فریج کے پیچھے اور لاؤنج میں جہاں جہاں چھپنے کے امکان ہو سکتے تھے، اس نے گدھ کو تلاش کیا مگر وہ کہیں نہیں تھا۔

بیڈروم کے دروازے بند تھے۔ وہ اندر نہیں جا سکتا تھا۔ اس وقت پورا گھر اندر سے بند تھا۔ اس گدھ کے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا، اس کے باوجود وہ کہیں نہیں تھا۔ کیا یہ سارہ کا وہم تھا۔ اگر وہم تھا تو وہ آنتیں کہاں سے آئیں۔ مسئلہ یہی نہیں تھا کہ وہ گدھ چلا کہاں گیا، مسئلہ یہ بھی تھا کہ وہ گدھ گھر میں داخل کہاں سے ہوا۔ وہ بھی بکرے کی آنت اوجھڑی کے ساتھ……

صارم نے وہ آنتیں سمیٹ کر ایک شاپر میں ڈالیں اور گھر سے باہر نکل کر ایک خالی پلاٹ پر جو فی الحال کچرا کنڈی بنا ہوا تھا، پھینک آیا۔

گھر میں واپس آیا تو اتنی دیر میں سارہ فرش دھو چکی تھی۔ اب وہ ہاتھ دھو کر کافی بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔

دروازے کی آواز سن کر اس نے کچن کے اندر سے ہی پوچھا۔ ”پھینک آئے۔“

”ہاں۔“ صارم کچن کے دروازے پر آ کھڑا ہوا، پھر اچانک اسے کچھ احساس ہوا۔ وہ حیرت بھرے لہجے میں بولا۔ ”ارے سارہ۔“

”ہاں، کیا ہوا؟“ سارہ کافی پھینٹتے پھینٹتے دروازے کے نزدیک آ گئی اور ہاتھ روک کر بولی۔

”دیکھو……کوئی بری خبر نہ سنانا۔“

”ارے……سارہ……اچھی خبر ہے۔ کیا تم نے محسوس نہیں کیا۔“ صارم کے لہجے میں خوشگوار حیرت تھی۔

”نہیں۔“ سارہ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

”ارے……سردی۔“ صارم اس کی طرف دیکھ کر خوشی سے بولا۔ ”سردی ختم ہو گئی۔“

”اوئے ہاں……اس گدھ کے چکر میں ہمیں اس کا احساس ہی نہ ہوا۔“ سارہ نے تائید کی۔

”واقعی سردی بالکل ختم ہو گئی ہے۔“

”بھئی سردی جس انداز سے بڑھ رہی تھی اس سے تو اندازہ ہوتا تھا کہ ہمیں آج کی رات کمبل اوڑھ کر سونا پڑے گا۔“ صارم ڈائننگ ٹیبل کی ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

”دیکھو……صارم اب کوئی شرارت نہ کرنا۔“ سارہ نے تنبیہ کی۔

”شرارت……ارے یار……میں نے کیا کیا ہے۔“ اس نے ہنس کر پوچھا۔

”تم نے کیا نہیں……کہا ہے۔“ سارہ نے وضاحت کی۔ ”کچھ دیر پہلے تم نے کسی سے مخاطب ہو کر کچھ کہا تھا نا……میری بیوی تمہاری جیسی چیزوں سے ڈرنے والی نہیں ہے اور میں تو ہوں ہی شیر۔“

”تو اس میں کیا شبہ ہے۔ میں تو ہوں ہی شیر……میں ڈرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ چاہے بند گھر میں برف باری ہی کیوں نا شروع ہو جائے۔ چاہے اس گھر میں ایک کے بجائے کئی گدھ اڑتے پھریں۔“ صارم سینہ تان کر مسکرایا۔

”اللہ کا نام لو صارم……اتنے بڑبولے نہ بنو۔“ سارہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”اچھا۔“ صارم نے آنکھیں پھاڑ کر مسخرے پن سے کہا۔ ”بھائی معاف کرنا……اب آئندہ میں بالکل شیخی نہیں بگھاروں گا۔ چلو بھائی……میں شیر سے فوراً بکری بن جاتا ہوں۔“ صارم نے دونوں ہاتھ جوڑ کر چھت کی طرف دیکھا۔ ”اب تو ناراض نہیں ہو۔“

”چلو کافی پیو……شرارتی انسان۔“ سارہ نے میز پر کافی کے کپ رکھے۔

”واہ……واہ……بڑی مزیدار کافی ہے۔“

”کافی پی تو لو……پھر ہی تعریف کرنا، خوشامدی انسان۔“ سارہ نے اسے بڑی اپنائیت سے دیکھا۔

”میں تو مضمون دیکھ کر لفافہ بھانپ لیتا ہوں۔“ اس نے قمیص کا کالر ہلا کر کہا۔

”لفافہ دیکھ کر مضمون بھانپا جاتا ہے……گھامڑ انسان۔“ سارہ نے چمکیلی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

”اچھا……اب جلدی جلدی کافی پی لو۔ ہمارے سونے کا ٹائم ہو گیا۔“ صارم نے اسے نشیلی نظروں سے دیکھا۔

”میں کافی آدھے گھنٹے میں پیتی ہوں۔ نشیلے انسان۔“ وہ ہنسی۔

”کافیے پر کافیہ لگائے جاتی ہے……شاعر انسان۔“ صارم بھی موڈ میں آ گیا۔

”اوئے……کافیہ نہیں قافیہ……جاہل انسان۔“ اس نے منہ چڑایا۔

”میں نے تو کافی سے کافیہ نکالا تھا۔ اب مزید نہ بولنا ورنہ تمہارا قافیہ تنگ کر دوں گا۔“ وہ کافی کا کپ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ ”اب میرے ساتھ بیڈروم میں چل ظالم انسان۔“

”ابھی چلتی ہوں، ذرا کپ دھو لوں تو چلوں۔“ سارہ کپ اٹھا کر کچن میں چلی گئی اور صارم ہنستا ہوا بیڈروم میں داخل ہو گیا……اس نوک جھونک سے دونوں ہی ٹینشن فری ہو گئے تھے۔

☆……☆……☆

صبح کو صارم کے دفتر جانے کے بعد وہ گیٹ بند کر کے پلٹی ہی تھی کہ گیٹ پر دستک ہوئی۔

”کون ہے؟“ سارہ نے گیٹ کے نزدیک آتے ہوئے پوچھا۔

"سجو ہوں میں بی بی۔" ادھر سے جواب آیا۔

"اچھا...... خالہ سجو۔ میں کھولتی ہوں گیٹ۔" سارہ نے ہاتھ بڑھا کر لاک کھولا۔

"کیسی ہو بی بی۔" خالہ سجو نے گیٹ کے اندر داخل ہو کر پوچھا۔

"ٹھیک ہوں خالہ سجو...... آؤ۔" سارہ نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

خالہ سجو نے پلٹ کر گیٹ بند کیا اور اس کے ساتھ چلتی ہوئی گھر میں داخل ہو گئی۔

خالہ سجو کو دیکھ کر رات کے واقعات اس کی نگاہوں میں گھوم گئے۔ اس نے سوچا کہ وہ اسے بتائے کہ رات کو یہاں کیا ہوا لیکن پھر وہ بتاتے بتاتے رک گئی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ خوفزدہ ہو جائے اور پھر پلٹ کر واپس ہی نہ آئے۔ وہ کہاں سے ڈھونڈے گی ایسی ماسی......!

سارے کام نمٹا کر جب خالہ سجو اوپر رسی پر گیلے کپڑے ڈالنے گئی تو وہ سامنے ہی بیٹھا تھا۔ خالہ سجو اسے دیکھتے ہی خوفزدہ ہو گئی۔

وہ سامنے والی دیوار کے درمیان بیٹھا تھا۔ اس نے گردن گھما کر خالہ سجو کو دیکھا۔ خالہ سجو کے جسم میں سنسنی سی پھیل گئی۔ اس نے آنکھیں نیچی کر کے جلدی جلدی کپڑے تار پر پھیلائے اور اس کی طرف دیکھے بغیر زینے کی طرف بھاگی۔

سارہ ڈائننگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھی۔ اس نے خالہ سجو کے چہرے پر نظر ڈالی تو سمجھ لیا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ خالہ سجو کے چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔

"خالہ...... خیر تو ہے۔" سارہ نے پوچھا۔

"وہ سامنے دیوار پر بیٹھا ہے۔" خالہ سجو نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"کون خالہ؟" سارہ نے استفسار کیا۔

"میں اس منحوس کا نام نہیں لے سکتی خود اوپر جا کر دیکھ لو۔" خالہ سجو نے بتایا۔

سارہ نے فوراً چھری میز پر پٹخی اور ہاتھ جھاڑتی ہوئی زینے کے دروازے کی طرف بڑھی۔ وہ بہت تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر پہنچی۔ جیسے ہی اس نے اوپر کا دروازہ کھولا اسے وہ سامنے ہی بیٹھا نظر آ گیا۔ سارہ دروازے پر ہی رک گئی۔

اس نے گردن گھما کر سارہ کی طرف دیکھا۔ اس کے دیکھنے میں کوئی ایسی بات تھی کہ سارہ کے جسم میں خوف اترتا ہوا محسوس ہوا۔

وہ ایک غیر معمولی جسامت کا گدھ تھا۔ شاید یہ وہی گدھ تھا جو رات سارہ کو کچن میں آنتیں کھاتا ہوا دکھائی دیا تھا۔

سارہ کو دیکھ کر اس کے جسم میں ذرہ بھر بھی جنبش نہ ہوئی۔ بس اس نے گردن گھما کر ضرور دیکھا اور پھر یک ٹک دیکھتا ہی رہا۔

سارہ نے ہمت کر کے ایک قدم اٹھانا چاہا تاکہ وہ آگے بڑھ کر اسے دیوار سے اڑا سکے لیکن اس کا

قدم آگے بڑھا ہی نہیں...... اس پر یکدم گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ وہ اسے دیکھ ہی کچھ اس انداز میں رہا تھا جیسے کوئی اس کا دل مٹھی میں لینے کی کوشش کر رہا ہو۔

"بی بی...... نیچے واپس آ جاؤ۔" نیچے سے اچانک خالہ سجو کی آواز آئی۔

اس آواز پر وہ فوراً پلٹی اور تیزی سے سیڑھیاں اتر کر خالہ سجو کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"بی بی، دیکھ لیا تم نے اس کو۔" خالہ سجو نے پوچھا۔

"ہاں، دیکھ لیا۔" سارہ نے بے نیازی سے کہا۔ "وہ ایک گدھ ہے۔ خالہ اسے دیکھ کر تم ڈر کیوں گئی تھیں۔ کیا تم گدھ سے ڈرتی ہو؟"

"بی بی...... میں اس منحوس سے بہت ڈرتی ہوں۔ وہ گدھ تھوڑا ہی ہے۔" خالہ بے اختیار بولی۔

"اچھا...... گدھ نہیں تو پھر کیا ہے۔" سارہ نے استفسار کیا۔

"بی بی...... اس نے ایک بار مجھے......" خالہ سجو کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیا تم نے اس سے پہلے بھی اسے دیکھا ہے۔" سارہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"اسے میں بہت دنوں سے دیکھ رہی ہوں۔ یہ اس کا پکا ٹھکانہ ہے۔ سدا یہیں بیٹھتا ہے۔" خالہ سجو نے بتایا۔

"لیکن...... میں نے اسے ایک دن بھی اس دیوار پر نہیں دیکھا۔ اس گھر میں آئے ہوئے مجھے پندرہ دن تو ہو گئے۔ میرا روز ہی اوپر جانا ہوتا ہے۔" سارہ نے اسے بتایا۔ "پھر دو مہینے سے تو صارم بھی یہاں آتے رہے ہیں۔ انہوں نے بھی اسے نہیں دیکھا۔ اگر دیکھا ہوتا تو ضرور تذکرہ کرتے۔"

"ہاں، بی بی...... ٹھیک کہتی ہو...... کوئی دو ڈھائی مہینے سے یہ مجھے بھی نظر نہیں آیا۔ اس گھر کے کھلتے ہی غائب ہو گیا تھا۔"

"خالہ تمہیں یہ کہاں سے نظر آتا ہے۔"

"گلی سے۔" خالہ سجو نے بتایا۔ "میں روز ہی پچھلی گلی سے گزرتی ہوں اور جب گزرتی ہوں تو اس پر میری نظر ضرور پڑتی۔ جب سے مکان بنا ہے میں اس وقت سے اسے اس دیوار پر بیٹھا دیکھ رہی ہوں۔"

"اس مکان کو بنے تو بہت سال ہو گئے خالہ سجو۔" سارہ بولی۔

"جی بی بی...... دس بارہ سال تو ہو گئے ہوں گے۔" خالہ سجو نے کہا۔

سارہ کو اب یقین ہو گیا تھا کہ خالہ سجو اس مکان کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہے، لیکن وہ جو کچھ جانتی ہے اسے زبان پر لاتے ہوئے رک جاتی ہے۔ کوئی خوف ہے اس کے دل میں جو اس کی زبان پکڑ لیتا ہے۔ اب وہ آہستہ آہستہ کھل رہی تھی۔ اس سے کچھ معلوم کرنے کا طریقہ یہی تھا کہ اس مسئلے پر اسے چونکائے بغیر، اصرار کئے بنا، بہت غیر محسوس انداز میں اس سے گفتگو جاری رکھی جائے۔ سارہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ دھیرے دھیرے کھل رہی تھی۔ اس کے دل میں جو ہے، وہ زبان پر لا رہی تھی۔

یہ ایک اچھا موقع تھا۔ وہ کچھ بتانے پر آمادہ تھی۔ اگر وہ اسی طرح بولتی رہی تو سارہ کو قوی امید تھی کہ آج ضرور اس مکان کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم ہو جائے گا۔

وہ خالہ بجو کو اپنے پاس کچھ دیر بٹھانے کے لئے خود اٹھ گئی۔ اس نے کچن میں جا کر چائے کا پانی رکھا اور واپس آ کر کہا۔ ''خالہ، میں چائے بنا رہی ہوں، تمہارے لئے۔''

''اچھا..... بی بی۔'' خالہ بجو ایک دم خوش ہو کر بولی۔ ایسا اعزاز اسے دوسرے گھروں میں کہاں ملتا تھا بھلا۔

سارہ کو چائے بنانے میں دو منٹ لگے۔ وہ چائے اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔ ''خالہ..... اس علاقے میں تمہیں کام کرتے ہوئے کتنے سال ہو گئے۔''

''بی بی..... کوئی بیس سال تو ہو گئے ہوں گے۔''

''پھر تو یہ مکان تمہارے سامنے ہی بنا ہوگا۔'' سارہ نے اس پر لفظوں کا جال پھینکا۔

''ہاں..... بی بی۔ یہ جو آپ کے برابر والے گھر میں رہتی ہیں نا..... بیگم یعقوب، پروین بی بی کی بات کر رہی ہوں۔ ان کے سسر نے دو پلاٹ لئے تھے۔ ایک اپنے لئے اور ایک اپنے دوست ماجد صاحب کے لئے..... خود تو انہوں نے فوراً ہی مکان بنا لیا تھا۔ وہ پہلے قریب ہی کرائے کے مکان میں رہتے تھے جبکہ ان کا دوست کسی اور علاقے میں رہتا تھا۔ یہ پلاٹ سالوں خالی پڑا رہا۔ اس پلاٹ کے بیچوں بیچ ایک نیم کا درخت تھا۔ بہت بڑا..... اتنا بڑا اور گھنا درخت میں نے کہیں اور نہیں دیکھا، اس درخت کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اس پر گدھوں کا بسیرا تھا۔ بے شمار گدھ اس درخت پر بیٹھے رہتے تھے۔ میں نے انہیں جب بھی دیکھا بیٹھے ہی دیکھا۔ کبھی اڑتے ہوئے دکھائی نہ دیتے تھے۔''

سارہ بہت خوش تھی، ایک کپ چائے نے خالہ بجو پر زبردست اثر کیا تھا۔ وہ بے دھیانی میں بولتی جا رہی تھی اور سارہ اس کے منہ سے نکلنے والے لفظوں کو پوری توجہ سے اپنے ذہن میں ریکارڈ کرتی جا رہی تھی۔

''ویسے خالہ آبادی میں گدھ کہاں ہوتے ہیں؟'' سارہ نے حیرت ظاہر کی۔

''ہاں بی بی..... تم ٹھیک کہتی ہو۔'' خالہ بجو بولی۔ ''اس نیم کے درخت کے علاوہ کہیں اور نہیں دکھائی دیتے تھے۔ یہ درخت بھی بہت پرانا تھا۔ جانے یہ گدھ کب سے اس درخت پر آباد تھے۔ پھر جب پروین بی بی کے سسر کے دوست ماجد صاحب نے اس گھر کو بنوانے کے لئے یہ درخت کٹوانا چاہا اور کٹوانے کے لئے آدمی بلائے تو وہ اس درخت پر اتنے سارے گدھوں کو بیٹھے دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ خیر ہمت کر کے دو بندے شاخیں کاٹنے کے لئے اوپر چڑھے تو گدھوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ ایک کی تو آنکھ ضائع ہونے سے بچی، دوسرا لہولہان ہوا۔ بے شمار گدھ اڑ اڑ کر اس درخت کے گرد چکر کاٹنے لگے۔ اتنے گدھ تھے بی بی کہ کیا بتاؤں یہ میرے سامنے کا واقعہ ہے۔ میں اس وقت پروین بی بی کی چھت پر دھلے ہوئے کپڑے پھیلا رہی تھی۔ اتنے بے شمار گدھوں کو دیکھ کر میری جان نکل گئی۔ وہ

ہماری چھت پر بھی منڈلا رہے تھے۔ درخت کاٹنے والے اپنے زخمی ساتھیوں کو اٹھا کر دوڑ لئے۔''

''ارے..... پھر تو خالہ..... یہ درخت کاٹنا مسئلہ بن گیا ہوگا۔'' سارہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''ایسا ویسا..... پروین بی بی کے سسر اور ماجد صاحب کی جان عذاب میں آ گئی۔ ان کی سمجھ میں ہی نہ آئے کہ اس درخت کو کس طرح کٹوائیں۔ اب کوئی اس درخت کو کاٹنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اگر کوئی انجانا ہمت بھی کرتا تو زخمی ہو کر ہی جاتا۔ یہ گدھ سیدھے بندے کی آنکھوں پر حملہ کرتے تھے۔''

''اوہ..... میرے اللہ۔'' سارہ نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔ ''پھر خالہ یہ درخت کیسے کٹا؟''

''بس بی بی..... جب بہت پریشان ہو گئے تو ماجد صاحب نے کسی عامل سے رجوع کیا وہ آئے، انہوں نے اس درخت کو دیکھا تو فکر مند ہوئے۔ انہوں نے بتایا، یہاں تو بسیرا ہے۔''

''اچھا..... پھر انہوں نے کیا کیا۔'' سارہ نے پوچھا۔

''انہوں نے کہا کہ مجھے تین راتیں یہاں رہ کر عمل کرنا ہوگا۔ وہ تین راتیں پروین بی بی کے گھر میں رہے۔ چھت پر بیٹھ کر انہوں نے تین رات تک عمل کیا۔ جیسے ہی وہ رات بارہ بجے کے بعد پڑھنا شروع کرتے تو درخت پر بیٹھے ہوئے گدھ چیخنا شروع کر دیتے۔ ان کی منحوس آوازوں سے پورا محلہ جاگ اٹھتا۔ ایسی کرخت آواز نکالتے تھے کہ دل بیٹھنے لگتا۔ تیسری رات عامل صاحب پر جانے کیا گزری کہ وہ پڑھتے پڑھتے چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ فوری طور پر انہیں اسپتال لے جایا گیا۔ وہاں جا کر وہ ہوش میں تو آ گئے لیکن پھر پلٹ کر ادھر نہ آئے، نہ یہ بتایا کہ وہ بے ہوش کیوں ہوئے۔ بہت پوچھنے پر بس اتنا کہا کہ یہ معاملہ ان کے بس کا نہیں..... عامل صاحب کی ناکامی نے اس معاملے کو اور سنگین کر دیا۔ ماجد صاحب فکر مند ہو گئے۔ وہ اس سلسلے میں کئی لوگوں سے ملے۔ کسی نے اس مسئلے کو حل کرنے کی حامی نہیں بھری۔ پھر کسی نے ایک بابا کا پتہ بتایا۔ ماجد صاحب نے ان سے رابطہ کیا، ساری داستان سنائی۔ ساری بات سن کر باباجی نے انہیں تسلی دی اور رائفل کی ایک گولی لانے کو کہا۔''

یہ کہہ کر خالہ بجو چند لمحوں کو رکی۔

اس اثناء میں سارہ نے پوچھا۔ ''رائفل کی گولی..... یہ بابا لوگ اس طرح کی چیز تو نہیں منگواتے۔''

''ہاں بی بی..... یہ بات سن کر ماجد صاحب بھی پریشان ہوئے۔ انہوں نے پروین بی بی کے سسر سے ذکر کیا تو وہ بولے کوئی بات نہیں۔ گھر میں گولیاں موجود ہیں۔ ایک گولی لے جاؤ، دیکھیں بابا اس کا کیا کرتے ہیں۔ آزمانے میں کیا حرج ہے، گھر میں رائفل موجود تھی۔ پروین بی بی کے سسر کو شکار کا شوق تھا۔ وہ رائفل سے پرندوں کا شکار کیا کرتے تھے۔ خیر بی بی..... انہوں نے اپنے دوست کو ایک گولی نکال کر دے دی۔ وہ یہ گولی لے کر باباجی کی خدمت میں پہنچے۔ باباجی نے گولی ہاتھ میں لے کر اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر گولی مٹھی میں دبا کر کچھ پڑھنا شروع کیا۔ ایک منٹ کے لئے مٹھی کھول کر اس پر ایک پھونک ماری اور گولی ماجد صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے کہ درخت کی طرف

نشانہ لے کر اس گولی کو چلا دینا۔ تمہیں ان خبیثوں سے نجات مل جائے گی۔ ماجد صاحب گولی لے کر واپس آ گئے۔ دوپہر کا وقت تھا، انہوں نے پروین بی بی کے سسر کی رائفل میں گولی بھری اور اوپر چھت پر پہنچ کر ایک گدھ کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔ ایک زوردار دھماکا ہوا۔ گولی گدھ کا سینہ چیرتی ہوئی نکل گئی۔ اس گولی نے پیچھے بیٹھے ہوئے دو گدھوں کو اور زخمی کیا۔ وہ پٹ پٹ درخت سے نیچے گرے اور مر گئے۔ بس بی بی ان گدھوں کے مرتے ہی سارے گدھ پھرّا مار کر درخت سے اڑے اور آناً فاناً غائب ہو گئے کہ پتہ ہی نہ چلا کہ وہ کدھر گئے۔''

''اور جو گدھ مر گئے تھے......ان کا کیا کیا۔'' سارہ نے پوچھا۔

''بی بی......وہ تین گدھ تھے جو ایک گولی کی زد میں آ کر مرے تھے، لیکن کچھ دیر کے بعد جب ماجد صاحب، پروین بی بی کے سسر اور محلے کے کئی لوگ اس درخت کے نیچے پہنچے تو وہاں سے مرے ہوئے گدھ غائب تھے۔''

''وہ کہاں گئے؟'' سارہ حیران تھی۔

''اللہ جانے۔'' خالہ بجو نے اطمینان سے جواب دیا۔

''پھر کیا ہوا......خالہ بجو۔'' سارہ کا تجسس عروج پر تھا۔

''بس پھر کیا بی بی......یہیں سے تباہی کا آغاز ہوا۔ دوسرے دن ماجد صاحب نے بندے بلا کر اس نیم کے درخت کو جڑ سے کٹوا دیا اور پھر مکان کی تعمیر شروع کر دی۔ مکان مکمل ہونے کے بعد جب ماجد صاحب نے اپنے گھرانے کے ساتھ اس گھر میں داخل ہونا چاہا تو گیٹ میں داخل ہوتے ہی چکرا کر زمین پر گرے اور چند منٹوں میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ وہ گھر جو انہوں نے بڑے شوق سے بنوایا تھا اس میں ایک رات بھی بسر نہ کر سکے۔ ایک ماہ بعد ان کی بیگم کو خون کی الٹی ہوئی اور وہ اسپتال پہنچتے پہنچتے دم توڑ گئیں۔ اب اس گھر میں ان کے دو بیٹے رہ گئے۔ پندرہ دن بعد بڑے بیٹے کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور وہ موقع پر ہی چل بسا۔ اس طرح ماجد صاحب کی گولی سے تین گدھ مرے تھے تو ماجد صاحب سمیت ان کے بھی تین بندے چل بسے تھے۔ چھوٹے بیٹے نے فوراً گھر چھوڑ دیا۔ وہ اپنے پرانے مکان میں چلا گیا۔''

''اوہ......خالہ بجو......یہ تو بہت برا ہوا۔'' سارہ نے افسردہ لہجے میں کہا۔

''بس بی بی جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ لکھے کو کون مٹا سکتا ہے۔ اس کے بعد اس مکان کو کرائے پر اٹھا دیا گیا۔ کرائے دار اس مکان میں ایک ماہ سے زیادہ نہ رہ سکے۔ پروین بی بی کے کہنے پر میں نے ان لوگوں کے گھر کا کام سنبھال لیا۔ ایک دن میں گیلے کپڑے اوپر ڈالنے گئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ سامنے دیوار پر ایک موٹا تازہ گدھ بیٹھا ہے۔ اسے دیکھ کر میری تو جان نکل گئی۔ میں نے جلدی جلدی رسی پر کپڑے ڈالے۔ ابھی آخری کپڑا ڈال ہی رہی تھی کہ وہ منحوس دیوار سے اڑا اور سیدھا میری طرف آیا۔ اگر میں جلدی سے بیٹھ نہ جاتی تو عین ممکن تھا کہ وہ اپنے خونخوار پنجوں سے مجھے

زخمی کر جاتا۔ دوسرے دن میں نے اس گھر کا کام چھوڑ دیا۔ میں نے ان لوگوں کو اس گھر کے بارے میں اور نہ ہی گدھ کے بارے میں کچھ بتایا۔ کیونکہ پروین بی بی نے مجھے منع کر دیا تھا۔ بس وہ لوگ اس گھر میں مشکل سے ایک ماہ رہے۔ ان کے ساتھ کیا بیتی، یہ کسی کو نہیں معلوم۔ پروین بی بی کو بھی انہوں نے کچھ نہیں بتایا۔ خاموشی سے چلے گئے۔ البتہ وہ لوگ گھبرائے ہوئے ضرور تھے جیسے ان کے ساتھ کچھ ہوا ہے لیکن کیا ہوا ہے، یہ بتاتے ہوئے شاید وہ ڈرتے تھے۔ ان کے جانے کے بعد وہ گدھ مجھے روز اس دیوار پر بیٹھا دکھائی دینے لگا۔ کچھ دن بعد ایک اور کرایہ دار آئے وہ بھی ایک ماہ سے زیادہ اس گھر میں نہ گزار سکے۔ پھر ایک دو اور کرائے دار اس گھر میں آ کر بسے لیکن وہ دو ہفتے سے زیادہ نہ ٹک سکے۔''

''کسی نے اتنی جلد گھر چھوڑنے کی وجہ نہیں بتائی؟'' سارہ نے پوچھا۔

''میں نے پہلے کرائے دار کے بعد کسی کے گھر کام نہیں کیا۔ البتہ پروین بی بی سے ہر کرائے دار نے رابطہ رکھا لیکن جاتے ہوئے کوئی کچھ کہہ کر نہ گیا۔'' خالہ بجو نے بتایا۔

''لیکن خالہ بجو اس طرح تو کوئی مکان چھوڑ کر نہیں جاتا...... مکان چھوڑنے کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور رہی ہو گی۔'' سارہ نے استفسار کیا۔

''ظاہر بات ہے بی بی۔'' خالہ بجو بولی۔

''ویسے ایک بات بڑی حیرت کی ہے۔'' سارہ نے کہا۔

''وہ کیا بی بی۔'' خالہ بجو نے سارہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''پروین باجی کے کہنے پر تم نے کسی کرائے دار کو اس گھر کی داستان نہیں سنائی لیکن آج تمہیں کیا ہوا کہ تم نے اس گھر کے بارے میں کچھ بھی چھپا کر نہیں رکھا، کیوں آخر؟''

''بی بی سچ بات بتا دوں۔'' خالہ بجو نے جیسے اجازت چاہی۔

''ہاں......خالہ سچ ہی کہنا۔'' سارہ چاہتی تھی حقیقت حال سامنے آئے۔

''بی بی تم مجھے بہت اچھی لگی ہو۔ اتنی پیاری ہو کہ جی چاہتا ہے بس تمہیں دیکھتی رہوں۔'' خالہ بجو کے لہجے میں بڑی اپنائیت تھی۔ ''پھر تم اس گھر میں اکیلی رہتی ہو۔ کرائے دار بھی نہیں ہو کہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤ گی۔ وہ منحوس بھی آج مجھے کافی دن کے بعد اوپر دیوار پر بیٹھا نظر آ گیا۔ میں نے سوچا کہ وہ انجانے میں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا دے، بہتر ہے کہ میں تمہیں اس کے بارے میں کچھ بتا دوں۔ پھر بات سے بات نکلتی گئی تو ہر وہ بات منہ پر آ گئی جو میں جانتی تھی۔ میں اپنے آپ کو روک نہ سکی۔''

''خالہ بجو۔ تم نے بہت اچھا کیا۔ تم نے بڑا زبردست کام کیا ہے۔ میں تمہاری بڑی شکر گزار ہوں۔ میں اب محتاط رہوں گی۔'' سارہ نے ممنونیت سے کہا۔

''ہاں بی بی......اپنا خیال رکھنا۔'' خالہ بجو اٹھتے ہوئے بولی۔ ''میں اب چلوں۔ کافی دیر ہو گئی۔ ملک صاحب کی بیوی میری جان کو رو رہی ہوں گی۔''

"ٹھیک خالہ..... تم جاؤ۔" سارہ بھی اٹھ گئی۔

"اگر کوئی بات ہوتو فوراً پروین بی بی کے گھر چلی جانا۔ وہ بہت اچھی بی بی ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" سارہ نے کہا اور خالہ بجو کے جانے کے بعد گیٹ بند کرلیا۔

اب اس پر یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی تھی کہ یہ تیس لاکھ کا مکان اسے دس لاکھ میں کیسے مل گیا تھا۔ یہ ایک آسیب زدہ مکان تھا۔ خالہ بجو نے اس مکان کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا اس سے ہر وہ بات واضح ہوکر سامنے آگئی تھی جو ابھی تک چھپی ہوئی تھی۔ خود اسے بھی گھر میں موجود اثرات کا رات تجربہ ہوگیا تھا۔ کچن میں آنتیں کھاتا ہوا گدھ اور بے پناہ سردی کا احساس اس بات کا پتہ دیتا تھا کہ یہاں کچھ ہے۔

صارم شام کو چھ سات بجے کے دوران گھر آجاتا تھا۔ کبھی کام ہوتا تو رات کے بارہ بھی بج جاتے۔

آج وہ چار بجے ہی گھر واپس آگیا تھا۔

سارہ اسی وقت سو کر اٹھی تھی۔ بیل بجی تو وہ یونہی بالوں کو سمیٹتی ہوئی گیٹ پر پہنچ گئی..... اور گیٹ کھولے بغیر پوچھا۔ "کون؟"

"میں ایک ڈاکو ہوں۔" گیٹ کے دوسری طرف سے صارم کی آواز آئی۔ "دروازہ کھولو۔ میں تمہیں لوٹنے آیا ہوں۔"

سارہ نے فوراً دروازہ کھول دیا اور ہنس کر بولی۔ "ڈاکو کے بچے..... اندر آ..... ابھی پولیس کو انفارم کرتی ہوں۔"

"یعنی ڈاکو کے بھائی گرہ کٹ کو کال کروگی بے وقوف۔" صارم گیٹ کے اندر داخل ہوا اور پھر اس نے پلٹ کر گیٹ بند کیا۔ "اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا۔"

"ہاں..... یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس طرح تو میں مزید مصیبت میں مبتلا ہوجاؤں گی۔" سارہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"ہائے نشیلی..... کیا سو رہی تھیں۔" صارم نے اس کی جادو بھری آنکھوں کو دیکھا۔

"ہاں..... لیکن تم نے کیسے اندازہ کیا۔" سارہ نے پوچھا۔

"تمہاری آنکھوں میں ابھی تک خمار ہے۔ پہلے ہی کیا کم نشیلی آنکھیں ہیں تمہاری، اوپر سے یہ خمار..... اللہ، اللہ۔" صارم کے لہجے میں بڑا پیار تھا۔

"کیا بات ہے..... خیر تو ہے۔" سارہ نے اسے ترچھی نظروں سے دیکھا۔

"کیوں..... کیا ہوا؟"

"بڑے خوش نظر آرہے ہو..... پھر آ بھی جلدی گئے ہو۔"

"اوئے..... میں تو ہر دم خوش رہنے والوں میں سے ہوں۔ تم نے مجھے کبھی دیو داس میرا مطلب ہے اداس دیکھا ہے۔"

صارم نے حسب معمول اپنا بیگ ڈائننگ ٹیبل پر رکھا اور ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"میں تمہیں اداس کیسے دیکھوں گی..... تمہیں اتنا خوش جو رکھتی ہوں۔"

"شاباش اے بھئی..... سارا کریڈٹ خود ہی سمیٹ لیا۔" صارم ہنسا۔

"آج میں نے ایک کریڈٹ اور سمیٹا ہے..... سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔"

"ایسا کیا ہوا۔" صارم نے پوچھا۔

"وہ بات جو تم نہ معلوم کرسکے، میں نے معلوم کرلی ہے۔"

"نہیں بھئی۔" صارم نے آنکھیں پھاڑ کر اسے مسخرے پن سے دیکھا۔ "آخر ایسی کیا بات معلوم کرلی تم نے۔"

"زبردست..... سپر۔" سارہ نے اس کا تجسس بڑھایا۔

"اب بتاؤ بھی۔" صارم الجھ گیا۔ "سپر کی بچی۔"

"نہیں..... پہلے آپ چینج کرلیں..... اتنی دیر میں چائے بنالیتی ہوں۔ پھر ملتے ہیں چھوٹے سے بریک کے بعد۔" یہ کہہ کر سارہ نے کچن کا رخ کیا۔

"تم ابھی سو کر اٹھی ہو۔ منہ ہاتھ تو دھولو۔ کیا باسی ہاتھوں سے چائے بناؤ گی۔" صارم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں..... جناب میں بھی فریش ہوں گی اور آپ کے واش روم سے نکلنے سے پہلے کچن میں پہنچ جاؤں گی۔" سارہ نے چھوٹے بیڈ روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ جب صارم کپڑے تبدیل کرکے اور منہ ہاتھ دھو کر ٹیبل پر آیا تو سارہ چائے دم دے چکی تھی۔

"لاؤ بھئی..... کہاں ہے چائے۔" صارم نے شور مچایا۔

"یہ لیجئے جناب۔" سارہ نے کچن سے نکل کر ٹرے ٹیبل پر رکھی اور کرسی پر بیٹھ کر کیتلی سے چائے نکالنے لگی۔

"چلو جی شروع ہوجاؤ۔ زبردست اور سپر..... یاد رکھنا اگر بات زبردست اور سپر نہ ہوئی تو تمہاری خیر نہیں..... تمہیں تل کر کھاؤں گا، خشک دریا کی مچھلی۔" صارم نے دھمکی دی۔

"ٹھیک ہے آدم خور کے پھوپھا۔" سارہ نے ہنس کر کہا۔ "اب سنو میری بات..... یہ گھر جس میں ہم رہتے ہیں اس مکان نے تین بندوں کی جان لے لی ہے۔" سارہ نے دھماکا کیا۔

"ہیں..... یہ کیا کہہ رہی ہو تم۔" صارم اس انکشاف پر پریشان ہوگیا۔

"سنتے جاؤ..... یہ مکان بننے سے پہلے یہاں ایک نیم کا درخت ہوتا تھا۔ بہت بڑا اور اس پر بے شمار گدھ رہتے تھے جب پلاٹ کے مالک نے مکان بنانے کے لئے اس درخت کو کٹوانا چاہا تو ان گدھوں نے طوفان اٹھا دیا۔" سارہ اتنا بتا کر خاموش ہوگئی۔

"یار خبریں تو بڑی دھما کا خیز ہیں......واقعی زبردست۔" صارم نے صدق دل سے اعتراف کیا۔

"یہ کچھ نہیں...... یہ تو ہیڈ لائن ہیں۔ ابھی سنتے جاؤ اور سر دھنتے جاؤ۔"

پھر سارہ نے جو کچھ خالہ سجو کی زبانی سنا تھا اسے پوری تفصیل کے ساتھ اس کے سامنے پیش کر دیا۔

صارم ساری باتیں سن کر سوچ میں ڈوب گیا۔ سارہ نے جو کچھ بتایا تھا وہ ایسا نہ تھا کہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیا جائے۔

"جی جناب۔" سارہ نے اسے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر معنی خیز لہجے میں کہا۔ "اب کیا کہتے ہیں بیچ اس مسئلے کے۔"

"میری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی۔" صارم نے سنجیدگی اختیار کی۔

"کیا۔" سارہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"ساجد صاحب کی فیملی کے بعد اس گھر میں کئی لوگ آئے اور چلے گئے، لیکن کسی نے جاتے ہوئے اس گھر کے بارے میں کچھ نہیں بتایا...... نہ پروین کو پڑوسی ہونے کے ناتے...... نہ پراپرٹی ڈیلر کو۔" صارم نے سوال اٹھایا۔

"میں اندازہ کر سکتی ہو...... ایسا کیوں ہوا؟ کیوں کسی نے اس مکان کے بارے میں بیان نہیں دیا۔" سارہ نے بڑی سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔ "صارم کل رات اس گھر میں جو ہوا، وہ تمہیں یاد ہے۔"

"ہاں...... یاد ہے بلکہ آج میں گھر جلدی آیا ہی اس وجہ سے تھا کہ کہیں پھر کوئی مسئلہ نہ کھڑا ہو گیا ہو۔" صارم نے کہا۔

"میں نے کچن میں ایک گدھ کو آنتیں کھاتے ہوئے دیکھا۔ اس سے پہلے اس گھر میں سردی کی لہر آ گئی تھی۔ سردی کی لہر اور کچن میں ہونے والے واقعہ کو اگر تم کسی کو بتاؤ گے تو اس کا ردعمل کیا ہوگا۔ وہ یقیناً تمہیں وہم کا مریض یا پاگل گردانے گا۔" سارہ نے وضاحت کی۔

"ہاں...... یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" صارم نے اعتراف کیا۔

"بس، اسی لئے کسی نے کچھ بتانے کی کوشش نہیں کی۔ خاموشی سے چلے گئے۔ اس گھر میں کچھ اور نہ ہو صرف اتنا ہی ہو کہ اچانک سردی کی لہر پورے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے لے، تو اچھے سے اچھے اعصاب کا مالک اس بات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے گا۔ آسیب زدہ مکانوں کی اتنی کہانیاں مشہور ہیں کہ کوئی بال بچوں والا شخص اس مکان میں رہ کر اپنی جان عذاب میں ڈالنے کو ہرگز تیار نہ ہوگا۔" سارہ نے کہا۔

"اس مکان کی اب پوری ہسٹری معلوم ہو گئی ہے۔ اب ہم کیا کریں گے؟" صارم نے رائے لی۔

"کچھ نہیں کریں گے...... اسی مکان میں آرام سے رہیں گے۔" سارہ نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"آرام سے رہتے ہوئے تو نظر نہیں آ رہے۔" صارم نے خدشہ ظاہر کیا۔

"اس گھر میں اچانک سردی کی لہر آ جائے گی تو کیا فرق پڑے گا۔ میں کمبل نکال لوں گی۔ آرام سے اوڑھ کر بیٹھ جائیں گے۔ سردی کے مزے لیں گے۔" سارہ نے یہ بات بڑے اعتماد سے کہنے کی کوشش کی، لیکن آخر میں اس کا لہجہ یقین سے عاری ہو گیا۔

"سارہ، مجھے تم پر فخر ہے۔ ایسی باہمت لڑکیاں آجکل کہاں ملتی ہیں۔ اگر تم ڈر جاتیں تو میرے لئے بڑا مسئلہ کھڑا ہو جاتا۔" صارم نے اسے توصیفی نظروں سے دیکھا۔

"صارم بے فکر رہو۔ ہم یہ گھر کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ ہم مالک مکان ہیں، کوئی کرائے دار نہیں ہیں کہ چولہا چکی اٹھا کر یہاں سے نکل جائیں گے۔" سارہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"واہ...... کیا بات ہے تمہاری۔" صارم نے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھا۔

"آؤ...... اوپر چلیں۔" سارہ نے کہا۔ "مجھے کپڑے اتارنے ہیں، سوکھ گئے ہوں گے۔"

"چلو۔" صارم فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔ "کیا وہ اوپر ہوگا؟"

"کہہ نہیں سکتی۔" سارہ نے کہا۔ "میں بس خالہ کے سامنے ہی اوپر گئی تھی۔"

"آؤ...... دیکھتے ہیں۔" صارم زینے کی طرف بڑھا۔

صارم اور سارہ ساتھ ساتھ اوپر پہنچے۔ وہ سامنے ہی بیٹھا تھا۔

وہ ایک جسیم گدھ تھا اور بالکل ساکت بیٹھا تھا۔ اس نے ان دونوں کی آمد کا کوئی نوٹس نہ لیا۔

صارم نے سارہ کو دروازے پر ہی رکنے کا اشارہ کیا اور خود آگے بڑھا۔

ابھی اس نے دو تین کپڑے ہی رسی سے اتارے تھے کہ ساکت گدھ میں اچانک حرکت ہوئی۔ اس نے تیزی سے گردن گھمائی اور دیوار سے اڑ کر چھت کے درمیان میں کھڑے صارم کی طرف انتہائی خوفناک انداز میں جھپٹا۔

گدھ کو اڑتے دیکھ کر سارہ کی جان نکل گئی۔

اور جب اس نے محسوس کیا کہ وہ صارم کی طرف جھپٹا ہے تو اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔ "صارم......"

صارم نے اس کی چیخ سن کر فوراً ہی فیصلہ کر لیا۔

اُس کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ وہ پلٹ کر سارہ کی طرف دیکھتا اور اُس سے چیخنے کی وجہ معلوم کرتا، اس کے پاس صرف دو تین سیکنڈ تھے، اب چند لمحوں میں اُسے فیصلہ کرنا تھا۔ سارہ کے چیختے ہی اُسے اندازہ ہو گیا کہ وہ گدھ دیوار سے اُڑ کر اُس کی طرف جھپٹا ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ سیدھا اُس کی آنکھوں پر حملہ کرے گا۔ لہٰذا اُس کے ہاتھ میں جو قمیص تھی، وہ اُس نے اپنے سر پر ڈالی اور فوراً ہی نیچے جھک گیا۔ اس نے اپنے سر پر پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سنی اور ایک تیز ہوا کا جھونکا محسوس کیا۔

سارہ زینے کے دروازے میں کھڑی تھی، وہ فوراً پیچھے ہٹ گئی۔ گدھ اڑتا ہوا زینے کی چھت سے

گزر گیا۔ اُس کے جاتے ہی سارہ دوڑ کر صارم کے نزدیک آئی۔ اُس نے جلدی جلدی رسی پر پڑے بقیہ کپڑے سمیٹے اور صارم سے مخاطب ہو کر بولی۔ ”صارم بھاگو...... کہیں وہ پلٹ کر نہ آجائے۔“

صارم نے اٹھ کر چاروں طرف نظر دوڑائی اور اُسے ساتھ لے کر دروازے کی طرف بڑھا۔ اُس نے زینے کا اوپر کا دروازہ بند کر دیا پھر لاؤنج میں داخل ہو کر نیچے کا دروازہ بھی باہر سے بند کر دیا۔ اب وہ گدھ زینے کے راستے گھر میں نہیں داخل ہو سکتا تھا۔

پھر وہ گدھ کئی دن تک نظر نہ آیا۔ سارہ نے ایک دو دن اوپر جانے میں احتیاط کی لیکن جب دیکھا کہ وہ دیوار پر نظر نہیں آرہا تو اس نے خالہ جو کو اوپر کپڑے ڈالنے بھیج دیا...... خالہ جو بھی ہمت والی عورت تھی، وہ احتیاط تو برتتی تھی لیکن اوپر جانے سے ڈرتی نہ تھی۔ سارہ کو اس سے بڑی تقویت تھی۔

ایک ہفتہ سکون سے گزر گیا۔ گھر میں سردی کی لہر آئی اور نہ کہیں وہ گدھ دکھائی دیا۔

سارہ اور صارم کے ذہن سے یہ واقعات محو ہونے لگے، وہ گدھ کو بھولنے لگے۔

تب اُس شام وہ پھر نمودار ہوا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ لوگ اُسے بھول جائیں۔

سارہ اوپر والے بیڈروم میں لیٹی ایک رسالہ پڑھ رہی تھی کہ اُس نے باہر پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سنی۔ اُس نے فوراً کھڑکی سے باہر دیوار کی طرف دیکھا۔ اُس نے وہاں گدھ کو موجود پایا، وہ ابھی آکر ہی بیٹھا تھا۔ سارہ تیزی سے اُٹھی، اُس نے بیڈروم کا دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی چڑھا لی اور کھڑکی کا پردہ برابر کر دیا۔ پھر اُس نے بہت محتاط انداز سے کھڑکی کا ایک انچ پردہ ہٹا کر شیشے سے باہر کی طرف دیکھا۔

وہ دیوار پر بیٹھا تھا اور اپنی لمبی گردن اونچی کیے اپنے سر کو تیزی سے جنبش دے رہا تھا۔ اتنے میں ایک اور گدھ اُس کے برابر آ بیٹھا...... پھر تو جیسے تانتا بندھ گیا۔ ایک کے بعد ایک گدھ پرواز کر کے آتا گیا اور دیوار پر بیٹھتا گیا۔

دو چار منٹ میں ہی چھت کی دیوار جہاں تک سارہ دیکھ سکتی تھی، گدھوں سے ڈھکی نظر آنے لگی۔ پھر جب دیواروں پر بیٹھنے کی جگہ نہ رہی تو وہ گدھ چھت کے فرش پر آ آ کر بیٹھنے لگے۔

اتنے سارے گدھ دیکھ کر سارہ کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ اگر چہ وہ اس کمرے میں محفوظ تھی، پھر بھی اُس پر گھبراہٹ طاری ہوگئی تھی۔ وہ اوپر تھی اور اس کمرے میں اکیلی تھی۔ اس کمرے میں کیا پورے گھر میں اس کے علاوہ کوئی نہ تھا اور گدھوں کی تعداد لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہی جاتی تھی۔ اب چھت کے فرش پر تل دھرنے کی جگہ نہ رہی تھی۔ اس قدر گدھ اکٹھے ہو گئے تھے وہاں۔

اس بیڈروم میں تین طرف کھڑکیاں تھیں۔ اگر کھڑکیوں سے پردے ہٹا دیے جاتے تو ایک طرف سے اس گھر کی چھت نظر آتی۔ پچھلی کھڑکی سے گھر کا نچلا حصہ مع مین گیٹ اور دائیں جانب کی کھڑکی سے پروین باجی کا گھر نظر آتا تھا۔ اس بیڈروم کا دروازہ چھت کی جانب کھلتا تھا۔ چھت پر نکل کر پھر زینے کے دروازے میں داخل ہو کر نیچے جایا جا سکتا تھا۔

سارہ دروازہ نہیں کھول سکتی تھی۔ دروازے کے سامنے بھی گدھ موجود تھے۔ یہ گدھ کچھ اس انداز سے ایک دوسرے میں گھسے بیٹھے تھے کہ چھت کا فرش بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

وہ گدھ سامنے کی دیوار پر اپنی جگہ موجود تھا۔ وہ ان سب گدھوں میں نمایاں تھا۔ وہ سارے گدھوں سے موٹا تازہ تھا۔ پھر اس کے پنجوں کا رنگ یکسر مختلف تھا۔ اُس کے پنجے بالکل سرخ تھے جبکہ دوسرے گدھوں کے پنجے خاکستری تھے۔ دیوار پر اگر چہ دوسرے گدھ بھی موجود تھے لیکن وہ اس سُرخ پنجوں والے گدھ سے ذرا فاصلہ چھوڑ کر بیٹھے تھے۔ اس طرح وہ سُرخ پنجوں والا گدھ خود بخود نمایاں ہو گیا تھا۔ یوں لگتا جیسے وہ گدھ ان سب کا سردار ہو۔

اچانک اس سُرخ پنجوں والے گدھ نے بیٹھے بیٹھے پر پھڑ پھڑائے اور پھر ساکت ہو کر بیٹھ گیا۔

اس کے پر پھڑ پھڑاتے ہی سارے گدھ ساکن ہو گئے۔ جو ادھر اُدھر اڑ رہے تھے وہ بھی ایک جگہ جم کر بیٹھ گئے۔

سارہ نے ایسا منظر کہیں اور کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے جسم میں خوف کی لہریں اُٹھ رہی تھیں۔ دل کی دھڑکنیں بڑھ رہی تھیں۔ جانے یہ گدھ اس قدر تعداد میں کیوں اکٹھا ہوئے تھے۔ وہ کیا چاہتے تھے؟...... اُسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ گدھ اس کی کمرے میں موجودگی سے واقف تھے یا نہیں۔ ویسے ابھی تک اس طرح کے آثار نہیں نظر آئے تھے جس سے سارہ کو یہ اندازہ ہوتا کہ وہ اس کی موجودگی سے واقف ہیں۔ اُسے یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ آئندہ کس قسم کی کارروائی کرنے والے ہیں۔

سارہ اس وقت بری طرح خوفزدہ تھی۔ وہ اکیلی کمرے میں بند ہو کر رہ گئی تھی۔ گھر میں کوئی نہ تھا۔ وہ کسی کو مدد کے لئے پکار بھی نہیں سکتی تھی، اگر کسی کو پکارتی بھی تو کوئی اندر نہیں آسکتا تھا کیونکہ گھر اندر سے بند تھا۔ اسکی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ کس طرح اس کمرے سے نکل کر نیچے پہنچے؟

ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ کیا لائحہ عمل اختیار کرے کہ یکدم اندھیرے میں جگنو چمکا، باہر گاڑی کے ہارن کی آواز آئی۔ اُدھر کا پردہ ہٹا ہوا تھا، اس نے صارم کو دیکھا تو اُس کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ وہ گاڑی مین گیٹ کے نزدیک، دیوار کیساتھ پارک کر رہا تھا۔

گاڑی کھڑی کر کے وہ مین گیٹ کی طرف بڑھا اور ابھی کال بیل کے بٹن پر ہاتھ رکھنے ہی والا تھا کہ اچانک اُس کی نظر اوپر کے کمرے پر پڑی۔ کمرے کا پردہ ہٹا ہوا تھا اور سامنے سارہ کھڑی تھی...... وہ اُسے پریشان دکھائی دی۔ صارم نے بیل کے بٹن سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا اور ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کیا ہوا؟

جواب میں سارہ نے اپنے بازو پھیلا کر پرندہ بن کر دکھایا اور چھت کی طرف اشارہ کیا۔

صارم کی سمجھ میں فوراً یہ بات آگئی کہ چھت پر گدھ موجود ہے اور سارہ اُس کی وجہ سے اوپر بیڈروم میں بند ہو کر رہ گئی ہے۔ وہ سارہ کے اشارے سے اندازہ نہیں لگا سکا کہ چھت پر ایک گدھ نہیں بلکہ پوری بارات موجود ہے۔

صارم نے اُسے اشارے سے تسلی دی کہ وہ گھبرائے نہیں، میں اندر آرہا ہوں..... تب صارم گیٹ پر چڑھ کر اندر کودا اور اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا بیڈروم کی دیوار کے نیچے آکر بولا۔ ''ہاں کیا ہوا؟''

سارہ نے شیشے کی کھڑکی کھسکا کر، منہ کے اِدھر اُدھر ہاتھ رکھ کر بہت آہستہ سے کہا۔ ''صارم چھت پر بے شار گدھ ہیں۔''

''اچھا، تم ڈرو مت..... میں اوپر آتا ہوں'' صارم نے کہا۔

''نہیں صارم تم اوپر مت آنا۔ یہ کہیں تمہیں زخمی نہ کر دیں۔'' سارہ پریشان ہوئی۔

''ارے کچھ نہیں ہوتا۔'' صارم ہمیشہ کا نڈر تھا۔

''نہیں صارم پلیز..... تم گھر میں جا کر زینے کا نیچے والا دروازہ اندر سے بند رکھو۔ دیکھو گھر میں احتیاط سے داخل ہونا..... ہوسکتا ہے یہ گدھ سیڑھیوں کے دروازوں سے اندر لاؤنج میں پہنچ گئے ہوں کیونکہ زینے کے دونوں دروازے کھلے ہیں۔''

''اچھا..... تم پریشان مت ہو۔ میں دیکھتا ہوں۔'' صارم نے اُس کی ہمت بندھائی۔ ''تمہارے کمرے کا دروازہ تو اندر سے بند ہے نا۔''

''ہاں..... میں بالکل محفوظ ہوں۔ بس اکیلے ہونے کی وجہ سے ڈر رہی تھی۔ اب تم آگئے ہو اب کوئی فکر نہیں۔ تم ذرا احتیاط سے گھر میں جانا۔ لاؤنج والا دروازہ تو اندر سے بند ہے۔ تم ڈرائنگ روم والے دروازے سے اندر داخل ہونا۔'' سارہ نے اُسے سمجھایا اور اس بات کی پوری کوشش کی کہ اس کی آواز بلند نہ ہو۔

''ٹھیک ہے۔ میں اندر جا کر صورت حال دیکھتا ہوں۔'' صارم نے کہا۔

اُس دیوار کے نیچے جہاں وہ کھڑا تھا، سامنے دروازہ تھا۔ اُس نے ہینڈل پر دباؤ ڈال کر دروازے کو دھکا دیا، دروازہ کھل گیا۔ اُس نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا، اندر کچھ نہ تھا۔ اُس نے اندر داخل ہو کر راہداری کراس کی اور پھر ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر دیکھا، وہاں بھی امن تھا۔ پھر اُس نے ڈرائنگ روم کا دوسرا دروازہ کھولا جو لاؤنج میں کھلتا تھا، لاؤنج بھی خالی پڑا تھا۔ وہ آگے بڑھا۔ زینے کا وہ دروازہ جو لاؤنج میں تھا چوپٹ کھلا ہوا تھا۔ اُس نے دروازے کے نزدیک پہنچ کر سیڑھیوں کو دیکھا۔ سیڑھیاں خالی پڑی تھیں۔ آٹھ دس سیڑھیوں کے بعد زینہ بائیں جانب مڑ جاتا تھا۔

اللہ کا نام لے کر صارم محتاط انداز میں سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ آخری سیڑھی پر پہنچا تو اُسے اوپر والی سیڑھیاں بھی خالی نظر آئیں۔ اُس نے اللہ کا شکر ادا کیا، دس بارہ سیڑھیوں کے بعد زینہ پھر بائیں جانب ٹرن ہوتا تھا اور پھر فوراً ہی دروازہ آجاتا تھا۔ اب صارم ایک ایک سیڑھی بہت محتاط انداز میں چڑھنے لگا۔ وہ پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا تھا۔ چھ سات سیڑھیاں چڑھنے کے بعد وہ اس مقام پر پہنچ گیا تھا کہ ذرا سا سر اٹھا کر اور گردن کو خم دے کر چھت کا نظارہ کرسکتا تھا۔

اُس نے بہت احتیاط سے چھت کی طرف دیکھا اور پھر فوراً ہی سر نیچے کر لیا۔ چند لمحوں میں ہی

اُسے وہ کچھ نظر آگیا جس کی توقع نہ تھی۔ بے شمار گدھ تھے جو دور تک بیٹھے نظر آرہے تھے۔ دروازے کے نزدیک جو گدھ تھے ان کی دُمیں دروازے کی طرف تھیں اور چونچیں سامنے دیوار کی طرف..... صارم نے سوچا کیا کرے؟

فی الحال تو اتنا ہی ہوسکتا تھا کہ وہ تیزی سے دو چار سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچے اور اس سے پہلے کہ گدھ اس کی طرف مڑ کر دیکھیں وہ بجلی کی سی تیزی سے دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی چڑھا دے۔

یہ کام اگرچہ چند لمحوں کا تھا لیکن آسان نہ تھا۔ دروازہ بند کرنے کے دوران کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ بہر حال رسک تو لینا ہی تھا، ورنہ وہ گدھ سیڑھی کا رُخ کر کے اُسے نقصان پہنچا سکتے تھے۔ سارہ کمرے میں بند تھی لیکن وہ محفوظ تھی۔

دروازہ بند کرنے کا فیصلہ کرتے ہی صارم آندھی طوفان کی طرح بڑھا۔ اس نے بہت زور سے دروازہ بند کیا..... ایک زوردار دھماکا ہوا۔ یوں لگا جیسے کوئی بلاسٹ ہوا ہو۔ دروازہ اتنی زور سے بند ہوگا اسے اندازہ نہ تھا۔ اس سے پہلے دروازہ چوکھٹ سے ٹکرا کر واپس کھلتا، صارم نے اسے زور سے دھکا دیا۔ چھوٹا سا ایک دھماکا اور ہوا۔ اس نے جلدی سے دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا۔

دروازہ بند ہونے کے دھماکے سے گدھوں میں ہلچل مچ گئی۔ وہ بھرا مار کر اڑے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان سے پوری چھت خالی ہوگئی، وہاں ایک بھی گدھ نہ رہا۔

سارہ سے بات کر کے جب صارم اندر گھر میں داخل ہوگیا تو سارہ فکرمند ہوگئی۔ اُسے باہر کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا کہ گدھ کہاں تک بسیرا کئے ہوئے ہیں۔ اُسے صارم کی فکر تھی اور یہ ڈر بھی تھا کہ نہ جانے وہ کیا کرے گا۔ کہیں گدھ اس پر حملہ نہ کر دیں۔

ابھی وہ ان الجھنوں میں گم تھی کہ اچانک ایک دھماکا ہوا۔ اُسے لگا جیسے کسی نے فائر کیا ہو۔ دھماکے کی آواز کے ساتھ ہی گدھ اُڑنے لگے۔ پروں کی تیز پھڑ پھڑاہٹ اور اُڑان بھرتے گدھوں کا عجب نظارہ..... سارہ نے انہیں اتنی تیزی سے غائب ہوتے دیکھا کہ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔ وہ گدھ جیسے فضا میں تحلیل ہو رہے تھے۔ بس چند لمحوں کی بات تھی، چند لمحوں میں وہاں کچھ نہ رہا۔ چھت ایک دم صاف ہوگئی۔ دیوار بھی خالی ہوگئی۔

سارہ نے دیوار اور چھت خالی دیکھ کر کھڑکی کا پردہ ہٹا دیا۔ اب اُسے پوری چھت صاف نظر آرہی تھی۔ میدان صاف دیکھ کر سارہ بیڈروم کا دروازہ کھولنے والی تھی کہ اُسے نیچے سے صارم کی آواز سنائی دی۔

''سارہ.....'' وہ اُسے پکار رہا تھا۔

سارہ دروازہ چھوڑ کر مین گیٹ والی کھڑکی کی طرف دوڑ کر آئی۔ اُسے نیچے صارم کھڑا نظر آیا۔ سارہ کو دیکھ کر اُس نے کہا۔ ''سارہ میں نے زینے کے دونوں دروازے بند کر دیے ہیں۔ یار چھت پر تو بے شار گدھ بیٹھے ہیں۔''

"بیٹھے تھے، سب اُڑ گئے۔ ابھی شاید کسی نے فائر کیا تھا۔" سارہ نے بتایا۔

"اوئے۔ کسی نے فائر نہیں کیا۔ وہ دروازے کی آواز تھی۔ گھبراہٹ میں مجھ سے دروازہ زور سے بند ہو گیا۔" صارم نے تردید کی۔

"ہیں...... یہ تو بہت اچھا ہوا شاید اس غیر متوقع دھماکے سے ہی سارے گدھ اُڑ گئے اب تم جلدی سے زینے کا دروازہ کھولو تا کہ میں نیچے آؤں۔" سارہ کے لہجے میں خوشی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر صارم گھر میں داخل ہو گیا۔

صارم نے جب زینے کا اوپر کا دروازہ کھولا تو سارہ بیڈروم کا دروازہ کھول کر باہر آ چکی تھی، وہ سامنے کھڑی تھی۔

دونوں نے بیک وقت ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا۔

"سارہ تم ٹھیک ہو۔" صارم نے پوچھا۔

"او، یس...... میں بالکل بھلی چنگی ہوں۔" اُس نے صارم کو راستہ دیتے ہوئے کہا۔

صارم نے چھت پر آ کر چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ اُسے دور تک کوئی گدھ نظر نہ آیا۔

"سارہ...... یہ اتنے سارے گدھ کہاں سے آ گئے۔" صارم نے استفسار کیا۔

"بس کیا بتاؤں صارم۔" سارہ نے اوپر کے بیڈروم کا دروازہ باہر سے لاک کیا۔ پھر زینے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "آؤ...... نیچے چل کر بات کریں گے۔"

نیچے آ کر سارہ نے اوپر کا دروازہ اندر سے بند کر دیا اور پھر وہ بیڈروم میں آ کر اطمینان سے بیڈ پر لیٹ گئی اور صارم کو گدھ کی کہانی سنانے لگی۔

"یہ تو اتفاق ہے کہ میرے ہاتھ سے اوپر کا دروازہ ایک دھماکے کی صورت میں بند ہوا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کیا یہ گدھ چھت پر ڈیرا جمائے رہتے؟" صارم نے ساری روداد سن کر اظہار خیال کیا۔

"پتہ نہیں صارم...... ویسے انہیں دیکھ دیکھ کر میری جان نکل رہی تھی۔" سارہ نے جھرجھری لی۔

"نکلی تو نہیں۔" صارم نے پوچھا۔

"نہیں......" وہ بولی۔

"اب تمہاری جان کہاں ہے؟" صارم نے اُسے شوخ نظروں سے دیکھا۔

"یہ سامنے کھڑی ہے۔" سارہ نے اپنی خوبصورت انگلی سے صارم کی طرف اشارہ کیا۔ "اپنی جان کو دیکھ کر ہی تو میری جان میں جان آئی۔"

سارہ کے اس جواب پر وہ مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔

تین چار دن پھر آرام سے گزر گئے۔ رات یا دن میں کسی قسم کا کوئی واقعہ پیش نہ آیا...... یہ چوتھے یا پانچویں دن کی بات ہے کہ سارہ پچھلے گیٹ کی جانب پودوں کو پانی دے رہی تھی کہ ایک دم اُسے اپنے سر پر ہوا کا تیز جھونکا محسوس ہوا۔ جیسے کوئی بڑا پرندہ اُس کے سر پر سے گزرا ہو۔ وہ غیر ارادی طور پر نیچے

جھک گئی۔ پھر اُس نے سر اوپر اُٹھا کر دیکھا۔ اُسے کوئی چیز نظر نہ آئی۔ وہ پھر اپنے کام میں لگ گئی۔

پانچ منٹ کے بعد پھر اُسے اپنے سر کے اوپر سے کسی پرندے کے گزرنے کا احساس ہوا، ہوا کا تیز جھونکا محسوس ہوتے ہی وہ پھر جھک گئی۔ باوجود کوشش کے وہ کسی چیز کو اپنے اوپر اُڑتے ہوئے نہ دیکھ سکی۔

اب اُس کے دل میں کچھ خوف سا اُترا۔ وہ کام چھوڑ کر گھر میں آ گئی۔ وہ حسب معمول تنہا تھی۔ اُس نے گھر کا دروازہ اندر سے لاک کر لیا۔ پھر اُس کے قدم خود بخود زینے کی طرف بڑھے۔ وہ اوپر جانا نہیں چاہتی تھی، لیکن کوئی نادیدہ قوت اسے اوپر کی جانب دھکیل رہی تھی، کھینچ رہی تھی۔

وہ بے اختیار سیڑھیاں چڑھتی ہوئی چھت پر پہنچ گئی۔ وہ سامنے ہی، اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھا تھا۔ سُرخ پنجوں والا جسیم گدھ۔

گدھ کو دیکھ کر وہ ٹھٹک کر دروازے پر ہی رک گئی...... اُس گدھ نے گردن موڑ کر ایک خاص انداز سے سارہ کو دیکھا۔ اُس کے دیکھتے ہی سارہ کے جسم میں کپکپی دوڑ گئی۔

وہ پلٹ کر واپس جانا چاہتی تھی کہ اس سرخ پنجوں والے گدھ نے اڑان بھری۔ ایک لمحے کے لئے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی پھیل گئی۔ آگے جانے کیا ہونے والا تھا۔

اس کے پاس اب پلٹ کر بھاگنے کا وقت نہ تھا۔ وہ اس کے حملے سے بچنے کے لئے فوراً ہی نیچے بیٹھ گئی اور اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا...... لیکن وہ گدھ اس کی طرف نہ آیا۔ وہ دیوار سے اُڑ کر مخالف سمت نکل گیا۔

چند لمحے انتظار کے بعد سارہ نے سر اوپر اٹھایا، وہ گدھ جا چکا تھا۔

سارہ فوراً اٹھ کر سیڑھیوں کی طرف لپکی۔ اس نے پلٹ کر دروازہ بند کیا اور دھڑ دھڑ سیڑھیاں اترتی ہوئی لاؤنج میں پہنچ گئی۔ اس نے نیچے والا دروازہ بھی بند کر دیا اور پھولی سانسوں کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گئی اور اپنی سانسوں کو استوار کرنے لگی۔

☆......☆......☆

ایک صبح وہ صارم کے ساتھ ناشتہ کر رہی تھی۔ وہ چائے لے کر کچن سے نکلی اور ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھی۔ اس کے ہاتھ میں چائے کی کیتلی تھی۔

اچانک وہ جھک گئی۔ اُس کی آنکھوں میں خوف اُتر آیا۔

صارم کرسی سے اٹھ کر اس کی طرف لپکا۔ "کیا ہوا؟"

"ابھی میرے سر سے کوئی چیز گزری ہے۔" وہ لرز رہی تھی۔

"لیکن میں نے تو تمہارے سر پر کوئی چیز نہیں دیکھی۔" صارم نے اس کے ہاتھ سے کیتلی لیتے ہوئے کہا۔ "البتہ میں نے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا ضرور محسوس کیا۔"

"صارم وہ اوپر آ گیا ہے۔" سارہ نے زینے کے بند دروازے کی طرف دیکھا۔

''کون......اوپر آ گیا ہے؟'' صارم اس کا اشارہ فوری طور پر نہیں سمجھ سکا۔

''وہی منحوس گدھ۔'' سارہ نے بتایا۔

''اچھا...... میں اوپر جا کر دیکھتا ہوں۔'' صارم نے خیال ظاہر کیا۔

''صارم چھت پر مت جانا......بس دروازے سے ہی جھانک کر دیکھ لینا...... وہ سامنے ہی بیٹھا ہوگا۔'' سارہ نے تنبیہ کی۔

صارم نے اوپر پہنچ کر تھوڑا سا دروازہ کھولا۔ وہ سامنے ہی بیٹھا تھا۔ صارم فوراً اندر سے دروازہ بند کر کے نیچے آ گیا۔ تصدیق ہو گئی تھی...... وہ سچ مچ چھت پر موجود تھا۔

''تم سچ کہہ رہی تھیں...... وہ واقعی دیوار پر بیٹھا ہے''۔ صارم کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''لیکن تمہیں اس کے آنے کا کیسے اندازہ ہوا؟''

''صارم وہ ابھی میرے سر کے اوپر سے گزرا ہے۔'' سارہ نے کہا۔

''یہ جو ابھی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا تھا۔'' صارم نے تصدیق چاہی۔

''ہاں...... وہ جب بھی میرے سر سے گزرتا ہے تو اچانک تیز ٹھنڈی ہوا محسوس ہوتی ہے۔''

''او یار...... یہ کیا مصیبت ہمارے گلے پڑ گئی۔'' صارم نے بیزاری سے کہا۔

''چلو دفع کرو...... تم ناشتہ کرو...... ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' سارہ نے اس کا دھیان بٹایا۔

''یار...... اس طرح کام نہیں چلے گا۔ اس سلسلے میں کسی سے بات کرنا پڑے گی۔'' صارم کی سوئی ابھی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''جبار بھائی سے بات کر کے دیکھیں۔'' سارہ نے تجویز پیش کی۔

''ہاں...... اسی سے کروں گا...... مجھے اس کے دفتر جانا پڑے گا۔'' صارم بولا۔

''تو چلے جانا۔'' سارہ نے کہا۔

''چلو...... وہ تو میں دیکھ لوں گا۔ اب تمہیں اکیلا کس طرح چھوڑ کر جاؤں۔'' صارم متذبذب تھا۔

''کیوں مجھے کیا ہوا؟'' سارہ نے حیران ہو کر پوچھا جیسے کچھ نہ ہوا ہو۔

''وہ منحوس اوپر بیٹھا ہے...... تم اکیلے گھر میں ڈرو گی نہیں؟'' صارم نے پوچھا۔

''خالہ سجو آنے والی ہوں گی...... میں اکیلی کہاں ہوں گی۔'' سارہ نے بتایا۔

''خالہ سجو...... کوئی سارا دن تو گھر میں نہیں بیٹھی رہے گی۔'' صارم بولا۔

''تو چلی جائے۔'' سارہ نے پُر اعتماد انداز میں کہا۔ ''اگر اس طرح میں ڈرنے لگی تو پھر تو ہو گیا گزارہ۔ یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے، خدانخواستہ اگر کوئی خاص پریشانی والی بات ہوئی تو پروین باجی کے پاس چلی جاؤں گی یا انہیں فون کر کے اپنے پاس بلا لوں گی۔ تم پورے اطمینان سے اپنے دفتر جاؤ...... میں یہاں کے مسائل سے خود نمٹ لوں گی۔ تمہارے گھر پر رہنے سے تو یہ مسئلہ حل نہیں

ہوگا۔'' سارہ نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''اچھا...... میری بہادر بیوی، میں چلتا ہوں۔'' صارم اٹھ کر دفتر جانے کی تیاری کرنے لگا۔

☆......☆......☆

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد وہ رسالہ لے کر بیڈ پر لیٹ گئی۔ خالہ سجو گھر کا کام نمٹا کر جا چکی تھی۔ سارہ نے اُسے اوپر جانے سے منع کر دیا تھا۔ کپڑے سکھانے کے لئے اُس نے باہر دیوار کے ساتھ ایک ڈوری باندھ لی تھی، اس طرح اوپر جانے کی ضرورت نہیں رہی تھی...... سارہ نے اُس دن کے واقعہ کے بعد اوپر بیڈروم میں لیٹنا بھی چھوڑ دیا تھا۔

رسالہ پڑھتے پڑھتے اُسے نیند آنے لگی تو وہ رسالہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر سیدھی ہو کر لیٹ گئی۔ دو تین منٹ بعد ہی اُس کی آنکھیں بوجھل ہونے لگیں، وہ فوراً ہی نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

ابھی اُسے سوئے ہوئے آدھا گھنٹہ ہوا ہوگا کہ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اُس نے خوفزدہ نظروں سے کمرے میں چاروں طرف دیکھا...... وہاں کوئی نہ تھا۔

پھر اُس نے اپنے سینے کی طرف دیکھا۔ قمیص اس کی صحیح سلامت تھی، جسم پر کوئی زخم بھی نہ تھا۔ اُس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا...... تو یہ محض ایک خواب تھا، اُس نے سوچا۔

اُس نے دیکھا کہ وہ سرخ پنجوں والا گدھ اڑتا ہوا اُس کے سینے پر آ بیٹھا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کے ساتھ اُسے اپنے سینے میں چبھن کا احساس ہوا، جیسے اس گدھ نے اپنے پنجے گاڑ دیے ہوں...... اس ہیبت ناک خواب نے اس کے ہوش اڑا دیئے۔

وہ بیٹھ کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ کیا واقعی یہ محض ایک خواب تھا، لیکن اس کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ محض خواب نہیں تھا، اس میں کچھ حقیقت بھی تھی۔

سانس بحال ہوئی تو اس نے فریج سے پانی کی ٹھنڈی بوتل نکال کر ایک گلاس پانی پیا۔ پانی پی کر اُسے بڑا سکون ملا، وہ بوتل فریج میں رکھنے کے ارادے سے اُٹھی...... لیکن اُس نے بوتل اٹھائی اور نہ وہ فریج کی طرف بڑھی۔

اُسے ہوش آیا تو وہ زینے کے دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ یہاں کیوں آئی، کیسے پہنچی، اُسے بالکل اندازہ نہ تھا، بس ایک خواہش اس پر حاوی تھی کہ وہ کسی طرح چھت پر پہنچ جائے۔ کوئی اُسے اوپر جانے سے روک بھی رہا تھا...... لیکن روکنے والے سے اوپر بلانے والا زیادہ طاقتور تھا۔ وہ کسی معمول کی طرح ایک غیر مرئی نقطے پر آنکھیں جمائے اوپر چڑھتی جا رہی تھی۔

جب وہ اوپر پہنچی تو اُس نے دیکھا کہ وہ چھت کی دیوار پر سامنے ہی بیٹھا ہے۔

سارہ کو دیکھتے ہی اُس نے بیٹھے بیٹھے بڑے زور سے اپنے پَر پھڑپھڑائے۔ ان پروں سے پھٹ پھٹ کی زوردار آواز نکلی۔

تب اچانک ہی جیسے وہ ہوش میں آ گئی۔ وہ تیزی سے پلٹی۔ دروازے کے نزدیک ہی تھی۔

دروازے میں داخل ہوتے ہی اُس نے بڑی پھرتی سے دروازہ بند کر دیا۔

اُسی وقت پروں کے پھڑ پھڑانے کی آواز آئی۔ وہ سرخ پنجوں والا گدھ سامنے دیوار سے اڑ گیا تھا۔

سارہ بہت تیزی سے سیڑھیاں اترتی ہوئی لاؤنج میں آ گئی۔ وہ لاؤنج میں کھلنے والا دروازہ اندر سے بند کرنا نہ بھولی۔

ڈائننگ ٹیبل پر فریج سے نکالی ہوئی ٹھنڈی بوتل اور گلاس یوں ہی رکھے تھے۔

اُس نے کرسی پر بیٹھ کر بوتل سے پانی نکالا اور گلاس اپنے نازک لبوں سے لگا کر گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔ وہ گہری سوچ میں تھی۔

اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ منحوس گدھ آخر چاہتا کیا ہے۔ یہ بات تو اُس کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ جب وہ اپنے سر پر ٹھنڈی ہوا کا تیز جھونکا محسوس کرتی تو وہ منحوس گدھ چھت پر موجود ہوتا۔ وہ اپنے اوپر آنے کی اطلاع نادیدہ انداز سے سر پر گزرنے کے ذریعے دیتا اور جب وہ اوپر آ جاتا تو وہ سارہ کو اپنی گرفت میں لے کر چھت پر آنے پر مجبور کر دیتا۔ جب وہ چھت پر پہنچ جاتی تو وہ گردن موڑ کر ایک خاص انداز سے اُسے دیکھتا اور دیوار سے اُڑ جاتا۔ ابھی تک اُس نے اس پر حملہ نہیں کیا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اُس کی دید کا مشتاق ہو۔ بس اُسے ایک نظر دیکھنے آتا ہو اور دیکھ کر اُڑ جاتا ہو۔

آج وہ اُسے خواب میں نظر آیا۔ وہ پَر پھڑ پھڑاتا ہوا اُس کے سینے پر بیٹھا اور اُس کے پنجوں کے تیز اور نوکیلے ناخن اُس کے جسم میں چبھے...... بظاہر یہ اُس نے خواب میں دیکھا لیکن سارہ کا ذہن جانے کیوں یہ باور کرنے پر راضی نہ تھا کہ یہ محض ایک خواب تھا...... جانے وہ کیا چیز تھی جو اُسے باور کرا رہی تھی کہ یہ محض ایک خواب نہ تھا۔ اگرچہ اُس نے یہ سب کچھ خواب میں دیکھا تھا لیکن کیفیت حقیقت کے بہت قریب تھی۔

یہ خواب تھا یا حقیقت...... محض اس کا وہم تھا یا یقین...... اس سے قطع نظر جو کچھ تھا، اُس کی پریشانی کا باعث بن رہا تھا۔ وہ الجھتی جا رہی تھی۔ اگرچہ وہ ایک نڈر لڑکی تھی لیکن وقتی طور پر خوفزدہ ہو جاتی تھی...... اور یہ فطری بات تھی۔

وہ کافی دیر تک اس مسئلے کے بارے میں غور کرتی رہی...... لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی۔ اس مکان کا ایک خاص پس منظر تھا۔ اُس نے اس طرح کے واقعات مختلف لوگوں سے کافی سنے تھے، لیکن ذاتی طور پر کبھی ان چیزوں سے واسطہ نہ پڑا تھا۔ اس مکان میں رہتے ہوئے اُسے نت نئے واقعات سے واسطہ پڑ رہا تھا...... اور وہ روز بروز الجھتی جا رہی تھی۔

سلسلہ تھا کہ رُکنے کا نام نہ لیتا تھا، بڑھتا ہی جاتا تھا۔

چند دن پھر سکون رہا۔ زندگی نارمل انداز میں گزرتی رہی۔

پھر وہ رات آئی...... پرفسوں رات...... رات کی گرہیں کسی حسینہ کی ریشمی زلفوں کی طرح خود بخود

کھلتی جاتی تھیں۔ ہر سو گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ سناٹا ایسا کہ ہوا کی سرسراہٹ بھی سنی جا سکتی تھی۔

وہ اچانک اڑان بھرتا، اندھیرے کی چادر چیرتا نمودار ہوا...... اور بہت آہستگی سے چھت کی دیوار پر اُتر گیا۔

اِدھر وہ چھت پر اُترا۔ اُدھر چھت کے نیچے گہری نیند سوئی سارہ خوفزدہ ہو کر جاگ اُٹھی۔ کمرے میں تاریکی کا راج تھا، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ سارہ نے گھبرا کر اپنے دائیں جانب ہاتھ بڑھایا۔ اس کے ہاتھ نے کسی کے وجود کو محسوس کیا اور وہ بے اختیار اس وجود سے لپٹ گئی اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

''کیا ہوا؟'' اس وجود میں حرکت ہوئی۔

''لائٹ جلاؤ۔'' سارہ نے سرگوشی کی۔

''لائٹ کس نے بند کی۔'' صارم نے پوچھا۔

''معلوم نہیں۔'' سارہ نے آہستہ سے کہا۔

''کہیں بجلی تو نہیں چلی گئی۔'' صارم نے خیال ظاہر کیا۔

''پتہ نہیں...... لائٹ آن کر کے دیکھو۔'' سارہ بولی۔

اُس نے اٹھ کر لائٹ کھولی تو زیرو واٹ کا نیلگوں بلب فوراً روشن ہو گیا۔

بلب جلتے ہی سارہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور عجیب نظروں سے صارم کو دیکھنے لگی۔ سارہ کی نظروں میں جانے ایسی کیا بات تھی کہ ایک لمحے کو صارم کا دل لرز اُٹھا۔ اُس نے جلدی سے سائیڈ ٹیبل سے پانی بھرا جگ اٹھایا اور سارہ کے ہاتھ میں دیتا ہوا بولا۔ ''تم نے کوئی خواب دیکھا ہے کیا؟''

''نہیں۔'' سارہ نے اپنے ہاتھ میں گلاس لیتے ہوئے کہا۔ اُس نے آدھا گلاس پانی جلدی جلدی پیا اور گلاس اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے سہمے ہوئے لہجے میں گویا ہوئی۔ ''وہ آ گیا ہے۔''

''کہاں ہے؟'' صارم نے پوچھا۔

''اوپر...... چھت پر'' سارہ نے سر اوپر اٹھا کر کہا۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا۔'' اس نے استفسار کیا۔

''میرے سینے میں چبھن ہوئی۔'' سارہ کا ہاتھ بے اختیار اپنے سینے پر چلا گیا۔

''ہوا بھی لگی...... تیز ٹھنڈی ہوا۔'' صارم نے پوچھا۔

''ہاں...... تیز ٹھنڈی ہوا کا جھونکا بھی محسوس ہوا جیسے وہ میرے سینے پر آ بیٹھا ہو۔'' سارہ کی آواز میں لرزش تھی۔

صارم نے اٹھ کر ٹیوب لائٹ جلائی اور سارہ کی طرف بغور دیکھا...... وہ بالکل صحیح سلامت تھی۔ اس کے جسم پر کوئی خراش یا زخم کا نشان نہ تھا۔

''کیا میں اوپر جا کر دیکھوں؟'' صارم نے پوچھا۔

''نہیں...... ہرگز نہیں...... وہ تم پر جھپٹ پڑے گا۔ یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو۔'' سارہ نے خوفزدہ ہو کر کہا۔

''اچھا چلو...... اب لیٹ جاؤ۔'' صارم نے کہا، پھر پوچھا۔ ''ٹیوب لائٹ جلی چھوڑ دوں۔''

''نہیں بند کر دیں...... بس بلب جلنے دیں۔''

''ڈرو گی تو نہیں۔'' صارم نے پوچھا۔

''نہیں۔'' سارہ نے بڑے یقین سے کہا۔ ''جانتے نہیں ہو...... آخر میں بیوی کس کی ہوں۔'' سارہ نے اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔

''کس کی بیوی ہو؟'' وہ ٹیوب لائٹ بند کر کے بیڈ پر آ گیا۔

''شیر کی۔'' سارہ نے اُس کے سر کے بال مٹھی میں بھر کر کہا۔

اس میں کوئی شبہ نہ تھا کہ وہ دونوں ہی نڈر تھے۔ اتنے بڑے گھر میں وہ دونوں اکیلے رہتے تھے۔ صارم دفتر چلا جاتا تو وہ گھر میں تنہا رہ جاتی۔ خالہ سجو گھر کا کام کرنے ضرور آتی تھی...... لیکن کتنی دیر...... وہ گھنٹہ ڈیڑھ گھر میں رہتی اور کام کر کے چلی جاتی، کیونکہ اُسے کئی گھروں کا کام کر کے اپنے گھر جانا ہوتا تھا۔

خالہ سجو کا شوہر نہ تھا، وہ بیوہ تھی۔ اس کے شوہر کو مرے ہوئے ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ اس کی ایک بیٹی تھی جو شادی شدہ تھی۔ اُس کے دو بچے تھے۔ وہ بیٹی اُس کے ساتھ ہی رہتی تھی۔ خالہ سجو کا داماد ایک فیکٹری میں کام کرتا تھا۔ قلیل آمدنی کی وجہ سے ان کی گزر بسر مشکل سے ہوتی تھی۔ خالہ سجو ان کی مدد کر دیا کرتی تھی۔ ویسے بھی اس کا بیٹی کے سوا تھا ہی کون، وہ کس کے لئے بچا کر رکھتی۔

سارہ، خالہ سجو کو پہلے دن سے ہی پسند آ گئی تھی...... سارہ کی وجہ سے اُس نے ایک گھر کا کام چھوڑ دیا تھا...... اور یہ بات اُس نے سارہ کو بتائی بھی نہیں تھی کہ احسان کر کے اُسے جتانا اُس کا شیوہ نہ تھا۔ وہ ایک اچھی فطرت کی عورت تھی...... وہ سارہ سے محبت کرنے لگی تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ اس نے اس گھر کا کچا چٹھا سارہ کے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا۔ اس گھر کی پُراسرار داستان سنا کر سارہ کو ڈرانا مقصود نہ تھا، اُسے تنہا دیکھ کر خالہ سجو نے اس گھر کے اسرار سے اُسے آگاہ کیا تھا، تاکہ انجانے میں وہ ماری نہ جائے۔ ویسے اُسے ایک ہلکا سا خدشہ یہ بھی تھا کہ کہیں سارہ خوفزدہ نہ ہو جائے...... لیکن اسے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی تھی کہ سارہ عام لڑکیوں جیسی نہ تھی۔ وہ واقعی ایک نڈر لڑکی تھی، اس کی جگہ کوئی اور عورت ہوتی تو کب کا اس گھر کو چھوڑ کر جا چکی ہوتی۔

ادھر سارہ کو خالہ سجو پسند تھی۔ وہ عام ماسیوں جیسی نہ تھی۔ اپنا کام بڑی توجہ سے کرتی۔ بڑی ایمان دار اور دیانت دار تھی۔ بڑی اپنائیت سے بات کرتی، بڑی محبت کی نظر سے اُسے دیکھتی...... سارہ کا جی چاہتا تھا کہ اُسے اپنے ساتھ رکھ لے۔ آج خالہ سجو آئی تو اُس نے اس موضوع پر بات کی۔ ''خالہ سجو...... تم میرے پاس آ جاؤ۔''

''اے...... روز ہی تو آتی ہوں، تمہارے پاس۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''خالہ سجو...... مستقل آ جاؤ۔ چھوڑو گھر گھر جانا۔'' سارہ نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

''اے بی بی...... تمہارا کام ہی کتنا ہے۔ گھنٹے دو گھنٹے میں نمٹ جاتا ہے۔ پھر سارا دن مجھے رکھ کر کیا کرو گی۔''

''خالہ سجو...... میں چاہتی ہوں کہ تم دن رات میرے ساتھ رہو۔'' وہ اپنائیت سے بولی۔

''بی بی...... میری بیٹی میرے ساتھ رہتی ہے۔ اُس کے سوا میرا کوئی اور نہیں...... اُسے کیسے چھوڑ دوں؟'' خالہ سجو نے لگی لپٹی رکھے بغیر صاف کہا۔

''اچھا...... خالہ رات کو نہ سہی...... صبح سے شام تک تو میرے ساتھ رہ سکتی ہو۔'' سارہ نے کہا۔

''رہی کام کی بات...... ضروری تو نہیں کہ تم ہر وقت کام ہی کرو۔''

''اچھا...... بی بی میں سوچوں گی۔''

''خالہ سجو...... اس میں سوچنے کی کیا بات ہے، جہاں جہاں کام کرتی ہو، وہاں سے اللہ حافظ کہہ کر آ جاؤ۔'' سارہ نے اُسے سمجھایا۔

''ایک بات ہے بی بی۔'' خالہ سجو نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں دوسرے گھروں کے کام تو چھوڑ دوں گی، لیکن پروین بی بی کا گھر نہیں چھوڑ سکتی۔ میں وہاں بہت عرصے سے کام کر رہی ہوں...... وہ بہت اچھے لوگ ہیں، وہ مجھے خالہ کہتی ہیں تو خالہ سمجھتی بھی ہیں۔''

''چلو خالہ پروین باجی کا گھر نہ چھوڑنا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ ان کا گھر تو پڑوس میں ہے میں جب چاہوں تمہیں وہاں سے بلا کر لا سکتی ہوں۔''

''اچھا بی بی...... میں سب سے بات کر کے تمہیں بتاؤں گی۔'' خالہ سجو نے ایک طرح سے نیم رضامند ہو کر کہا۔

سارہ خوش ہو گئی کہ چلو رات میں نہ سہی، دن میں تو اس کے ساتھ رہے گی۔ رات کو تو صارم بھی گھر میں ہوتا تھا، یہ سوچ کر اُس کی ڈھارس بندھ گئی تھی۔

''میں جا رہی ہوں بی بی۔'' خالہ سجو نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''گیٹ بند کر لو۔''

''ٹھیک ہے تم جاؤ، میں بند کر لوں گی...... ابھی میں پروین باجی کی طرف جاؤں گی۔'' سارہ نے کہا۔

خالہ سجو کے جانے کے بعد اُس نے گھر کے تمام دروازے بند کیے۔ بطور خاص زینے کے دروازے کا تالا لگایا۔

ابھی وہ باہر نکلنے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ صارم لاؤنج کے دروازے سے گھر میں مسکراتا ہوا داخل ہوا۔ اُس نے حسب معمول ڈائننگ ٹیبل پر اپنا بریف کیس رکھا۔

''صارم تم!'' سارہ نے خوشگوار حیرت سے کہا۔ ''آج اتنی جلدی کیسے آ گئے۔''

صارم نے جواب میں کچھ نہ کہا..... بس اُس کی طرف دیکھ کر اپنے بازو کھول دیئے۔

اُسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

سارہ تیزی سے بیڈروم کی طرف بھاگی۔ ''صارم ایک منٹ، میں ابھی آتی ہوں۔''

صارم نے منہ بنا کر اپنے کھلے بازو سمیٹ لئے اور بیڈروم کی طرف بڑھا۔

سارہ نے جلدی سے ریسیور اٹھا کر کہا۔ ''ہیلو۔''

''ہاں جی..... کیا ہو رہا ہے۔'' اُدھر سے صارم کی آواز آئی۔

''صارم تم..... تو پھر وہ.....'' سارہ کہتے کہتے رک گئی۔

بیڈروم کے دروازے پر وہ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب چمک تھی۔

☆.....☆.....☆

یہ حقیقت جان کر کہ دروازے پر صارم نہیں کوئی اور ہے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سردی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ خوف کی وجہ سے سر تا پا لرز اٹھی..... یہ ایک ایسا منظر تھا کہ کسی بھی عورت کے حواس گم کر سکتا تھا، لیکن سارہ نے بڑی جرأت سے کام لیا۔ اس نے اپنے حواس گم ہونے نہ دیئے ریسیور پر اس کی گرفت مضبوط تھی۔

''ہاں، سارہ کیا ہوا؟'' اُدھر سے صارم پوچھ رہا تھا۔ ''تم کچھ پریشان ہو؟''

''صارم تم فوراً گھر آ جاؤ۔'' سارہ نے کچھ اس انداز سے یہ بات کہی کہ صارم نے اس سے کوئی سوال کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔

اس نے فوراً کہا۔ ''ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں، تم پریشان مت ہونا۔''

سارہ نے ریسیور رکھ کر جلدی سے دل ہی دل میں اللہ سے پناہ مانگی، پناہ مل گی۔ اُس نے جرأت مندی سے کہا۔ ''میں جانتی ہوں تم کون ہو؟''

وہ شیطان جو آنکھوں میں وحشیانہ چمک لئے سارہ کو گھور رہا تھا ایک دم پلٹا۔ چند لمحوں بعد سارہ کو پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی..... اس کے بعد سناٹا چھا گیا۔

سارہ بیڈ پر دھم سے گر پڑی۔ اس نے سکون کا گہرا سانس لیا۔

وہ اس منظر کے بارے میں سوچ کر بار بار لرز اٹھتی تھی، جانے کیا ہونے والا تھا..... اس کی آنکھوں کی وحشیانہ چمک اس کے دل کو مٹھی میں لے رہی تھی، اس نے صارم کا روپ ضرور دھار لیا تھا، لیکن وہ آنکھیں صارم کی ہرگز نہ تھیں..... جانے وہ کون تھا؟

اب سارہ کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ مکان سو فیصد آسیب زدہ ہے، اب کسی شبے کی گنجائش نہ رہی تھی۔

اب تک سارہ کو یاد آیا کہ پچھلا دروازہ کھلا ہوا ہے، وہ پروین کے گھر جانا چاہتی تھی اس لئے وہ خالہ سجو کے ساتھ بیت بند کرنے نہیں گئی تھی۔ ..... وہ فوراً اٹھی کمرے سے لاؤنج میں آئی، اس نے چاروں طرف دیکھا لاؤنج خالی پڑا تھا۔ زینے کا دروازہ بھی جوں کا توں بند تھا۔ اس نے فریج سے بوتل نکال

کر ٹھنڈا پانی پیا اور گھر سے باہر آ گئی۔

دوپہر کا وقت تھا، دھوپ میں بڑی تیزی تھی، وہ تیز تیز قدم اٹھاتی گیٹ کی طرف بڑھی، گیٹ کھول کر باہر نکلی، ابھی وہ گیٹ کو تالا لگا ہی رہی تھی کہ پڑوس کے گھر سے پروین باہر نکلی۔

''سارہ..... میں تمہارے گھر آ رہی تھی۔''

''اور پروین باجی..... میں آپ کے گھر آ رہی تھی۔''

یہ سن کر پروین اپنے گھر کے گیٹ پر ہی رک گئی اور بولی۔ ''پھر یہ فیصلہ کیسے ہو کہ کون کس کے گھر آئے گا۔''

''جس کے پاس دھماکہ خیز خبر ہو۔ وہ اس کے گھر آئے'' سارہ نے فیصلہ سنایا۔

''بھئی میرے پاس تو کوئی ایسی خبر نہیں۔'' پروین نے کہا۔

''بس پھر آپ میرے گھر آ جائیں۔'' سارہ نے ہنس کر کہا۔ ''میرے پاس ایسی خطرناک خبر ہے کہ سنیں گی تو آپ کے ہوش اڑ جائیں گے۔''

''اللہ نہیں۔'' پروین خبر سننے سے پہلے ہی لرز گئی۔

''واہ باجی..... آپ کے تو خبر سننے سے پہلے ہی ہوش اڑ گئے۔'' سارہ نے گیٹ کھولتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ گھر میں داخل ہوئیں، سارہ نے دونوں پٹ ملا کر کنڈا لگایا اور پروین کا ہاتھ پکڑ کر گھر کی طرف بڑھی۔

''پروین باجی..... آپ کے تو ہاتھ ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔'' سارہ نے اس کا ہاتھ دبایا۔

''تم نے بات ہی ایسی کہی ہے۔ بھئی بتاؤ نا..... کیا ہوا؟'' وہ بے چین ہو گئی۔

''ارے..... پروین باجی، ڈریں نہیں۔ کوئی ایسی خبر نہیں۔'' سارہ نے اسے تسلی دی۔

پھر وہ دونوں گھر میں داخل ہوئیں۔ سارہ آگے تھی پروین پیچھے۔

''جی باجی..... کہاں بیٹھیں گی۔ ڈرائنگ روم میں، بیڈروم یا یہیں لاؤنج میں۔'' سارہ نے پوچھا۔

''سارہ..... یہیں بیٹھ جاتے ہیں۔'' پروین نے یہ سوچ کر کہا کہ باہر کا دروازہ یہاں سے زیادہ قریب ہے، نکلنے میں آسانی ہو گی۔ وہ ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی اور پرتجسس نظروں سے سارہ کی طرف دیکھنے لگی۔

''پروین باجی آپ اس گھر کی ہسٹری سے تو اچھی طرح واقف ہیں۔'' سارہ نے بات شروع کی۔

''ہاں..... کچھ ہوا ہے کیا؟'' پروین نے کہا۔

''اللہ بھلا کرے، خالہ سجو کا کہ انہوں نے اس مکان کے بارے میں وہ سب کچھ بتا دیا جو وہ جانتی تھیں، لیکن آپ نے مجھے کچھ نہیں بتایا؟'' سارہ نے یونہی شکوہ کیا، لہجہ شکایتی نہ تھا۔

"سارہ...... مجھے اس طرح کی چیزوں سے بہت ڈر لگتا ہے اس لئے باوجود خواہش کے ہمت نہ کر پائی کہ تم سے کچھ کہوں۔" پروین نے صفائی پیش کی۔

"بہر حال میں نے اس گھر میں پیش آنے والے واقعات سے آپ کو پوری طرح آگاہ رکھا ہے۔" سارہ نے کہا۔

"ہاں جانتی ہوں...... آج پھر کچھ ہو گیا کیا؟ اللہ رحم کرے۔" پروین فکر مند ہو گئی تھی۔

"پروین باجی...... آج کچھ ایسا ہوا ہے کہ سوچتی ہوں آپ کو بتاؤں کہ نہ بتاؤں۔"

"ہائے اللہ...... ایسا کیا ہو گیا۔ کچھ بتاؤ تو۔" پروین گھبرا کر بولی۔

"خالہ جو کے جانے کے بعد صارم گھر آئے تھے، ابھی وہ آ کر لاؤنج میں کھڑے ہی ہوئے تھے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ میں نے بڑھ کر ریسیور اٹھایا تو ادھر سے بھی صارم بول رہے تھے۔" سارہ نے بڑے ڈرامائی انداز سے روح فرسا واقعہ کی روداد شروع کی۔

"اچھا پھر۔" پروین نے بات سمجھے بغیر روانی میں کہا۔ پھر ایک دم کچھ خیال آیا، بات کا سرا ہاتھ آیا "ہیں صارم بھائی کا فون...... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ صارم بھائی گھر میں موجود ہیں اور پھر ان کا فون بھی آ گیا...... اوہ مائی گاڈ...... نہیں سارہ یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔"

پروین کا خوف کے مارے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔ پھر وہ ایک دم گھبرا کر اٹھی۔

"سارہ...... میں چلتی ہوں۔ آؤ...... میرے ساتھ دروازے تک آؤ۔" پھر اس نے سارہ کے ساتھ آنے کا بھی انتظار نہ کیا۔ بہت تیز قدموں سے گیٹ کی طرف بھاگی۔

"باجی...... پروین باجی...... ارے سنیں تو...... ڈریں نہیں...... رکیں۔ میں آپ کو گھر تک چھوڑ دیتی ہوں۔" سارہ پیچھے پیچھے دوڑی لیکن اتنی دیر میں پروین گیٹ سے باہر نکل چکی تھی۔

سارہ کف افسوس ملتی رہ گئی۔ اسے یہ اندازہ تو تھا کہ پروین ڈرتی ہے، لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ اس قدر ڈرتی ہے کہ وہ بات بھی پوری نہیں سنے گی، بگٹٹ بھاگ لے گی۔ سارہ نے سوچا لیکن یہ خبر بھی تو کوئی عام نہیں تھی...... یہ بڑی ہولناک خبر تھی۔ اس دل ہلا دینے والی بات کو برداشت کرنا ہر ایک کے بس کی بات کہاں؟

سارہ نے مین گیٹ بند کیا اور واپس گھر کی طرف بڑھی...... وہ گھر کے اندر جانے کے بجائے لاؤنج کے دروازے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی...... وہ روح فرسا منظر بار بار سارہ کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ اس کا صارم کے روپ میں آنا اور پھر بانہیں کھول کر کھڑے ہونا...... اگر وہ اس کے قریب ہو گئی ہوتی تو...... وہ تو ٹیلیفون کال نے سارا راز کھول دیا۔ اگر ٹیلیفون نہ آتا تو اسے ہرگز نہ پتہ چلتا کہ یہ اصل میں صارم نہیں ہے۔ جانے پھر کیا ہو جاتا...... یہ سوچ کر ہی وہ لرز اٹھی۔

کوئی آدھے گھنٹے کے بعد گیٹ پر گاڑی رکنے اور پھر ہارن کی آواز سنائی دی۔

وہ فوراً اٹھ کر بھاگی اور گیٹ کھول کر انتظار کرنے کے بجائے گیٹ سے باہر نکل گئی۔ صارم گاڑی

دیوار کے سائے میں کھڑی کر کے گیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے سارہ کو گیٹ سے باہر دیکھا تو لپک کر اس کے نزدیک ہو گیا۔

"سارہ...... خیریت تو ہے۔"

"ہاں...... خیریت ہے۔ کیا میں تمہیں صحیح سلامت نظر نہیں آ رہی۔" سارہ نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"ایسا کیا ہوا...... تم خاصی پریشان دکھائی دے رہی ہو۔"

"اندر چلو...... بتاتی ہوں۔" سارہ نے کہا۔

صارم نے مین گیٹ بند کیا...... پھر وہ دونوں ساتھ ساتھ گھر میں داخل ہوئے، صارم نے حسب معمول بریف کیس ڈائننگ ٹیبل پر رکھا اور سیدھا بیڈ روم کی طرف رخ کیا۔

بیڈ پر بیٹھ کر اس نے سارہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے قریب بٹھا لیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"ہاں، اب بتاؤ کیا ہوا؟"

"صارم...... اب تو مجھے تم سے بھی ڈرنا ہوگا۔" سارہ نے اس کی طرف بے یقینی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں آخر؟" صارم کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی ہے۔

تب سارہ نے مختصر لیکن دل ہلا دینے والا واقعہ اس کے گوش گزار کر دیا۔

واقعہ کی نوعیت جان کر صارم اندر سے کانپ اٹھا۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ سارہ کیوں کہہ رہی تھی کہ اس سے بھی ڈرنا ہوگا۔ واقعی یہ بے حد خطرناک صورتحال تھی۔

"سارہ...... میں تمہاری ہمت کو داد دیتا ہوں، مجھے تم پر بڑا فخر محسوس ہو رہا ہے۔ تم نے واقعی کمال جرأت کا مظاہرہ کیا، ورنہ کوئی اور عورت ہوتی تو وہ اپنے حواس گنوا بیٹھتی۔ تم واقعی شیرنی ہو۔" صارم نے سچے دل سے اس کی جرأت مندی کو سراہا۔

صارم کے منہ سے اپنی تعریف سن کر اسے بڑی خوشی ہوئی۔ اس کا حوصلہ بلند ہوا، پھر اس نے پروین کے بارے میں بتایا کہ وہ آدھی بات سن کر کس طرح گھر چھوڑ کر بھاگی۔

صارم ساری بات سن کر مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔

"سارہ کوئی تم جیسا کہاں؟" صارم نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔

"اچھا...... آج تم نے میری خاصی تعریف کر دی۔ جناب کو کیا پیش کروں۔" سارہ کے لہجے سے اب فکرمندی دور ہو گئی تھی۔

"اپنی جان نذر کرو۔" صارم ہنس کر بولا۔

"وہ تو ہے ہی تمہاری...... دل بھی تمہارا، جان بھی تمہاری، یہ سارہ بھی ساری کی ساری تمہاری۔" سارہ کے گداز ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور آنکھیں جگمگا رہی تھیں۔

''اچھا..... پھر میری ایک بات سنو۔'' صارم کی آنکھوں میں جیسے نشہ اترنے لگا۔

''جانتی ہوں، تمہاری ساری باتیں۔'' وہ ذرا دور ہو کر بیٹھ گئی۔

''میں یہ کہہ رہا تھا؟'' صارم نے اپنا لہجہ فوراً بدل لیا۔

''جی فرمائیں۔'' سارہ نے اسے ترچھی نگاہوں سے دیکھا۔

''یار..... میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ آج کے واقعہ کے بعد تمہارا اس گھر میں تنہا رہنا ٹھیک نہیں۔'' صارم نے سنجیدگی سے کہا۔

''پھر کیا ہو؟'' سارہ نے اسے سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''تم خالہ بجو سے بات کرو۔ اسے اس کی مرضی کے پیسے دیدو۔'' صارم نے کہا۔

''میں خالہ سے بات کر چکی ہوں۔ وہ راضی تو ہے..... پر۔''

''کیا وہ مستقل ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتی..... مجھے رات کو کبھی کبھی کام کی وجہ سے دیر ہو جاتی ہے میں نہیں چاہتا کہ تم رات کو گھر میں اکیلی رہو۔''

''خالہ بجو کی بیٹی اس کے ساتھ رہتی ہے۔ رات کو وہ یہاں نہیں رہ سکے گی۔'' سارہ نے بتایا۔

''چلو فی الحال سارے دن کی ہی بات کر لو۔ وہ جہاں جہاں کام کرتی ہے اس سے کہو چھوڑ دے۔'' صارم نے تجویز پیش کی۔

''اور دوسرے گھروں کے پیسے کون دے گا؟'' سارہ نے پوچھا۔ ''میرے پاس تو اتنا کام نہیں ہے۔''

''میں دوں گا'' صارم نے کہا۔ ''اسے کام کے لئے تھوڑی رکھنا ہے۔ بس وہ تمہارے ساتھ رہے، وہ ایک جہاندیدہ عورت ہے، ڈرتی ورتی بھی نہیں۔ پھر قابل بھروسہ ہے۔ وہ یہاں تمہارے ساتھ ہو گی تو مجھے اطمینان رہے گا۔''

''ٹھیک ہے میں پھر خالہ بجو سے بات کرتی ہوں۔'' سارہ نے کہا۔

خالہ بجو سے سارہ نے کیا بات کرنا تھی، بات وہ پہلے ہی کر چکی تھی۔ اب تو صرف اس سے پوچھنا تھا کہ وہ کب دوسرے گھروں کا کام چھوڑ کر آ رہی ہے.....؟

خالہ بجو خود بھی دوسرے گھروں کا کام چھوڑنا چاہتی تھی، اس نے ان گھروں میں بات کی تو کوئی اسے چھوڑنے کو تیار نہ ہوا۔ بس اب ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا کہ وہ کوئی بہانہ بنا کر کام چھوڑ دے۔

سارہ سے مشورہ کر کے خالہ بجو نے ایسا ہی کیا۔ کوئی ایمرجنسی نکال کر سارے گھروں کا کام چھوڑ دیا اور سارہ کے پاس آ گئی۔ اب صرف پروین کا گھر رہ گیا تھا، اس کا آسان حل یہ تھا کہ صبح صارم گھر سے دس گیارہ بجے تک نکلتا تھا۔ خالہ بجو اس کے گھر سے جانے سے پہلے پروین کا کام کر کے آ جاتی۔

خالہ بجو کے آ جانے سے صارم کو بہت اطمینان ہوا، سارہ بھی اندر سے پرسکون ہو گئی۔

ویسے اب گھر میں دو ہفتوں سے مکمل سکون تھا۔ خالہ بجو کیا آئی، اپنے ساتھ سکون لائی۔

اب وہ چھت کی دیوار پر نظر نہیں آ رہا تھا۔ اول تو سارہ چھت پر کم جاتی تھی، جاتی بھی تھی تو وہ اسے نظر نہیں آیا۔ نہ وہ اس کے سر سے نادیدہ انداز میں اڑا، نہ رات کو سوتے ہوئے اس کے سینے پر بیٹھا۔ گھر میں سردی کی لہر بھی دوبارہ محسوس نہ ہوئی..... نہ پھر اس نے صارم کا روپ دھارنے کی کوشش کی..... گویا ہر سو چین ہی چین تھا۔

خالہ بجو رات کو صارم کے گھر واپس آنے تک ٹھہرتی۔ صارم گھر آنے کے بعد اسے اپنی گاڑی میں بس اسٹاپ تک چھوڑ آتا۔ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ گھر جلد از جلد پہنچ جائے..... اگرچہ بعض اوقات جلد گھر پہنچنے کی وجہ سے اس کا کام متاثر ہوتا، لیکن وہ پرواہ نہ کرتا..... کام سے زیادہ اسے اپنی بیوی پیاری تھی کہ اس نے آگ کا دریا پار کر کے اسے حاصل کیا تھا۔

پھر ایک اچھی بات اور ہوئی..... خالہ بجو کا داماد پنجاب چلا گیا۔ ساتھ میں اپنے بیوی بچوں کو بھی لے گیا۔ منڈی بہاءالدین میں اس کا بڑا بھائی چھوٹا موٹا کاروبار کرتا تھا۔ اب وہ اپنے کاروبار میں تھوڑی سی وسعت چاہتا تھا تو اس نے خالہ کے داماد کو بلا بھیجا، اس پیشکش کے ساتھ کہ اسے فیکٹری سے جو ملتا ہے اس سے ڈبل دوں گا۔ پیشکش پرکشش تھی کہ وہ فوراً جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ خالہ بجو کی بیٹی اسے تنہا چھوڑنا نہیں چاہتی تھی، لیکن خالہ بجو نے اسے سمجھایا تو وہ دل میں کسک لئے اپنے شوہر کے ساتھ چلی گئی۔

جب سارہ کو معلوم ہوا کہ خالہ کی بیٹی اپنے شوہر کے ساتھ منڈی بہاءالدین چلی گئی ہے تو وہ بہت خوش ہوئی۔

''بس خالہ گل مک گئی..... اب تم میرے پاس مستقل آ جاؤ..... میں تمہارے بغیر ادھوری ہوں۔'' سارہ نے ہنس کر کہا۔

''اے لو..... تم کہاں سے ادھوری ہو۔ تمہارا میاں تم پر جان دیتا ہے۔'' خالہ بجو نے کہا۔

''میرا میاں بے شک مجھ پر جان دیتا ہے، لیکن میں چاہتی ہوں کہ کچھ اور جاں نثاروں کا اضافہ ہو جائے۔''

''اے بی بی..... کرائے کے جاں نثاروں کا کیا فائدہ۔'' خالہ بجو نے بڑی دانشمندانہ بات کی۔

اس دن سارہ کو اندازہ ہوا کہ خالہ بجو بات کو اپنی پوری گہرائی کے ساتھ سمجھتی ہے۔ ضرور کچھ پڑھی لکھی ہے، سارہ نے پوچھا۔ ''خالہ بجو تم کتنی پڑھی لکھی ہو؟''

''بی بی..... مجھے پڑھنے کا بڑا شوق تھا پر میرے باپ نے آٹھویں سے آگے پڑھنے نہ دیا۔ بہت جلدی میری شادی کر دی۔ بس یوں سمجھو کہ مڈل پاس ہوں۔'' خالہ بجو نے بتایا۔

بس پھر خالہ بجو مستقل سارہ کے ساتھ رہنے لگی۔ صارم کی ٹینشن دور ہوئی۔ وہ اپنا کام اب پوری یکسوئی سے کر سکتا تھا، رات کو دیر تک باہر رہ سکتا تھا۔

اس گھر میں آج خالہ بجو کی پہلی رات تھی۔ سارہ نے اس کے لئے ڈرائنگ روم میں گدا ڈال دیا

تھا۔ اگر چہ سارہ نے خالہ کو چھوٹے بیڈروم میں سونے کی آفر کی تھی لیکن خالہ نے اس پیشکش کو قبول نہیں کیا تھا...... وہ جانتی تھی کہ سارہ دل کی بہت اچھی ہے، اس نے پورے خلوص سے چھوٹے بیڈروم میں سونے کی پیشکش کی ہے، لیکن وہ اپنی اوقات نہیں بھولنا چاہتی تھی۔ اگر چہ سارہ اسے اپنی ملازمہ نہیں سمجھتی تھی، لیکن خالہ بجو یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ بہر حال اس گھر کی ملازمہ ہے اور اسے اتنے ہی پاؤں پھیلانے چاہئیں کہ عزت کی چادر سے باہر نہ نکلیں۔

وہ رات ...... پہلی رات بڑی قیامت کی تھی۔ باہر گہرا اندھیرا تھا۔ سوتے ہوئے خالہ بجو نے ڈرائنگ روم کی کھڑکیاں کھول لی تھیں۔ یہ کھڑکیاں باہر کی طرف کھلتی تھیں، خالہ بجو کو آج بڑی دیر سے نیند آئی تھی، اس نے اپنا گھر چھوڑا تھا، اپنا بستر چھوڑا تھا۔ یہ نئی جگہ تھی، نیا بستر تھا، بندہ اپنے گھر، اپنی جگہ کا عادی ہوتا ہے، اسے یہ پتہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے بستر پر کس کروٹ لیٹے گا تو چین پائے گا۔ کروٹیں بدلتے بدلتے بالآخر خالہ بجو کو نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا۔

آدھی سے زیادہ رات گزر چکی تھی، دو بجے کا عمل ہوگا، صارم اور سارہ اپنے بیڈروم میں پرسکون انداز میں محوخواب تھے۔ بیڈروم کا دروازہ بند تھا، کمرے میں ہلکا سا ایئر کنڈیشنر چل رہا تھا۔ ایک خوشگوار خنکی تھی اور زیرو واٹ کے بلب کی نیلگوں روشنی چاندنی کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔

سارہ نے کروٹ لی تو پٹ سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے کوئی اسے پکار رہا ہو۔ حواس پوری طرح بیدار ہوئے تو اس کے کانوں میں خوف میں مبتلا چیختی ہوئی آواز آئی۔

''سارہ بی بی دروازہ کھولو...... سارہ بی بی دروازہ کھولو......'' کوئی بیڈروم کی کھڑکی بجا رہا تھا۔

ارے یہ تو خالہ بجو کی آواز ہے۔ یہ گھر سے باہر کہاں کھڑی چیخ رہی ہے۔

''سارہ بی بی ...... سارہ بی بی ...... دروازہ کھولو'' وہ مسلسل چیخ رہی تھی۔ آواز میں بڑی گھبراہٹ تھی۔

''صارم ...... صارم......'' سارہ نے صارم کو ہلایا۔ وہ خالہ کی آواز سن کر پریشان ہوگئی تھی۔

''ہاں، کیا ہوا؟'' صارم نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا۔

''دیکھو خالہ بجو گھر سے باہر کھڑی چیخ رہی ہے۔''

اتنے میں پھر آواز آئی ''سارہ بی بی...... سارہ بی بی۔''

''او مائی گاڈ'' صارم جلدی سے بیڈ سے اٹھتا ہوا بولا۔ ''یہ باہر کیا کر رہی ہے؟''

صارم بیڈروم کا دروازہ کھول کر لاؤنج میں آیا، باہر کی لائٹ جلائی، پھر باہر کا دروازہ کھولا اور گھوم کر بیڈروم کی کھڑکی کی طرف پہنچا۔ پیچھے سارہ تھی۔

سارہ کو دیکھتے ہی خالہ بجو لپٹ گئی۔ ''سارہ بی بی۔''

خالہ بجو کے ہوش اڑے ہوئے تھے۔ وہ تھر تھر کانپ رہی تھی، اس کے سر پر دوپٹہ نہ تھا۔ اڑے ہوئے بال...... اڑی ہوئی رنگت...... چہرے سے وحشت ٹپکتی۔

سارہ اسے سہارا دیکر اندر لے آئی۔ ڈائننگ ٹیبل کی کرسی کھینچ کر بٹھایا۔ وہ خود بھی اس کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گئی۔ صارم نے جلدی سے ٹھنڈا پانی گلاس میں نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

وہ غٹ غٹ سارا پانی ایک سانس میں پی گئی۔ پانی پی کر اس کے حواس بحال ہو گئے وہ خود پر نظر ڈال کر جلدی سے ڈرائنگ روم کی طرف بھاگی۔

صارم نے سارہ کو اشارہ کیا۔ ''یہ خالہ کہاں گئیں؟''

اس سے پہلے کہ سارہ اسے ڈرائنگ روم میں دیکھنے جاتی کہ وہ فوراً ہی واپس آگئی۔ اب اس کے سر پر دوپٹہ تھا۔ وہ بغیر دوپٹے کے کبھی نہیں رہتی تھی۔ سارہ نے جب اسے گھر سے باہر دوپٹے سے بے نیاز دیکھا تو بڑی حیرت ہوئی۔ اب اس سے زیادہ حیرت ہوئی کہ خالہ بجو دوپٹہ اپنے بستر پر چھوڑ کر باہر کیوں چلی گئی۔ دوسری حیران کن بات یہ تھی کہ گھر کے دونوں دروازے لاک تھے اور گھر کی چابیاں بیڈروم میں موجود تھیں۔

عجب معمہ تھا...... خالہ بجو آخر گھر سے باہر گئی تو کیسے؟...... پھر وہ اس قدر وحشت زدہ کیوں تھی۔

خالہ بجو دوپٹہ اوڑھ کر اس کے سامنے بیٹھ گئی اور سارہ کو عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

''ہاں، خالہ بجو بتاؤ...... تم اتنی رات گئے باہر کیا کر رہی تھیں۔'' سارہ نے تسلی آمیز لہجے میں پوچھا۔

''مجھے وہ لے گیا تھا باہر۔'' خالہ بجو نے انکشاف کیا۔

''کون لے گیا تھا؟'' صارم نے پوچھا۔

''پتہ نہیں صاحب...... وہ کون تھا، مجھے اس کی شکل نظر نہیں آئی'' خالہ بجو نے بتایا۔

''خالہ تم باہر کیسے گئیں۔ دروازے کا تالا تو صارم نے کھولا ہے۔''

''سارہ ایک منٹ...... میں دوسرا دروازہ چیک کر کے آتا ہوں۔ صارم نے تیزی سے اٹھ کر ادھر کا دروازہ چیک کیا، وہ بھی اندر سے لاک تھا۔ پھر اس نے لاؤنج میں کھلنے والا دروازہ دیکھا۔ وہ اگر چہ بند تھا لیکن اندر سے لاک نہ تھا۔ یہ دروازہ وہ کبھی لاک نہیں کرتے تھے، البتہ زینے کا وہ دروازہ جو چھت پر کھلتا تھا اسے رات کو ضرور لاک کر دیا کرتے تھے۔ صارم اوپر چلا گیا۔

اوپر کا دروازہ لاک نہ تھا بلکہ آدھا کھلا ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے زینے کے دروازے سے ابھی کوئی چھت پر گیا ہے...... صارم نے چھت کی لائٹ جلا کر دروازے پر ہی کھڑے ہو کر چھت کا جائزہ لیا۔ چھت پر سناٹا طاری تھا۔

صارم اوپر کا دروازہ دوبارہ لاک کر کے واپس آیا اور پھر سارہ کے سامنے والی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا اور بولا۔ ''سارہ اوپر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔''

اب سوال یہ تھا کہ جب پورا گھر اندر سے لاک تھا تو خالہ بجو کس دروازے سے باہر نکلی۔ اوپر کا دروازہ بے شک کھلا تھا لیکن چھت سے گھر سے باہر جانے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ چھت سے نیچے چھلانگ لگائی جائے۔

''خالہ بجو.....گھر کے سارے دروازے اندر سے بند ہیں۔ پھر تم.....'' صارم نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''صاحب.....میں دروازے سے باہر کہاں گئی ہوں۔ وہ منحوس مجھے ڈرائنگ روم کی کھڑکی سے نکال کر لے گیا تھا۔'' خالہ بجو نے عجیب انکشاف کیا۔

''ہیں.....کھڑکی سے.....لیکن خالہ بجو کھڑکیوں پر تو گرل لگی ہوئی ہے۔'' سارہ نے کہا۔ پھر وہ صارم سے مخاطب ہوئی۔ ''صارم ذرا ڈرائنگ روم کی کھڑکی تو چیک کرو۔ کہیں گرل تو کٹی ہوئی نہیں۔''

''اچھا۔'' پھر صارم جلدی سے ڈرائنگ روم کی کھڑکیاں چیک کر کے واپس آ گیا۔ ''کھڑکیاں جوں کی توں ہیں صحیح سلامت، شیشہ تک نہیں ٹوٹا۔''

''یا اللہ۔'' سارہ نے گہرا سانس لیا۔ ''خالہ بجو تم کھڑکی سے کیسے نکل گئیں؟''

''بی بی مجھے نہیں معلوم.....بس سوتے سوتے اچانک ہی آنکھ کھلی تو کھڑکی سے آواز آئی۔ ''خالہ بجو آؤ میرے ساتھ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔''

پھر اچانک ہی ایک ہاتھ کھڑکی سے اندر آیا۔ اس ہاتھ کو دیکھ کر میری آنکھیں خوف سے بند ہو گئیں، مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔ جب ہوش آیا تو میں ایک میدان میں کھڑی تھی۔ میرے آس پاس کوئی نہ تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے سر پر گدھ اڑ رہے ہیں، نظر کچھ نہیں آ رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں ہوں کہاں؟ ایک گھنٹے سے اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھی، جانے وہ منحوس مجھے کہاں چھوڑ گیا تھا۔ چلتے چلتے اچانک مجھے احساس ہوا کہ اپنے گھر میں موجود ہوں۔ میں نے گھر کے دونوں دروازے دیکھے، دونوں بند تھے۔ تب میں نے بی بی تمہارے کمرے کی کھڑکی بجا کر تمہیں پکارا۔''

خالہ بجو کی اسرار بھری روداد سن کر سارہ نے صارم کو دیکھا۔ دونوں کی سمجھ میں نہ آیا کہ خالہ بجو کے ساتھ کیا بیتی تھی۔ وہ جو بھی تھا، اسے کھڑکی سے نکال کر کس طرح لے گیا، جبکہ کھڑکی کی گرل کٹی نہ تھی، نہ شیشے ٹوٹے تھے.....گھر کے دروازے بھی اندر سے بند تھے، بند دروازوں سے خالہ بجو گھر کے باہر کیسے نکلی۔ البتہ اوپر کا دروازہ ضرور کھلا ہوا تھا تو کیا خالہ بجو چھت سے چھلانگ لگا کر نیچے پہنچی.....

دوسرے واقعات کی طرح اس واقعہ کی بھی کوئی توجیہ نہیں کی جا سکتی تھی۔ کوئی عقلی دلیل نہیں دی جا سکتی تھی.....لیکن یہ ٹھوس حقیقت تھی کہ پورا گھر لاک ہونے کے باوجود خالہ بجو گھر سے باہر انتہائی خوفزدہ حالت میں پائی گئی تھی، کچھ اس طرح کہ اس کے سر پر دوپٹہ بھی نہ تھا۔

یہ ایک ایسا واقعہ تھا جسے وہم کہا جا سکتا تھا، نہ خواب کہا جا سکتا تھا اور نہ ہی حقیقت۔ سارہ کو فکر لاحق ہو گئی تھی کیونکہ خالہ بجو اس وقت خاصی ڈر گئی تھی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ صبح گھر چھوڑ کر چلی جائے۔ لہٰذا اس وقت اس کی تسلی اور دلجوئی بہت ضروری تھی۔

''آؤ خالہ میرے ساتھ.....اب تمہیں اکیلا نہیں سونے دوں گی۔'' سارہ اٹھی۔ اس نے خالہ بجو کا گدا اٹھا کر اپنے چھوٹے بیڈروم میں ڈالا۔

خالہ بجو نے کہا بھی..... ''ارے بی بی.....کوئی مسئلہ نہیں۔ میں اکیلی سو جاؤں گی۔''

لیکن سارہ نہیں مانی۔ ''نہیں خالہ میں تمہارے ساتھ سوؤں گی۔''

پھر وہ اور خالہ بجو چھوٹے بیڈروم میں سو گئیں اور صارم اپنے بیڈروم میں تنہا رہ گیا۔ وہ کافی دیر تک اس واقعہ کے ہر پہلو پر غور کرتا رہا، اس عجیب وغریب واقعہ کا سرا اس کے ہاتھ نہ آیا۔ یہاں تک کہ وہ نیند کی وادی میں کھو گیا۔

ابھی اسے سوئے ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ یکدم اس کی آنکھ کھل گئی۔ آنکھ کھلتے ہی اسے بے چینی کا سا احساس ہوا۔ کمرے میں مدھم نیلگوں روشنی تھی، اس نے اپنے بائیں جانب دیکھا، سارہ موجود نہ تھی۔ اسے یاد آیا کہ سارہ دوسرے بیڈروم میں خالہ بجو کے ساتھ سو رہی ہے۔ بیڈروم کا دروازہ کھلا تھا، وہ دروازہ کھلا چھوڑ کر ہی سویا تھا تاکہ سارہ یا خالہ بجو کے ساتھ کوئی مسئلہ درپیش ہو تو وہ فوراً اسے آواز دے کر بلا سکیں۔ لاؤنج میں اندھیرا تھا اور گہرا سناٹا تھا۔

بیڈروم میں گھڑی کی ٹک ٹک کے سوا کوئی آواز نہ تھی۔ اس نے گردن موڑ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی ٹائم پیس پر نظر ڈالی، سوا تین بجے کا عمل تھا۔ وہ اٹھا.....لاؤنج میں آ کر اس نے لائٹ جلائی۔

دوسرے بیڈروم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ لائٹ روشن ہوتے ہی سارہ باہر نکل آئی۔ شاید وہ ابھی نہیں سوئی تھی۔

''صارم خیریت۔'' اس نے صارم سے پوچھا۔

''ہاں، بالکل خیریت ہے۔ میں پانی پینے اٹھا تھا۔'' صارم نے فریج کھولتے ہوئے کہا۔ ''تم سوئی نہیں۔''

''نہیں، نیند نہیں آئی۔'' سارہ نے پانی کی بوتل اس کے ہاتھ سے لے کر گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے کہا۔

''اور خالہ بجو کا کیا حال ہے.....وہ ڈر تو نہیں رہیں۔'' صارم نے پانی سے بھرا گلاس اٹھایا۔

''نہیں.....وہ آرام سے لیٹی ہیں.....شاید سو گئی ہیں۔'' سارہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''اگر وہ سو گئی ہیں تو پھر تم اپنے بیڈروم میں آ جاؤ۔'' صارم بولا۔

''نہیں.....صارم انہیں اکیلا چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔'' سارہ نے مستحکم لہجے میں کہا۔

''چلو ٹھیک ہے.....پھر تم ادھر ہی سو جاؤ اور اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لو۔ میں بھی اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے لیٹوں گا۔ دروازہ کھلے ہونے کی وجہ سے کچھ بے چینی سی ہے۔'' صارم نے کہا۔

''اچھا۔'' سارہ نے اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

صارم اپنے بیڈروم میں آ گیا۔ اس نے دروازہ بند کر لیا اور پھر بیڈ پر لیٹ گیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا.....اسے نیند آ رہی تھی، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ خیال جانے کیوں اس کے ذہن میں جڑ پکڑتا جا رہا تھا کہ کمرے میں اس کے علاوہ بھی کوئی ہے.....اور یہ احساس اسے دروازہ بند کرتے ہی

ہوا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی اور بھی اندر آیا ہے۔

اس احساس نے اس قدر زور پکڑا کہ وہ ٹیبل لیمپ روشن کرنے پر مجبور ہوگیا۔ کمرے میں لیمپ کی روشنی پھیل گئی۔ صارم نے کمرے میں چاروں طرف نظریں گھما کر دیکھا، کمرے میں کوئی نہ تھا۔ اپنے اس وہم پر وہ خود ہی شرمندہ ہوا۔ ہاتھ بڑھا کر ٹیبل لیمپ بند کیا اور پاؤں پھیلا کر اطمینان سے لیٹ گیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

کچھ ہی دیر میں اسے نیند نے آدبوچا...... پتہ نہیں وہ نیند تھی یا کچھ اور تھا۔ ابھی وہ نیم غنودگی کے عالم میں تھا کہ اچانک اسے اپنے سینے پر دباؤ محسوس ہوا...... اس کے ساتھ ہی کسی نے اس کا گلا دبوچ لیا۔ اب وہ لاکھ چاہ رہا ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے گلا دبانے والے کو پرے دھکیل دے لیکن اس کے ہاتھ بے جان ہو چکے تھے، وہ چیخنا چاہ رہا تھا لیکن باوجود کوشش کے اس کے گلے سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

پھر اچانک ہی اس کے منہ سے چیخ نکل گئی اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ تب اسے احساس ہوا کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔ ڈراؤنا خواب جیسے کوئی اس کے سینے پر بیٹھا گلا گھونٹ رہا ہو۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور دماغ سے اس خواب کو جھٹک کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

ابھی وہ غنودگی کے عالم میں ہی تھا، اسے احساس ہوا جیسے کسی نے سیٹی بجائی ہو۔ اس کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں، حواس بیدار ہو گئے۔ سیٹی کی آواز پھر آئی، جیسے کسی نے منہ سے سیٹی کی آواز نکالی ہو۔ چند لمحے خاموشی رہی، پھر آواز آئی۔ اب یہ آواز چند لمحوں تک مسلسل آئی، یوں لگتا تھا جیسے یہ آواز ہوا کے دوش پر بہہ رہی ہو...... سیٹی کی آواز یک لخت بند ہو جاتی، اور چند سیکنڈ کے بعد پھر شروع ہو جاتی...... سیٹی کی آواز بہت واضح اور صاف تھی، جیسے کوئی کونے میں بیٹھا پراسرار انداز میں سیٹی بجا رہا ہو۔

صارم فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے کمرے میں جتنی لائٹیں لگی تھیں سب آن کر دیں، لائٹ روشن ہوتے ہی سیٹی کی آواز فوراً بند ہوگئی۔

وہ بیڈ پر بیٹھ گیا اور انتظار کرنے لگا کہ سیٹی کی آواز آئے تو تعین کرے کہ کہاں سے آرہی ہے، لیکن پانچ منٹ تک بیٹھے رہنے کے باوجود کوئی آواز نہ آئی۔

اس نے سوچا لائٹیں بجھا کر لیٹ جائے لیکن ایک خیال کے تحت اس نے یہ ارادہ ملتوی کر دیا اور بستر پر دراز ہوگیا۔

ابھی آنکھیں بند کی تھیں کہ بالکل قریب سے سیٹی بجانے کی آواز ابھری، کسی نے بڑے معنی خیز انداز میں سیٹی بجائی تھی۔

صارم نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا...... کچھ نظر نہ آیا، لیکن سیٹی کی آواز اب بھی آرہی تھی۔ کوئی رک رک کر سیٹی بجا رہا تھا اور یہ آواز اس کے بہت نزدیک سے آرہی تھی، لیکن باوجود کوشش

کے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ آواز دائیں جانب سے آرہی ہے یا بائیں جانب سے...... اوپر سے آرہی ہے یا نیچے سے۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے پیٹھ کے پیچھے دو تکیے رکھے اور بیڈ سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوگیا۔ سیٹیوں کا یہ سلسلہ کچھ دیر کے لئے رک گیا۔ اس نے سوچا، وہ کب تک یونہی بیٹھا سیٹی کی آواز سنتا رہے گا۔ لائٹیں بجھائے اور سو جائے، پروا نہ کرے۔ کوئی اگر سیٹیاں بجا رہا ہے تو بجاتا رہے، کب تک بجائے گا۔ بالآخر تھک ہار کر وہ بھی سو جائے گا۔

اپنے اس فیصلے پر صارم نے فوراً عمل کیا، ساری لائٹیں بجھا دیں، سوائے زیرو واٹ کے بلب کے اور پھر پورے اطمینان سے پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا۔

پھر سیٹی کی آواز نہ آئی...... شاید سیٹی بجانے والے نے سوچا ہو کہ کس کے لئے سیٹیاں بجائے یہ تو سیٹی کی آواز سے متاثر نہیں ہو رہا۔ اطمینان سے پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا ہے اور اب سونا ہی چاہتا ہے...... اور پھر واقعی صارم کروٹ بدل کر بے خبر سو گیا۔

☆......☆......☆

ابھی وہ ناشتہ کر ہی رہا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ سارہ نے بیڈروم میں جا کر ریسیور اٹھایا۔

"سارہ کون ہے؟" صارم نے پوچھا۔

سارہ نے ادھر کی بات سن کر ریسیور ٹیلیفون کے ساتھ رکھا اور بیڈروم کے دروازے پر آ کر بولی۔

"جبار بھائی کے چھوٹے بھائی ہیں اسرار ناصر۔"

"اچھا...... کیا کہہ رہا ہے۔" صارم نے پوچھا۔

"آپ کو بلا رہے ہیں۔" سارہ نے بتایا۔

"اچھا......" صارم ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتا اٹھا۔ "یہ پراسرار بھائی صبح صبح کہاں کی خبر لے آیا۔"

"معلوم نہیں۔" سارہ نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "صارم تمہاری چائے نکالوں۔"

"ہاں، ہاں نکالو...... میں اس سے بات کر کے آرہا ہوں۔" صارم نے کہا۔

صارم نے بیڈروم میں جا کر ریسیور اٹھایا اور بیڈ پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "ہاں اسرار...... میں صارم بول رہا ہوں۔"

"صارم بھائی...... کچھ دن پہلے جبار بھائی نے آپ کے بارے میں بات کی تھی، آپ کے گھر میں شاید کوئی مسئلہ ہے۔" اسرار نے بات شروع کی۔

"شاید نہیں...... یقیناً میرے گھر میں کوئی مسئلہ ہے بلکہ مسائل ہیں۔" صارم نے اسے یقین دلایا۔

"پھر آپ ایسا کریں آدھے گھنٹے میں سہراب گوٹھ پہنچ جائیں، میں آپ کو وہاں کھڑا ملوں گا۔"

اسرار ناصر نے کہا۔

''ٹھیک ہے میں پہنچ جاتا ہوں۔'' صارم نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''مگر تم مجھے کہاں ملو گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں تمہیں ڈھونڈتا ہی رہ جاؤں۔''

''ارے نہیں صارم بھائی...... سہراب گوٹھ کا پل ختم ہوتے ہی جو بسوں کا اڈا ہے، آپ وہاں آ جائیں۔'' پھر اسرار نے اس پان کی دکان کی نشاندہی کی، جہاں وہ کھڑا ہو کر صارم کا انتظار کرے گا۔

''چلو...... ٹھیک ہے۔ میں پہنچتا ہوں...... پر پروگرام کیا ہے؟''

''دو تین میل آگے جانا ہے۔ سپر ہائی وے کے نزدیک ایک آستانہ ہے وہاں۔'' اسرار نے بتایا۔

''او کے...... میں آتا ہوں۔'' صارم نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا اور مسکراتا ہوا بیڈ روم کے دروازے سے نکلا اور بولا۔ ''لاؤ...... یار، میری چائے کہاں ہے؟''

سارہ نے کپ کی طرف اشارہ کیا۔ صارم کھڑے کھڑے چائے پینے لگا۔

''بیٹھ جاؤ صارم...... کیا جلدی ہے؟''

''ہاں یار...... مجھے آدھے گھنٹے میں سہراب گوٹھ پہنچنا ہے، مجھے اسرار کے ساتھ کہیں جانا ہے۔''

''کس سلسلے میں۔'' سارہ نے پوچھا۔

''یہ جو کچھ گھر میں ہو رہا ہے اس سلسلے میں...... پتہ تو چلے آخر یہ سلسلہ کیا ہے؟''

''صارم کہیں کسی غلط آدمی کے ہاتھوں میں نہ پھنس جانا...... طرح طرح کے لوگ باہر دکان سجائے بیٹھے ہیں، جن بھوت اور آسیب کا سایہ اتارنے والے، محبوب کو قدموں میں ڈالنے والے، یہ لوگ تو پرائز بانڈ کا نمبر تک بتانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان جعلی پیروں، فقیروں کو کوئی پکڑتا بھی تو نہیں۔ ہمارے اخبارات الگ ان کی پبلسٹی کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔'' سارہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''نہیں...... میں ایسے کسی پیر فقیر کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اسرار مجھے لے جا رہا ہے تو کسی صحیح جگہ ہی لے جا رہا ہوگا۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میں اس کے بھائی کا دوست ہوں۔'' صارم نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''چلیں دیکھیں...... یہ اسرار صاحب کیا کرتے ہیں، کہاں لے جاتے ہیں۔''

صارم چائے پی چکا تھا۔ سارہ جلدی سے اس کے کپڑے نکالنے کے لئے اٹھی۔

☆......☆......☆

صارم ٹھیک وقت پر سہراب گوٹھ پہنچ گیا۔ اسرار ناصر پان کے کھوکھے کے سامنے کھڑا تھا۔ سڑک پر صارم کی گاڑی دیکھتے ہی وہ اس کی طرف بڑھ آیا۔ ہاتھ کے اشارے سے اس نے صارم کو سلام کیا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر اس کے برابر بیٹھ گیا۔ وہ پان کھا رہا تھا، اس کا منہ پیک سے بھرا ہوا تھا۔

''کدھر چلنا ہے؟'' صارم نے پوچھا۔

اسرار نے سامنے کی طرف اشارہ کیا، صارم نے گاڑی دوڑا دی۔

چار پانچ کلومیٹر چلنے کے بعد اسرار پیک تھوک کر بولا۔ ''صارم بھائی دائیں جانب جانا ہے، گاڑی نیچے اتار لیں۔''

صارم کو کچے راستے پر کوئی آدھا کلومیٹر گاڑی ڈرائیو کرنا پڑی۔ تب اسے سامنے ایک مکان نظر آیا۔ یہ اونچائی پر بنا ہوا تھا۔ دروازے تک پہنچنے کیلئے چار پانچ سیڑھیاں تھیں۔ سفید رنگ کا دروازہ تھا جبکہ مکان پر سفیدی پھری ہوئی تھی۔ دروازے کے اوپر ایک بورڈ آویزاں تھا جس پر لکھا تھا...... آستانہ کمالیہ۔

صارم نے سیڑھیوں کے نزدیک گاڑی پارک کر دی اور وہ دونوں گاڑی سے نکل آئے۔

''یار اسرار تم مجھے کہاں لے آئے...... لگتا ہے اس مکان میں کوئی نہیں۔'' صارم نے کہا۔

اسرار ناصر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ مسکراتا ہوا سیڑھیاں چڑھ کر دروازے پر پہنچا اور آہستہ سے دروازہ بجایا۔ دروازہ بجا کر وہ پیچھے پلٹا تو اسے ایک ایسا منظر نظر آیا کہ اس کا دل دہل گیا۔

وہ یکدم چیخا۔ ''صارم بھائی۔''

اس کی خوفزدہ چیخ سن کر صارم پریشان ہو گیا۔ اس نے سمجھا کہ اسرار نے دروازے پر کچھ دیکھ لیا ہے۔ اس نے گھبرا کر اسرار کی طرف دیکھا لیکن وہ تو اسے دیکھ کر خوفزدہ ہوا تھا۔

اسرار دروازہ بجا کر صارم کی طرف گھوما تو اس نے تیر کی طرح ایک اچھے خاصے بڑے گدھ کو صارم کی طرف جھپٹتے دیکھا۔ وہ جسیم گدھ جس کے پنجے سرخ تھے اچانک ہی فضا میں نمودار ہوا تھا اور اب بڑے جارحانہ انداز میں صارم پر ٹوٹ پڑنے کو تھا۔ اسرار اس دہشت ناک منظر کو دیکھ کر لرز گیا۔ اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکلی۔ اس نے صارم کو نیچے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

صارم اس کا اشارہ دیکھتے ہی فوراً نیچے بیٹھ گیا۔ اسے اب یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی تھی کہ اسرار کیا دیکھ کر چیخا ہے۔

وہ سرخ پنجوں والا جسیم گدھ اس پر جھپٹتا ہوا یکدم اوپر اٹھا اور پرواز کرتا ہوا دائیں جانب مکان کے پیچھے غائب ہو گیا۔

اسرار ناصر سیڑھیاں اتر کر صارم کے نزدیک آیا۔ ''صارم بھائی یہ کیا چیز تھی؟''

''یہی وہ چیز ہے جس نے ہماری جان عذاب میں ڈال رکھی ہے۔ چلو تم نے بھی اس منحوس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔'' صارم نے بتایا۔

''یہ تو بڑے خطرناک طریقے سے آپ پر حملہ آور ہوا تھا۔ اگر آپ نیچے نہ بیٹھتے تو ممکن تھا کہ یہ آپ کو زخمی کر دیتا۔'' اسرار نے کہا۔

اتنے میں دروازے کے پیچھے کھٹ پٹ کی آواز آئی اور پھر دروازہ کھلا۔

چارخانے کا تہبند، سفید کرتا، جالی دار سفید ٹوپی پہنے ایک صاحب دروازے پر نمودار ہوئے ان کی

عمر ستر سے کیا کم ہوگی۔ آنکھیں بڑی بڑی اور عینک سے بے نیاز، سفید داڑھی، سانولی رنگت، ہونٹ مسکراہٹ سے خالی، چہرے پر ایک خاص طرح کی سختی۔

اسرار نے انہیں دیکھتے ہی ادب سے سلام کیا۔ صارم نے بھی سلام کے لئے ہاتھ اٹھایا۔

دروازے پر نمودار ہونے والے شخص نے ان دونوں کو بڑی گہری نظروں سے دیکھا۔

''شاہ صاحب...... ہم حاضرات کے لئے آئے ہیں۔'' اسرار نے دو سیڑھیاں اوپر چڑھ کر کہا۔

''اچھا۔'' شاہ صاحب نے مختصر جواب دیا اور دروازے سے اندر چلے گئے۔

اسرار نے صارم کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ یہ دونوں سیڑھیاں چڑھ کر آگے پیچھے اندر داخل ہوئے۔

یہ ایک بڑا کمرہ تھا، ہال نما...... آدھے کمرے میں سبز رنگ کا قالین بچھا تھا اور آدھا کمرہ قالین سے بے نیاز تھا۔ ایک طرف بڑا تخت تھا جس پر سفید چادر بچھی ہوئی تھی۔ چادر پر دو گاؤ تکیے رکھے تھے۔ تکیوں پر سبز مخملیں غلاف چڑھے ہوئے تھے جو سنہری بیلوں سے مزین تھے۔ اس مسند کے برابر ایک مونڈھا رکھا تھا۔ اس مونڈھے کی پشت پر سبز رنگ کا غلاف چڑھا ہوا تھا۔ گول گدی تھی۔ اس گدی کا رنگ بھی سبز تھا...... گاؤ تکیوں والی مسند کے سامنے ایک اور مونڈھا تھا۔ یہ بغیر پشت کا مونڈھا تھا اور اس پر کوئی غلاف تھا نہ کوئی گدی۔

صارم نے اندازہ کیا کہ زمین پر بچھے سبز قالین پر لوگ آکر بیٹھتے ہوں گے اور گاؤ تکیوں والی مسند پر شاہ صاحب بیٹھ کر عمل کرتے ہوں گے۔ اس وقت کمرے میں کوئی اور نہ تھا۔ اسرار نے بتایا تھا کہ شاہ صاحب عصر اور مغرب کے درمیان حاضرات کرتے ہیں، اس وقت یہاں اچھا خاصا رش ہوتا ہے۔ اسرار نے یہ وقت خاص طور سے حاصل کیا تھا تاکہ اطمینان سے بات ہو سکے۔

شاہ صاحب مسند کے برابر بڑے مونڈھے پر بیٹھ گئے اور دونوں کی طرف دیکھ کر مخاطب ہوئے۔

''آپ دونوں میں سے چوکی پر کون بیٹھے گا۔''

''میں۔'' اسرار ناصر نے ایک قدم بڑھا کر کہا۔

''آئیں پھر۔'' شاہ صاحب نے چھوٹے مونڈھے کی طرف اشارہ کیا۔

اسرار، شاہ صاحب کی طرف منہ کر کے چھوٹے مونڈھے پر بیٹھ گیا۔ اس نے صارم کو قالین پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

صارم فوراً قالین پر بیٹھ گیا۔ وہ اس زاویے سے بیٹھا کہ اسے دونوں کی صورتیں نظر آئیں۔ ویسے اسے حیرت تھی کہ معاملہ اس کا تھا لیکن ''چوکی'' پر بٹھا انہوں نے اسرار کو لیا تھا۔ انہوں نے تو یہ بھی نہ پوچھا کہ معاملہ کس کا اور کس نوعیت کا ہے...... پھر وہ گاؤ تکیوں والی مسند بھی خالی تھی۔ آخر اس پر کون بیٹھے گا؟ اس کا خیال تھا کہ شاہ صاحب مسند نشین ہوں گے، لیکن وہ تو بڑے مونڈھے پر بیٹھ گئے تھے۔

اب شاہ صاحب نے کچھ پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ کچھ دیر وہ خالی مسند کی طرف دیکھ کر پڑھتے

رہے پھر ذرا سی گردن موڑ کر اسرار کو دیکھا۔

ان کی آنکھوں میں جانے کیا تھا کہ اسرار کو دیکھتے ہی ایک جھٹکا سا لگا اور اس کی آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں۔

''چل ری چوکی اٹھ۔'' شاہ صاحب نے حکم دیا۔

اسرار یہ سنتے ہی فوراً کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

''چل ٹھکانے پر چل۔''

صارم کا خیال تھا کہ یہ حکم سن کر اسرار ناصر چلنا شروع کر دے گا اور آنکھیں بند کئے کئے کمرے سے نکل جائے گا لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔ وہ کہیں جانے کے بجائے دھپ سے مونڈھے پر بیٹھ گیا۔ البتہ یہ ضرور محسوس ہوا جیسے اسے کسی نے پکڑ کر بٹھایا ہو یا ہلکا سا دھکا دیا ہو۔

''ٹھکانے پر پہنچ گئی۔'' شاہ صاحب نے اسرار کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اسرار کی آنکھیں بند تھیں اور چہرہ بے تاثر تھا۔ اس کے چہرے سے یہ بھی پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ شاہ صاحب کی بات سن بھی رہا ہے یا نہیں۔

''چل دیکھ...... کیا مسئلہ ہے۔'' شاہ صاحب نے حکم دیا اور بغور اسرار کا چہرہ دیکھنے لگے اور ساتھ ساتھ گردن ہلانے لگے، جیسے کوئی انہیں کچھ بتا رہا ہو اور وہ اس کی بات سن کر معاملے کی تہ میں پہنچنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

''اچھا بسیرا ہے...... پکا بسیرا ہے...... کون لوگ ہیں یہ...... ہاں معلوم کرو...... دس سال پیچھے چلو...... بارہ سال پیچھے چلو۔ ہاں اب بتاؤ...... نیم کا درخت...... اچھا...... ہاں...... ٹھیک ہے...... ہاں بولتے رہو...... میں سمجھ رہا ہوں...... ان کی خباثت ختم ہو جائے گی...... بہت غلط بات ہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ ٹھیک ہے میں دیکھ لوں گا...... چوکی تم واپس آؤ۔''

صارم، شاہ صاحب کی گفتگو بڑے غور سے سن رہا تھا۔ وہ کچھ اس طرح بات کر رہے تھے جیسے کوئی ٹیلیفون پر کرتا ہے۔ صرف ایک طرف کی بات سنائی دیتی ہے اور بولنے والے کے جملوں سے کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ادھر سے کیا جواب مل رہا ہے۔

اس گفتگو کے دوران صارم نے محسوس کیا کہ شاہ صاحب کا چہرہ کئی بار تبدیل ہوا۔ کبھی غصہ جھلکا، کبھی سنجیدگی آئی، کبھی فکر لہرائی...... نظریں بدستور اسرار پر رہیں، لیکن کبھی سنبھل کر بیٹھے، کبھی ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ گئیں...... کبھی پاؤں پھیلا کر آگے جھکے۔

اس دوران اسرار بت بنا بیٹھا رہا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے وہ یہاں موجود ہی نہیں ہے۔

جب شاہ صاحب نے اپنی گفتگو کے آخر میں حکم دیا۔ ''چوکی اب واپس آؤ۔''

تو یہ کہتے ہی اسرار ناصر نے یکدم اپنی آنکھیں کھول دیں۔ شاہ صاحب نے بغور اس کا چہرہ دیکھا اور تسلی آمیز لہجے میں پوچھا۔ ''ٹھیک ہو؟''

"جی، شاہ صاحب...... میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اسرار نے پورے اطمینان سے کہا۔

"مکان کس کا ہے؟" شاہ صاحب نے سوال کیا۔

"مکان ان کا ہے۔" اسرار نے قالین پر بیٹھے ہوئے صارم کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ یہاں آئیں۔" شاہ صاحب نے مونڈھے کی طرف دیکھ کر کہا۔

اشارہ پاتے ہی اسرار مونڈھے سے اٹھ گیا۔ اس نے صارم کے لئے جگہ خالی کر دی۔ صارم مونڈھے پر بیٹھنے لگا تو شاہ صاحب نے کہا۔ "میرے قریب آ جائیں۔"

اسرار نے یہ سنتے ہی مونڈھا شاہ صاحب کے قریب کر دیا اور خود قالین پر جا کر بیٹھ گیا۔

صارم کے مونڈھے پر بیٹھتے ہی شاہ صاحب نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ "ہاتھ دکھائیں۔"

صارم نے اپنا سیدھا ہاتھ آگے بڑھایا۔

وہ بولے۔ "نہیں، بایاں ہاتھ۔"

صارم نے بایاں ہاتھ آگے کر دیا۔ شاہ صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر الٹا کیا اور ناخنوں کو غور سے دیکھا۔ انگوٹھے کے ناخن پر بطور خاص توجہ کی...... اس کے بعد ہاتھ چھوڑ کر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"جس گھر میں آپ رہتے ہیں، وہاں کبھی ایک نیم کا درخت تھا...... اس پر شری مخلوق کا بسیرا تھا، اس درخت کو کٹوا دیا گیا لیکن درخت کٹوانے والا اس گھر میں بس نہیں سکا۔ کئی جانوں کا زیاں ہوا اور پھر یہ مکان اجڑ گیا۔ اس شری مخلوق نے کسی کو بسنے نہ دیا۔ کئی لوگ آئے اور ڈر کر بھاگ گئے۔ اب آپ نے اس گھر کا قبضہ لیا ہے۔ یہ بات اس شری مخلوق کو قطعاً پسند نہیں، لہٰذا اس گھر میں جو کچھ ہو رہا ہے، اس سے آپ اچھی طرح واقف ہیں...... وہ سرخ پنجوں والا تو تعاقب میں یہاں تک آ پہنچا۔" شاہ صاحب بولتے بولتے یکدم خاموش ہو گئے۔

پھر انہوں نے گاؤ تکیوں والی خالی مسند کی طرف دیکھا۔ چند لمحے غور سے سفید چادر پر نظریں جمائے رہے۔ پھر گہرا سانس لے کر صارم کو دیکھا۔

"شاہ صاحب...... یہ مکان میں نے خرید لیا ہے، میں اسے چھوڑنا نہیں چاہتا۔ آپ اس مصیبت سے مجھے نجات دلائیں۔ بڑی مہربانی ہو گی۔" اس نے اپنا مدعا بیان کیا۔

"بھائی ایک ہو تو نجات دلاؤں۔ ایک کو ماروں گا تو دوسرا اس کی جگہ لے لے گا۔ دوسرے کو بھگاؤں گا تو تیسرا اس کی جگہ آ بیٹھے گا۔ بھائی وہ تو پورا قبیلہ ہے اور سرخ پنجوں والا ان کا سردار ہے۔ یہ بڑے خبیث لوگ ہیں۔ آسانی سے جان چھوڑنے والے نہیں۔" شاہ صاحب نے اسے سمجھایا۔

"شاہ صاحب...... ہم تو آپ کے پاس بڑی امید لے کر آئے تھے۔" اس مرتبہ اسرار بولا۔

"ٹھیک ہے بھائی...... مجھ سے جو کچھ ہو سکے گا...... ضرور کروں گا۔ مجھے سات دن دے دو۔ آج کیا ہے؟ جمعرات ہے، ٹھیک آپ لوگ اگلی جمعرات کو اسی وقت آ جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا...... کوشش کروں گا کہ ان منحوسوں سے نجات مل جائے۔" شاہ صاحب نے مونڈھے سے اٹھتے

ہوئے کہا۔

انہیں اٹھتا دیکھ کر صارم اور اسرار بھی اٹھ گئے۔

"شاہ صاحب...... اس سلسلے میں ہم سے جو بھی خدمت ہو سکے گی کریں گے؟" صارم نے کہا۔

"اچھا...... کیا خدمت کریں گے آپ...... زیادہ سے زیادہ ہزار پانچ سو ہمارے ہاتھ پر رکھ دیں گے۔ اگر یہی کرنا ہے تو بازار میں بہت لوگ بیٹھے ہیں۔ ان میں سے کسی کو پکڑ لیں اور ان کی خوب خدمت کریں اور پھر تماشا دیکھیں۔" شاہ صاحب خفا ہو گئے۔

"شاہ صاحب ناراض نہ ہوں، صارم بھائی کو آپ کے بارے میں معلوم نہیں ہے کہ آپ اس سلسلے میں کسی قسم کی خدمت قبول نہیں کرتے۔ قصور میرا ہے کہ میں نے انہیں آپ کے بارے میں پوری طرح نہیں بتایا۔" اسرار نے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

"اچھا ٹھیک ہے...... جمعرات کو آ جانا اور اپنی گاڑی میں ہمیں لے جانا...... بس یہی خدمت بہت ہے۔" شاہ صاحب نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

اسی وقت ایک عجیب بات ہوئی۔ صارم کو اچانک اپنے سر پر ہوا کا جھونکا محسوس ہوا۔ وہ غیر ارادی طور پر جھک گیا، جیسے کوئی پرندہ اس کے سر پر سے گزرا ہو۔

صارم تکیوں والی خالی مسند کے بالکل قریب تھا۔ جھکتے ہی اس کی نظر سفید چادر پر گئی تو اس نے دیکھا کہ چادر پر خون سے بھرے پنجے کا نشان ابھر آیا ہے۔

اس پنجے کے نشان کو دیکھتے ہی شاہ صاحب کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ "خبیث تیری یہ جرأت۔"

وہ واپس پلٹے اور تیزی سے اندرونی دروازے کی طرف بڑھے اور دروازہ کھول کر اندر چلے گئے۔

صارم اور اسرار نے ایک دوسرے کو پریشان کن نظروں سے دیکھا۔ اسرار ناصر زیادہ پریشان تھا، اس نے بغور سفید چادر پر بننے والے اس خونی پنجے کو دیکھا۔ یوں لگتا تھا جیسے گہرے سرخ رنگ سے کسی نے پنجہ بنا دیا ہو۔

شاہ صاحب واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں قینچی تھی۔ انہوں نے چٹکی سے چادر پکڑ کر قینچی سے کٹ لگایا اور پھر قینچی اندر داخل کر کے چوکور ٹکڑا کاٹ لیا۔ یہ چوکور ٹکڑا جس پر پنجے کا نشان تھا صارم کی طرف بڑھایا۔ اس نے فوراً اپنی چٹکی میں لے لیا۔

شاہ صاحب نے کٹی ہوئی چادر تخت سے اٹھالی اور لپیٹ کر چھوٹے مونڈھے پر ڈال دی۔ تخت پر روئی کا موٹا گدا بچھا ہوا تھا، جس پر سبز غلاف چڑھا ہوا تھا۔

شاہ صاحب نے چادر لپیٹ کر ڈالنے کے بعد وہ پنجے والا کپڑے کا سفید ٹکڑا واپس لے لیا، اسے غور سے دیکھا اور پھر ایک جھٹکے سے زمین پر پھینک دیا۔

"ماچس ہے......" شاہ صاحب نے پوچھا۔

"لائیٹر ہے۔" اسرار ناصر نے اپنی جیب سے چھوٹا مگر خوبصورت لائٹر نکال لیا۔

"آگ لگا دو اسے۔" شاہ صاحب نے آگ بھرے لہجے میں کہا۔

اسرار ناصر فوراً زمین پر بیٹھ گیا۔ صارم نے اس کی تقلید کی۔ اسرار نے ایک چٹکی سے کپڑا پکڑ کر اٹھایا اور لائیٹر جلا کر اس کا شعلہ کپڑے کے نیچے کر دیا۔ ایک لمحے میں کپڑے نے آگ پکڑ لی اور اتنی تیزی سے پکڑی کہ اگر اسرار اس چوکور ٹکڑے کو فوراً چھوڑ نہ دیتا تو آگ اس کا ہاتھ ضرور جلا دیتی۔ کپڑا زمین پر گرتے گرتے راکھ ہو گیا...... لیکن پریشان کن بات یہ ہوئی کہ کپڑا تو جل کر راکھ ہو گیا لیکن اس پنجے کا کچھ نہ بگڑا۔ وہ ویسا کا ویسا ہی رہا۔ حتیٰ کہ اس کا رنگ بھی تبدیل نہ ہوا۔

شاہ صاحب کے لئے یہ منظر غیر متوقع تھا۔ پنجے کو صحیح سلامت دیکھ کر ان کے سانولے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ انہوں نے غصے سے قینچی اٹھائی۔ اس کی نوک پر کچھ پڑھ کر پھونک ماری اور زمین پر بیٹھ گئے۔ پھر قینچی سے اس پنجے کے نشان کو باریک ٹکڑوں میں تبدیل کر دیا...... وہ اندر سے کاغذ لے آئے اور اسرار کے ہاتھ میں دے کر کہا۔ "اسے سمیٹ لو۔"

اسرار ناصر نے بڑی احتیاط کے ساتھ راکھ اور پنجے کے نشان کے ٹکڑے پوری احتیاط کے ساتھ سمیٹ لئے اور کاغذ کی پڑیا بنالی۔

"اسے باہر پھینکتے جانا۔" شاہ صاحب نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "اب جمعرات کو ملاقات ہو گی۔ پنجے کی صورت میں ظاہر ہو کر وہ ہمیں چیلنج دے گیا ہے اور ہم نے اس کا چیلنج قبول کر لیا ہے اب معرکہ آرائی ہو گی۔"

شاہ صاحب دروازے تک ساتھ آئے۔ ان کے نکلتے ہی انہوں نے دھاڑ سے دروازہ بند کر لیا۔

صارم اور اسرار حیران پریشان گاڑی کی طرف بڑھے۔

"صارم بھائی بس اب آپ بے فکر ہو جائیں۔ اس منحوس نے شاہ صاحب سے ٹکر لے لی۔ اب وہ اس گھر میں زیادہ عرصے نہ رہ سکے گا۔" اسرار نے کہا۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" صارم نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

☆......☆......☆

صارم کے لئے یہ سب کچھ بڑا انوکھا اور عجیب تھا۔ اس طرح کے پیروں فقیروں سے اس کا کبھی واسطہ نہ پڑا تھا...... نہ وہ یہ جانتا تھا کہ آسیب بھی کوئی چیز ہوتا ہے۔ اس طرح کے واقعات اس نے ضرور سنے تھے جنہیں وہ ہنس کر ٹال دیا کرتا تھا۔ قصے کہانی سے زیادہ وہ ان چیزوں کو اہمیت نہ دیتا تھا لیکن آج اس نے شاہ صاحب کے آستانے پر جو دیکھا تھا اور اپنے مکان کے حوالے سے جن واقعات سے دوچار ہوا اور مکان کے بارے میں جو کچھ سنا تھا، اس نے اس کے نظریات کو بدل دیا تھا۔ اب وہ سوچنے لگا تھا کہ یہ سب وہم کی کرشمہ سازی نہیں ہے بلکہ اس پردہ سیاہ کے پیچھے کوئی ہے ضرور...... پھر شاہ صاحب نے بھی وہی کچھ کہا تھا جو خالہ سجو سارہ کو بتا چکی تھی۔

وہ اسرار ناصر کو چھوڑ کر واپس گھر پہنچا تو سارہ اس کی شدت سے منتظر تھی۔

"کیا ہوا؟" سارہ نے اس کے چہرے پر نگاہیں جما کر کہا۔

"ابھی تو کچھ نہیں ہوا۔" یہ صارم کا مخصوص جواب تھا۔ وہ "کیا ہوا" کے جواب میں ہمیشہ یہی کہتا۔

"پھر کب ہو گا؟" سارہ کون سی کم تھی وہ پوچھتی۔

"ہو جائے گا جلدی کیا ہے؟" بات کہیں سے کہیں چلی جاتی تو سارہ جھلا جاتی۔

وہ جھلا کر کہتی۔ "صارم بکواس نہیں۔"

"اچھا بتاتا ہوں...... ذرا ایک کپ چائے تو پلاؤ۔" صارم کرسی کھینچ کر اپنی مخصوص جگہ بیٹھ گیا۔

"میں نہیں بناتی چائے...... پہلے مجھے ساری بات بتاؤ۔" وہ بھی اڑ گئی۔

"چائے کے لئے خالہ سجو سے کہہ دو...... کہاں ہیں وہ۔" صارم نے راستہ دکھایا۔

"وہ ڈرائنگ روم کی صفائی کر رہی ہیں...... چائے میں خود بناؤں گی۔" سارہ نے اپنائیت سے کہا۔

"بہت شکریہ۔" صارم نے ہنس کر کہا۔ "جاؤ...... پھر پانی رکھ کر آؤ۔"

"بڑے خبیث ہو۔" سارہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"یار...... کیا کروں...... تمہارے ساتھ رہ کر تم جیسا ہو گیا ہوں۔" وہ چوکنے والا کہاں تھا بھلا۔

سارہ چند لمحوں میں پانی رکھ کر واپس آ گئی۔ "اب بولو۔"

"یار...... یہ شاہ صاحب تو کمال کی چیز ہیں۔"

"کون شاہ صاحب؟" سارہ نے پوچھا۔

صارم نے تب سارہ کو آستانہ پہنچنے اور ایک گدھ کے جھپٹنے...... پھر شاہ صاحب کی چوکی کا احوال...... اور پنجے کے نشان کا حیرت انگیز واقعہ...... ایک ایک بات پوری تفصیل سے سنا ڈالی۔ اس اثنا میں سارہ چائے بنا لائی۔ وہ چائے پیتا رہا اور بولتا رہا۔

جب وہ چپ ہوا تو سارہ نے کہا۔ "حیرت کی بات ہے کہ شاہ صاحب نے وہی ساری باتیں کہیں جو مجھے خالہ سجو بتا چکی ہیں۔ اب تو کوئی شک وشبہ نہ رہا۔ پر اب ہو گا کیا؟"

"احباب روٹیاں توڑیں گے اور فاتحہ ہو گی۔" صارم پھر پٹڑی سے اتر گیا۔

"صارم بدتمیزی نہیں۔" سارہ سنجیدہ ہو گئی۔

"اوکے باس۔" وہ فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "اب شاہ صاحب کو جمعرات کو گھر لے کر آنا ہے۔ شاہ صاحب بڑے غصے میں آ گئے ہیں۔"

"پھر تو پنجہ آزمائی ہو گی۔" سارہ نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"پنجے سے یاد آیا...... اب تو شاہ صاحب نے فنگر پرنٹ بھی دیکھ لئے ہیں۔ مجرم کو پکڑنے میں

آسانی ہوگی۔'' صارم نے ہنس کر کہا۔

''فنگر پرنٹ؟'' سارہ حیرت سے بولی۔''فنگر پرنٹ کہاں سے آ گئے؟''

''ارے فنگر پرنٹ مجرم نے خود ہی فراہم کیے تھے۔تمہیں بتایا تو ہے کہ سفید چادر پر خون بھرا پنجہ نمودار ہو گیا تھا۔'' صارم نے اسے یاد دلایا۔

''اوہ...... یوں کہوں نا...... بعض وقت تم بندے کا سر گھما دیتے ہو۔'' سارہ نے کہا۔

''ہر چیز کو گردش میں رہنا چاہئے۔حرکت میں برکت ہوتی ہے۔'' صارم بولا۔

''صارم...... مجھے لگ رہا ہے، تمہیں بھوک لگ رہی ہے۔اسی لئے بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔'' سارہ ہنس کر بولی۔

''ہاں تو اور کیا...... چائے بھی تم نے میرے آگے خالی رکھ دی۔'' صارم نے احتجاج کیا۔

''تو مجھ سے کہا ہوتا...... تم مہمان آئے ہو، اس گھر میں۔'' سارہ نے اسے ترچھی نظروں سے دیکھا۔

''ویسے...... کبھی کبھی جی چاہتا ہے...... بندہ اپنے گھر میں مہمان بن جائے۔'' وہ شاعری پر اتر آیا۔

''مہمان بنو گے تو بس تین دن ہی اس گھر میں رہ سکو گے، کیونکہ مہمان تین دن بعد بلائے جان بن جاتا ہے۔اب بتاؤ بنو گے مہمان؟'' سارہ نے اسے اپنی حسین آنکھوں سے گھورا۔

''نہیں بابا...... میں مہمان نہیں بنوں گا...... صرف جان بنوں گا اور وہ بھی تمہاری۔''

اس سے پہلے کہ سارہ کوئی جواب دیتی، ٹیلیفون کی گھنٹی بجی، گھنٹی کی آواز سنتے ہی صارم فوراً کھڑا ہو گیا۔''میں دیکھتا ہوں۔''

صارم نے بیڈروم میں جا کر سی ایل آئی پر نمبر دیکھا۔کوئی اجنبی نمبر تھا۔اس نے ریسیور اٹھا کر ''ہیلو'' کہا۔

''صارم بھائی؟'' ادھر سے استفسار ہوا۔

''ہاں...... میں صارم بول رہا ہوں۔'' صارم نے اس کی آواز پہچاننے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔''آپ کون؟ میں پہچانا نہیں۔''

''میں ظفر بات کر رہا ہوں۔'' اُدھر سے بتایا گیا۔''ظفر مراد۔''

''ہاں، ظفر کیسے ہو؟'' صارم نے اسے پہچان کر نرم لہجے میں بات کی۔

''صارم بھائی، میں تو ٹھیک ہوں لیکن ڈیڈی......!'' وہ بتاتے بتاتے رک گیا۔

''ارے کیا ہوا انہیں؟'' صارم نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

''صارم بھائی...... انہیں دل کا دورہ پڑا ہے۔وہ اسپتال میں داخل ہیں۔'' ظفر مراد نے کہا۔

''اوہ...... یہ تو اچھی خبر نہیں...... حال کیا ہے؟'' صارم نے پوچھا۔

''خطرے سے تو نکل آئے ہیں...... اس وقت آئی سی یو میں ہیں۔'' ظفر مراد نے بتایا۔''پھر چند لمحے رک کر پوچھا۔''سارہ باجی کہاں ہیں؟

''گھر میں ہیں...... ٹھہرو بلاتا ہوں۔'' صارم نے کہا۔

''نہیں صارم بھائی...... انہیں ابھی مت بلائیں...... ڈیڈی نے ایک پیغام دیا ہے۔سوچتا ہوں آپ کو بتاؤں؟'' ظفر مراد کچھ سوچ کر بولا۔

''ہاں، کہو۔'' صارم نے کہا۔

''صارم بھائی ڈیڈی نے کہا کہ میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں...... سارہ کو ایک بار دیکھنا چاہتا ں۔'' ظفر مراد کی آواز لرزنے لگی تھی۔'' صارم بھائی...... آپ باجی کو راضی کیجئے گا۔''

''ارے ظفر تم پریشان مت ہو...... سارہ ضرور آئے گی۔میں اسے خود لے کر آؤں گا۔ڈیڈی کس نال میں ہیں۔ملاقات پر کوئی پابندی تو نہیں۔'' صارم نے استفسار کیا۔

''وزیٹرز اور بولنے پر ڈاکٹروں نے پابندی لگا رکھی ہے لیکن کوئی ڈاکٹر بیٹی کو باپ کے پاس آنے کس طرح روک سکتا ہے۔'' ظفر مراد نے اسے اسپتال کا نام بتایا۔

''ٹھیک ہے...... تم ڈیڈی کو اطمینان دلاؤ...... میں سارہ کو لے کر آ رہا ہوں۔ہاں، کیا تم سارہ سے کرو گے؟'' صارم نے پوچھا۔

''جی کرائیں۔'' ظفر نے کہا۔

''اے سارہ۔'' صارم نے آواز لگائی۔جواب نہیں آیا تو اس نے بلند آواز میں کہا۔''سارہ۔''

''جی۔'' وہ کچن میں تھی، وہیں سے بولی۔

''سارہ جلدی آؤ...... تمہارا فون ہے۔'' صارم نے زور سے کہا۔

''کس کا فون ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''بات کرو۔'' صارم نے فون کرنے والے کا نام بتانے کے بجائے اس کے ہاتھ میں ریسیور دیا۔

''ہیلو۔'' سارہ نے پر تجسس لہجے میں کہا۔

''سارہ باجی...... میں ظفر بول رہا ہوں...... آپ کا ظفری۔'' ظفر کی آواز میں لرزش تھی۔

''ارے ظفری میرے بھائی...... تم کیسے ہو؟'' سارہ کے لہجے میں بے پناہ پیار تھا۔

''سارہ باجی...... آپ کو ڈیڈی نے بلایا ہے۔وہ اسپتال میں ہیں اور آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''کیا ہوا انہیں۔'' سارہ ایک دم اندر سے سرد ہو گئی۔

''ہارٹ اٹیک...... خطرے سے باہر ہیں۔آپ کو شدت سے یاد کر رہے ہیں۔باجی پلیز فوراً آ یں، ماضی کو بھلا کر آ جائیں۔'' ظفر کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

''اچھا۔'' اتنا کہہ کر سارہ نے ریسیور صارم کو دے دیا۔

''ٹھیک ہے ظفر...... تم انتظار کرو...... ڈیڈی سے کہو ہم آ رہے ہیں۔'' صارم نے اطمینان دلایا۔

''تھینک یو...... صارم بھائی۔'' صارم نے فون بند کر دیا۔

سارہ بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے اپنا چہرہ اپنے ہاتھوں سے ڈھانپ لیا تھا۔ اس کا جسم لرز رہا تھا......
صارم جانتا تھا کہ وہ رو رہی ہے۔ وہ بیڈ پر اس کے پاس بیٹھ گیا اور اسے اپنے قریب کر لیا۔

"میں اب کیا کروں صارم؟" سارہ نے اس کے کندھے پر سر رکھ کر سسکتے ہوئے کہا۔

"سارہ...... ہمیں جانا ہوگا۔ وہ کیسے بھی سہی، تمہارے باپ ہیں۔ وہ تمہیں دیکھنے کے لئے تڑپ رہے ہیں۔" صارم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"صارم...... میں بھی تو کبھی تڑپی تھی۔ اس وقت تو انہوں نے نہیں سوچا کہ میں ان کی بیٹی ہوں۔"
سارہ کا دل پھٹ رہا تھا۔ "کیا تم بھول گئے؟"

"نہیں...... میں کچھ نہیں بھولا۔" صارم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "جس طرح انہوں نے میری توہین کی...... میرے باپ کو جس طرح ڈس ہارٹ کیا...... میں کچھ نہیں بھولا، لیکن یہ وقت کچھ یاد کرنے کا نہیں ہے، ہمیں سب کچھ بھولنا ہوگا۔ مجھے نہیں معلوم وہ کس حالت میں ہیں۔ بہر حال بستر علالت پر ہیں۔ ہمیں ان کی عیادت کو جانا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے صارم...... اگر تمہاری مرضی یہی ہے تو چلو۔" سارہ آنسو پونچھتی ہوئی اٹھ گئی۔

"گڈ گرل۔" صارم نے اسے توصیفی نظروں سے دیکھا۔

☆......☆......☆

صارم ایک بڑی ایڈورٹائزنگ ایجنسی "کاس ماس تھری" میں ملازم تھا۔ ماس کمیونی کیشن میں ایم اے کرنے کے بعد اس نے کاس ماس تھری میں کاپی رائٹر کی حیثیت سے ملازمت کر لی تھی۔ وہ تخلیقی ذہن کا آدمی تھا۔ منفرد انداز کی کاپی لکھ کر اس نے بہت جلد اپنی جگہ بنالی...... پھر اس سے اشتہاری فلموں کے اسکرپٹ لکھوائے گئے۔ وہاں بھی اس نے تخلیقی صلاحیتوں کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ وہ کیونکہ شوقیہ فوٹو گرافر بھی تھا، لہٰذا وہ اپنے اسکرپٹ کو متحرک دیکھ لیا کرتا تھا۔ وہ بہت جلد مالک کی نظروں میں آ گیا۔ اب تمام بڑے کلائنٹ کا کام اس سے لیا جانے لگا۔

اشتہار چاہے پرنٹ میڈیا کا ہوتا یا الیکٹرانک میڈیا کا، وہ اس اشتہار یا اشتہاری فلم کی میکنگ کے ساتھ ساتھ رہتا۔ دوسرے شعبوں کے لوگ اسے خاصی اہمیت دیتے تھے۔ اس کی بات مانتے تھے...... اور کیوں نہ مانتے اس کا تعلق براہ راست کاس ماس تھری کے مالک محسن نغمی سے تھا۔ اگر اس کے کام میں کوئی رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا تو وہ بے دھڑک محسن نغمی کے کمرے میں داخل ہو جاتا اور اپنی بات منوا کر ہی لوٹتا۔

محسن نغمی بڑے دلچسپ آدمی تھے۔ باغ و بہار شخصیت کے مالک...... ان کا تکیہ کلام تھا "کاں لکھا ہے......" بات، بے بات کہتے "کاں لکھا ہے۔" اس تکیہ کلام کا انہوں نے اس قدر استعمال کیا تھا کہ "کہاں" گھس کر اب "کاں" رہ گیا تھا...... شروع میں اس تکیہ کلام کا استعمال یقیناً انہوں نے دلیل کے طور پر کیا ہوگا۔ مسئلے کی بنیاد سمجھنے کے لئے کہا ہوگا۔ ہاں بھئی بتاؤ...... کہاں لکھا ہے۔ اس کے بعد

ہر بات کے بارے میں معلوم کرنے کی عادت پڑ گئی ہوگی اور پھر اس تکیہ کلام کی گردان شروع ہو گئی ہوگی...... اور اب تو یہ زبان پر اس طرح جاری ہو گیا تھا کہ انہیں پتہ ہی نہ چلتا کہ وہ کس بات پر پوچھ رہے ہیں کہاں لکھا ہے۔

ان دنوں ایک بڑی چائے کی کمپنی اپنی نئی برانڈ کے لئے اشتہاری مہم چلانا چاہتی تھی۔ یہ کمپنی کاس ماس تھری کی پرانی کلائنٹ تھی۔ کمپنی کے مالک کی خواہش تھی کہ اس اشتہاری مہم کے لئے کوئی نئی ماڈل تلاش کی جائے۔

ادھر صارم نے بھی اس انداز کا اسکرپٹ تخلیق کیا تھا کہ وہ بھی چاہتا تھا کہ اس اشتہاری فلم کے لئے کوئی نئی لڑکی استعمال کی جائے۔ ماڈل گرل کی تلاش بڑی شدومد کے ساتھ جاری تھی...... لیکن ابھی تک کوئی ایسی لڑکی نہیں ملی تھی جسے دیکھتے ہی آدمی بے اختیار کہہ اٹھے ہاں یہی تو ہے وہ۔

کاس ماس تھری کا ہر شخص لڑکی کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ لڑکیاں آ بھی رہی تھیں، فوٹو سیشن ہو رہے تھے، اسکرین ٹیسٹ چل رہے تھے لیکن ابھی تک کوئی لڑکی اس معیار کو نہ چھو سکی تھی جو صارم کے ذہن میں تھا۔

صارم شہر کی تمام اہم تقریبات میں شریک ہو رہا تھا۔ حتیٰ کہ وہ شادی کی تقریب میں بھی اپنی مطلوبہ لڑکی کی تلاش کر رہا تھا۔ لڑکیاں بہت تھیں لیکن وہ نہیں تھی جس کی اسے تلاش تھی۔

ایک دن محسن نغمی اسے اپنے ساتھ ایک شادی کی تقریب میں لے گئے۔ ایک سیاست داں کی بیٹی کی شادی تھی۔ شہر کی کریم اس میں شریک تھی۔ پریس کے کافی لوگ موجود تھے۔ صارم کا دوست جبار ناصر بھی آیا ہوا تھا۔ وہ دونوں ساتھ ہی گھوم رہے تھے کہ صارم یکدم ٹھٹھک گیا۔ وہ سکتے کے عالم میں ایک طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا بھائی۔" جبار ناصر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ابھی تو اچھا بھلا تھا۔"

"او...... یار مل گئی۔" صارم نے پرجوش انداز میں کہا۔

"چل بھئی...... مبارک ہو...... نکاح خواں کو بلاؤں یا یونہی لے کر بھاگے گا۔" جبار نے مذاق کیا۔

"جبار خدا کے واسطے چپ ہو جا۔ یہ مذاق کا وقت نہیں۔" صارم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب کیا۔ "ادھر دیکھ۔"

"او...... یار کدھر دیکھوں۔ یہاں تو ہر طرف قابل دید منظر ہے۔" جبار بولا۔

"یہ جو ایک لڑکے کے ساتھ دو لڑکیاں کھڑی ہیں ان میں سے کالے لباس والی کو دیکھ۔" صارم نے پرجوش لہجے میں کہا۔

جبار ناصر نے ادھر دیکھا، جدھر صارم دیکھ رہا تھا۔

"دیکھ لیا...... اچھی لڑکی ہے۔" جبار ناصر نے بے نیازی سے کہا۔

"یار...... یہ لڑکی مجھے چاہئے۔"

"وہ کس لئے۔"

"اپنی اشتہاری فلم کے لئے۔"

"ابے پاگل ہوا ہے کیا...... جانتا ہے تو یہ کس کی بیٹی ہے۔"

"یار...... چاہے یہ بادشاہ وقت کی بیٹی کیوں نہ ہو...... مجھے ہر قیمت پر چاہئے۔"

"او بھائی...... یہ اس شہر کے بہت مشہور صنعتکار کی بیٹی ہے۔ تیری جیسی سو ایڈورٹائزنگ ایجنسیوں کو خرید کر پھینک دے گا وہ۔" جبار ناصر نے اس کے ہوش اڑانے کی کوشش کی۔

"کچھ بھی ہو یار...... میں کوشش تو کروں گا" صارم نے پرعزم انداز میں کہا۔ "تیرا فوٹوگرافر ساتھ آیا ہے کیا۔ مجھے اس کی تصویر چاہئے۔"

"تصویر لینا کوئی مشکل کام نہیں...... تصویر میں ابھی اپنے فوٹوگرافر سے بنوائے دیتا ہوں۔" جبار ناصر نے کہا۔

"تو اس کی تصویر بنوا اور مجھے بتا یہ کس کی بیٹی ہے۔"

"مراد علی خان کی۔" جبار ناصر نے نام بتا کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"اوہ...... مائی گاڈ...... یار ان کا تو ایک اخبار بھی نکلتا ہے۔"

"جی...... یہ انہی کی بیٹی ہے۔" جبار ناصر نے اسے چڑاتے ہوئے کہا۔ "کیا خیال ہے اب بھی تجھے یہ لڑکی درکار ہے۔"

"او، یس...... لڑکی سے تو میں کسی قیمت پر دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔"

"پھر چڑھ جا بیٹا سولی پر......" جبار ناصر نے کہا اور قریب ہی موجود اپنے فوٹوگرافر کو ہاتھ کے اشارے سے بلایا۔

دوسرے دن ہی جبار ناصر نے اس لڑکی کی کئی تصویریں اسے بھجوا دیں۔

تصویریں بہت اچھی تھیں۔ دیکھتے ہی اس کے منہ سے نکلا "واہ۔"

یہ سو فیصد وہی لڑکی تھی جس طرح کی ماڈل اسے اپنی اشتہاری مہم کے لئے درکار تھی۔

صارم نے تصویر پر نظر جمائے جمائے محسن نغمی کے ایکسٹینشن پر فون کیا۔ ادھر فون اٹھاتے ہی "ہیلو" کی بجائے آواز آئی۔ "کاں لکھا ہے۔"

محسن نغمی کے پاس شاید کوئی بیٹھا تھا۔ وہ اسی سے تحریری ثبوت مانگ رہے تھے...... ان کی آواز سنتے ہی صارم بولا۔ "سر، میں صارم بول رہا ہوں۔"

"ہاں، صارم۔" محسن نغمی نے خوش اخلاقی سے کہا۔ "بولو...... کیا بات ہے۔"

"سر...... وہ مل گئی ہے۔ میرا مطلب ہے ماڈل۔" صارم نے فوراً سنبھلتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھی بات ہے...... ویسے کاں لکھا ہے۔"

"سر...... لکھا کہیں نہیں ہے...... میرے پاس اس کی تصویریں ہیں۔ آپ کو دکھانا چاہتا ہوں۔"

"اچھا...... کچھ دیر ٹھہر جاؤ۔ میں مصروف ہوں۔ میں تمہیں کال کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے سر...... میں آپ کی کال کا انتظار کرتا ہوں۔" ریسیور رکھ کر وہ اپنے کمرے میں بے قراری سے ٹہلنے لگا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ نغمی صاحب کے پاس اس وقت جو شخص بیٹھا ہے اسے نکال باہر کرے اور خود ان کے سامنے براجمان ہو جائے اور تصویریں ان کے سامنے رکھ دے۔

پھر اس نے کھڑے کھڑے ریسپشنسٹ کا نمبر ملایا۔ ادھر سے پرکشش آواز آئی۔ "جی سر۔"

"اوئے...... لڑکی...... یہ بتاؤ، اس وقت نغمی صاحب کے پاس کون بیٹھا ہے۔"

"سر پہلے تو میں آپ کو یہ بتاؤں کہ میرا نام لڑکی نہیں ہے روحی ہے...... پھر آپ کو بتاؤں کہ اس وقت صاحب کے پاس ایک نئے کلائنٹ بیٹھے ہیں۔" روحی نے ہنس کر کہا۔

"روحی بھائی جیسے ہی یہ بندہ نغمی صاحب کے کمرے سے نکلے، مجھے فوراً بتا دینا۔" صارم نے بے قراری سے کہا۔

"ٹھیک ہے سر...... بتا دوں گی۔" یہ کہہ کر روحی نے فون بند کر دیا۔

صارم کرسی پر بیٹھ گیا اور ایک رسالہ دیکھنے لگا۔ رسالہ دیکھتے دیکھتے وہ اس لڑکی کی تصویریں اٹھا لیتا جو جبار ناصر نے بھجوائی تھیں۔

کچھ دیر کے بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ابھی پہلی گھنٹی پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ صارم نے جھپٹ کر ریسیور اٹھا لیا۔ "یس۔"

"آؤ...... بھئی صارم۔" محسن نغمی کی آواز سنائی دی۔

"جی سر...... میں حاضر ہوا۔"

وہ ریسیور پٹخ، ہاتھ میں تصویروں والا لفافہ پکڑ کر اپنے کمرے سے تیزی سے نکلا اور محسن نغمی کے کمرے میں جا گھسا۔ محسن نغمی اس وقت کمرے میں اکیلے تھے۔

"ہاں جی...... صارم صاحب کاں لکھا ہے...... میرا مطلب ہے کیا حال ہے۔"

"سر...... میں اس وقت بہت خوش ہوں۔"

"اچھا...... اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے...... کاں لکھا ہے...... وجہ خوشی کیا ہے۔" انہوں نے پوچھا۔

"سر...... دیکھئے۔" اس نے لفافہ محسن نغمی کے سامنے رکھ دیا۔

محسن نغمی نے لفافے سے تصویریں نکالیں۔ یہ تین تصویریں تھیں۔ محسن نغمی نے ان تصویروں کو کئی مرتبہ بڑی دلچسپی سے دیکھا۔ پھر خوش ہو کر بولے۔ "یہ گوہر نایاب کاں سے ہاتھ آیا۔"

"سر...... آپ ہی تو لے گئے تھے، مجھے شادی میں...... ہاشمی صاحب کی بیٹی کی شادی میں...... وہاں میں نے اسے دیکھا اور اپنے ایک صحافی دوست کے ذریعے اس کو عکس بند کروالیا۔"

"زبردست...... یہ کون صاحبزادی ہیں۔" انہوں نے پوچھا۔

"سر...... یہ مشہور صنعتکار مراد علی خان کی بیٹی ہیں۔" صارم بولا۔

"وہ تو ہمارے پرانے کلائنٹ ہیں۔"

محسن نغمی ان تصویروں کو دیکھ کر بہت خوش تھے۔ حتیٰ کہ وہ اپنا تکیہ کلام بھی بھول گئے تھے۔ صارم نے سوچا جواب میں کہے۔ "سر کاں لکھا ہے؟" لیکن حدِ ادب مانع آ گئی۔

"جی سر...... " صارم نے کہا۔ "سر...... اب آپ ان سے ٹائم لیں اور میرے ساتھ چلیں۔"

"پہلے لڑکی سے بات ہونا چاہئے۔ وہ ماڈلنگ کے لئے راضی بھی ہے؟" محسن نغمی نے کہا۔

"سر...... لڑکی کو تو راضی کر لیں گے...... پہلے ابا تو راضی ہوں۔"

"کاں لکھا ہے۔" محسن نغمی بے اختیار بولے۔ "اچھا...... چلو...... میں مراد صاحب سے ملاقات کا ٹائم لیتا ہوں۔"

☆......☆......☆

صارم اور محسن نغمی مقررہ وقت پر مراد علی خاں کے دفتر پہنچ گئے۔ ان کی پرسنل سیکرٹری نے محسن نغمی کا مسکرا کر استقبال کیا اور کہا۔ "سر، آپ کے منتظر ہیں۔"

وہ دونوں مراد علی خاں کے خوبصورت دفتر میں داخل ہوئے۔ مراد علی خاں نے کھڑے ہو کر ان دونوں سے ہاتھ ملایا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "تشریف رکھئے۔"

مراد علی خاں کے اخلاق سے صارم بڑا متاثر ہوا۔ اس کے دل نے گواہی دی کہ گوہرِ مقصود پانے میں وہ کامیاب ہو جائے گا۔ مراد علی خاں کوئی چھوٹا موٹا آدمی نہ تھا۔ وہ اس شہر کا بڑا صنعتکار تھا۔ اس کی کئی ٹیکسٹائل ملیں تھیں۔ ایک اخبار نکالتا تھا، فوڈ پروڈکٹس کے علاوہ کاسمیٹک پروڈکٹس بھی مارکیٹ میں تھیں اور بھی جانے کیا کیا بزنس پھیلا ہوا تھا۔

"جی محسن نغمی صاحب...... بھئی آپ کو ہم سے کیا کام آ پڑا...... ہمیں تو اکثر آپ سے کام رہتا ہے کیونکہ ہمارے بزنس کو چابی ہی آپ دیتے ہیں۔ آپ کی اشتہاری مہم سے ہمیں ہمیشہ فائدہ پہنچا۔" مراد علی خاں نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

بس یہی وقت تھا اپنی بات کہنے کا۔ محسن نغمی نے ایک لمحہ بھی دیر نہ کی۔ بڑے صاف اور واضح الفاظ میں اپنا مدعا بیان کرنے کی کوشش کی۔ "مراد صاحب آپ کی بیٹی بہت پیاری ہے...... ایک اشتہاری فلم کے لئے......"

"بس میں سمجھ گیا۔" مراد علی خاں نے محسن نغمی کی بات پوری نہ ہونے دی۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر محسن نغمی کو مزید بولنے سے روک دیا۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے اس نے جو کچھ کہا، اسے سن کر صارم اور محسن نغمی کو پسینہ آ گیا۔

"وہ میری بیٹی ہے...... مراد علی خان کی بیٹی...... وہ کوئی ایکٹریس نہیں ہے۔" مراد علی خان نے اپنے لہجے کو ہر ممکن شائستہ بنانے کی کوشش کی لیکن اس کے انداز سے غصہ صاف عیاں تھا۔

یہ جواب دونوں کیلئے نہ صرف غیر متوقع بلکہ شرمسار کرنے والا تھا۔ محسن نغمی اندر ہی اندر سمٹ کر رہ گئے۔ وہ سوچنے لگے کہ صارم کی باتوں میں آ کر آخر وہ یہاں کیوں آ گئے...... خواہ مخواہ شرمندگی اٹھانا پڑی۔

"سر...... بات یہ ہے۔" صارم نے ہمت کر کے کچھ کہنا چاہا۔ وہ ہار ماننے والوں میں سے نہ تھا، اس نے انہیں قائل کرنے کیلئے گفتگو کا آغاز کیا لیکن مراد علی خان نے اس "آغاز" کا فوراً "انجام" کر دیا۔

وہ بولے۔ "دیکھو بھئی...... اس مسئلے پر اب میں کوئی بات سننا نہیں چاہتا...... براہِ کرم نغمی صاحب! آپ یہ فرمائیں کیا پئیں گے؟"

یہ سنتے ہی محسن نغمی فوراً کھڑے ہو گئے، انہوں نے بڑی خوش اخلاقی سے کہا۔ "شکریہ جناب۔" اس کے بعد مصافحے کیلئے ہاتھ آگے بڑھایا اور ہاتھ ملا کر صارم سے مخاطب ہوئے۔

"آؤ میاں چلیں۔"

صارم کے پاس رکنے کا اب کوئی جواز نہ تھا، وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا، اس نے ایک نظر مراد علی خان کی طرف دیکھا، انہوں نے اس سے ہاتھ ملانا تو کجا دیکھنا بھی گوارا نہ کیا، وہ بت کی طرح بیٹھا رہا۔

محسن نغمی اور صارم اس کے کمرے سے تیزی سے نکل آئے پھر اس کے دفتر سے گاڑی میں بیٹھنے تک دونوں نے کوئی بات نہ کی...... گاڑی میں بیٹھتے ہی محسن نغمی نے صارم کو مسکرا کر دیکھا اور بولے۔

"بھائی یہ کہاں لکھا ہے کہ مراد علی خان کی بیٹی کے بغیر ہماری اشتہاری مہم مکمل نہیں ہو سکتی؟"

"کہیں نہیں۔" صارم نے بے دھیانی میں جواب دیا۔

"تو پھر اس لڑکی پر لعنت بھیجو بھائی...... اس شہر میں لڑکیوں کی کوئی کمی ہے کیا؟"

"سر...... میں اس منفرد حسن رکھنے والی لڑکی پر لعنت نہیں بھیج سکتا۔" صارم کا لہجہ دوٹوک تھا۔

"تو پھر ایسا کرو...... ورمالا لے کر اس کے گھر پہنچ جاؤ، ورمالا اس کے گلے میں ڈال دو۔" محسن نغمی جل کر بولے۔

"آپ کے منہ میں گھی، شکر...... کاش! ایسا ہو جائے کہ میں اس کے گلے میں ورمالا ڈال سکوں۔" صارم نے عجیب لہجے میں کہا۔ "ویسے سر...... یہ لڑکی اب میرے لئے چیلنج بن گئی ہے۔"

"کاں لکھا ہے...... کسی مشکل میں نہ پڑ جانا۔" محسن نغمی نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

صارم یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ کوئی کام مشکل میں پڑے بغیر ہو ہی نہیں سکتا، اس کے مزاج میں مہم جوئی کوٹ کوٹ کر بھری تھی، اس نے مشکلات کی آگ میں کود پڑنے کا حتمی فیصلہ کر لیا۔

جب کوئی آدمی کچھ کر گزرنے کا عزم لے کر آگے بڑھنے کی کوشش کرے تو پھر راستے خود بخود کھلتے جاتے ہیں۔ صارم نے براہِ راست مراد علی خان کی بیٹی سے ملنے کا ارادہ کر لیا، اسے اس لڑکی کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا حتیٰ کہ وہ اس کا نام تک نہ جانتا تھا لیکن تھوڑی سی کوشش سے اس نے اس

کے بارے میں خاصا جان لیا۔

دفتر پہنچ کر اس نے روحی سے مراد علی خان کی پرسنل سیکرٹری کا نمبر حاصل کر کے اسے فون کیا، ادھر فون اٹھائے جانے پر اس نے کہا۔ ''میں جی صارم بات کر رہا ہوں، کاس ماس تھری سے۔''

''جی فرمائیے؟'' وہ مترنم لہجے میں بولی۔

''میں مراد علی خان کی صاحبزادی صائمہ......!'' صارم نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑی۔

''ان کا نام صائمہ نہیں، سارہ مراد ہے۔'' سیکرٹری نے تصحیح فرمائی۔

''جی......جی......! معاف کیجئے گا میری زبان سے غلط نام نکل گیا۔'' صارم نے معذرت بھرے لہجے میں کہا۔ ''میں ان سے بات کرنا چاہ رہا تھا...... کیا وہ دفتر میں ہیں اس وقت؟''

''جی نہیں......! وہ دفتر میں نہیں ہوتیں، وہ اس وقت یونیورسٹی میں ہوں گی۔'' ادھر سے ہنس کر کہا گیا۔

''مجھے ان سے کچھ کام تھا، آپ ان کا موبائل نمبر عنایت کر دیں گی؟'' صارم نے التجا کی۔

''جی نوٹ کر لیجئے۔'' اس نے موبائل نمبر بتایا۔

صارم نے نمبر نوٹ کر کے اس کا شکریہ ادا کیا اور دھاڑ سے ریسیور رکھ کر ایک زوردار نعرہ لگایا۔

''صارم زندہ باد۔''

اس نعرے بازی کے بعد اس نے جلدی جلدی سارہ مراد کا نمبر پنچ کیا، تین گھنٹیوں کے بعد ادھر سے فون ریسیو کر لیا گیا، پرکشش آواز آئی۔ ''ہیلو۔''

''دیکھئے...... میں کاس ماس تھری سے صارم بول رہا ہوں۔''

''کاس ماس تھری سے...... جی بولیں۔'' اس کا لہجہ الجھا ہوا تھا۔

''سارہ مراد صاحبہ......! کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مجھے شرف ملاقات بخش دیں...... میں پانچ منٹ سے زیادہ آپ کا وقت نہیں لوں گا۔'' صارم نے براہِ راست اپنا مدعا بیان کیا۔

''مجھ سے کیا کام ہے آپ کو؟'' وہ حیران ہو کر بولی۔

''یہ میں ملاقات پر بتاؤں گا۔'' صارم نے سیدھے اور صاف انداز میں کہا۔

''پھر ایسا کریں...... شام کو گھر پر آجائیں۔''

''اس وقت آپ کہاں ہیں؟'' صارم نے پوچھا۔

''یونیورسٹی میں۔'' وہ بولی۔

''دیکھئے...... میں پانچ منٹ سے زیادہ آپ کا وقت نہیں لوں گا، اگر آپ اجازت دیں تو میں یونیورسٹی حاضر ہو جاؤں؟''

''گھر کیوں نہیں آنا چاہتے۔''

''یہ میں ملاقات پر بتاؤں گا۔'' اس نے اسے مزید الجھانے کی کوشش کی۔

''عجیب پراسرار قسم کے شخص ہیں آپ...... ہر بات مخفی رکھنا چاہتے ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''ملاقات پر کوئی بات راز نہ رہے گی۔'' صارم نے صاف لہجے میں کہا۔

''اچھا......! میں یونیورسٹی میں ڈھائی تین بجے تک ہوں، آپ میرے ڈپارٹمنٹ آجائیے۔''

صارم نے اس سے اس کا ڈپارٹمنٹ پوچھا اور پھر وہ دو بجے ہی یونیورسٹی جا پہنچا۔

سارہ مرادا کنامکس میں ماسٹرز کر رہی تھی، اس وقت وہ فرسٹ ایئر میں تھی۔

صارم ڈپارٹمنٹ کے باہر کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ کسی لڑکی کے ساتھ بات کرتی ہوئی پارٹمنٹ سے باہر آئی...... وہ اسے دیکھ کر آگے بڑھا۔

''مس سارہ مراد......؟'' اس کا لہجہ سوالیہ تھا۔

''جی......! آپ صارم ہیں۔'' اس نے ٹھہر کر پوچھا۔

''جی۔'' صارم نے مختصر جواب دیا۔

تب وہ اپنی ساتھی لڑکی سے مخاطب ہوئی۔ ''اچھا شاہدہ تم چلو...... شام کو مجھے فون کر لینا، میں تمہیں پنا پروگرام بتادوں گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' شاہدہ ایک نظر صارم پر ڈالتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

''جی صارم صاحب......!'' سارہ مراد نے سوالیہ انداز اختیار کیا۔

صارم نے ایک نظر اس کے چہرے کی طرف دیکھا، کیا چہرہ تھا، سادہ اور پرکار...... حسن معصوم۔ ں کا چہرہ میک اپ سے عاری تھا، بس ہلکی سی لپ اسٹک لگی ہوئی تھی، اس کے باوجود اس کے چہرے پا اتنی روشنی تھی، ایسی چمک تھی کہ بندہ دیکھے تو نظریں ہٹانا بھول جائے۔

اس وقت ہوا بھی یہی صارم نے ایک نظر اسے دیکھا تو پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔

''صارم صاحب......!'' سارہ مراد نے اسے چونکایا۔ ''جی بتائیے کیا بات ہے؟''

''مس سارہ......!'' صارم کی محویت ٹوٹی تو اس کی زبان کو نطق ملا۔ ''ہمیں چائے کی ایک نئی برانڈ کیلئے ایک سپر ماڈل کی تلاش ہے، آپ اس اشتہاری مہم کیلئے آئیڈیل ہیں۔''

''آپ نے مجھے کہاں دیکھا؟'' سارہ نے اس کی بات کا کوئی خاص نوٹس لئے بغیر سوال کیا۔

''ایک شادی میں۔'' صارم نے مختصراً شادی کا احوال سنایا۔

''آپ اس طرح کی نجی تقریبات میں لوگوں کو دیکھتے پھرتے ہیں؟'' سارہ نے پوچھا۔

''مس سارہ......! آپ یقین کریں میں نے آپ کو بڑی مشکل سے ڈھونڈا ہے۔''

''اچھا......!'' سارہ مراد نے سادگی سے کہا۔ ''لیکن مجھے تو ماڈلنگ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے پھر نہ ی میرے پاس اتنا وقت ہے کہ کسی اشتہاری مہم میں حصہ لے سکوں۔''

''میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ ایک اسٹوڈنٹ ہیں، آپ کو ماڈلنگ سے بھلا کیا لچسپی ہو سکتی ہے، لیکن سارہ صاحبہ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ آپ کی پہلی اور آخری ماڈلنگ ہو، دیکھئے

انکار نہ کریں، میری کوشش ہوگی کہ آپ کا کم سے کم وقت صرف ہو، میں نے اسکرپٹ پر بہت محنت کی ہے، میں آپ کو اس طرح ایکسپوز کروں گا کہ دنیا دیکھ کر حیران رہ جائے گی۔''

''اچھا.....! میں سوچ کر بتاؤں گی۔'' وہ بات کرتی ہوئی اپنی گاڑی کے نزدیک آگئی تھی، گاڑی کے ساتھ ایک باوردی شوفر مستعد کھڑا تھا۔

''بس اتنا خیال کیجئے گا کہ میری تلاش رائیگاں نہ جائے۔'' اس کے لہجے میں التجا تھی۔

''اصل میں بات یہ ہے کہ مجھے اس موضوع پر ڈیڈی سے بات کرنا ہوگی۔'' سارہ نے اصل بات بتائی۔

''پھر تو میں واجب القتل گردانا جاؤں گا۔'' صارم نے انکشاف کیا۔

''ارے کیوں.....؟ اچھا اب سمجھی.....اس کا مطلب ہے کہ آپ ڈیڈی سے بات کر چکے ہیں شاید اسی لئے گھر آنے سے گریزاں تھے۔'' سارہ نے ذہانت کا ثبوت دیا۔

''ظاہر ہے..... میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ دوبارہ میری شکل دیکھ کر مجھے اٹھوا کر باہر پھنکوا دیں۔'' صارم نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''ارے نہیں..... میرے ڈیڈی ہرگز ایسے نہیں ہیں، وہ بہت نرم مزاج آدمی ہیں.....اگر انہوں نے انکار کرنا ہوتا ہے تو بڑے سلیقے سے کرتے ہیں۔'' سارہ نے کہا۔

''جی ہاں.....!انہوں نے بڑے سلیقے سے انکار کر دیا ہے، کچھ اس طرح کہ ہماری پوری بات بھی نہیں سنی۔'' صارم نے بڑی معصومیت سے کہا۔

''آپ ملے تھے ان سے؟'' سارہ نے تفصیل جاننا چاہی۔

''جی میں محسن نقمی صاحب کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔'' صارم نے بتایا۔

''پھر انہوں نے کیا کہا۔'' سارہ نے بات کی تہہ تک پہنچنا چاہا۔

''انہوں نے کہا کہ وہ مراد علی خان کی بیٹی ہے کوئی ایکٹریس نہیں۔'' صارم نے بتایا۔

''بات تو انہوں نے صحیح کہی۔'' سارہ مراد نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ڈیڈی کے فیصلے کے بعد اب اس موضوع پر مزید بات کرنا یا سوچنا فضول ہے سوری مسٹر صارم......! مجھے دیر ہو رہی ہے میں چلوں گی۔''

شوفر نے اسے دیکھ کر گاڑی کا دروازہ کھول دیا وہ پچھلی نشست پر بیٹھ گئی دروازہ بند ہوا اور گاڑی تیزی سے اس کے سامنے سے سرسراتی گزر گئی۔

کارواں گزر گیا اور وہ کھڑا غبار دیکھتا رہا......صارم کو اس سے ایسی بے اعتنائی کی امید نہ تھی۔

☆......☆......☆

وہ اداس چہرہ لئے......دل گرفتہ سا اپنے آفس میں داخل ہوا، سامنے استقبالیہ پر روحی موجود تھی، اس نے صارم کو دیکھ کر پوچھا۔ ''صارم صاحب......! خیریت تو ہے، بڑے اداس دکھائی دے رہے ہیں؟''

''ہاں سب خیریت ہے۔'' وہ اسے کیا بتاتا کہ وہ کیوں اداس ہے۔

محسن نقمی نے اسے کسی کام سے بلایا تو انہوں نے بھی اس کی اداسی کی وجہ پوچھی۔ صارم نے انہیں بھی کچھ نہ بتایا، وہ کیسے بتاتا کہ وہ اپنی مہم میں ناکام ہو گیا ہے۔

رات کو وہ اپنے گھر پہنچا تو ڈائننگ ٹیبل پر کھانا کھاتے ہوئے صارم کے بابا عازم علی بڑے غور سے صارم کا چہرہ دیکھتے رہے جب وہ کھانے کی ''رسم'' ادا کر کے اٹھنے لگا تو عازم علی نے اسے روک لیا۔ ''بیٹھو۔''

''جی بابا.....؟'' صارم نے اپنے باپ کو الجھن آمیز انداز میں دیکھا۔

''تم نے کھانا نہیں کھایا۔'' عازم علی نے فکرمندی سے پوچھا۔

''کھا تو لیا بابا!'' صارم نے یقین دلانے والے لہجے میں جواب دیا۔

''ہاں! میں جانتا ہوں تم نے کس طرح کھایا ہے۔'' عازم نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''کیا بات ہے صارم......! کوئی پریشانی ہے؟''

''ہاں......بابا ہے تو ایک پریشانی؟'' صارم نے اپنے بابا سے اپنی الجھن کو چھپانا مناسب نہ سمجھا۔

''پریشانی اگر خاص پرائیویٹ نہیں ہے تو بتاؤ۔'' عازم نے مسکرا کر کہا۔

''بابا......! مجھے ایک لڑکی کی تلاش تھی، وہ مجھے تلاش بسیار کے بعد مل تو گئی لیکن اس کا باپ آڑے آگیا......میں نے ہمت نہ ہاری، اسے ڈائریکٹ اپروچ کیا لیکن بات پھر بھی نہ بنی، وہ نیم رضامند تو ہوئی لیکن جب باپ کا فیصلہ سامنے آیا تو وہ اپنے باپ کے فیصلے سے انحراف نہ کر سکی۔''

''اس کا مطلب ہے کہ وہ ایک آئیڈیل لڑکی ہے۔'' عازم نے توصیفی انداز میں کہا۔

''ہاں بابا......! آئیڈیل تو ہے ورنہ میں اس کے تعاقب میں کیوں جاتا۔'' صارم بولا۔

''بیٹا......! ایک بات کی وضاحت کرو، یہ لڑکی کا حصول ذاتی ہے یا اس کا تعلق آپ کے پیشے سے ہے؟'' عازم نے پوچھا۔

''تعلق تو خیر سے میرے پیشے سے ہے لیکن اب کچھ کچھ یہ معاملہ ذاتی ہوتا جا رہا ہے۔'' صارم نے اپنے باپ سے جھوٹ بولنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ ویسے بھی باپ کم دوست زیادہ تھے۔

''کسی بڑے باپ کی بیٹی ہے؟'' عازم نے پوچھا۔

''جی بابا......! بہت بڑے باپ کی بیٹی!'' صارم نے جواب دیا۔

''اس کا نام بتاؤ؟'' عازم نے کہا۔

''مراد علی خان......بابا! وہ اس شہر کا مشہور بزنس مین ہے۔'' صارم نے بتایا۔

''اچھا......!'' عازم نے بڑے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی اور پھر بولا۔ ''اب مجھے ساری بات تفصیل سے بتاؤ۔''

صارم نے سارا معاملہ پوری تفصیل سے باپ کے گوش گزار کر دیا۔ عازم نے اس کی بات پوری

توجہ سے سنی پھر بولا۔ ''اچھا بیٹا میں دیکھتا ہوں کہ اس مسئلے پر کیا کر سکتا ہوں۔''

''ہیں بابا...... ! آپ اس مسئلے پر کچھ کر سکتے ہیں؟'' صارم نے تعجب سے پوچھا۔

''ہاں...... کوشش کر کے دیکھتا ہوں کبھی کبھی کھوٹا سکہ بھی کام آجاتا ہے۔'' عازم نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں...... بابا...... میں آپ کو کھوٹا سکہ نہیں سمجھتا آپ ایک تخلیقی ذہن کے آدمی ہیں اور تخلیقی ذہن کا آدمی کبھی کھوٹا نہیں ہوتا۔''

''اس عزت افزائی کا شکریہ۔'' عازم نے بڑے پیار سے اس کے گال پر چپت لگائی۔ ''مجھے دو دن دے دو۔''

''او کے بابا...... !'' صارم نے کہا پھر ہنس کر بولا۔ ''اب تو بابا بھوک لگنے لگی ہے۔''

☆......☆......☆

سارہ مراد کی کلاس فیلو شاہدہ نے حسب پروگرام اسے فون کیا تو سب سے پہلے یہ سوال کیا۔ ''کون تھا وہ......؟''

''یار...... ! وہ جو بھی تھا ویسے ہوا اس کے ساتھ برا۔'' سارہ نے جواب دیا۔

''بڑی ہمدردیاں ہو رہی ہیں...... خیر تو ہے؟'' شاہدہ نے طنزیہ لہجہ اختیار کیا۔

''آہو جی...... پکی پکی خیر ہے۔'' سارہ نے ہنس کر کہا۔

''لیکن تمہارا لہجہ کچھ اور کہہ رہا ہے۔'' شاہدہ کھوج لگانے والے انداز میں بولی۔

''وہ کیا......؟'' سارہ نے پوچھا۔

''جیسے کچھ کچھ ہو گیا ہے۔'' شاہدہ نے اسے چھیڑا۔

''کچھ کچھ کا تو مجھے پتہ نہیں...... لیکن یہ سچ ہے کہ وہ مجھے اچھا لگا، وہ اپنے پیشے سے بڑا مخلص ہے...... میرے ڈیڈی کے صاف انکار کے باوجود وہ مجھ تک پہنچ گیا...... یہ اس کی دیوانگی کا واضح ثبوت ہے۔'' سارہ نے اپنے دل کی بات پوری سچائی سے کہی۔ ''ایسے لوگ بڑے سچے ہوتے ہیں۔''

''کیا اس نے تمہیں پرپوز کیا ہے؟'' شاہدہ نے چٹکی لی۔

''ارے نہیں بیوقوف...... ! یہ کچھ اور معاملہ ہے۔'' سارہ نے اسے ہنس کر اڑایا۔

''بتا نا...... کیا معاملہ ہے؟'' شاہدہ معاملے کی تہہ تک پہنچنا چاہتی تھی۔

تب سارہ نے اسے ساری بات بتائی۔ تفصیل سن کر شاہدہ تو جیسے بے قرار ہو گئی، وہ بے تابانہ انداز میں بولی۔ ''ہائے...... ! یہ تو بڑے مزے کی آفر ہے، مجھے ملتی میں تو آنکھیں بند کر کے فوراً قبول کر لیتی۔''

''تیرے لئے بات کرلوں...... بول؟'' سارہ نے جل کر کہا۔

''ہاں...... ! کر لے ایمان سے...... مجھے تو ماڈلنگ کا بڑا شوق ہے۔'' وہ بڑی بے تاب تھی۔

''ارے تو تو سیریس ہی ہو گئی...... کبھی بھول کر بھی اس چکر میں نہ پڑنا...... ایم اے کر اور پیا گھر

سدھار...... تو منگنی شدہ ہے۔'' سارہ نے ہنس کر کہا۔

''یہ شادی شدہ کے وزن پر منگنی شدہ خوب کہا۔'' شاہدہ خوش ہو کر بولی۔ ''اچھا تو پھر اس غریب کا کیا ہوگا؟''

''ارے...... کچھ نہیں ہوگا، کوئی اور ڈھونڈ لے گا۔'' سارہ نے پریقین لہجے میں کہا۔ ''میرے جیسی اس شہر میں ہزاروں ہیں۔''

''نہیں...... سارہ، یہ غلط ہے...... تو اچھی طرح جانتی ہے کہ تیرے جیسی اس شہر میں مشکل سے ہی ملے گی۔'' شاہدہ نے اس کے حسن کو سراہتے ہوئے کہا۔ ''میں تو تیری پکی عاشق ہوں۔''

☆......☆......☆

دوسرے دن سارہ شام کو ابھی سو کر اٹھی ہی تھی کہ اس کے موبائل پر مراد علی خان کا فون آگیا۔ اسکرین پر نظر ڈالنے کے بعد اس نے جلدی سے فون کان سے لگایا۔ ''جی ڈیڈی...... !''

''بھئی سارہ...... ! یہ بتاؤ تمہیں کسی ایڈ میں کام کرنے سے دلچسپی ہے کیا؟''

''کس قسم کا ایڈ ہے ڈیڈی......؟'' سارہ نے اپنے باپ کے غیر متوقع سوال کی وضاحت چاہی۔

''شاید...... کسی چائے والے کا ہے۔'' مراد علی خان نے لاپروائی سے کہا۔

''آپ چاہیں گے تو کرلوں گی...... ویسے مجھے کسی قسم کی ماڈلنگ سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''خیر یہ تو اچھی بات ہے لیکن درمیان میں وہ منحوس آگیا ہے، تم یہ ایڈ کرلو۔'' مراد علی بولے۔

''منحوس...... کون منحوس...... ڈیڈی میں سمجھی نہیں؟'' سارہ الجھ گئی تھی۔

''ارے بھئی میرا ایک بچپن کا دوست ہے، مجھے اس کی بات ماننا پڑی ہے، اصل میں بات یہ ہے کہ میرے دوست کا بیٹا ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں کام کرتا ہے، وہ کئی دن پہلے اپنے باس کے کہنے پر مجھ سے اجازت لینے آیا تھا، میں نے نرم لہجے لیکن سخت الفاظ میں ان دونوں کو منع کر دیا تھا، اب میں خود تو ان لوگوں کو فون کر نہیں سکتا تم ایسا کرو کاس ماس تھری فون کر کے اس لڑکے صارم سے بات کرلو اور جتنی جلد ممکن ہو سکے اس سے اپنی جان چھڑا لو...... ٹھیک ہے؟'' مراد علی نے ہدایت دیتے ہوئے کہا۔

''جی اچھا ڈیڈی...... !'' سارہ مراد نے دل کے اندر اٹھنے والی خوشی کی لہر پر قابو پاتے ہوئے نارمل انداز میں کہا۔

مراد علی خان نے پھر کاس ماس تھری کا فون نمبر نوٹ کروایا اور فون بند کر دیا۔

☆......☆......☆

صارم دفتر سے نکلنے کی تیاری کر رہا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی، اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور بولا۔ ''ہیلو۔''

''صارم صاحب...... ! آپ کا فون ہے، سارہ مراد آپ سے بات کریں گی۔'' ادھر سے روحی کی

آواز آئی۔

سارہ مراد کا نام سن کر صارم کو کرنٹ سا لگا، ایک لمحے کو تو اس پر سکتہ سا طاری ہو گیا، اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ جو نام اس نے سنا ہے، آیا وہ صحیح ہے یا غلط......!

''روحی......! کون بات کرے گا؟'' صارم نے تصدیق چاہی۔

''صارم صاحب......! سارہ مراد صاحبہ کا فون ہے، اینی پرابلم؟'' روحی نے پوچھا۔

''نہیں بھئی......فوراً بات کراؤ۔'' صارم نے بے قراری سے کہا۔

''اچھا......آپ ہولڈ کریں۔'' روحی نے جواب دیا۔

''ہیلو۔'' چند لمحوں بعد ریسیور میں ایک ایسی آواز ابھری کہ اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

''دیکھئے میں سارہ مراد بات کر رہی ہوں...... مجھے صارم صاحب سے بات کرنا ہے۔''

''میں بات کر رہا ہوں سارہ صاحبہ! آپ کیسی ہیں؟'' صارم نے خوش ہو کر کہا۔

''جی...... میں ٹھیک ہوں۔'' سارہ نے پروقار انداز میں کہا۔ ''صارم صاحب......! آپ کیلئے خوشخبری ہے...... میں آپ کے اشتہار میں کام کرنے کیلئے تیار ہوں...... ڈیڈی نے اجازت دے دی ہے۔''

''ڈیڈی نے اجازت دے دی ہے؟'' صارم نے حیرت سے دہرایا۔ ''کیا واقعی ایسا ہو گیا ہے؟''

''جی صارم صاحب......! ایسا واقعی ہو گیا ہے، آپ یقین کریں کہ آپ کوئی خواب نہیں دیکھ رہے ہیں، اگر یقین نہ آئے تو اپنے چٹکی کاٹ کر دیکھ لیں۔'' سارہ مراد شرارت سے بولی۔

''اب میں چٹکی کاٹ کر کیا دیکھوں...... آپ کی بات سن کر تو سورج سوا نیزے پر آ گیا ہے، اتنی روشنی میں بھلا کوئی خواب کیسے دیکھ سکتا ہے۔'' صارم بے اختیار بولا۔

''سورج سوا نیزے پر اگر آ گیا تو آپ کے ہوش اڑ جائیں گے۔'' سارہ نے ہنس کر کہا۔

''آپ سمجھیں میرے ہوش ہی اڑ گئے ہیں۔''

''اچھا......اب آپ جلدی سے ہوش میں آ جائیں اور بتائیں کہ اب کیا کرنا ہے۔'' سارہ بولی۔

''میں آپ کے گھر حاضر ہو کر ساری تفصیل آپ کو بتا دوں گا، لیکن فی الحال مجھے یہ تو بتائیں کہ آپ کے ڈیڈی راضی کیسے ہو گئے، کیا آپ نے انہیں راضی کیا؟'' صارم نے پوچھا۔

''ارے نہیں جناب......! میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی...... یہ تو بیٹھے بٹھائے لاٹری کھل گئی آپ کی۔'' سارہ نے ہنس کر کہا۔

صارم کے اصرار پر جب سارہ نے اصل بات بتائی تو وہ حیران رہ گیا۔

☆......☆......☆

جب وہ گھر میں داخل ہوا تو عازم علی اپنے مخصوص صوفے پر بیٹھے ٹیلیویژن دیکھ رہے تھے۔

صارم بڑے ڈرامائی انداز میں ان کے قدموں میں بیٹھ گیا، ان کی ایک ٹانگ کھینچ کر اپنے قریب

کی اور گردن جھکا کر بڑی عقیدت سے ٹانگ دبانے لگا۔

عازم علی کچھ بولے اور نہ ہی انہوں نے اسے ٹانگ دبانے سے منع کیا......بس وہ بڑی دلچسپی سے اپنے بیٹے کو ٹانگ دباتے دیکھتے رہے۔

دو منٹ کے بعد جب اس نے ٹانگ چھوڑی تو انہوں نے دوسری ٹانگ اس کے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا۔ ''یہ بھی۔''

صارم کے دل میں بے اختیار یہ بات آئی کہ کہے۔ ''بابا......! اب زیادہ نہ پھیلیں۔'' لیکن وہ یہ بات کہہ نہ سکا......دل کی دل میں ہی رہی۔

صارم نے بڑی سعادت مندی سے دوسری ٹانگ پکڑ لی اور دبانے لگا۔ تب انہوں نے اپنی ٹانگ سکیڑی اور اسے ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور بولے۔ ''اب آپ اس مہربانی کی وجہ بتائیں؟''

صارم نے بے اختیار اپنے باپ کے کندھے پر سر رکھ دیا اور بڑی عقیدت سے بولا۔ ''آپ نے تو کمال کر دیا۔''

''خیریت......کیا ہوا؟'' عازم علی نے بے نیازی سے پوچھا۔

''بابا......سارہ مراد کا فون آیا تھا، اس نے کہا کہ وہ اشتہار میں کام کرنے کیلئے تیار ہے، آپ یقین جانیں بابا...... مجھے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی خوشی یہ جان کر ہوئی کہ مراد صاحب آپ کے دوست ہیں اور اتنے اچھے دوست ہیں کہ وہ اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور ہو گئے۔'' صارم کے لہجے میں فخر تھا۔ ''لیکن بابا......! آپ نے یہ بات مجھ سے کیوں چھپائی؟''

''بیٹا......! مجھے یقین نہ تھا کہ وہ دوستی کی لاج رکھ لے گا۔'' عازم علی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یوں بھی اس سے ملے ایک طویل عرصہ ہو گیا تھا......تم جانتے ہو کہ یہ سرمایہ دار لوگ مشکل ہی سے کسی کے دوست ہوتے ہیں، یہ دوستی، محبت، خلوص......ہم جیسے سفید پوشوں کی میراث ہے۔''

''بابا......! اگر آپ نے بتا دیا ہوتا کہ آپ کی ان سے اتنی گہری دوستی ہے تو، میں پھر محسن نقوی کو اپنے ساتھ کیوں لے جاتا...... آپ کے ساتھ جاتا۔''

''میرے نزدیک یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں......تم یہ بات اچھی طرح جانتے ہو کہ میں پیسے سے کبھی مرعوب نہیں ہوتا، پھر پیسے والوں کو بھلا میں کیا گردانوں گا......بس پھر ہوا یوں کہ جیسے جیسے اس کے پاس پیسہ آتا گیا، میں اس سے دور ہوتا گیا...... میں اس سے ملنے چلا جاتا تو وہ بڑی اچھی طرح ملتا......کبھی فون کر لیتا تو وہ پوری دلچسپی کے ساتھ مجھ سے بات کرتا، لیکن کبھی ایسا نہ ہوا کہ وہ خود سے مجھے فون کر لیتا یا مجھ سے ملنے چلا آتا۔'' وہ دکھ سے بولے۔ ''اس کی اس بے اعتنائی نے مجھے اس سے دور کر دیا۔''

''بابا......! اس کی وجہ مصروفیت بھی تو ہو سکتی ہے......ان کا کاروبار اتنا پھیلا ہوا ہے کہ میرے خیال میں تو انہیں سانس لینے کی بھی فرصت نہ ہوگی۔'' صارم نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہاں......! شاید ایسا ہی ہو بیٹا...... ! مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے وہ دولت، امارت اور شہرت کے قلعے میں بند ہو اور میں اس قلعے کے باہر فصیل کے نیچے کھڑا ہوں، ہمارے درمیان ایک شیشے کی دیوار ہے جو دور سے بالکل نظر نہیں آتی لیکن جب میں اس کی طرف بڑھتا ہوں تو وہ مجھے ملنے سے روک دیتی ہے، تب میری انا لہولہان ہو جاتی ہے۔" عازم نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر مسکرا کر بولا۔

"صارم...... وہ دن بہت اچھے تھے جب ہم فٹ پاتھ پر کتابوں کے اوپر دال کی پلیٹ رکھ کر ہاتھ میں روٹی تھامے ایک پلیٹ میں کھانا کھایا کرتے تھے۔"

یہ انکشاف صارم پر حیرتوں کے پہاڑ توڑنے والا تھا، وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور بولا۔ "نہیں بابا......؟"

"ہاں بیٹا......! یہ سچ ہے۔" عازم نے مسکرا کر کہا۔

"بابا......! پوری بات تفصیل سے بتائیں...... یہ تو بڑی حیرت ناک بات ہے...... میں نغمی صاحب کو بتا کر حیران کر دوں گا۔" صارم پرجوش انداز میں بولا۔

"نہیں صارم......! تم کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گے۔" عازم علی نے تنبیہی انداز میں کہا۔

"اچھا بابا......! چلیں نہیں بتاؤں گا...... پر مجھے اس وقت کے حالات تو بتائیں۔" صارم نے اصرار کیا۔

"بتاؤں گا......ضرور بتاؤں گا لیکن ابھی نہیں، کسی دن فرصت سے۔" عازم علی نے حتمی انداز میں کہا۔

صارم نے باپ کے لہجے سے سمجھ لیا کہ وہ اس موضوع پر مزید بات کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں، اسے اپنے والد کے بارے میں اچھی طرح پتہ تھا کہ ان کے منہ سے کوئی بات زبردستی اگلوائی نہیں جا سکتی۔

"او کے بابا......! میرے لئے فی الحال اتنا ہی بہت ہے کہ آپ کی وجہ سے ہمیں ایک زبردست ماڈل مل گئی، تھینک یو بابا......! تھینک یو ویری مچ...... بابا! کیا میں کچھ دیر آپ کے پاؤں اور دباؤں؟" صارم نے صوفے سے کھسک کر قالین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"یار......! پاؤں کا چکر چھوڑو...... تمہارے پاؤں دبانے سے، بجائے آرام آنے کے میری ٹانگوں میں اور درد ہو گیا۔" عازم علی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بھئی ایسا کرو ماڈل ملنے کی خوشی میں تم مجھے کہیں باہر کھانا کھلاؤ۔"

"او کے بابا......! آپ فوراً تیار ہو جائیں، میں آپ کو ایک زبردست ریسٹورنٹ میں زبردست ڈنر کراتا ہوں...... پر بابا......!" صارم چپ ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"ہاں کیا ہوا......؟" عازم علی نے اسے دیکھا۔

"بات یہ ہے بابا......! ویسے آپس کی بات ہے، کچھ اچھا نہیں لگتا یہ کہتے ہوئے کہ میری تنخواہ تو

ابھی ملی نہیں ہے۔" صارم نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"یار تو بڑی چیز ہے، کسی بھی طرح اپنے پروں پر پانی نہیں پڑنے دیتا۔" عازم علی بولے۔ "تمہیں تنخواہ نہیں ملی تو کوئی بات نہیں...... تم مجھ سے ادھار لے لو۔"

"بابا......! میں نے اکثر پان کی دکانوں پر لکھا دیکھا ہے ادھار محبت کی قینچی ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے پھر ادھار بند...... اب آپ کچن میں جائیں اور کھانا گرم کر کے لے آئیں۔" عازم علی نے حکم دیا۔

"اوہو...... بابا! ایک تو آپ ناراض بڑی جلدی ہو جاتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ دکانوں پر غلط لکھا ہوتا ہے، ادھار تو محبت بڑھاتا ہے، لائیں بابا......! مجھے ایک عدد پانچ سو کا نوٹ ادھار دیدیں۔" صارم نے خوشامدانہ لہجہ اختیار کیا۔ "اور دے کر بھول جائیں۔"

"تو بڑی کامیاب زندگی گزارے گا بھئی۔" عازم علی نے مسکرا کر اس کے سر پر چپت لگائی۔

☆......☆......☆

صارم کو امید نہ تھی کہ سارہ مراد اس قدر تعاون کرے گی، وہ سمجھ رہا تھا کہ سارہ ماڈلنگ کیلئے تیار ضرور ہو گئی ہے لیکن فوٹو سیشن اور فلم میکنگ کے دوران متعلقہ لوگوں کو ناکوں چنے چبوا دے گی۔

یوں تو صارم کی ذمہ داری کاپی یا اسکرپٹ لکھنے تک محدود تھی، لیکن اس کی دلچسپی لامحدود تھی۔ فوٹو سیشن ہو، ڈیزائننگ ہو، فلم ڈائریکشن ہو، ایڈیٹنگ ہو وہ ہر جگہ موجود رہتا تھا اور ضرورت ہوتی تو اپنا مشورہ بھی دیتا۔

سارہ مراد کا تو معاملہ ہی کچھ اور تھا محسن نغمی، صارم سے بہت خوش تھے انہوں نے پورے اسٹاف کو بتا دیا تھا کہ سارہ مراد جیسی نایاب ماڈل صرف صارم کی کوششوں سے ادارے کو نصیب ہوئی ہے، لہٰذا ہر شعبے کا انچارج اسے خصوصی اہمیت دینے پر مجبور تھا۔

ویسے بھی صارم ایک خوش مزاج اور محبت کرنے والا شخص تھا، لوگ اس کے ساتھ کام کر کے خوش ہوتے تھے، سارہ مراد جیسی ماڈل ڈھونڈنے پر ادارے کا ہر شخص اسے احترام کی نظر سے دیکھنے لگا تھا۔

اور پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ سارہ مراد ہر طرح سے تعاون کر رہی تھی، اگرچہ اس نے رات کو فوٹو سیشن یا شوٹنگ کرنے سے منع کیا تھا اور صارم کی بھی یہی کوشش تھی کہ دن کے اختتام تک اسے فارغ کر دے، لیکن بعض ناگزیر وجوہ کی بناء پر اسے رات کو دس، گیارہ بجے تک رکنا پڑا تو اس نے کسی قسم کی بدمزاجی یا غصے کا اظہار نہیں کیا، وہ چاہتی تو فوٹو سیشن یا شوٹنگ چھوڑ کر جا سکتی تھی، اس کی کوئی مجبوری تو نہیں لیکن ایک دن بھی اس نے کسی تلخی کا اظہار نہیں کیا۔

صارم کا خیال تھا کہ وہ اپنے باپ سے بھی دو ہاتھ آگے ہوگی، اسے ڈیل کرنا مشکل ہوگا، لیکن وہ اس قدر سادہ مزاج ثابت ہوئی کہ لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ مراد علی خان جیسے مغرور شخص کی بیٹی ہے۔ نخوت اور تکبر نام کی کوئی چیز اس کے مزاج میں موجود نہ تھی، البتہ ایک بات ضرور تھی کہ وہ ہر ایک سے

بے تکلف نہیں ہوتی تھی، ریزرو سی تھی، اس کے اٹھنے بیٹھنے، بات کرنے کے انداز سے وقار جھلکتا تھا، البتہ اتنا ضرور تھا کہ وہ صارم سے بلا تکلف گفتگو کر لیتی تھی اور چاہتی تھی کہ صارم کام کے دوران اس کے آس پاس ہی رہے۔

صارم خود بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ اس کی نگاہوں کی گرفت میں رہے۔

پھر جلد ہی وہ وقت آ گیا کہ اخبارات اور ٹیلیویژن پر بھرپور انداز میں اشتہاری مہم شروع ہو گئی، اب ہر طرف، ہر جگہ سارہ مراد کے چرچے تھے۔

ایک دن صارم جب دفتر میں موجود تھا تو سارہ مراد کا فون آیا۔ صارم کے "ہیلو" کہتے ہی اس کی شکوہ بھری آواز سنائی دی۔

"بھئی آپ نے مجھے کس عذاب میں مبتلا کر دیا۔"

"کیوں سارہ مراد......! کیا ہوا؟" صارم نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

"جناب ہر طرف سے فون چلے آ رہے ہیں، کوئی کہہ رہا ہے فلم میں کام کریں گی، کوئی کہہ رہا ہے ڈرامے میں کام کریں گی، کوئی کسی اشتہاری فلم کی بات کر رہا ہے، میں تو یہ فضول آفرز سن کر تنگ آ گئی ہوں۔"

"ارے...... یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے، آپ اپنی شہرت کو انجوائے کریں۔" صارم نے کہا۔

"تو بہ کریں جناب......! اس شہرت نے میرا گھر سے نکلنا عذاب بنا دیا ہے، اب احساس ہوتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔" اس کے لہجے میں پچھتاوا تھا۔

"آپ سے غلطی نہیں ہوئی...... غلطی مجھ سے ہوئی ہے۔" صارم نے سکے کا دوسرا رخ دکھایا۔

"میں سمجھی نہیں؟" سارہ جیسے الجھ گئی۔

"دیکھیں سارہ صاحبہ......! آپ کا مسئلہ تو چند دنوں کا ہے، پبلسٹی کمپین ختم ہوتے ہی لوگ آپ کو بھول جائیں گے، آپ کا عذاب ختم ہو جائے گا لیکن میرا عذاب تو کبھی ختم نہ ہو سکے گا۔" اس نے مزید الجھایا۔

"آپ کس عذاب میں مبتلا ہو گئے ہیں؟" سارہ مراد نے حیرت سے پوچھا۔

"فون پر نہیں بتایا جا سکتا۔" صارم نے ہنس کر کہا۔

"اچھا......! پھر کہاں بتائیں گے؟" سارہ نے پوچھا۔

"ساحل سمندر پر۔" صارم نے بے اختیار کہا۔

"ہائے نہیں......! میں تماشا بن جاؤں گی، کیا اس کا آپ کو احساس ہے؟" سارہ نے کہا۔

ایک خوشی کی لہر اس کے اندر دوڑ گئی، اس نے ملنے سے انکار نہ کیا تھا، یہ اس کیلئے بڑی اہم بات تھی۔

تب صارم نے فوراً اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ "ہاں! بات تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، میں ایک لمحے

کو یہ بات بھول گیا تھا، آپ کو دیکھ کر واقعی لوگ جمع ہو جائیں گے...... اچھا چلیں پھر کسی ریسٹورنٹ میں ملتے ہیں۔"

"مجھے اپنے ڈیڈی سے اجازت لینا ہو گی، میں اپنے ڈیڈی سے کوئی بات نہیں چھپاتی۔"

"ٹھیک ہے آپ پوچھ لیں...... میرا خیال ہے کہ وہ انکار نہ کریں گے۔" صارم نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"چلئے پھر ان سے بات کر کے آپ کو بتاؤں گی۔" سارہ نے کہا پھر اچانک ذہن میں اس کے خیال آیا۔ وہ فوراً بولی۔ "صارم صاحب......! آپ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ اپنے بابا کو لے کر ہمارے ہاں آ جائیں۔"

"سارہ صاحبہ......! ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔" صارم نے بڑے معنی خیز لہجے میں کہا۔

اس کے لہجے سے وہ فوراً سمجھ گئی کہ صارم کیا کہنا چاہ رہا ہے، وہ چڑ کر بولی۔ "اچھا......! زیادہ بدتمیزی نہ کریں۔"

"میں نے تو کوئی بدتمیزی نہیں کی، آپ کی بات کا جواب دیا ہے۔" اس کے لہجے میں شوخی تھی۔

"میں سب سمجھتی ہوں۔" سارہ نے کہا۔

"کاش......! آپ اتنی سمجھدار ہوتیں۔" صارم نے پھر اپنا لہجہ معنی خیز بنایا۔

"اچھا...... چلیں سمجھائیں، کیا سمجھانا چاہ رہے ہیں۔" سارہ نے پوچھا۔

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ جس طرح میرے بابا اور آپ کے ڈیڈی دوست ہیں، کیا ہم ایک دوسرے کے دوست نہیں ہو سکتے؟" صارم نے تجویز پیش کی۔

"صرف دوست......؟" سارہ نے یہ بات بڑی سادگی سے کہی لیکن ان دو لفظوں میں ایک جہاں آباد تھا۔

اور مزے کی بات یہ کہ اتنا کہہ کر وہ رکی نہیں فوراً سلسلہ منقطع کر گئی۔

اگرچہ سارہ بات ادھوری چھوڑ گئی تھی لیکن اس ادھوری بات میں اتنے شیڈز تھے کہ آدمی سوچنے بیٹھے تو سوچتا ہی چلا جائے۔

جو بات صارم کہنا چاہتا تھا اور نہ کہہ سکا تھا...... وہ بات نہ کہتے ہوئے بھی کہہ گئی تھی۔

اور پھر ملاقاتیں ہونے لگیں...... باتیں ہونے لگیں، دل میں جو چھپا تھا، وہ عیاں ہونے لگا، گفتگو میں رنگ کھلنے لگے، جذبے پھول بن کر کھلنے لگے، آنکھوں میں رنگ بھرنے لگے، جو دل نہ کہہ سکا، وہ آنکھیں کہہ دیتیں اور جو آنکھیں نہ کہہ پاتیں، وہ دل کہہ دیتا۔

وقت کروٹ پر کروٹ لے رہا تھا، وقت کی ہر کروٹ دل پر بنتے نقوش گہرے کرتی جاتی تھی، وہ ملتے تو دلوں کو قرار ملتا...... جدا ہوتے تو دلوں کا قرار لٹ جاتا...... اب ایسا کیا ہو کہ بے قرار دل ہمیشہ کیلئے قرار پا جائیں...... وہ سر جوڑ کر سوچتے۔

بس ایک ہی راستہ تھا کہ وہ ایک ایسے بندھن میں بندھ جائیں کہ جدائی کا ہمیشہ کیلئے منہ کالا ہو جائے۔

تب ایک دن ایک آرٹ گیلری میں، ایک بڑی پینٹنگ دیکھتے دیکھتے اچانک صارم نے سارہ کا نازک ہاتھ تھام لیا اور اسے آرٹ گیلری کی بند فضا سے باہر کھلی فضا میں لے آیا...... باہر پھول کھلے ہوئے تھے اور ایک رنگ بھری تتلی پھولوں پر منڈلا رہی تھی۔

''سارہ...... وہ دیکھو...... میرے جذبات کی تتلی، تمہارے گلاب چہرے پر کس طرح نچھاور ہو رہی ہے۔'' صارم نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''ہاں میں دیکھ رہی ہوں۔'' سارہ نے لب کھولے۔

''لیکن مجھ سے اب نہیں دیکھا جاتا، تم کہو تو اپنے بابا کو تمہارے ڈیڈی کے پاس بھیج دوں کہ وہ تمہیں میرے لئے مانگ لیں۔'' صارم نے بالآخر وہ بات کہہ دی جسے کہنے کیلئے وہ کئی دن سے بے قرار تھا۔

''ہاں صارم...... ! ضرور لیکن یہ بات اپنے ذہن میں رکھنا کہ میں نے ایم اے مکمل کرنا ہے۔'' سارہ نے آئندہ کی پیش بندی کی۔

''وہ کوئی مسئلہ نہیں...... ایم اے اپنے باپ کے گھر نہ سہی، میرے باپ کے گھر میں رہ کر کر لینا۔'' صارم نے ہنس کر کہا۔

''وعدہ کرو۔'' سارہ نے ہاتھ پھیلایا۔

''پکا وعدہ۔'' صارم نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

''چلو پھر بھیجو اپنے بابا کو۔'' سارہ نے خوش ہو کر کہا۔

☆......☆......☆

صارم دبے پاؤں اپنے بابا کے کمرے میں داخل ہوا، عازم علی سکون سے پاؤں پھیلائے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔

صارم آہستگی سے بیڈ پر بیٹھ کر ان کے پاؤں دبانے لگا۔ عازم علی نے کتاب اپنے چہرے کے سامنے سے ہٹا کر صارم کو گھور کر دیکھا۔

''آج کیا سین پاٹ ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''بابا...... ! بس ایسے ہی جی چاہ رہا تھا کہ آپ کے پاؤں دباؤں۔'' صارم نے بڑی معصومیت سے کہا۔

''ہیں...... بغیر کسی غرض کے میرا بیٹا خدمت کرنے کیلئے تیار ہو گیا...... یار یقین نہیں آ رہا۔''

''یقین کر لیں نا بابا...... ! آپ کا تو جواب ہی نہیں ہے بابا!''

''ہیں...... خدمت بھی اور ساتھ میں تعریف بھی...... نہیں بیٹا! میں یقین کرنے کیلئے بالکل تیار

نہیں ہوں، سو فیصد دال میں کالا ہے...... بولو کیا مسئلہ ہے؟'' عازم علی نے کتاب ایک طرف رکھ دی۔

''اچھا بابا! اب آپ اصرار کر رہے ہیں تو بتائے دیتا ہوں...... ویسے کوئی مسئلہ تھا نہیں۔''

''جی...... میرے بے حد اصرار پر بتائیں آپ۔'' عازم علی نے اپنے دونوں پاؤں سکیڑ لئے۔

''بابا...... ! بات یہ ہے۔'' صارم ان کے نزدیک بیٹھتا ہوا بولا۔

''جی جی...... فرمائیں...... میرے بے حد اصرار پر۔''

''بابا...... ! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ سارہ کو اپنی بہو بنا لیں؟''

''ہاں کیوں نہیں...... سارہ مجھے بہت پسند ہے، وہ تمہارے ساتھ خوب سجے گی لیکن......؟'' عازم اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔

''لیکن کیا بابا......؟'' صارم نے پرتشویش لہجے میں پوچھا۔ ''بات پوری کریں۔''

''میں یہ رشتہ مانگنے مراد علی خان کے در پر نہیں جاؤں گا۔'' عازم علی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

صارم اپنے باپ کا فیصلہ سن کر سکتے میں آ گیا۔

اس کے بابا نے بات ہی کچھ ایسی کہی تھی۔ صارم کو اپنے باپ سے ایسے غیر متوقع فیصلے کی ہرگز امید نہ تھی۔ وہ عازم علی کا اکلوتا بیٹا تھا، ان کی آنکھ کا تارا تھا۔ وہ اپنے باپ کو باپ سے زیادہ اپنا دوست سمجھتا تھا اور عازم علی بھی اس کے ساتھ دوستوں ہی جیسا برتاؤ کرتے تھے۔ صارم ہر بات پوری بے تکلفی سے ان سے کر لیا کرتا تھا۔ یہ بات بھی اس نے پورے مان سے کی تھی۔ اسے پوری امید تھی کہ وہ بلا حیل و حجت سارہ کے باپ سے رشتہ مانگنے چلے جائیں گے...... لیکن انہوں نے تو اس کے ارمانوں پر اوس ڈال دی تھی۔

''آخر کیوں بابا؟'' صارم سکتے سے نکلا تو پہلا سوال اس کی زبان پر آیا۔

''بیٹا...... تم اسے نہیں جانتے۔ وہ یہ رشتہ کبھی قبول نہ کرے گا۔'' عازم علی نے صاف گوئی سے کام لیا۔

''وہ کیوں بابا؟'' صارم حیران تھا۔ ''آپ جانتے ہیں کہ یہ سارہ اور میرا مشترکہ فیصلہ ہے اور آپ کو بھی اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''نہیں...... مجھے ہرگز اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ سارہ کو میں پسند کرتا ہوں۔ وہ واقعی بہت پیاری لڑکی ہے...... لیکن بیٹا یہاں معاملہ ہماری پسند کا نہیں...... مراد علی خان کی پسند کا ہے۔''

''آپ کے خیال میں انہیں کیوں اعتراض ہوگا؟'' صارم نے پوچھا۔ ''وہ آخر آپ کے دوست ہیں آپ ایک دوسرے کو طویل عرصے سے جانتے ہیں۔''

''بیٹا...... تم نے کبھی کسی کو کلف لگے کپڑوں میں دیکھا ہے۔'' عازم علی نے عجیب سوال کیا۔

''جی دیکھا ہے۔'' صارم نے فوراً جواب دیا۔

''کلف کے کپڑوں میں بندہ کیسا اکڑا اکڑا لگتا ہے...... بے شک اندر سے وہ نرم ملائم ہو۔''

"اچھا پھر۔" صارم کی سمجھ میں بات نہ آئی تھی۔

"پھر یہ بیٹا کہ مراد علی خان کپڑے ہی کلف زدہ نہیں پہنتا اس کا دل بھی کلف زدہ ہے۔ اس کے دل پر تکبر کا کلف چڑھا ہے۔ بیٹا جس کے دل پر تکبر کا کلف چڑھا ہو وہ ہمارے تمہارے جیسے چھوٹے لوگوں کو کیا گردانے گا۔ صارم آدمی کو اونچا ضرور دیکھنا چاہئے لیکن اتنا ہی اونچا کہ اس کے سر پر رکھی ہوئی عزت کی پگڑی اس کے قدموں میں نہ آگرے۔" عازم علی نے اسے اپنے طور پر سمجھانے کی کوشش کی۔

صارم اپنے باپ کی بات سمجھ تو گیا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہے ہیں لیکن یہ سنتے ہی اس کا دل بے چین ہو گیا۔ وہ سارہ سے دستبردار نہیں ہو سکتا تھا۔ سارہ اس کی زندگی بن چکی تھی اور وہ اسے چھوڑ کر تنہا جینا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اب اس کے بغیر جی ہی نہیں سکتا تھا۔

"بابا...... کیا ہم اتنے چھوٹے لوگ ہیں۔" صارم کے لہجے میں دکھ تھا۔

"ہاں...... مراد علی خاں کے نقطۂ نظر سے یقیناً چھوٹے...... ہم مڈل کلاسیے ہیں جبکہ وہ اپر کلاس کا شخص ہے۔" عازم علی نے بات کھول کر بیان کی۔

"لیکن ان کی اصل...... وہ فٹ پاتھ، کتابوں پر پلیٹ رکھ کر کھانا کھانا۔" صارم نے یاد دلایا۔

"اپنی اصل کو کتنے لوگ یاد رکھتے ہیں بیٹا...... پیسہ آتے ہی اپنے ماضی کو حرف غلط کی طرح مٹا دیتے ہیں۔ اپنا ماضی یاد رکھنے کے لئے بڑی اعلیٰ ظرفی کی ضرورت ہوتی ہے اور تم جانتے ہو دولت اور اعلیٰ ظرفی دو متضاد چیزیں ہیں۔" عازم علی نے کہا۔

"بابا...... میرا دل جانے بار بار کیوں کہہ رہا ہے کہ وہ آپ کی بات فوراً مان لیں گے، آخر انہوں نے آپ کے کہنے پر سارہ کو ماڈلنگ کی اجازت بھی تو دے دی تھی۔" صارم نے پرامید لہجے میں کہا۔

"صارم ماڈلنگ کی اجازت دینا اور اپنی بیٹی کو کسی کے نکاح میں دینا...... دو مختلف باتیں ہیں۔ دوستی کے لحاظ میں وہ اتنا تو مان گیا...... لیکن اب وہ کسی طرح بھی دوستی کا لحاظ نہ کرے گا۔" عازم علی نے صاف کہا۔

"مجھے آپ سے اختلاف ہے بابا۔" صارم کسی طور ماننے کے لئے تیار نہ تھا۔

"پھر تم کیا چاہتے ہو؟" بالآخر عازم علی نے پوچھا۔

"آپ ان سے ایک بار مل لیں...... کیا پتہ ایسا نہ ہو جیسا آپ سوچ رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے بیٹا...... میں تمہاری یہ خواہش پوری کر دیتا ہوں تاکہ تمہارے دل میں کوئی حسرت باقی نہ رہے۔" عازم علی نے پھیکی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"بابا...... یو آر گریٹ۔" صارم کی خوشی قابل دید تھی۔

☆......☆......☆

مراد علی خاں دفتر میں موجود تھا کہ اس کے خاص فون کی گھنٹی بجی۔ اس فون کا نمبر چند مخصوص

لوگوں کے پاس تھا۔ مراد علی خاں کو موبائل فون رکھنا پسند نہ تھا۔ وہ اپنے سارے فون اپنی پرسنل سیکرٹری کے ذریعے وصول کرتا تھا۔ اس کی پرسنل سیکرٹری جانتی تھی کہ کس سے اس کی بات کروانی ہے اور کس سے نہیں۔

بس یہ ڈائریکٹ فون تھا جو خاص پرائیویٹ تھا۔ اس کا نمبر سارہ کے پاس بھی تھا اور یہ نمبر سارہ نے صارم کو دیا تھا تاکہ عازم علی آسانی سے اس کے باپ سے رابطہ کر سکے۔

فون کی سی ایل آئی پر اجنبی نمبر دیکھ کر مراد علی خاں کچھ الجھن کا شکار ہوا۔ پھر کسی خیال کے تحت اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ "یس۔"

"میں عازم بات کر رہا ہوں۔" عازم علی نے پرشوق لہجے میں بتایا۔

"اچھا...... ہاں عازم سناؤ کیا حال ہیں؟" وہ پریشان تو ہوا کہ عازم کے ہاتھ اس کا نمبر کس طرح آیا لیکن اس نے ظاہر نہ کیا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ سے ملنا چاہ رہا تھا۔ کچھ وقت مل جائے گا۔" عازم علی نے پوچھا۔

"اچھا...... ٹھیک ہے تم آ جاؤ...... شام کو پانچ بجے آ جانا۔" مراد علی خاں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

مراد علی خاں کے بتائے وقت پر عازم علی اس کے دفتر پہنچ گیا، پرسنل سیکرٹری نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور پھر پوچھا۔ "جی سر۔"

"مراد صاحب سے ملنا تھا۔" وہ بولا۔

"جی وہ تو اس وقت بزی ہیں...... کیا ملاقات کا وقت لیا ہے آپ نے؟" سیکرٹری نے پوچھا۔

"ہاں...... انہوں نے مجھے پانچ بجے بلایا تھا...... میرا نام عازم علی ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے...... آپ تشریف رکھیے...... میں انہیں اطلاع دیتی ہوں۔" سیکرٹری نے کہا۔

"جی بہتر۔" عازم علی سامنے پڑے صوفے پر بیٹھ گیا۔

پرسنل سیکرٹری کچھ دیر کے بعد ایک فائل اٹھا کر سامنے والے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔

پانچ منٹ کے بعد وہ واپس آئی۔ اس کے ہاتھ میں کچھ کاغذات تھے۔ اس نے کاغذات ٹیبل پر رکھ کر عازم علی کی طرف دیکھا اور بولی۔ "سر...... آپ کو ابھی بلاتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" عازم علی پاؤں پھیلا کر آرام سے بیٹھ گیا۔

یہ "ابھی" کوئی آدھے گھنٹے تک چلی۔ ایک آدمی اندر سے نکلا اور اپنی ٹائی درست کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ اسی وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ پرسنل سیکرٹری نے فون اٹھایا اور کہا۔ "جی سر۔"

پھر اس نے ریسیور رکھ کر عازم علی کی طرف دیکھا اور بولی۔ "جائیے سر...... باس آپ کو بلا رہے ہیں۔"

عازم علی صوفے سے اٹھ کر کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

عازم کے لئے یہ کمرہ نیا نہ تھا۔ وہ اس سے پہلے سارہ کے لئے آچکا تھا۔ عجب اتفاق کہ وہ اب بھی سارہ کے لئے آیا تھا۔ پہلے جب آیا تھا تو اس کے ذہن پر کوئی دباؤ نہ تھا، جبکہ اس وقت وہ نروس سا تھا۔ پہلے جب وہ آیا تھا تو مراد علی خاں اس کو دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا تھا...... اور اپنے کمرے میں پڑے قیمتی صوفے پر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا اور خود بھی ساتھ بیٹھ گیا تھا، لیکن آج تو مراد علی خاں نے کھڑے ہونے کی زحمت تک گوارا نہ کی، بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا دیا اور اسے اپنی شاندار میز کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا...... عازم نے سوچا قدر کھو دیتا ہے روز کا آنا جانا۔

''ہاں بھئی عازم کیسے ہو؟'' مراد علی خان نے کاروباری لہجے میں پوچھا۔ ''کیا پیو گے؟''

''کچھ نہیں جناب...... آپ سے ملاقات ہو گئی۔ یہی میرے لئے کافی ہے۔'' عازم علی طنزیہ لہجے میں بولا۔

''یار...... معاف کرنا...... تمہیں میرے انتظار میں بیٹھنا پڑا۔'' مراد علی خاں کو اس کے لہجے میں شکایت محسوس ہوئی تو اس نے وضاحت ضروری سمجھی۔ ''ایک اہم مسئلہ تھا۔''

''کوئی بات نہیں...... مجھے آپ کی مصروفیت کا اندازہ ہے۔ میں زیادہ وقت نہیں لوں گا۔''

''آج کل تم کس ٹیکسٹائل مل میں کام کر رہے ہو۔ مجھے یاد پڑتا ہے، پچھلی ملاقات میں تم نے بتایا تو تھا پر میرے ذہن سے نکل گیا۔'' حالانکہ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ وہ کس مل میں کام کرتا ہے۔

''میں گلستان ٹیکسٹائل ملز میں کام کر رہا ہوں۔'' عازم علی نے بتایا۔

''یہ مل میں نے خرید لی ہے۔ کل ہی اس کا سودا ہوا ہے۔ یہ جو بندہ ابھی میرے پاس سے گیا ہے اسی سلسلے میں مجھ سے بات کرنے آیا تھا۔'' مراد علی خاں کے لہجے میں فخر تھا۔

''مبارک ہو۔'' عازم علی نے اسے پورے خلوص سے مبارکباد تو دی لیکن یہ سن کر مراد علی خاں اب اس کا باس ہو گیا ہے، وہ اندر ہی اندر چھوٹا ہو گیا۔ شاید مراد علی خاں کا مقصد بھی یہی تھا۔

''ہاں جی...... خیر مبارک'' وہ اس طرح بولا جیسے یہ کوئی خاص بات نہ ہو۔ روز کا معمول ہو۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے پھر پوچھا۔ ''ہاں، عازم تم نے بتایا نہیں کیا پیو گے۔''

''کچھ نہیں...... میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا۔ اپنی بات کہوں گا اور چلا جاؤں گا۔''

''کوئی بہت خاص بات ہے کیا؟'' مراد علی خاں نے پوچھا۔

''ہاں...... بہت خاص...... کم از کم میرے لئے تو بہت اہم ہے۔''

''پھر کہو۔'' مراد علی خاں چاہتا تھا کہ وہ جلدی سے اپنی بات کہے اور چلا جائے۔

''مراد خاں...... میں اپنے بیٹے صارم کے لئے آپ سے بات کرنے آیا تھا۔'' عازم علی نے بات شروع کی۔

''ہاں کہو...... کوئی نوکری ووکری کا مسئلہ ہے...... وہ محسن نغمی کی ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں ہے نا۔''

''ہاں۔'' عازم علی نے مختصر جواب دیا۔

''کیا ہے وہاں؟'' مراد علی خاں نے پوچھا۔

''وہ کاپی رائٹر ہے۔'' عازم علی نے بتایا۔

''وہاں سے چھوڑنا چاہتا ہے کیا؟'' مراد علی خاں نے پوچھا۔

''نہیں...... وہاں وہ بہت مطمئن ہے۔''

''پھر کیا مسئلہ ہے؟'' مراد علی خاں نے اپنی کلائی پر بندھی بے حد قیمتی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

اب گفتگو کٹھن مرحلے میں داخل ہو گئی تھی۔ عازم علی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی بات کن الفاظ میں کہے۔ ماحول کچھ اس طرح کا بن گیا تھا کہ رشتے کی بات کرنا کارِ عبث دکھائی دے رہا تھا...... لیکن بات تو کرنا تھی۔ اپنے بیٹے کا رشتہ تو مانگنا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کی محبت سے مجبور تھا۔ اولاد کو شاید اسی لئے آزمائش کہا گیا ہے۔ پھر اس نے ہمت کی۔ اپنی منتشر سوچ کو یکجا کیا۔ چہرے پر مسکراہٹ لایا اور یوں گویا ہوا۔

''مراد خاں...... کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہمارے درمیان دوستی کے علاوہ کوئی اور بھی رشتہ قائم ہو جائے۔''

''کوئی اور رشتہ...... میں تمہاری بات سمجھا نہیں۔'' وہ کچھ حیران سا ہوا یا حیران ہونے کی اداکاری کی۔

''بات دراصل یہ ہے کہ مجھے تمہاری بیٹی سارہ بہت پسند ہے۔ میں اسے اپنی بہو بنانا چاہتا ہوں۔'' عازم علی نے بالآخر وہ کہہ دیا جس کے لئے وہ یہاں آیا تھا۔ اب جو بھی جواب ملے۔

''اوہ۔'' مراد علی خاں نے کچھ اس طرح کھینچ کر کہا کہ اس کے لہجے کا طنز فوراً عیاں ہو گیا۔

''کیا میں نے کوئی نازیبا بات کہہ دی؟'' عازم علی نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں ناگواری تھی۔

''ہاں...... یقیناً...... اس طرح کی بات کہنے سے پہلے تمہیں سو مرتبہ سوچنا چاہئے تھا۔ تمہیں یہ دیکھنا چاہئے تھا کہ تم کہاں بیٹھے ہو اور کس سے یہ بات کہہ رہے ہو۔'' مراد علی خاں کی اب گردن اکڑ چکی تھی۔

''مراد خاں...... میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ بات کہی ہے۔ کیا تمہیں میری بات بری لگی ہے۔''

''بری نہیں...... بہت بری۔'' اس نے گویا عازم علی کا دل چیر ڈالا۔

''آخر کیوں...... میرے بیٹے میں کیا برائی ہے۔'' عازم علی نے احتجاجاً کہا۔

''میں بتاتا ہوں برائی...... تمہارے بیٹے کو جو تنخواہ ملتی ہو گی اس سے کہیں زیادہ میری بیٹی کا جیب خرچ ہے۔ دیکھو عازم برا نہ ماننا...... تمہارے اور میرے اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہے اور

اب تو میں نے وہ ٹیکسٹائل مل بھی خرید لی ہے، جہاں تم ایک ڈیزائنر کی حیثیت سے ملازم ہو۔ سارہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔ میں اس کا رشتہ ایسی جگہ کروں گا جہاں وہ اپنے شوہر اور سسر کے بارے میں بتاتے ہوئے کسی شرمندگی کا شکار نہ ہو۔ کاپی رائٹر شوہر اور ایک ڈیزائنر سسر اسے معاشرے میں کیا مقام دے سکتے ہیں بھلا۔ نہیں عازم علی...... میں اس رشتے کو ریفیوج کرتا ہوں۔ آئندہ اس سلسلے میں میرے پاس مت آنا...... نہ تم اور نہ تمہارا بیٹا...... خدا حافظ۔" یہ کہہ کر وہ اٹھا اور ملحقہ واش روم میں داخل ہو گیا۔

پھر اس نے واش روم کا دروازہ اتنے زور سے بند کیا کہ عازم علی کو یوں محسوس ہوا جیسے اس نے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ مارا ہو۔

وہ جیسے سن ہو کر رہ گیا۔ ایک دم خالی الذہن...... چند لمحوں تک تو اسے یہی پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں بیٹھا ہے اور یہاں کیا کرنے آیا تھا۔ مراد علی خاں کے رویّے نے اسے ہلا دیا تھا۔ اسے زخمی کر دیا تھا۔

پھر اس نے خود کو سنبھالا۔ واش روم کے بند دروازے کو نفرت بھری نگاہ سے دیکھا اور تیز تیز چلتا اس کے کمرے سے نکل گیا۔

☆......☆......☆

صارم آج جلدی دفتر سے اٹھ آیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ عازم، مراد ملاقات پانچ بجے طے ہوئی ہے اس طرح وہ دو ڈھائی گھنٹے میں گھر پہنچ جائیں گے بلکہ اسے تو پوری امید تھی کہ دفتر سے ہی عازم علی کا خوشیوں بھرا فون آجائے گا۔

سارہ گھڑی گھڑی اسے فون کر رہی تھی۔ "ہاں، کیا ہوا......؟ بابا آئے......؟ ان کا کوئی فون آیا؟"

اور صارم بار بار اسے یہ جواب دے رہا تھا۔ "ابھی بابا نہیں آئے...... کوئی فون بھی نہیں آیا۔"

"ہائے...... بہت دیر ہو گئی۔" وہ پریشان ہو کر کہتی۔

"ہاں...... دیر تو ہو گئی ہے...... سارہ دعا کرو۔" وہ بھی بے چین ہو کر کہتا۔

"کر رہی ہوں...... دل سے دعا کر رہی ہوں...... بس سمجھو خوشخبری آیا ہی چاہتی ہے۔"

اور جب عازم علی گھر میں داخل ہوا تو اس کی حالت دیکھ کر صارم کے چھکے چھوٹ گئے۔

عازم علی بمشکل لاؤنج میں پڑے صوفے تک آیا اور اس پر کسی دیوار کی طرح گرا۔

"بابا...... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔" وہ جلدی سے ٹھنڈا پانی لے آیا۔

عازم علی نے اس کے ہاتھ سے گلاس لے لیا اور دو گھونٹ پانی پی کر صارم کی طرف دیکھا۔ صارم اپنے باپ کی ویران آنکھیں دیکھ کر ڈر گیا۔ اس کی آنکھوں میں ویرانی سی ویرانی تھی۔ ایسی ویرانی اس نے اپنے باپ کی آنکھوں میں کبھی نہ دیکھی تھی، اس وقت بھی نہیں جب اس کی ماں کا انتقال ہوا تھا حالانکہ وہ اس کے باپ کی چہیتی بیوی تھیں۔

صارم نے اپنے باپ کے ہاتھ سے گلاس لے کر میز پر رکھا اور ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"بابا...... بتائیں نا...... آپ کو کیا ہوا ہے؟"

بس اسی وقت عازم علی کا جی اُمڈا۔ بے اختیار اس کا دل بھر آیا۔ اس نے بہت کوشش کی اپنے آنسوؤں پر صبر کا بند باندھنے کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا، اس کا جسم کانپ اٹھا اور آنکھوں سے چشمہ رواں ہو گیا۔

"نہیں بابا۔" صارم نے فوراً صوفے پر بیٹھ کر اپنے باپ کو بانہوں میں بھر لیا۔ "بابا...... روئیں مت...... مجھے بتائیں، سارہ کے باپ نے آپ سے کیا کہا۔"

عازم علی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنے بیٹے کی بانہوں میں غروب ہوا روتا رہا، صارم نے اسے رونے دیا تا کہ دل ہلکا ہو جائے۔

کچھ دیر بعد دل میں بھرا لاوا بہہ گیا تو عازم علی کے حواس بحال ہوئے۔ صارم نے اسے دوبارہ پانی پلایا اور خاموشی سے اپنے باپ کو دیکھتا رہا۔

"بیٹا...... اس نے میری بہت توہین کی ہے۔ اس قدر کہ آج تک کسی نے نہیں کی۔" عازم علی نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

"سوری بابا...... میں بہت شرمندہ ہوں۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا۔" صارم نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"نہیں بیٹے...... یہ تقدیر کا لکھا ہے۔ اس میں کسی کا کیا دوش۔" عازم علی نے اپنے بیٹے کو شرمندگی سے بچانے کی کوشش کی۔ چند لمحے وہ خاموش رہا۔ اداس آنکھوں سے صارم کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ٹھہر ٹھہر کر بولنا شروع کیا۔ "صارم اس نے میری مل بھی خرید لی ہے، جہاں میں کام کرتا ہوں۔ میں ایک معمولی ڈیزائنر اب تو اس کا نوکر ہی ہو گیا...... اور تم ایک کاپی رائٹر تمہاری تنخواہ میں تو سارہ کا جیب خرچ بھی پورا نہیں ہوگا۔ پھر وہ تمہاری بیوی اور میری بہو بن کر معاشرے میں کیا منہ دکھائے گی...... ہم کہ ٹھہرے کمترین۔"

چند لمحے وہ پھر ٹھہرا۔ اب اس کی آنکھوں میں غصے کی لہر ابھری۔ "گدھے کا بچہ...... وہ خود کو سمجھتا کیا ہے۔ شاید وہ بھول گیا کہ وہ کس باپ کی اولاد ہے۔ اس دن میں نے تمہیں اس کے بارے میں بتانے سے انکار کر دیا تھا، آج بتاتا ہوں کہ وہ کل خود کیا تھا اور اس کا باپ کیا تھا۔ سنو، بیٹا آج کا ارب پتی ایک قلفی والے کی اولاد ہے۔ اس کا باپ ہمارے محلے میں قلفی کا ٹھیلا لگاتا تھا۔ وہ ایک ان پڑھ شخص تھا لیکن اس نے مراد کو اسکول میں داخل کروا دیا تھا۔ میٹرک تک ہم دونوں نے ایک اسکول میں تعلیم پائی۔ اسکول سے آکر مراد اپنے باپ کا ہاتھ بٹاتا، گاہکوں کو نمٹاتا، وقت ہوتا تو وہیں کتاب کھول کر بیٹھ جاتا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہوتا ہم دونوں مل کر پڑھتے۔ یہ بڑا خوش مزاج لڑکا تھا۔ میری اس سے اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ میں نے اس کو کبھی چھوٹا یا حقیر نہ جانا جبکہ میرے والد یعنی تمہارے دادا پراپرٹی ڈیلر تھے۔ ہمارے کئی فلیٹ تھے۔ ہم ایک خوشحال زندگی بسر کر رہے تھے۔ مراد ایک کمرے

کے چھوٹے سے گھر میں رہتا تھا اور وہ گھر بھی کرائے کا تھا...... تھا یہ بڑا تیز کچھ نہ کچھ کرنے کے چکر میں رہتا۔ تب اس نے پرانے رسالوں کا کاروبار شروع کیا۔ یہ گھروں سے پرانے رسالے ردی کے بھاؤ خریدتا اور ان رسالوں کو فٹ پاتھ پر سجا کر بیٹھ جاتا۔ میٹرک پاس کر کے ہم دونوں نے کالج میں داخلہ لے لیا، لیکن وہ [illegible] سے زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکا۔ پڑھائی کی طرف اس کی توجہ نہ تھی۔ اس کے علاوہ گھریلو مسائل کچھ ایسے تھے کہ وہ کالج چھوڑنے پر مجبور ہوا۔ اب اس نے ردی کے کام کو وسعت دی۔ رسالوں کے ساتھ اس نے پرانی کتابیں بھی رکھنا شروع کر دیں۔ میں کالج سے آ کر کبھی شام کو اور کبھی اتوار کو اس کے پاس چلا جاتا۔ دوپہر کا کھانا ہم اکٹھے کھاتے۔ پاس ہی ایک ہوٹل تھا۔ وہاں سے دال اور روٹیاں آ جاتیں، کتابوں کے ڈھیر پر دال کی پلیٹ رکھ کر فٹ پاتھ پر آمنے سامنے بیٹھ جاتے اور مزے سے دال روٹی کھاتے۔ ان دنوں وہ دبئی جانے کے چکر میں تھا۔ کسی طرح اس نے ویزا خریدا اور دبئی نکل گیا۔ میں ایک اسکول آف آرٹس سے ٹیکسٹائل ڈیزائننگ کا کورس کر کے گلستان مل میں لگ گیا۔ کئی سالوں کے بعد اچانک مراد سے صدر میں میری ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ اس نے دبئی سے آ کر عزیز آباد کے صنعتی علاقے میں ایک گتے کا کارخانہ لگا لیا ہے۔ بس پھر وہ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرتا گیا۔ گتے کے کارخانے سے ٹاول کی فیکٹری، اس کے بعد ٹیکسٹائل ملیں...... گارمنٹس کا کاروبار...... ایک روزنامہ...... میری اس سے ملاقاتیں رہیں، لیکن جوں جوں وہ بڑا آدمی بنتا گیا اس میں تکبر آتا گیا اور میں اس سے دور ہوتا گیا۔'' عازم علی نے چند لمحے توقف کیا، پھر بولا۔

''میں جانتا تھا کہ وہ یہ رشتہ کبھی قبول نہ کرے گا لیکن تمہاری محبت نے مجھے اس کے پاس جانے پر مجبور کر دیا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ اس قدر توہین آمیز سلوک کرے گا تو میں ہرگز اس کے پاس نہ جاتا...... بیٹا وہ پیسے والا ضرور ہو گیا لیکن ساتھ ہی اپنی اوقات بھول گیا ہے اور جو اپنا ماضی بھول جاتے ہیں وہ اسی طرح فرعون بن جاتے ہیں۔'' عازم علی اپنے دل کی بھڑاس نکال کر صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

☆......☆......☆

صارم نے سارہ کو یہ تو نہ بتایا کہ اس کے دادا قلفی کا ٹھیلا لگاتے تھے اور اس کے ڈیڈی کبھی فٹ پاتھ پر بیٹھ کر پرانی کتابیں فروخت کرتے تھے۔ وہ اعلیٰ ظرف باپ کا بیٹا تھا، ایسی کم ظرفی کا ثبوت نہیں دے سکتا تھا۔

البتہ اس نے یہ ضرور بتایا کہ تمہارے ڈیڈی نے اس رشتے کو سختی سے مسترد کر دیا ہے اور میرے باپ کی اس قدر توہین کی ہے، وہ میرے بازوؤں میں بلک بلک کر روئے ہیں۔

سارہ اس سلسلے کی تفصیل سن کر بہت شرمندہ ہوئی۔ اس نے کہا۔ ''صارم میں تمہارے بابا سے معافی مانگنے تمہارے گھر آؤں گی۔''

لیکن صارم کو اس کی یہ بات پسند نہ آئی۔ اس نے تنبیہی انداز میں کہا۔ ''نہیں سارہ میرے بابا یہ

ہرگز پسند نہ کریں گے کہ تم ان سے معافی مانگنے آؤ۔ اس میں تمہارا کیا قصور...... جو کیا تمہارے باپ نے کیا...... تم ان کے کسی فعل کی ذمے دار نہیں۔''

''اب میں کیا کروں صارم۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

''یہ سوچنا ہو گا۔'' صارم نے راہ دکھائی۔

''صارم...... ایک بات یاد رکھنا...... سدا میرے رہنا...... مجھے بھولنا مت...... مجھے چھوڑنا مت۔''

''کیسی بات کرتی ہو...... سارہ، تم میرے وجود کا حصہ ہو، میں تمہیں کیسے چھوڑوں گا۔ میں تمہیں کیسے بھولوں گا...... لیکن تمہارے ڈیڈی......'' اس نے قصداً جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''تم پریشان مت ہو۔ میں ڈیڈی سے خود بات کروں گی۔''

اور پھر اس نے جو کہا، وہ کر کے دکھایا۔ اس نے اپنے ڈیڈی سے بات کی اور صاف صاف انہیں بتا دیا کہ وہ یہ گھر چھوڑ سکتی ہے لیکن صارم کو نہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ پھر تم گھر چھوڑ دو۔'' مراد علی خاں نے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔ ''لیکن ایک بات یاد رکھنا جس کے سہارے تم گھر چھوڑنے پر تیار ہو گئی ہو، وہ تمہیں سہارا بنا لے گا، وہ تمہیں شوپیس بنا کر رکھ دے گا۔ تم سے ماڈلنگ کرائے گا، تمہیں اداکارہ بنا دے گا، تم کماؤ گی اور وہ کھائے گا۔ یہ گھر چھوڑنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لینا...... تم نے اگر صارم کے لئے اپنے باپ کا گھر چھوڑ دیا تو پھر کبھی اس گھر میں داخل نہ ہو سکو گی۔''

یہ کوئی آسان فیصلہ نہ تھا۔ اس کا چھوٹا بھائی ظفر مراد اس کے ساتھ تھا۔ اگرچہ ابھی وہ طالب علم تھا۔ وہ کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہ تھا لیکن اس نے کہا تھا۔ ''باجی جس میں تمہاری خوشی ہو، وہ کام کرو میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا۔''

یہ سن کر اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو گلے لگا لیا تھا اور گلے لگا کر دھاروں دھار روئی تھی۔

☆......☆......☆

پھر جس شام سارہ نے اپنا گھر چھوڑا، اس کا دل ڈوب ڈوب گیا، اس نے اپنے گھر کا چکر لگایا۔ ایک ایک چیز کو غور سے دیکھا۔ جن جن کرسیوں پر وہ بیٹھتی تھی، وہ وہاں بیٹھی...... اپنے بیڈروم کی ایک ایک چیز کو چھو کر دیکھا۔ وہ جانتی تھی اس کمرے کو وہ آخری بار دیکھ رہی ہے۔ اب وہ کبھی یہاں نہ آ سکے گی۔

مراد علی خاں گھر پر موجود نہ تھا۔ اس نے اپنے باپ کے کمرے میں کچھ وقت گزارہ...... اور پھر آنسو پونچھتی ہوئی اس کمرے سے نکل آئی۔

اس کے چھوٹے بھائی ظفر نے جب اسے خالی ہاتھ گھر سے نکلتے دیکھا تو بولا۔ ''باجی...... یہاں سے آپ جو چیز لینا چاہیں، لے جائیں۔ خالی ہاتھ گھر سے نہ جائیں۔''

''نہیں ظفر مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ صارم نے مجھے سختی سے منع کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے...... میں

تین کپڑوں میں ان کے گھر آؤں۔ دیکھ لو ظفر میں تین کپڑوں میں ان کے گھر جا رہی ہوں۔ اللہ تمہیں خوش رکھے تم نے اپنی بہن کا مان بڑھایا۔" اتنا کہہ کر سارہ اپنے گھر کے گیٹ سے باہر نکل آئی۔

"باجی...... ٹھہریں...... میں گاڑی نکالتا ہوں۔ آپ کو آپ کے گھر تک چھوڑ کر آؤں گا۔"

اور پھر ظفر اسے صارم کے گھر چھوڑ کر چلا گیا۔

جس شام سارہ نے اپنا گھر چھوڑا، اسی شام عازم علی نے ان دونوں کا نکاح پڑھوا دیا۔

اور پھر ایک ہفتے کے بعد بڑی دھوم دھام سے اپنے بیٹے کا ولیمہ کر دیا۔ ولیمے میں میڈیا کے علاوہ شوبز کے لوگوں نے بھی شرکت کی۔ وہ ایک حسین جوڑا تھا، شادی کی تصویر ہر رسالے، ہر اخبار میں چھپی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ مراد علی خاں کے اپنے اخبار میں بھی یہ تصویر شائع ہوئی۔

مراد علی خاں نے اپنے اخبار میں ولیمے کی تصویر چھپی دیکھی تو تلملا کر رہ گیا۔ ظاہر ہے اس نے اپنے ایڈیٹر کو یہ ہدایت نہ کی تھی کہ وہ اس کی بیٹی کی تصویر نہ چھاپے۔ جب تصویر اخبار کے فوٹو گرافر نے ایڈیٹر کو دی تو اس نے اسے نمایاں انداز میں چھاپ دی۔

تصویر دیکھتے ہی مراد علی خاں کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے فوراً ایڈیٹر سے جواب طلب کر لیا۔ ایڈیٹر کا اس میں کیا قصور تھا۔ وہ باپ بیٹی کے تعلقات سے قطعاً ناواقف تھا، وہ تصویر کو کس بنیاد پر روکتا، اس کے باوجود خاصی سرزنش کے بعد اس کی گلوخلاصی ہوئی۔

ایک ہفتے کے بعد ایک کوریئر سروس کے ذریعے مراد علی خاں کو پھولوں کا گلدستہ اور ایک خوبصورت پیکٹ موصول ہوا۔ مراد علی خاں نے گلدستے کو ایک طرف رکھ کر پیکٹ کھولا...... پیکٹ سے صارم اور سارہ کا نکاح نامہ اور شادی کی وڈیو کیسٹ برآمد ہوئی۔

مراد علی خاں نے نکاح نامہ دیکھتے ہی اسے ٹکڑوں میں تبدیل کر دیا اور کیسٹ کی ٹیپ کاٹ کر اسے ڈسٹ بن میں پھینک دیا اور بڑی دیر تک غصے سے دانت پیستا رہا۔

☆......☆......☆

جس دن عازم علی کو یہ معلوم ہوا کہ مراد نے اس کی مل خرید لی ہے، اس نے دوسرے دن اپنی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ عازم علی بہت اچھا ڈیزائنر تھا۔ اسے کوئی بھی ٹیکسٹائل مل اپنے یہاں ملازمت دے سکتی تھی لیکن صارم نے باپ کو منع کر دیا۔

"نہیں...... بابا...... اب آپ نے ملازمت نہیں کرنی۔"

تب عازم علی اپنے بیٹے کی خواہش پر گھر بیٹھ گیا۔ سارہ اس کا بہت خیال رکھتی اور وہ اپنی اس پیاری سی بہو کو دیکھ کر نہال ہوتا۔ اگر مراد علی خاں خود اپنے ہاتھوں سے شادی کر دیتا تو ایسی کیا قیامت آ جاتی۔ اس بات کا وہ اکثر تذکرہ کرتا۔ اس کے دل میں یہ بات کسی تیر کی طرح پیوست ہو گئی تھی۔

صارم اور سارہ دونوں ہی اسے سمجھاتے۔ "بابا...... اب بھول جائیں اس قصے کو جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب کب تک یاد کریں گے۔"

"ہاں، بیٹا میں سمجھتا ہوں...... لیکن میرے دل سے یہ بات نہیں نکلتی۔"

یہ ٹھیک ہے کہ رشتہ مانگتے وقت مراد نے عازم کی سخت توہین کی تھی، لیکن عازم پھر بھی یہ چاہتا تھا کہ مراد علی خاں کسی طرح اس شادی میں شریک ہو جائے، اپنی بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے رخصت کر دے، لیکن سارہ اور صارم نے اسے اس کے پاس جانے سے سختی سے منع کر دیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مراد ہرگز شادی میں شریک نہیں ہوگا بلکہ الٹی اس کی مزید توہین کر دے گا۔

سارہ اگرچہ اس گھر میں بہت خوش تھی لیکن عازم یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اندر سے کس قدر دکھی ہوگی۔ وہ سارہ کے چہرے پر اس کا دکھ تلاش کرتا اور ناکام رہتا۔ وہ اسے ہر وقت ہنستی مسکراتی نظر آئی۔ کبھی تنہائی میں روتی ہو، اس کا اسے کبھی علم نہ ہو سکا۔

عازم...... صارم کی شادی کے بعد مشکل سے سال بھر زندہ رہا۔ وہ اوپر سے اتنی ہی لکھا کر لایا تھا۔ جانے سے پہلے اس کے پاس جو جائداد تھی، وہ اس نے صارم کے بجائے اپنی بہو کے نام کر دی۔ اس طرح سارہ دو فلیٹوں اور اس گھر کی جس میں وہ قیام پذیر تھی مالک بن گئی تھی۔

"اے بھائی مالک مکان...... ہم پر رحم کرنا، کہیں ہمیں گھر سے نکال نہ دینا۔" صارم اسے چھیڑتا۔

"گھر میں رہنا ہے تو کرایہ دینا ہوگا۔" سارہ نظریں ترچھی کر کے اکڑ کر کہتی۔

"اوئے شاباشے۔" صارم آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھتا، پھر اندر بیٹھے ہوئے اپنے باپ سے مخاطب ہوتا۔ "بابا...... سارہ اس مکان میں رہنے کا آپ سے کرایہ مانگ رہی ہے اور بنائیں اسے مالک مکان۔"

اندر سے آواز آتی۔ "سارہ...... ایسا خواب میں بھی نہیں کہہ سکتی۔"

"کیا بات ہے بھئی...... بہو کا جادو تو سسر کے سر پر چڑھ کر بول رہا ہے۔ اوئے کیا پلا دیا تو نے میرے باپ کو۔ مجھے بھی تو پلا۔" صارم شریر لہجے میں کہتا۔

"آپ کو پلانے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ تو بن پیئے ہی ہمارے دیوانے ہیں۔" سارہ اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتی۔

"یار...... یہ محبت بھی کیا چیز ہے؟" صارم جیسے اپنے آپ سے کہتا۔

"دنیا کی انمول شے......!" سارہ بڑے یقین سے بولتی۔

"ہاں سچ کہا تم نے...... دنیا کی ہر چیز خریدی جا سکتی ہے پیسے سے، سوائے محبت کے۔" صارم بے اختیار کہتا، پھر پوچھتا۔ "سارہ...... ایک بات بتاؤ...... تم خوش تو ہونا۔"

"ہاں صارم...... تمہیں شک کیوں ہے۔ میں بہت خوش ہوں اور خیر سے اب تو میں دو فلیٹوں اور اس مکان کی مالک بن گئی ہوں۔ تمہیں تو میں چٹکیوں میں بے دخل کر سکتی ہوں، اس مکان سے۔" یہ کہہ کر وہ زبان نکال کر اسے منہ چڑاتی۔

اور پھر دونوں قہقہہ مار کر ہنس پڑتے۔ اپنے کمرے میں لیٹا ہوا عازم علی ان کے خوشی بھرے قہقہے

سنتا تو اس کا دل اطمینان سے بھر جاتا۔

صارم کی عادت تھی کہ ہفتہ دس دن میں جب بھی اس کا موڈ ہوتا، وہ عازم علی کے پاؤں دبانے بیٹھ جاتا۔ ایک دن جب صارم اپنے باپ کے پاؤں دبا رہا تھا تو سارہ بھی کمرے میں داخل ہو گئی اور اسے پاؤں دباتے دیکھ کر بولی۔ ''ہٹو...... صارم...... میں دباؤں گی بابا کے پاؤں۔''

یہ سن کر عازم علی فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنے پیر سمیٹ کر بولا۔ ''نہیں سارہ...... ایسا نہیں ہو سکتا۔''

''کیوں بابا...... کیا میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں۔'' سارہ حیرت سے بولی۔

''دیکھو...... سارہ...... مجھ پر جذباتی دباؤ مت ڈالو...... میں نہیں چاہتا کہ تم میرے پاؤں دباؤ۔''

''ہاں...... بابا آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' صارم گردن ہلاتا ہوا بولا۔ ''بابا...... آپ جانتے نہیں ہیں اسے...... یہ بڑی چالاک ہے۔ اس نے آپ کی جائداد پر قبضہ کر ہی لیا۔ اب یہ آپ پر بھی قبضہ جمانے کے چکر میں ہے۔ اصل میں بابا یہ چاہتی ہے کہ صارم کے پاس کچھ نہ رہے۔ اب میرے پاس جنت تو ہے نہیں...... یہ چاہتی ہے کہ جنت کا دروازہ بھی نہ رہے۔ بابا...... آپ لیٹیں، میں دیکھتا ہوں کون چھینتا ہے مجھ سے جنت کا دروازہ۔''

''او...... شیطان کے بچے۔'' عازم علی نے مسکرا کر کہا۔ ''سارہ...... تم اس کی بات کا برا نہ ماننا۔''

اس سے پہلے کہ سارہ کوئی جواب دیتی، صارم بولا۔ ''بابا...... آپ ایک بات تو مانیں گے، عورت ہوتی ہے فساد کی جڑ...... دیکھیں اس نے کس خوبصورتی سے ہمارے درمیان جھگڑا کرا دیا۔''

''او...... گدھے......'' عازم علی نے اسے پھر ڈانٹا۔

''بابا...... صرف گدھا میری شان کے خلاف ہے۔ ہاں اگر آپ اس کے آگے پیچھے بچہ لگا دیں تو پھر میں قبول کر لوں گا۔ ویسے بھی بابا، میں ابھی بچہ ہوں...... پورا گدھا کہاں ہوں۔'' صارم بڑی معصومیت سے بولا۔

سارہ کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا۔

بس وہ رات عازم علی کے لئے آخری رات تھی۔ صارم کا جنت کا دروازہ اس رات ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ رات کو جانے کس وقت اس کا دل آپے سے باہر ہوا اور یوں عازم علی سوتے میں چل بسا۔

☆......☆......☆

باپ کی موت کے بعد صارم اور سارہ کا اس گھر میں دل نہ لگا۔ انہوں نے دونوں فلیٹ اور مکان بیچ کر نارتھ ناظم آباد میں ایک بڑا مکان لے لیا۔ ایک چھوٹی گاڑی خرید لی۔ کچھ نئی چیزیں خرید لیں۔

اب اس نے پروڈکشن کی طرف توجہ کی۔ اس نے محسن نغمی سے بات کر لی۔ وہ اپنے ہی ادارے کے لئے کمرشل فلمیں پروڈیوس کرنے لگا۔ رائٹر وہ تھا ہی...... ساتھ میں ایڈیٹنگ سیکھ لی۔ فوٹو گرافی اس کا شوق تھا۔ بندہ رائٹر اور ایڈیٹر ہو تو پھر اسے ڈائریکٹر بنتے دیر نہیں لگتی۔ اب اس نے پروڈکشن کا دائرہ وسیع کیا۔ کچھ ڈاکومنٹری فلمیں بنائیں۔

تین چار سال بعد اس نے اشتہاری دنیا سے باہر قدم نکالے۔ الیکٹرونک میڈیا کی طرف متوجہ ہوا۔ ایک ٹی وی چینل کے لئے اس نے مختلف کام کئے، ساتھ میں کاس ماس تھری کا بھی کام کرتا رہا وہ محسن نغمی کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا اور نہ ہی محسن نغمی یہ چاہتے تھے کہ وہ انہیں چھوڑ کر جائے۔ تاہم وہ اس کی ضرورتوں سے بھی واقف تھے، لہٰذا وہ اس کے بہتر مستقبل اور اپنے ادارے کے مفاد میں جو بھی ممکن ہوتا صارم کے ساتھ رعایت برتتے رہتے۔

صارم اب اتنا کما لیتا تھا کہ دو جانوں کے لئے بہت تھا۔ گھر اپنا تھا، گاڑی تھی، گھر میں ہر آسائش موجود تھی۔ ملک کے تمام تفریحی مقامات پر ہو آئے تھے۔ دوست احباب تھے۔ سارہ کا چھوٹا بھائی ظفر اس سے فون پر بات کر لیتا تھا۔ اب وہ مراد علی خاں کے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹا رہا تھا۔ اس نے کئی بار سارہ کو آفر کی تھی۔ ''باجی...... آپ کو جب بھی پیسے کی ضرورت ہو، مجھے بتانا۔''

سارہ نے اس کی پیشکش کو ہمیشہ سختی سے مسترد کر دیا تھا۔ ''ظفر تم جانتے ہو کہ اس گھر میں مجھے سب کچھ حاصل ہے۔ پھر میں اپنے باپ کے پیسے کی کیوں خواہش کروں۔ ایسے باپ کی جس نے اپنی اکلوتی بیٹی کو گھر سے کسی فالتو بلی کی طرح نکال باہر کیا۔''

یہ حقیقت تھی کہ سارہ کو پیسے سے بالکل لگاؤ نہ تھا۔ وہ ایک اچھی خوشحال زندگی بسر کر رہی تھی۔ اگر اسے اس سے کم درجے کی زندگی بھی گزارنا پڑتی تو وہ ہنسی خوشی گزار لیتی۔ اسے پیسہ نہیں سچی محبت چاہئے تھی جو اسے میسر تھی۔

البتہ اس کی زندگی میں ایک کمی ضرور تھی۔ اسے بچے کی شدید خواہش تھی۔ وہ بچے کے لئے تڑپ کر رہ جاتی تھی۔ بچے کے سلسلے میں اس نے کیا کیا نہ جتن کئے تھے...... لیکن اب تک کامیاب نہ ہو سکی تھی۔

اس طرح سات سال گزر گئے۔ انہیں پتہ ہی نہ چلا کہ شادی کو اتنے سال ہو چکے ہیں۔ ملک میں اب ٹی وی چینلوں کی تعداد بڑھنے لگی تھی۔ سارہ نے اسے مشورہ دیا تھا کہ ٹی وی کے چھوٹے موٹے پروگرام چھوڑ کر ڈرامے کی طرف توجہ دے اور کوئی بڑی ڈرامہ سیریل بنائے۔

ڈرامہ سیریل کے لئے بڑی رقم کی ضرورت تھی، تب دونوں نے طے کیا کہ یہ مکان بیچ دیا جائے اور کسی کرائے کے مکان میں چل کر رہا جائے یا کوئی چھوٹا مکان خرید لیا جائے۔

صارم نے فوراً مکان کا سودا کر لیا۔ اسی اثناء میں صارم کو اس آسیب زدہ مکان کا پتہ چلا تو اس نے جبار ناصر سے ذکر کیا۔ مکان سستا مل رہا تھا اس لئے صارم نے یہ مکان خرید لیا اور اپنا مکان بیچ کر جو رقم باقی بچی اس سے ایک پروڈکشن ہاؤس کھول لیا۔

صارم اور سارہ کی شادی کو سات سال ہو گئے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے پر پہلے دن کی طرح جان دیتے تھے۔ ایک محرومی ضرور تھی کہ ان کے گھر کے آنگن میں کسی ننھے بچے کے قدم نہیں پڑے تھے...... لیکن اس محرومی نے بھی آپس کی محبت میں کوئی فرق نہیں ڈالا تھا۔

مراد علی خاں کا خیال تھا کہ صارم، سارہ کو ترقی کا زینہ بنائے گا...... لیکن ایسا کچھ نہ ہوا تھا۔ سارہ اس کے گھر کی زینت تھی۔ اس کے دل کا قرار تھی۔ وہ صرف اس کی تھی اور اس کے لئے تھی۔ سارہ نے اپنے باپ سے بڑے یقین سے کہا تھا۔ ''نہیں ایسا نہیں ہوگا۔'' تو ایسا نہیں ہوا تھا۔ صارم نے محبت کے ساتھ اسے ایک وقار بھری زندگی دی تھی۔

اور جب ظفر کا فون آیا کہ ڈیڈی کو دل کا دورہ پڑا ہے۔ وہ اسپتال میں ہیں اور سارہ کو دیکھنا چاہتے ہیں تو صارم نے اپنی اور باپ کی توہین کو بھلا کر سارہ کو اسپتال چلنے کے لئے راضی کیا۔ وہ چاہتا تو بڑی آسانی سے اپنا اور اپنے باپ کی توہین کا بدلہ لے سکتا تھا۔

☆......☆......☆

سارہ سات سال کے بعد اپنے باپ سے ملنے جارہی تھی۔ اس کے دل کی عجیب کیفیت تھی۔ باپ کے ساتھ گزاری ہوئی زندگی کی جھلکیاں اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزر رہی تھیں۔

صارم گاڑی چلاتے ہوئے بار بار سارہ کے چہرے کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ وہ گم صم بیٹھی تھی۔ صارم اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اسے حوصلہ دیتا۔ ''سارہ...... پریشان مت ہو...... وہ خطرے سے باہر ہیں، جلد ٹھیک ہوجائیں گے۔''

سارہ کھوئی کھوئی آنکھوں سے صارم کی طرف دیکھتی اور ان تسلی آمیز لفظوں کے لئے صارم کی ممنون ہوتی۔

اسپتال پہنچے تو ظفر آئی سی یو کے باہر ہی بے قراری سے ٹہل رہا تھا۔ سارہ، صارم کو دیکھ کر ان کی طرف تیزی سے آیا۔ یہ لوگ بھی اس کی طرف بے قراری سے بڑھے۔

سارہ نے ظفر کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔ ''کہاں ہیں ڈیڈی۔''

''باجی...... وہ آپ کا بڑی شدت سے انتظار کررہے تھے۔ بار بار پوچھ رہے تھے۔ سارہ نہیں آئی...... ابھی تک کیوں نہیں آئی۔ میں انہیں تسلی دے رہا تھا کہ باجی بس آنے والی ہی ہوں گی۔'' میں نے انہیں تسلی دی۔

''جانے کب آئے گی وہ...... میرے پاس وقت کہاں ہے۔'' اتنا کہا اور پھر اچانک ان کی حالت بگڑنے لگی۔ فوراً انہیں آپریشن تھیٹر لے جایا گیا...... وہ وہیں ہیں۔''

''آؤ...... ظفر...... وہاں چلیں۔'' صارم نے کہا اور سارہ کا ہاتھ تھام کر تیز تیز آپریشن تھیٹر کی جانب لپکا۔

آپریشن تھیٹر سے اسی وقت ایک ڈاکٹر باہر آیا۔ ظفر نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا۔ ''ڈاکٹر ڈیڈی کیسے ہیں۔ انہیں بتائیے کہ باجی آگئی ہیں۔''

''سوری مسٹر ظفر...... اب وہ کچھ سننے کے قابل نہیں رہے۔ ہم انہیں نہیں بچاسکے۔'' ڈاکٹر اتنا کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

''اوہ۔'' ظفر کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا۔

سارہ کے منہ سے بے اختیار سسکی نکلی۔ ''اوہ...... ڈیڈی...... آپ نے میرے آنے کا انتظار بھی نہ کیا۔''

صارم نے دونوں بہن بھائیوں کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ اسے اس بات کا شدید دکھ تھا کہ جاتے ہوئے باپ بیٹی سے آخری ملاقات نہ کرسکا۔

جانے مراد علی خاں کیا کہنا چاہتا تھا، کیا سننا چاہتا تھا، نہ کہہ سکا نہ سن سکا۔

☆......☆......☆

جمعرات آئی تو اسرار ناصر کا صبح صبح فون آگیا۔ ''صارم بھائی...... یاد ہے نا...... آج شاہ صاحب کو گھر لانا ہے۔''

''ہاں...... یار...... مجھے یاد ہے۔ اسرار کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم شاہ صاحب کو ٹیکسی میں بٹھا کر لے آؤ۔'' صارم نے پوچھا۔

''ہاں...... ہوسکتا ہے۔ کیوں نہیں ہوسکتا...... لیکن بہتر یہی ہے کہ آپ بھی ساتھ ہوں۔'' اسرار ناصر نے مشورہ دیا۔

''اچھا...... چلو ٹھیک ہے۔ میں تمہاری بات سمجھ گیا۔ پھر تم میرا سہراب گوٹھ پر انتظار کرو، میں گاڑی لے کر پہنچ جاتا ہوں۔'' صارم نے پھر اس سے وقت طے کرلیا۔

اور وہ دونوں آستانہ کمالیہ پہنچ گئے۔ گھر کے نزدیک پہنچ کر صارم نے گاڑی کا ہارن دیا اور ابھی اس نے گاڑی سیڑھیوں کے سامنے کھڑی ہی کی تھی کہ گھر کا دروازہ کھلا اور شاہ صاحب سفید کرتے پاجامے میں ملبوس گیٹ سے برآمد ہوئے اور سیڑھیاں اتر کر گاڑی کی طرف بڑھے۔ گیٹ سے نکلتے ہی کسی نے دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ ان دونوں میں سے کوئی نہ دیکھ سکا کہ دروازہ کس نے بند کیا۔

اسرار ناصر اور صارم دونوں ہی گاڑی سے باہر آگئے تھے۔ اسرار ناصر نے گاڑی کا اگلا دروازہ کھول کر شاہ صاحب کو آگے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے تو اسرار ناصر خود پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

''شاہ صاحب...... چلیں۔'' صارم نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر اجازت چاہی۔

''ہاں بھائی چلو...... اب یہاں کھڑے رہ کر کیا کرنا ہے۔'' شاہ صاحب نے کہا۔

ابھی اس نے گاڑی اسٹارٹ ہی کی تھی کہ اس کی جیب میں پڑے موبائل کی گھنٹی بجی۔

صارم نے جیب سے موبائل نکال کر فون کی اسکرین کو دیکھا۔

''کس کا فون ہے؟'' اسرار نے پوچھا۔

''یہ تو سارہ کا فون ہے۔ اللہ رحم کرے۔'' صارم نے فکرمند ہو کر موبائل اپنے کان سے لگایا۔

''ہاں...... ہیلو...... سارہ...... خیریت۔'' صارم نے بے چینی سے پوچھا۔

''آپ کہاں ہیں اس وقت۔'' ادھر سے سارہ نے بے قراری سے پوچھا۔

''گھر پر ہیں......بس نکل رہے ہیں۔'' صارم نے بتایا۔

''صارم جلدی آئیں۔'' اس کی آواز میں لرزش تھی۔

''ہوا کیا......کچھ بتاؤ تو۔''

''خالہ جو......بے ہوش ہوگئی ہیں۔'' سارہ نے گھبراہٹ بھرے لہجے میں کہا۔

''اچھا......! ایک منٹ۔'' صارم نے موبائل کان سے ہٹا کر شاہ صاحب کو گھر کی صورتحال بتائی۔

''مردار خور......اپنی خباثت سے باز نہیں آیا۔'' شاہ صاحب نے غصے سے کہا۔ پھر صارم سے مخاطب ہوکر بولے۔''اپنی بیگم سے کہو پریشان نہ ہوں، ہم آرہے ہیں...... بے ہوش ہونے والی ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے اٹھ کر بیٹھ جائے گی۔''

صارم نے شاہ صاحب کی کہی ہوئی بات سارہ کے گوش گزار کردی۔

''ٹھیک ہے صارم......! میں تمہارا انتظار کررہی ہوں۔'' یہ کہہ کر سارہ نے فون بند کردیا۔

صارم نے موبائل آف کرکے جیب میں ڈالا اور اسٹیئرنگ گھما کر گاڑی کچی سڑک پر لے آیا، کچی سڑک ختم ہوتے ہی گاڑی سپر ہائی وے پر آگئی، صارم نے اسپیڈ بڑھائی، گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ صارم کی کوشش تھی کہ وہ جلد از جلد گھر پہنچ جائے۔

''بھائی گاڑی آہستہ چلائیں......ایسا نہ ہو کہ ہم گھر ہی نہ پہنچیں۔'' شاہ صاحب نے تنبیہ کی۔

''جی بہتر۔'' صارم نے سعادت مندی سے کہا اور گاڑی کی اسپیڈ معتدل کرلی۔

گاڑی میں خاموشی چھائی تھی، سب اپنی اپنی سوچ میں سرگرداں تھے، صارم کو اپنی بیوی کی فکر تھی، شاہ صاحب اس شری مخلوق کے بارے میں فکرمند تھے، اسرار ناصر پیچھے بیٹھا اس خونی پنجے کے بارے میں سوچ رہا تھا جسے شاہ صاحب نے قینچی سے کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کردیا تھا اور اس سے کہا تھا کہ وہ کاغذ میں لپٹے اس پنجے کو راستے میں کہیں پھینکتا جائے......لیکن اس نے اس کاغذ کی پڑیا کو پھینکنے کی بجائے حفاظت سے اپنے بٹوے میں رکھ لیا تھا۔

شاہ صاحب کو اچانک جانے اس پنجے کا کیسے خیال آگیا، انہوں نے پلٹ کر پیچھے دیکھا اور اسرار ناصر سے مخاطب ہوکر بولے۔''کیوں میاں......! تم نے وہ پنجہ اور راکھ پھینک دی تھی؟''

''جی شاہ صاحب......! میں نے وہ کاغذ میں بندھا ہوا پنجہ اور راکھ پھینک دی تھی۔'' اسرار ناصر نے سراسر جھوٹ بولا۔

''اچھا۔'' شاہ صاحب نے بڑے کھینچ کر ''اچھا'' کہا۔ ان کا لہجہ بتاتا تھا کہ انہوں نے اسرار کے بیان پر یقین نہیں کیا ہے۔

وہ کچھ دیر خاموش رہے اور اسرار ناصر دل ہی دل میں دعا مانگتا رہا کہ اس کا جھوٹ پکڑا نہ جائے۔

جب کچھ وقت گزر گیا تو اسرار کو یقین ہوگیا کہ شاہ صاحب نے اس کی بات پر یقین کرلیا ہے،

اسے اس احساس سے یک گونہ سکون ہوا، وہ پشت لگا کر آرام سے پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا۔

شاہ صاحب نے اچانک پیچھے مڑ کر دیکھا اور اپنی چمکیلی آنکھوں سے مسلسل اسرار کو دیکھتے رہے، اسرار ان سے آنکھیں نہ ملا سکا، اس نے اپنی آنکھیں فوراً جھکا لیں۔

''میاں......! وہ آپ کے گرو کا کیا نام ہے؟''

''میرے گرو......؟'' اسرار ناصر نے حیرت سے سوال تو کیا لیکن شاہ صاحب کے منہ سے گرو کا لفظ نکلتے ہی اس کے اندر سے جان نکلنے لگی۔

''ارے بھئی وہی محبوب آپ کے قدموں میں...... اصلی عامل جنات......کون سے بابا ہیں وہ......!'' شاہ صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔''ہمیں ان کا نام یاد نہیں آرہا۔''

اب اسرار کیلئے کوئی جائے مفر نہ رہی تھی، صارم ان دونوں کا مکالمہ بڑے غور سے سن رہا تھا اور اپنے طور پر معنی اخذ کرنے کی کوشش میں تھا۔ اسرار نے دیکھا کہ وہ اب گھر گیا ہے تو اس نے بڑے مرے ہوئے لہجے میں کہا۔''بابا کمبل۔''

''ہاں...... بابا کمبل......میاں! یہ تمہارا بابا ہمارے پاس آیا تھا، شاہ صاحب مجھے حاضرات سکھا دیں......اب بھلا بتاؤ ہم اسے کیسے حاضرات سکھا دیتے، حاضرات سیکھنا اتنا ہی آسان ہے کیا؟''

اسرار نے اس انکشاف پر چونک کر شاہ صاحب کی طرف دیکھا۔

''دیکھو میاں......! تم کس چکر میں پڑے ہو، تمہیں معلوم ہے کہ جادو سیکھنا اور سکھانا دونوں کفر ہیں، میاں! مسلمان کے بچے ہو تو مسلمان ہی رہو......کافر نہ بنو۔'' شاہ صاحب کا لہجہ تلخ ہوگیا۔

''صارم بھائی......! گاڑی روکنا۔'' اسرار ناصر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''کیوں......؟ خیریت۔'' صارم نے گاڑی روکنے کے بجائے اس سے پوچھا۔

''میں یہاں اتر جاؤں......مجھے ایک کام یاد آگیا ہے۔'' اس کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

''نہیں اسرار......! میرے ساتھ گھر چلو۔'' صارم نے اصرار کیا۔

''صارم میاں......! یہ ہمارے ساتھ کہاں گھر جائیں گے...... یہ جادو سیکھنے کے چکر میں ہیں، انہوں نے وہ خونی پنجے کے کٹے ہوئے ٹکڑے اور جلے ہوئے کپڑے کی راکھ اپنے مہاراج بابا کمبل کو پہنچادی ہے۔'' شاہ صاحب نے ہنس کر کہا۔

اس انکشاف پر اسرار ناصر پانی پانی ہوگیا، اس کا پورا جسم پسینے سے بھیگ گیا اور ہاتھ پیروں میں لرزش پیدا ہوگئی، اس کی زبان گنگ ہوگئی، کچھ بولا نہ گیا۔

''بھائی......! یہ اگر ہمارے ساتھ نہیں جانا چاہتے تو انہیں یہیں اتار دو۔'' شاہ صاحب نے صارم سے مخاطب ہوکر کہا۔

''نہیں......نہیں......صارم بھائی! میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔'' اسرار ناصر گھبرا کر بولا۔

''میاں! کیوں اپنی زندگی برباد کرتے ہو......اس جادو وادو میں کچھ نہیں رکھا، یہ کھلا شرک ہے، بڑا

تباہی کا راستہ......اب بھی وقت ہے لوٹ آؤ......اگر واپس نہ لوٹے تو مٹ جاؤ گے......ویسے ہمیں تو تم مٹتے ہی نظر آ رہے ہو۔'' شاہ صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔

صارم......! اسرار ناصر کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا بس اسے اتنا ہی معلوم تھا کہ وہ جبار کا چھوٹا بھائی ہے، اس کے ساتھ ہی رہتا ہے اور کرتا کراتا کچھ نہیں ہے، بڑی مشکل سے میٹرک پاس کیا ہے، جبار کوشش کر کے کہیں چھوٹی موٹی ملازمت دلوا بھی دیتا تو وہ دو چار ماہ کام کر کے چھوڑ دیتا۔ یہ بات تو جبار نے اسے بتائی تھی کہ وہ پیروں، فقیروں کے چکر میں رہتا ہے لیکن یہ بات آج ہی اسے پتہ چلی تھی کہ وہ جادو سیکھنے کے چکر میں ہے اور اس نے بابا کمبل کو اپنا گرو بنایا ہوا ہے۔ صارم نے طے کر لیا تھا کہ وہ جبار کو آج کی گفتگو سے ضرور آگاہ کرے گا تا کہ وہ اس کو تباہی کے راستے سے روکے۔

یہ وہ راستہ تھا جس پر چل کر ایمان تو ہاتھ سے جاتا ہی تھا ساتھ ہی دوزخ کی آگ ہمیشہ کیلئے مقدر بن جاتی۔ صارم نہیں چاہتا تھا کہ اس کے دوست کا بھائی کفر کی حالت میں مرے اور ہمیشہ آگ میں جلتا رہے۔

☆......☆......☆

صارم کے گھر سے نکلتے ہی سارہ نے سوچا کہ جلدی جلدی گھر کے کام نمٹا لے۔ اس نے خالہ سجو کو صفائی پر لگایا اور خود کچن میں چلی گئی۔ کچن میں تھا ہی کیا سمیٹنے کو......ناشتے کے دو چار برتن تھے، اس نے خالہ سجو کا انتظار کئے بغیر خود ہی دھو ڈالے اور پھر دوپہر کے کھانے کے بارے میں سوچنے لگی ممکن ہے شاہ صاحب بھی کھانے میں شریک ہو جائیں اس لئے کچھ بہتر ہی پکنا چاہئے۔ اس نے خالہ سجو سے مشورہ کر کے دوپہر کے کھانے کا طے کر لیا۔

سارہ کو اندازہ تھا کہ صارم کتنی دیر میں شاہ صاحب کو لے کر آ جائے گا، اسی حساب سے وہ چاہتی تھی کہ شاہ صاحب آئیں تو گھر صاف ستھرا ہو چکا ہو۔ اس نے سوچا ہو سکتا ہے شاہ صاحب اوپر بھی جائیں اس لئے اوپر کا پورشن بھی صاف رہنا چاہئے۔

سارہ بیڈروم کی چابی لے کر اوپر چلی گئی اور خالہ سجو سے کہتی گئی۔ ''خالہ......! اوپر آ جانا۔''

''اچھا بی بی......! میں آتی ہوں، تم چلو۔'' وہ لاؤنج کی صفائی میں لگی تھی۔

سارہ نے زینے کے اوپر کا دروازہ کھولا، دروازہ کھولتے ہی اسے شدید بدبو کا بھبکا محسوس ہوا، اس نے جلدی سے اپنی ناک پر دوپٹہ رکھ لیا۔ یہ گوشت کے سڑنے کی بدبو تھی۔

وہ تذبذب میں پڑ گئی، اوپر کے بیڈروم میں جائے کہ نہیں......اتنے میں نیچے سے خالہ سجو کی چیخ سنائی دی، یہ ایسی چیخ تھی کہ سارہ کا دل لرز اٹھا۔

اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے خالہ سجو کا گلا دبا دیا ہو یا گلے پر چھری پھیر دی ہو۔ بڑی دلخراش چیخ تھی، سارہ نے اوپر جانے کا ارادہ ملتوی کیا اور دھڑ دھڑ زینہ اترتی ہوئی لاؤنج میں آئی۔

خالہ سجو زینے کے دروازے کے سامنے ہی قالین پر گٹھری بنی پڑی تھی، اس نے خالہ سجو کو سیدھا کیا

تو وہ بے ہوش ہو چکی تھی، سارہ نے اپنے حواس بحال رکھے، اس نے خالہ سجو کے ہاتھ پاؤں ملے لیکن وہ ہوش میں نہ آئی۔

تب اس نے فریج سے ٹھنڈی بوتل نکال کر خالہ سجو کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور اسے آوازیں دیں۔ ''خالہ سجو......خالہ سجو......! اٹھو......ہوش میں آؤ۔''

لیکن اس پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹوں کا کوئی اثر نہ ہوا، نہ آوازوں کا......سارہ نے گھڑی دیکھی۔

اس کے اندازے کے مطابق صارم شاہ صاحب کے ٹھکانے پر پہنچ چکا ہوگا یا واپس آ رہا ہوگا، بہتر ہوگا کہ اسے گھر کی پوزیشن بتا دی جائے۔ سارہ نے فون کر کے صارم کو بتا دیا کہ خالہ سجو بے ہوش ہو گئی ہیں، ادھر سے صارم کا جواب آیا کہ فکر مت کرو، ہم آ رہے ہیں، وہ ہمارے آنے تک ہوش میں آ جائیں گی۔

سارہ اس کال کے بعد مطمئن ہو گئی اور اس کے پاس بیٹھ کر اسے مسلسل ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگی۔ پانچ، دس منٹ گزرے ہوں گے کہ خالہ سجو ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی اور بولی۔ ''کیا ہوا بی بی......؟''

وہ کچھ اس طرح اٹھی کہ سارہ پریشان ہو کر پیچھے ہٹ گئی اور بولی۔ ''مجھے تو کچھ نہیں ہوا......تم بتاؤ تمہیں کیا ہوا تھا......بے ہوش کیوں ہو گئی تھیں؟''

''میں بے ہوش ہو گئی تھی!'' خالہ سجو تعجب سے بولی۔ کچھ اس طرح جیسے اسے اپنی بے ہوشی کا یقین نہ آ رہا ہو۔

''ہاں......! نہ صرف تم بے ہوش ہو گئی تھیں بلکہ چیخی بھی تھیں، کچھ اس بری طرح جیسے تمہارا کسی نے گلا دبا دیا ہو، میں اوپر سے پریشان ہو کر دوڑتی ہوئی آئی تو دیکھا تم بے ہوش ہو۔''

''بی بی......! مجھے تو کچھ یاد نہیں......بس اتنا ضرور ہوا کہ کام کرتے کرتے اچانک آنکھوں کے سامنے سیاہ پردہ سا آ گیا اور پھر فوراً ہی آنکھوں کا اندھیرا دور ہو گیا۔''

''وہ آنکھوں کا اندھیرا فوراً ہی دور نہیں ہوا، تمہیں ہوش میں آنے میں دس پندرہ منٹ لگے ہیں......پانی کی پوری بوتل میں نے چھینٹے مار مار کر خالی کر دی۔''

''اے ہاں بی بی......!'' خالہ سجو نے اپنی قمیص کی طرف دیکھا۔ ''تم نے تو مجھے پورا ہی بھگو دیا۔''

''پھر کیا کرتی خالہ......! تم نے مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔'' سارہ اٹھتے ہوئے بولی۔ ''اچھا......! اب تو تمہاری طبیعت ٹھیک ہے، کوئی گڑبڑ تو نہیں؟''

''نہیں......بی بی......! میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''بس تو پھر کام نمٹا لو جلدی جلدی......وہ لوگ آنے والے ہی ہوں گے۔'' سارہ نے بتایا۔

''کام تو نمٹ گیا......بس اوپر کا بیڈروم رہ گیا ہے، وہ میں کر آتی ہوں۔'' خالہ سجو نے کہا۔

''میں بھی چلوں گی تمہارے ساتھ۔'' سارہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اکیلی اوپر جائے۔

"آ جائیں پھر۔" خالہ بجو بولی۔

وہ دونوں اوپر پہنچیں...... اس مرتبہ کسی قسم کی بدبو محسوس نہ ہوئی...... خالہ بجو نے سارہ سے چابی لے کر اوپر کا کمرہ کھولا۔

ابھی دروازہ کھولا ہی تھا کہ ایک دم بدبو کا بھبکا آیا، سارہ نے فوراً اپنے منہ پر دوپٹہ رکھا۔

"یہ کیسی بدبو ہے شاید اندر کوئی چوہا وغیرہ مر گیا ہے۔" خالہ بجو نے اپنا خیال ظاہر کیا اور دروازے میں داخل ہوئی۔

اندر کوئی چیز نظر نہ آئی اور بدبو بھی فوراً ہی غائب ہوگئی۔ خالہ بجو جلدی جلدی جھاڑو لگانے لگی۔

اتنے میں کال بیل کی آواز آئی۔

"میرا خیال ہے وہ لوگ آ گئے ہیں۔" سارہ اس کھڑکی کی طرف بڑھی جہاں سے گیٹ کے باہر کا منظر صاف دکھائی دیتا تھا، وہ تینوں دروازے پر کھڑے تھے، سارہ نے شاہ صاحب کو غور سے دیکھا پھر وہ خالہ بجو کی طرف دیکھ کر بولی۔ "خالہ بجو...... ! جاؤ جلدی گیٹ کھولو۔"

خالہ بجو دروازے کی طرف بڑھی، اچانک کھڑکی کا شیشہ ٹوٹنے کی آواز آئی یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے شیشے پر بھاری چیز ماری ہو، پہلے ٹھک کی آواز آئی اس کے بعد شیشہ ٹوٹ کر گرنے کی۔

خالہ بجو فوراً پلٹ کر آئی، اس نے سارہ کا ہاتھ پکڑا اور بولی۔ "آؤ...... بی بی...... ! میرے ساتھ نیچے چلو۔" سارہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل دی۔

نیچے پہنچ کر سارہ کرسی کھسکا کر بیٹھ گئی اور خالہ بجو باہر کا دروازہ کھولنے چلی گئی۔

گیٹ کھولتے ہی سب سے پہلے صارم اندر داخل ہوا پھر شاہ صاحب...... اس کے بعد اسرار ناصر۔

"خالہ ٹھیک ہو؟" خالہ کو گیٹ پر دیکھ کر صارم کو اطمینان ہوا۔ وہ شاہ صاحب کے کہنے کے مطابق ہوش میں آ گئی تھی۔

"جی صاحب...... ! میں بالکل ٹھیک ہوں۔" خالہ بجو پر سکون تھی۔

"شاہ صاحب...... ! یہ خالہ بجو ہیں، ہمارے ساتھ ہی رہتی ہیں۔" صارم نے گھر کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

شاہ صاحب نے ایک نظر خالہ بجو کو دیکھا، بولے کچھ نہیں۔

صارم آگے تھا، اچانک اس کی نظر فرش پر پڑے ہوئے شیشے کے ٹکڑوں پر پڑی، بے اختیار اس نے اوپر دیکھا، اوپر کے بیڈروم کی کھڑکی کا ایک شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔

"ارے...... یہ شیشہ کیسے ٹوٹا؟" صارم نے خالہ بجو سے پوچھا جو سب سے پیچھے چل رہی تھی۔

"صاحب...... ! ابھی ٹوٹا ہے، میں بی بی کے ساتھ صفائی کرنے اوپر گئی تھی۔" خالہ بجو نے بتایا۔

"عورت کو بے ہوش کر کے، کھڑکی کا شیشہ توڑ کے کیا یہ سمجھ رہا ہے ہم ڈر جائیں گے؟" شاہ صاحب کے لہجے میں غصہ تھا۔ "کیوں بھائی اسرار کیا کہتے ہو؟"

"جی شاہ صاحب...... ! آپ ٹھیک فرما رہے ہیں، آپ کو ڈرانا کوئی آسان کام تو نہیں۔" اسرار بولا۔

صارم نے شاہ صاحب کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور خود اندر چلا گیا۔

سارہ اسے دیکھتے ہی قریب آئی اور آہستہ سے بولی۔ "صارم! اوپر کی کھڑکی کا شیشہ خود بخود ٹوٹ گیا۔"

"ہاں...... ! ہم نے دیکھ لیا، باہر شیشے کے ٹکڑے پڑے ہیں۔" صارم نے لاپروائی سے کہا۔ "کوئی بات نہیں۔"

ابھی یہ دونوں کھڑے بات ہی کر رہے تھے کہ سارہ نے اسرار کو باہر جاتے دیکھا، اس نے صارم کو متوجہ کیا۔ "اسرار باہر کیوں گئے ہیں؟"

صارم تیزی سے باہر کی طرف لپکا، اس نے دیکھا کہ خالہ بجو جھاڑو سے شیشے کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو سمیٹ رہی ہے، انہی ٹکڑوں میں جو سب سے بڑا ٹکڑا تھا، وہ اسرار نے اٹھا لیا اور صارم کی طرف دیکھ کر بولا۔ "شاہ صاحب نے منگایا ہے۔"

"اچھا۔" صارم نے کہا اور وہ دونوں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔

"بھائی...... ! اس شیشے کو یہاں میز پر رکھ دو، اسے ہم جاتے ہوئے ساتھ لے جائیں گے۔" شاہ صاحب نے کہا۔

اسرار ناصر نے وہ شیشہ، شیشے کی میز پر رکھ دیا۔

"صارم صاحب...... ! ہم گھر دیکھنا چاہیں گے۔" شاہ صاحب نے اس شیشے کے ٹکڑے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آئیے شاہ صاحب...... !" صارم نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

شاہ صاحب باہر آئے تو سارہ سامنے ہی کھڑی تھی، صارم نے سارہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "شاہ صاحب...... ! یہ سارہ ہیں، میری بیگم!"

شاہ صاحب نے سارہ کو دیکھتے ہی کہا۔ "ماشاءاللہ!"

پھر انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، چند لمحے آنکھیں بند کر کے کھڑے رہے اس کے بعد اچانک آنکھیں کھول کر سارہ کو دوبارہ دیکھا اور عجیب سے لہجے میں کہا۔ "بیٹا...... ! آپ کو صبر کرنا ہوگا۔"

صارم فوراً بولا۔ "شاہ صاحب...... ! یہ بڑی صابر خاتون ہیں۔"

شاہ صاحب نے جانے کیا کہا...... صارم نے جانے کیا سمجھا لیکن اس جملے کو سنتے ہی سارہ پر گہری اداسی چھا گئی...... وہ اس اداسی کی وجہ نہیں سمجھ سکی۔

صارم سب سے پہلے شاہ صاحب کو زینے کی طرف لے کر بڑھا۔ شاہ صاحب کی عمر ستر سے کم نہ

رہی ہو گی، لیکن ان کی کمر میں کوئی خم نہ تھا، بینائی بھی ٹھیک تھی، آنکھوں پر کوئی چشمہ نہ تھا، وہ پورے اطمینان سے زینہ چڑھ کر اوپر پہنچے، انہوں نے چھت کی قد آدم دیوار کے ساتھ ایک چکر لگایا اور پھر بیڈ روم کے دروازے کے سامنے آن کھڑے ہوئے...... صارم نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا...... وہ اندر داخل ہوئے، ان کے ہونٹ ہل رہے تھے غالباً وہ کچھ پڑھ رہے تھے، صارم اور اسرار ناصر ان کے پیچھے داخل ہوئے۔

کمرے کے بیچ میں کھڑے ہو کر انہوں نے شہادت کی انگلی بلند کی اور انگلی کی پور پر پھونک ماری اور بہت تیزی سے باہر نکل آئے۔

''دروازہ بند کر دیں...... تالا لگا دیں...... تین دن تک اس کمرے میں کوئی داخل نہ ہو۔'' شاہ صاحب نے حکم دیا۔

''جی بہتر......!'' صارم نے دروازہ بند کر کے لاک کر دیا۔

''نیچے چلیں۔'' انہوں نے کہا اور پھر سب سے پہلے خود سیڑھیاں اتر کر نیچے پہنچے۔

اس کے بعد انہوں نے پورا گھر دیکھا، گھر کا ہر کمرہ، ہر کونا کھدرا چھان مارا، لاؤنج کے دروازے سے گھر سے باہر نکل گئے، باہر کا ایک پورا چکر لگایا اور پھر اندر آ گئے۔

لاؤنج کے درمیان میں کھڑے ہو کر بولے۔ ''یہاں ایک کرسی ڈالیں۔''

صارم نے ڈائننگ ٹیبل کے نیچے سے ایک کرسی کھینچی اور شاہ صاحب کے پاس رکھ دی، شاہ صاحب زینے کے دروازے کی طرف رخ کر کے کرسی پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے زینے کے دروازے پر نظریں جمالیں جو کھلا ہوا تھا اور دو تین سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں۔

''آپ سب لوگ ڈرائنگ روم میں چلے جائیں یا کہیں اور...... بس یہ جگہ خالی کر دیں۔'' شاہ صاحب نے حکم دیا۔

سارہ اور خالہ بجو بیڈ روم میں چلی گئیں، صارم اور اسرار ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئے، شاہ صاحب لاؤنج میں تنہا رہ گئے، وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لئے، آنکھیں زینے کے کھلے دروازے پر جما دیں اور کچھ پڑھنے لگے۔

''شاہ صاحب بڑے سنجیدہ نظر آ رہے ہیں۔'' ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھ کر صارم نے اسرار سے کہا۔

''ہاں...... آپ صحیح کہہ رہے ہیں...... انہوں نے بڑی توجہ سے پورا گھر دیکھا ہے۔'' اسرار بولا۔

''اوپر کا کمرہ تین دن کیلئے بند کروا دیا ہے، اس کا مطلب ہے وہاں کچھ ہے۔'' صارم نے کہا۔

''ہاں...... ایسا ہی معلوم ہوتا ہے صارم بھائی بس آپ بے فکر ہو جائیں، یہاں جو کچھ ہے، شاہ صاحب اسے ختم کر کے ہی دم لیں گے۔'' اسرار نے بڑے یقین سے کہا۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' صارم نے پر امید انداز میں کہا۔

''اللہ نے چاہا تو ایسا ہی ہو گا۔'' اسرار ناصر نے یقین دلایا۔

''یار اسرار......! کھانے کا وقت ہونے والا ہے، شاہ صاحب کھانا تو کھائیں گے نا۔'' صارم نے پوچھا۔

''ارے صارم بھائی......! یہ غضب مت کر دیجئے گا، وہ کہیں جا کر کھانا تو بڑی بات ہے، چائے بھی قبول نہیں کرتے، آپ ان سے کھانے وانے یا چائے کی بات ہرگز مت کیجئے گا ورنہ وہ ناراض ہو جائیں گے۔'' اسرار نے تنبیہ کی۔

''اچھا کیا تم نے مجھے بتا دیا ورنہ میں کھانا کھانے پر ضرور اصرار کرتا۔'' صارم نے کہا۔

ادھر سارہ اور خالہ بجو محو گفتگو تھیں، انہوں نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا تھا تاکہ ان کی گفتگو کی آواز لاؤنج میں نہ جائے۔ سارہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے نیم دراز، خالہ بجو کے سامنے بیٹھی تھی۔

خالہ بجو اس اثناء میں دو بار لاؤنج میں جھانک چکی تھی، شاہ صاحب کی ادھر پیٹھ تھی اور گھٹنوں پر ہاتھ جمائے زینے کے دروازے پر نظریں لگائے بہت تیزی سے کچھ پڑھ رہے تھے، خالہ بجو کی طرف پیٹھ ہونے کی وجہ سے وہ اسے محض بیٹھے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

جب خالہ بجو تاک جھانک کر بیڈ پر بیٹھی تو سارہ نے پوچھا۔ ''کیا کر رہے ہیں؟''

''اے...... زینے کی طرف منہ کئے بیٹھے ہیں۔'' خالہ بجو نے بتایا۔

''کچھ پڑھ رہے ہوں گے۔'' سارہ نے اندازہ لگایا۔

''پتہ نہیں۔'' خالہ بجو نے گردن ہلائی۔

''خالہ بجو......! دعا کرو، شاہ صاحب کامیاب ہو جائیں...... ہمیں اس خبیث سے نجات مل جائے۔''

''اے بی بی......! میری تو دل سے دعا ہے۔ آج تو اس منحوس نے کھڑکی کا شیشہ بھی توڑ دیا۔''

''شیشہ تو اور لگ جائے گا...... بس کسی طرح اس سے چھٹکارا مل جائے۔''

''ارے ہم سے چھٹکارا چاہ رہی ہو...... چھٹکارا تو آسان نہیں۔'' اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور شاہ صاحب منہ اندر کر کے بولے۔ ''اندر کیا بیٹھی ہو، آؤ باہر آ کر دیکھو تماشا۔'' یہ کہہ کر شاہ صاحب نے پورا دروازہ کھول دیا۔

سارہ اور خالہ بجو تیزی سے دروازے کی طرف بڑھیں۔

ایسے ہی شاہ صاحب ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے اور صارم اور اسرار سے مخاطب ہو کر بولے۔

''ارے یہاں بیٹھے کیا باتیں بنا رہے ہو، ذرا باہر تو آؤ دیکھو باہر کیا ہو رہا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ فوراً واپس پلٹ گئے۔

صارم اور اسرار، شاہ صاحب کی بات سن کر دروازے کی طرف لپکے جب یہ دونوں دروازے پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ سارہ اور خالہ بجو بھی اپنے کمرے کے دروازے پر موجود ہیں۔

پھران چاروں نے اپنے دروازوں پر کھڑے ہوکر لاؤنج میں ہونے والا جو تماشا دیکھا، وہ ان کے حواس گم کرنے کیلئے کافی تھا۔

انہوں نے دیکھا کہ لاؤنج میں ہر طرف شاہ صاحب ہی شاہ صاحب ہیں، ڈائننگ ٹیبل کی کرسیوں پر، ڈائننگ ٹیبل پر، کچن کے دروازے پر، لاؤنج کے قالین پر، زینے کے کھلے دروازے پر......کون سی ایسی جگہ تھی جہاں شاہ صاحب موجود نہیں تھے، لاؤنج میں ہر طرف شاہ صاحب بھرے ہوئے تھے، کوئی بیٹھا تھا، کوئی لیٹا تھا، کوئی کھڑا تھا، ایک شاہ صاحب لاؤنج کے درمیان کرسی پر بیٹھے تھے، دیکھتے ہی دیکھتے ڈائننگ ٹیبل کی کرسیاں بیچ میں بیٹھے ہوئے شاہ کے گرد اکٹھا ہوگئیں اور ان کرسیوں پر شاہ صاحب بیٹھ گئے۔

اس لاؤنج میں اتنے شاہ صاحب تھے کہ وہ چاروں ہکا بکا ہوکر ان کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے ہوش اڑے ہوئے تھے، ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا ایک کے سو شاہ صاحب کس طرح بن گئے تھے، اب تو یہ جاننا بھی مشکل تھا کہ ان میں اصل شاہ صاحب کون ہیں۔

اس نظارے کو دیکھ کر اسرار ناصر کا سر چکرانے لگا، اس نے صارم کا ہاتھ پکڑا اور ڈرائنگ روم کی طرف گھسیٹا۔ اُدھر سارہ نے خالہ بجو کو اندر کی طرف دھکیلا اور خود بھی اندر آکر دھاڑ سے دروازہ بند کرلیا اور دونوں کلیجہ تھام کر بیٹھ گئیں۔

صارم نے اندر آکر دروازہ بند کرلیا اور وہ دونوں صوفے پر دھم سے گر پڑے، دونوں کے ہی سر چکرائے ہوئے تھے پھر صارم نے خود کو سنبھالا، یہ ہاتھ پاؤں چھوڑنے کا وقت نہ تھا، اسے اندازہ تھا کہ شری مخلوق نے انہیں گھیرلیا ہے، شاہ صاحب کو اکیلا نہیں چھوڑا جاسکتا تھا، انہیں مدد کی ضرورت تھی لیکن سوال یہ تھا کہ ان کی کس طرح مدد کی جائے۔

اسرار گم صم صوفے پر بیٹھا تھا، وہ اسے چھوڑ کر کھڑکی کی طرف بڑھا، ڈرائنگ روم کی ایک کھڑکی لاؤنج میں کھلتی تھی، صارم نے ذرا سا پردہ ہٹا کر لاؤنج میں جھانکا، باہر کا وہی حال تھا، ہر طرف شاہ صاحب ہی شاہ صاحب بھرے ہوئے تھے، کچھ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، وہ بالکل ایک ہی انداز میں بیٹھے تھے، ان کرسیوں پر بیٹھے چھ شاہ صاحبوں میں سے ایک اصل شاہ صاحب تھے، سوال یہ تھا کہ اصل شاہ کو پہچانا کس طرح جائے۔

صارم نے اسرار کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا اور جب وہ قریب آگیا تو اس نے پردے کی اوٹ سے باہر جھانکنے کو کہا......اسرار نے چند لمحے ہی باہر دیکھا وہ گھبرا کر ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔

''یہ سب کیا ہے صارم بھائی......؟'' اسرار حیران پریشان تھا۔

''یار! مجھے شاہ صاحب خطرے میں دکھائی دے رہے ہیں۔'' صارم نے آہستہ سے کہا۔

''ہاں! خطرے میں ہوسکتے ہیں لیکن اصل شاہ صاحب ہیں کہاں؟ ہم کیسے پہچانیں اور اگر ہم پہچان بھی جائیں تو ان کیلئے کیا کریں؟'' اسرار الجھ گیا تھا۔

''پہلے اصل شاہ صاحب کا پتہ چلے پھر سوچیں کہ ان کیلئے کیا کریں۔'' یہ کہہ کر اس نے پھر پردے سے جھانکا۔

صارم نے بہت غور سے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے چھ ہمشکل شاہ صاحبوں کو دیکھا تب اس پر ایک بات منکشف ہوئی، کرسیوں پر جتنے بھی شاہ صاحب بیٹھے تھے، ان میں سے صرف ایک شاہ صاحب کی پیشانی پر نماز کا نشان تھا باقی کسی کی پیشانی پر نماز کا نشان نہ تھا، اس نے لاؤنج میں موجود سب شاہ صاحبوں کی پیشانی پر نظر ڈالی۔

صارم کے دل میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ اس نے اصل شاہ صاحب کو پہچان لیا تھا، اب مسئلہ یہ تھا کہ ان ہمشکل شاہ صاحبوں سے انہیں کس طرح نجات دلائی جائے؟ اس سوال کو ذہن میں رکھ کر اس نے ایک مرتبہ پھر باہر جھانکا، اس نے اپنی نظریں اصل شاہ صاحب پر جما دیں، اچانک شاہ صاحب نے کھڑکی کی طرف دیکھا، صارم اور شاہ صاحب کی نظریں چار ہوئیں۔

شاہ صاحب نے آنکھوں اور سر کی جنبش سے ایک خفیف سا اشارہ کیا، اس اشارے کا سو فیصد مطلب یہ تھا کہ صارم باہر نکل کر ان کے قریب پہنچ جائے، انہوں نے اشارے سے اسے باہر بلایا تھا۔

''اسرار آؤ باہر۔'' صارم نے اسرار سے کہا۔

''ارے نہیں صارم بھائی......! کیا غضب کررہے ہیں...... ہم یہاں محفوظ ہیں۔'' اسرار نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''اور شاہ صاحب جو غیر محفوظ ہیں......ہمیں ان کی مدد کرنا ہوگی۔'' صارم نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''تم یہاں بیٹھو، میں شاہ صاحب کے پاس جارہا ہوں۔''

''آپ شاہ صاحب کو پہچانیں گے کیسے؟''

''میں نے پہچان لیا ہے...... میں شاہ صاحب کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔'' صارم نے دروازہ کھول دیا۔

صارم کیلئے سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ وہ ان بے شمار شاہ صاحبوں کے درمیان سے نکلے کیسے......؟ یہ تو اسے آگے بڑھتا دیکھ کر فوراً دبوچ لیں گے......دیکھا جائے گا؟ اس نے غیر ارادی طور پر ایک جنونی فیصلہ کیا اور شاہ صاحبوں کے سمندر میں چھلانگ لگادی۔

یقیناً یہ ایک خطرناک فیصلہ تھا، خودکشی کے مترادف...... کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ ڈرائنگ روم سے باہر نکلتے ہوئے اس نے باہر نکلنے کے خطرناک نتائج پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہ کی تھی، شاید اس کی وجہ شاہ صاحب کی آنکھوں کا اشارہ تھا، اس اشارے کے علاوہ شاہ صاحب کی مدد کرنے کا جذبہ بھی شامل تھا...... خیر جیسے ہی وہ آگے بڑھا تو اس نے فیصلہ کرلیا کہ ان ہمشکل شاہ صاحبوں کے درمیان تیزی سے گھستا چلا جائے گا، اگر اصل شاہ صاحب تک پہنچنے کیلئے زور آزمائی کرنا پڑی تو کرے گا لیکن زور

آزمائی کی قطعاً ضرورت نہ پڑی جیسے ہی وہ آگے بڑھا، اسے راستہ ملتا گیا، وہ ان شاہ صاحبوں کے درمیان سے ایسے گزر گیا جیسے پانی میں سے مچھلی...... کسی قسم کی کوئی رکاوٹ، کوئی پریشانی نہ ہوئی، وہ جس جگہ سے گزرا، وہاں سے چشم زدن میں شاہ صاحب غائب ہوتے گئے۔

وہ تیزی سے اصل شاہ صاحب کے قریب پہنچ گیا...... شاہ صاحب نے اشارے سے پانی مانگا۔

صارم فوراً فریج کی طرف بڑھا، اس نے یہ دیکھ لیا تھا کہ وہ جس راستے سے گزر کر شاہ صاحب تک پہنچا ہے، وہ ابھی تک بالکل صاف ہے، اس کا مطلب تھا کہ وہ جہاں سے گزرے گا، راستہ صاف ہوتا جائے گا اس لئے وہ بے دھڑک فریج کی طرف بڑھا، پورے اطمینان سے فریج سے بوتل نکالی اور ڈائننگ ٹیبل پر رکھا گلاس اٹھایا، بوتل کھول کر پانی نکالا اور گلاس میں بھر کر اسی راستے سے واپس آیا جو صاف ہو گیا تھا۔

پانی اس نے شاہ صاحب کو دیا، گلاس پکڑ کر شاہ صاحب نے پانی پر پھونک ماری اور گلاس صارم کو واپس دیتے ہوئے بولے۔ ''اسے زینے کی تین سیڑھیوں پر ڈال دو۔''

صارم گلاس لے کر زینے کے دروازے کی طرف بڑھا، اس کے بڑھتے ہی زینے کا راستہ صاف ہوتا گیا، اس نے پورے اطمینان سے زینے کی پہلی، دوسری اور تیسری سیڑھی پر پانی ڈال دیا اور واپس پلٹا۔

''دروازہ بند کر دو۔'' شاہ صاحب نے اسے واپس آتے دیکھ کر کہا۔

صارم نے حکم سنتے ہی دروازہ بند کر دیا۔

دروازہ کیا بند ہوا گویا گھر میں ایک بھونچال سا آ گیا، گدھوں کی کریہہ چیخوں اور پروں کی تیز پھڑپھڑاہٹ سنائی دینے لگی، صارم بھاگ کر شاہ صاحب کے پاس آ گیا اور ان کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا، ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے لاؤنج میں بے شمار گدھ اڑ رہے ہوں، دکھائی نہیں دے رہے تھے البتہ یہ ضرور ہو رہا تھا کہ پروں کی پھڑپھڑاہٹ کے درمیان نقلی شاہ صاحب ہوا میں تحلیل ہوتے جا رہے تھے۔

کچھ ہی دیر میں میدان صاف ہو گیا، شاہ صاحب رہے نہ پھڑپھڑاہٹ کی آواز......!

صارم جلدی سے بھاگ کر بیڈ روم کے دروازے پر پہنچا، وہ دروازہ اندر سے بند تھا، صارم نے دروازے پر دستک دے کر آواز لگائی۔ ''سارہ......! دروازہ کھولو۔''

آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا، سارہ نے دروازہ کھولا تھا، اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں غالباً اس نے گدھوں کی کریہہ چیخوں اور پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنی ہو گی۔

''سارہ......! تم ٹھیک ہو؟'' صارم نے پوچھا۔

''ہاں......! ہم دونوں ٹھیک ہیں۔'' سارہ نے صارم کی طرف پرتشویش انداز میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''باہر کیا ہنگامہ تھا؟''

''ابھی...... بتاؤں گا فی الحال تم اندر بیٹھو اور دروازہ بند کر لو۔'' صارم نے کہا۔

سارہ نے فوراً پیچھے پلٹ کر دروازہ بند کر لیا، صارم واپس پلٹ کر شاہ صاحب کی طرف آیا، وہ تیزی سے آنکھیں بند کر کے کچھ پڑھ رہے تھے، اس نے لاؤنج میں چاروں طرف دیکھا، لاؤنج میں اب کچھ نہ تھا، صارم نے شاہ صاحب کو پڑھتے دیکھ کر مداخلت کرنا مناسب نہ سمجھا، وہ واپس ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا تاکہ اسرار ناصر کا حال دیکھے۔

ڈرائنگ روم کا دروازہ بند تھا۔ شاید اسرار نے اس کے نکلتے ہی دروازہ بند کر لیا تھا، صارم نے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر دیکھا تو دروازہ کھل گیا، وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا اس نے دیکھا کہ اسرار ناصر صوفے پر لمبا لمبا لیٹا ہے اور لمبی لمبی سانسیں لے رہا ہے، صارم کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی، وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔

صارم نے کچھ کہے بغیر اس کا ہاتھ پکڑا اور ڈرائنگ روم سے باہر لے کر آ گیا۔

شاہ صاحب ابھی پڑھنے میں مصروف تھے، صارم نے ان کے اردگرد پڑی کرسیاں ڈائننگ ٹیبل کے ساتھ لگا دیں اور وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ اب ان کی طرف شاہ صاحب کی پیٹھ تھی لیکن شاہ صاحب کو یہ اندازہ تھا کہ صارم اور اسرار ان کی پشت پر موجود ہیں۔

شاہ صاحب زینے کے دروازے کی طرف رخ کئے بیٹھے تھے، کچھ دیر بعد انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر ایک انگلی ہلا کر اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

صارم فوراً اٹھ کر ان کے سامنے آ گیا۔ ''جی شاہ صاحب......؟''

''دروازہ کھولو۔'' انہوں نے زینے کے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

صارم نے تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا...... سیڑھیوں پر نظر پڑتے ہی وہ سہم کر پیچھے ہٹا۔

تینوں سیڑھیوں پر جہاں اس نے پانی ڈالا تھا، پانی کی جگہ خون پڑا ہوا تھا۔

صارم نے شاہ صاحب کی طرف رخ موڑ کر کہا۔ ''شاہ صاحب سیڑھیوں پر خون ہے۔''

''دروازہ بند کر دو۔'' شاہ صاحب نے فوراً حکم دیا۔

صارم نے دروازہ بند کر دیا اور ان کی طرف دیکھا جیسے اگلے حکم کا منتظر ہو۔

''تالا لگا دو۔'' شاہ صاحب نے کہا۔

صارم نے اندر سے چابی لا کر دروازہ لاک کر دیا۔

''دیکھو تین دن تک یہ دروازہ مت کھولنا...... چاہے کچھ ہو جائے۔'' شاہ صاحب نے تنبیہ کی۔ ''یہ لوگ کوشش کریں گے کسی طرح دروازہ کھلوا لیں، اس کیلئے وہ کوئی بھی حربہ استعمال کر سکتے ہیں، کسی قیمت پر یہ دروازہ نہیں کھولنا ہے...... سمجھ گئے میری بات......؟''

''جی شاہ صاحب......!'' صارم نے فرمانبرداری کے انداز میں گردن ہلائی۔ ''اس کا مطلب ہے

کہ اوپر کے کمرے اور زینے کا دروازہ دونوں ساتھ کھلیں گے۔''

''ہاں ساتھ کھلیں گے...... یہ دونوں دروازے میں خود آ کر کھولوں گا، کوئی اور اسے کھولنے کی کوشش نہ کرے، اپنی بیوی اور اس خالہ ہجو کو بھی سمجھا دینا، کبھی وہ اس مخلوق کے چکر میں آ جائے۔'' شاہ صاحب نے بہت واضح انداز میں بات کی۔

''شاہ صاحب......! یہ کون ہیں؟'' صارم نے پوچھا۔

''بھائی......! میں نے بتایا تو تھا کہ یہ پورا قبیلہ ہے......ایک دو ہوں تو ان کے نام بتاؤں۔''

''ہیں......اس چھوٹے سے گھر میں پورا قبیلہ آباد ہے؟'' صارم بڑا حیران تھا۔

''ہاں......! پورا قبیلہ آباد ہے اور یہ بڑی شری مخلوق ہے، ان سے نجات آسان نہیں۔'' شاہ صاحب نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''میاں......! اب ہم چلتے ہیں، مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تم ڈرنے والوں میں سے نہیں ہو اور عقل والوں میں سے بھی ہو، ہم جانتے ہیں تم نے ہمارے ہمشکلوں میں سے ہمیں کیسے پہچانا......اگر تم ہمت کر کے ہم تک نہ پہنچتے اور ہمیں پانی نہ دیتے تو ہمیں نقصان پہنچ سکتا تھا، تم نے واقعی بڑی جرأت کا مظاہرہ کیا، اگر تم ڈرائنگ روم میں بند ہو کر بیٹھ جاتے تو جانے اس وقت کیا صورتحال ہوتی، خیر میاں......! اللہ مالک ہے، ہم چلتے ہیں، ہفتے کی صبح ہمیں لینے آ جانا۔'' یہ کہہ کر وہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھے۔

صارم کا بے اختیار جی چاہا کہ وہ شاہ صاحب کی کچھ خاطر مدارات کرے لیکن اسے فوراً اسرار ناصر کی تنبیہ یاد آ گئی، وہ اپنا دل مسوس کر رہ گیا، شاہ صاحب اس کے گھر سے بغیر کچھ کھائے پیئے جا رہے تھے، یہ وہ شخص تھے جنہوں نے اپنی زندگی اس کیلئے خطرے میں ڈال دی تھی، ان کیلئے تو جو کچھ بھی کیا جاتا، کم تھا۔

صارم اور اسرار انہیں گاڑی میں ان کے گھر چھوڑ آئے۔

''صارم بھائی......! آپ نے شاہ صاحب کو پہچانا کیسے؟'' واپسی میں اسرار ناصر نے پوچھا۔

''بھئی پہلے تو میں نے یہ اندازہ کیا کہ لاؤنج میں موجود سیکڑوں شاہ صاحبوں میں سے اصل شاہ صاحب کہاں ہوں گے......ہم نے شاہ صاحب کو لاؤنج کے بیچ کرسی پر بیٹھا چھوڑا تھا اس لئے میں نے سوچا کہ انہیں اس وقت بھی کرسی پر ہی ہونا چاہئے، کرسیوں پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ لاؤنج کے بیچ ایک کرسی نہیں بلکہ پانچ کرسیاں اور موجود ہیں اور ان پر جو مخلوق شاہ صاحب بنی بیٹھی ہے، ان میں سے کوئی ایک اصل شاہ صاحب ہوں گے، وہ سب ایک ہی طرح ایک ہی انداز میں بیٹھے تھے، میں ایسے ہی ایک ایک چہرہ دیکھتا گیا، تب مجھ پر منکشف ہوا کہ چھ شاہ صاحبوں میں سے صرف ایک کی پیشانی پر نماز کا نشان ہے، دل نے کہا یہی اصل شاہ صاحب ہیں، وہ کرسی کی قطار میں اس وقت دوسرے نمبر پر تھے، میں نے ان پر نظر جما دی تب فوراً ہی اصل شاہ صاحب بھی میری طرف متوجہ ہو گئے اور انہوں نے سر اور آنکھ کے اشارے سے مجھے اپنے پاس بلایا تو پھر مجھے سو فیصد یقین ہو گیا کہ

میں نے شاہ صاحب کو بالکل صحیح پہچانا ہے، بس پھر میں آتش نمرود میں کود پڑا۔'' صارم نے ہنس کر کہا۔

''واہ صارم بھائی......! آپ نے واقعی بڑی عقلمندی کا ثبوت دیا......آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ اپنے ہوش گنوا بیٹھتا۔'' اسرار ناصر نے توصیفی نظروں سے اسے دیکھا۔

''یار......! ایک بات تو بتاؤ...... یہ بابا کمبل کون ہیں اور تم نے وہ کٹا ہوا خونی پنجہ اور راکھ اس بندے کو جا کر کیوں دے دی......کیا تم جادو وادو سیکھنے کے چکر میں ہو؟'' صارم نے فکرمند ہو کر پوچھا۔

''ارے نہیں صارم بھائی......! ایسی کوئی بات نہیں۔'' اسرار ناصر نے کہا۔ ''بابا کمبل بڑے زبردست علم کے مالک ہیں، ان کا اصل نام تو اکمل ہے لیکن وہ مشہور بابا کمبل کے نام سے ہیں، میری ان سے اچھی واقفیت ہے، کبھی کبھی میں ان کے پاس چلا جاتا ہوں اور بس......!''

''لیکن شاہ صاحب نے تو تمہیں بہت سخت قسم کی تنبیہ کی ہے، میرا خیال ہے کہ اس طرح کے لوگوں سے دور ہی رہو تو بہتر ہے، اس طرح کے لوگ ایمان ڈبونے والے ہوتے ہیں۔''

''ارے نہیں صارم بھائی......! میں کوئی بچہ تھوڑے ہی ہوں...... میں ہر بات بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں۔'' اسرار ناصر نے اسے اطمینان دلانے والے لہجے میں کہا۔

صارم نے اس موضوع پر زیادہ بات کرنا مناسب نہ سمجھی، لیکن اس نے یہ طے ضرور کر لیا تھا کہ جبار کو اس معاملے سے ضرور آگاہ کر دے گا۔

وہ اسرار ناصر کو گھر پر چھوڑ کر اپنے گھر کے راستے پر ہو لیا۔ جب وہ گھر پہنچا تو سارہ اس کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔

''چھوڑ آئے......؟'' سارہ نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

''ہاں......!'' صارم نے مختصر جواب دیا۔

''صارم میں اور خالہ ہجو تو اندر بیٹھے تھے...... ہوا کیا...... یہ تو بتاؤ'' سارہ روداد سننے کے لئے بے چین تھی۔

''ہاں...... بتاتا ہوں......تمہیں ہر چیز بتانا ضروری ہے۔'' وہ ڈائننگ ٹیبل کی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ ''خالہ ہجو کہاں ہیں......؟ انہیں بلاؤ۔''

خالہ ہجو کچن میں تھی، وہ باہر نکل کر آ گئی۔

صارم نے ساری روداد ان دونوں کے گوش گزار کر دی، ساری تفصیل بتا کر صارم نے آخر میں کہا۔ ''بس اب ہمیں اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ زینے کے دروازے کا تالا کسی قیمت پر بھی نہ کھلے، خالہ ہجو تم بھی اور سارہ تم بھی اس بات کا خیال رکھنا......ابھی واپس جاتے ہوئے شاہ صاحب نے بتایا تھا کہ انہوں نے اس شری مخلوق کو اس حصے میں قید کر دیا ہے، ہماری ذرا سی غفلت سے کہیں کام خراب نہ ہو جائے۔''

''نہیں ہوگا صارم......! میں اس بات کا پورا خیال رکھوں گی کہ زینے کے دروازے کا تالا نہ کھلے......اس کی چابی کہاں ہے؟'' سارہ نے پوچھا۔

''چابیوں کے گچھے میں ہے۔'' صارم نے بتایا۔

''اس کی چابی الگ کر کے کہیں رکھ دوں؟'' سارہ نے پوچھا۔

''الگ کرلو۔'' صارم نے گویا اجازت دی۔ ''لیکن چابی رکھوگی کہاں؟''

''یہ میں تمہیں سوچ کر بتاؤں گی۔'' سارہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ سارہ کی نظروں میں کوئی مفہوم تھا۔

''چلو ٹھیک ہے۔'' صارم نے اس کی نظروں میں چھپا مفہوم سمجھتے ہوئے کہا۔

اگرچہ سارہ کو خالہ جو پر پورا بھروسہ تھا لیکن احتیاط کا تقاضا تھا کہ خالہ جو کو بھی چابی کی جگہ سے لاعلم رکھا جائے کیونکہ صورتحال اتنی نازک تھی کہ ذرا سی لاپروائی کسی بڑے خطرے کا پیش خیمہ ہو سکتی تھی۔ سارہ نے صارم کو بتا کر وہ چابی اپنے جیولری بکس میں ڈال دی اور جیولری بکس الماری کے خفیہ خانے میں رکھ دیا اور الماری کو لاک کر دیا۔ عام حالات میں الماری لاک نہ ہوتی تھی...... صارم اور سارہ دروازہ کھلنے کے خدشے سے بے فکر ہو گئے۔

آج جمعرات تھی......بس درمیان میں دو راتیں تھیں، ہفتے کی صبح کو تو شاہ صاحب نے آ کر خود اپنے ہاتھوں دروازہ کھول دینا تھا، دو دن کی ہی تو بات تھی......اوپر والا چاہے گا تو یہ دو دن بھی خیر و عافیت سے گزر جائیں گے۔

بندہ سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے......؟

لیکن جو کچھ ہوا، اس کے بارے میں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

ہوا یہ کہ اسرار ناصر سہراب گوٹھ پر اتر کر سیدھا نئی کراچی پہنچا۔

نئی کراچی کے دو کمروں کے مکان میں بابا کمبل رہائش پذیر تھا......ایک کمرہ عملیات کیلئے مخصوص تھا اور دوسرے کمرے میں دو چار کرسیاں اور ایک تخت پڑا تھا، اس تخت پر فوم کا ایک موٹا گدا بچھا ہوا تھا اور دیوار کے ساتھ دو موٹے تکیے رکھے ہوئے تھے، اس کمرے میں بابا کمبل کی رہائش تھی۔

اسرار ناصر نے جب گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو کمبل بابا تخت پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا، یہ کھانا اس نے خود ہی پکایا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ کھانے کے درمیان کوئی شخص مخل ہو، وہ اطمینان سے بیٹھا کھانا کھاتا رہا، اس نے سوچا کہ آنے والا خود ہی دروازہ پیٹ پیٹ کر واپس چلا جائے گا۔

لیکن دروازے پر آنے والا واپس جانے کیلئے نہیں آیا تھا، دروازہ پیٹنے کی شدت میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا بالآخر بابا کمبل کو کھانا چھوڑ کر اٹھنا ہی پڑا، اسے بے وقت آنے والے پر غصہ تھا، وہ نوالہ چباتا اور غصہ کھاتا صحن پار کر کے دروازے پر پہنچا۔

''کون ہے بھئی......؟'' بابا کمبل نے دروازے پر پہنچ کر پوچھا۔

''بابا کھولیں......میں ہوں اسرار!'' دروازے کے اس پار سے پرجوش آواز آئی۔

''اوہ......! اچھا اچھا۔'' اسرار کا نام سن کر بابا کمبل کا غصہ فوراً کافور ہو گیا اور اس نے ایک قدم بڑھا کر جلدی سے دروازہ کھول دیا۔

''بابا......! سلام۔'' اسرار نے بابا کمبل کی زرد آنکھوں میں جھانکا۔

''آجاؤ بھئی آجاؤ۔'' بابا کمبل نے اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ اس کے اندر آنے کے بعد بابا کمبل نے دروازے کی کنڈی چڑھائی اور بولا۔ ''آؤ......ادھر آجاؤ......میں کھانا کھا رہا ہوں......کیا تم نے کھانا کھایا؟''

''نہیں بابا......! میں نے ابھی کھانا نہیں کھایا......میں ابھی ہوٹل سے جا کر لے آؤں گا، آپ کھائیں۔'' اسرار ناصر نے کمرے میں آ کر کہا۔

''تو پھر جا کر لے آؤ......دونوں ساتھ ہی کھا لیتے ہیں۔'' بابا کمبل نے کہا۔

''ٹھیک بابا......! میں دو منٹ میں لے کر آیا......آپ کے لئے بھی کچھ لے آؤں؟'' اسرار نے پوچھا۔

''ہاں لے آنا......میرے لئے نہاری لے آنا۔'' بابا کمبل نے چٹخارے لیتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے بابا......! لے آتا ہوں۔'' اسرار ناصر نے واپس جاتے ہوئے کہا۔ ''بابا......! میرے پاس بڑی زبردست خبر ہے، سنیں گے تو کھانا چھوڑ دیں گے......میں پہلے کھانا لے آؤں پھر آ کر سناتا ہوں۔''

''جاؤ پھر......جلدی سے واپس آؤ۔''

اسرار ناصر بھاگم بھاگ گیا، گلی کے موڑ پر ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا، اس نے بابا کمبل کا نام لے کر نہاری، روٹی خریدی اور واپس آ گیا۔

دونوں نے مل کر خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ بابا کمبل خاصا خوش خوراک تھا، اس نے اپنے کھانے کے ساتھ اسرار کے لائے ہوئے کھانے میں بھی ہاتھ بٹایا اور خوب ہاتھ بٹایا۔

کھانے کے دوران اسرار ناصر نے بتایا۔ ''بابا......! شاہ صاحب کو معلوم ہو گیا ہے کہ میں نے پنجہ اور راکھ پھینکنے کے بجائے آپ کو دے دی ہے۔''

''تو کیا ہوا......وہ ہمارا کیا بگاڑ لے گا۔'' بابا کمبل ذرا بھی پریشان نہ ہوا۔

''بابا......! وہ نہیں چاہتے کہ میں آپ کے ساتھ ربط ضبط رکھوں۔'' اسرار نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''وہ کون ہوتا ہے ہمارے آدمی کو ہم سے دور کرنے والا......تم اس کی پروا مت کرو۔''

''نہیں......! مجھے تو پروا نہیں ہے......بس اتنا ڈر ضرور ہے کہ میرے بڑے بھائی تک یہ خبر نہ پہنچ جائے۔'' اسرار ناصر نے فکرمند ہو کر کہا۔

’’یہ بات وہاں تک کون پہنچائے گا؟‘‘ بابا کمبل نے پوچھا۔

’’یہ بات صارم کے ذریعے ان تک پہنچے گی۔‘‘ اسرار ناصر نے ذریعہ بتایا۔

’’ارے تم کیوں فکر کرتے ہو...... اسے ہم باندھ دیں گے، وہ ایک لفظ تمہارے خلاف نہیں کہہ سکے گا۔‘‘ بابا کمبل نے لاپروائی سے کہا۔

’’ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔‘‘ اسرار یکدم خوش ہو گیا۔

’’ہو جائے گا۔‘‘ بابا کمبل نے یقین سے کہا۔ ’’یہ کون سی بڑی بات ہے۔‘‘

بابا کمبل نے کھانا ختم کر کے صحن میں رکھی ہوئی پانی کی ٹنکی کے نیچے ہاتھ دھوئے...... تار پر پڑے ہوئے میلے تولیہ سے اپنے کالے ہاتھ صاف کئے، اتنی دیر میں اسرار ناصر تخت سے کھانے کے برتن اٹھا کر باورچی خانے میں رکھ آیا اور وہ ہاتھ دھو کر کمرے میں آ گیا۔

بابا کمبل تکیوں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا...... اسرار تخت کے نزدیک ایک کرسی گھسیٹ کر براجمان ہو گیا۔

’’ہاں بھئی...... اسرار، کیا خبر ہے وہ زبردست...... اب بتاؤ۔ اب تو میں نے کھانا بھی کھا لیا، کھانا چھوڑنے کا خطرہ بھی ٹل گیا۔‘‘ بابا کمبل نے اپنے کندھے تک پڑے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

’’بابا...... میں اس وقت شاہ صاحب کو ان کے گھر چھوڑ کر آ رہا ہوں۔‘‘ اسرار نے بات شروع کی۔

’’اچھا ہاں...... یہ بات مجھے یاد ہی نہیں رہی...... ہاں وہاں کا احوال بتاؤ۔‘‘

اسرار ناصر نے جواب میں ہر وہ بات بتا دی جو اس نے آج صارم کے گھر پر دیکھی تھی اور جب اس نے یہ بتایا کہ وہاں ایک کی جگہ سیکڑوں شاہ صاحب نمودار ہو گئے تھے تو بابا تکیے چھوڑ کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، اس بات نے اس کے دل میں جانے کیوں ہلچل مچا دی۔ پھر اس نے زینے میں خون اور دروازہ لاک کرنے کے بارے میں بتایا تو وہ بے چین ہو گیا۔

’’اسرار......! ابھی چلو صارم کے گھر۔‘‘ اس نے بے قرار ہو کر کہا۔

’’میں کہتا نہ تھا کہ زبردست خبر لایا ہوں۔‘‘ اسرار ناصر فخریہ انداز میں بولا۔

’’ہاں بھئی...... اس میں کیا شک ہے...... بڑی زبردست خبر ہے...... اگر ہم نے ان میں سے ایک کو بھی پکڑ لیا تو سمجھو وارے نیارے ہو جائیں گے...... میں تمہیں وہ کچھ سکھا دوں گا جس کے تم تمنائی ہو۔‘‘ بابا کمبل نے اسے لالچ دیا۔

’’ہیں بابا......؟‘‘ اسرار ناصر خوش ہو کر بولا۔

’’پر شرط یہی ہے کہ تمہیں، ہمیں اس کے گھر لے جانا ہو گا، اس کے گھر میں داخل ہو گئے تو پھر سب کچھ ہمارے ہاتھ میں آ جائے گا۔‘‘

’’ٹھیک ہے بابا......! میں آپ کو ہر قیمت پر وہاں پہنچاؤں گا بس پھر آپ کو مجھے اپنی شاگردی میں

نا ہو گا۔‘‘

’’ارے فکر کیوں کرتے ہو...... میں تمہیں اپنا پکا شاگرد بناؤں گا...... ویسے تم جانتے ہو کہ میں نے ج تک کسی کو اپنا شاگرد نہیں بنایا۔‘‘ بابا کمبل نے اس پر واضح کیا۔

’’اسی لئے تو وعدہ لے رہا ہوں۔‘‘ اسرار ناصر نے کہا۔

’’ارے...... پکا وعدہ...... تم ہمیں وہاں پہنچاؤ، ہم تمہیں کہیں اور پہنچائیں گے۔‘‘ بابا کمبل نے پنے سفید دانت دکھائے۔

’’ٹھیک ہے...... ہم وہاں ضرور چلیں گے لیکن آج نہیں کل...... ہمیں صارم کی غیر موجودگی میں ہاں جانا ہو گا۔‘‘ اسرار ناصر نے راہ دکھائی۔

’’بس، یہ کام تمہارا...... جس طرح چاہو اور جیسے چاہو کرو۔‘‘ بابا کمبل نے اس پر تکیہ کر لیا۔

☆......☆......☆

صارم کے دفتر جانے کے بعد سارہ بیڈ پر نیم دراز ہو گئی تھی...... خالہ سجو گھر کی صفائی ستھرائی میں لگی ی۔ زینہ لاک ہوئے آج دوسرا دن تھا، رات آرام سے گزر گئی تھی، کل شاہ صاحب نے آنا تھا، وہ د اپنے ہاتھوں دروازہ کھولیں گے، دیکھو کیا ہوتا ہے، اللہ کرے اس منحوس سے نجات مل جائے۔

سارہ ابھی انہی خیالات میں گم تھی کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی، گھنٹی کی آواز سن کر سارہ بے اختیار چونک ئی، اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے فون کی اسکرین پر نمبر دیکھا، یہ کوئی اجنبی نمبر تھا۔

’’ہیلو۔‘‘ سارہ نے ٹیلیفون اٹھایا۔

’’صارم صاحب سے بات کرائیں۔‘‘ ادھر سے کسی بڑی بھاری آواز نے پوچھا۔

’’جی وہ تو نہیں ہیں۔‘‘ سارہ نے بتایا۔

’’کہاں گئے ہیں؟‘‘ ادھر سے پوچھا گیا۔

’’وہ دفتر چلے گئے۔‘‘ سارہ نے کہا۔

’’اچھا...... ٹھیک ہے...... میں انہیں دفتر فون کر لوں گا۔‘‘

’’آپ کون ہیں؟‘‘ سارہ نے پوچھا لیکن اتنی دیر میں ادھر سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

فون آنا کوئی ایسی حیرت کی بات نہ تھی، صارم کے فون آتے رہتے تھے لیکن اس فون کو سن کر ایک ب سی بے چینی کا احساس ہوا جیسے اس فون کے پیچھے کوئی اسرار چھپا ہو۔

اس فون کے پیچھے واقعی اسرار چھپا تھا...... اسرار ناصر......! یہ فون اس نے ایک پی سی او سے کیا تھا ر آواز بدل کر کیا تھا، اگر وہ آواز بدل کر نہ بھی کرتا تو اس سے کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ سارہ، اسرار کی از پہچانتی نہ تھی۔

سارہ کمرے سے باہر نکل آئی، باہر نکلی تو اس نے دیکھا کہ خالہ سجو زینے کے دروازے کے نزدیک جھکائے کھڑی ہے...... سارہ کا دل دھک سے رہ گیا، کہیں خالہ نے دروازہ تو نہیں کھول دیا...... پھر

اسے یاد آیا کہ وہ دروازہ کس طرح کھول سکتی ہے، چابی تو الماری کے لاکر میں پڑی ہے اور خالہ سجو اس بات سے لاعلم ہے کہ چابی کہاں ہے...... پھر خالہ سجو دروازے کے نزدیک کیوں کھڑی ہے؟

"کیا ہوا خالہ......؟" سارہ نے تیزی سے نزدیک آتے ہوئے کہا۔

خالہ سجو نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا، وہ اسی طرح سر جھکائے کھڑی رہی۔ سارہ اب اس کے نزدیک پہنچ چکی تھی، دروازے کے نزدیک پہنچ کر سارہ کو معلوم ہو گیا کہ خالہ سجو وہاں کھڑی کیا کر رہی ہے۔

اس نے بھی کان لگا کر دروازے کے پیچھے ہونے والی ہلچل کا اندازہ لگایا، دروازے کے پیچھے سے بہت زیادہ کھڑکھڑاہٹ کی آواز آ رہی تھی اور بار بار دروازے کے ساتھ کوئی چیز ٹکرا رہی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے زینے میں بے شمار گدھ اڑ رہے ہوں اور ان کی چونچیں دروازے سے ٹکرا رہی ہوں۔

سارہ، خالہ سجو کا ہاتھ پکڑ کر اسے وہاں سے ہٹا لائی...... کچن کے نزدیک آ کر اس نے پوچھا۔ "یہ آوازیں کب سے آ رہی ہیں؟"

"سارہ بی بی......! میں نے ابھی سنی ہیں۔" خالہ سجو نے بتایا۔

"شاہ صاحب نے انہیں قید کر دیا ہے...... شاید یہ آزاد ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔" سارہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"اے...... پھڑپھڑانے دو...... خود ہی تھک ہار کر بیٹھ جائیں گے۔" خالہ سجو یہ کہہ کر کام میں لگ گئیں۔

☆......☆......☆

صارم کے گھر کے نزدیک ایک رکشہ رکا، اس رکشے سے اتر کر اسرار ناصر گیٹ کی طرف بڑھا جبکہ بابا کمبل رکشے میں ہی بیٹھا رہا۔

اسرار ناصر نے گیٹ کے ایک طرف لگا کال بیل کا بٹن دبایا۔

اندر ڈنگ ڈونگ کی آواز آئی تو سارہ نے کہا۔ "دیکھنا خالہ سجو......! باہر گیٹ پر کون ہے؟"

"اچھا بی بی! دیکھتی ہوں۔" خالہ سجو جھاڑو چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"اچھا...... ٹھہرو، تم کام کرو...... میں دیکھتی ہوں۔" یہ کہہ کر سارہ باہر نکلی، وہ گھوم کر مین گیٹ پر پہنچی۔

"کون ہے؟" اس نے گیٹ کھولنے سے پہلے پوچھا۔

"سارہ بھابھی......! دروازہ کھولیں...... میں ہوں اسرار ناصر!"

"ایک منٹ" سارہ نے کہا اور گیٹ کھول دیا۔ سامنے اسرار ناصر مسکین صورت بنائے کھڑا تھا۔

"بھابھی......! میں اندر آ سکتا ہوں؟" اسرار ناصر نے اسے گیٹ پر جمے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"صارم گھر پر نہیں ہیں۔" سارہ نے ذرا گھما کر جواب دیا۔

"سارہ بھابھی......! مجھے شاہ صاحب نے بھیجا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ وہ کل آئیں گے اور خود ہی اپنے ہاتھوں سے تالا کھولیں گے، انہوں نے کہا ہے کہ کوئی دروازہ کھولنے کی کوشش نہ کرے، میرے ساتھ انہوں نے ایک صاحب کو بھیجا ہے اور کہا ہے کہ یہ گھر چیک کریں گے، دروازہ بند کئے چوبیس گھنٹے ہو چکے ہیں، یہ دیکھیں گے کہ کوئی گڑبڑ تو نہیں، اگر کوئی گڑبڑ ہوگی تو فوراً جا کر شاہ صاحب کو مطلع کریں گے پھر جیسا شاہ صاحب حکم کریں گے، اس پر عمل ہوگا۔" اسرار نے بڑی معصوم صورت بنا کر بھرپور ڈرامہ کیا۔

سارہ نے گیٹ کے باہر کی طرف دیکھا، وہاں اسے کوئی نظر نہ آیا۔ "کون صاحب ہیں؟"

"وہ رکشہ میں بیٹھے ہیں...... آپ کہیں تو بلا لاؤں؟"

"دیکھیں شاہ صاحب نے دروازہ نہ کھولنے کی سخت تاکید کی تھی۔" سارہ نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں، سارہ بھابھی......! اب بھی انہوں نے یہی حکم دیا ہے...... یہ صاحب صرف گھر چیک کریں گے، دروازے کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ ویسے بھی دروازے کی چابی تو آپ کے پاس ہوگی، چابی کے بغیر دروازے کا تالا کیسے کھلے گا۔" اسرار نے بڑے یقین سے کہا۔ "پھر میں جو موجود ہوں، میں انہیں شاہ صاحب کی ہدایت کے خلاف کوئی کام کیسے کرنے دوں گا۔"

"ٹھیک ہے...... آپ ان صاحب کو لے آئیں۔" سارہ گیٹ چھوڑ کر گھر کی طرف بڑھی۔

اجازت ملتے ہی جیسے اسرار کے بدن میں کرنٹ دوڑ گیا، وہ بھاگا ہوا رکشہ کے پاس پہنچا اور عجلت بھری خوشی میں بولا۔ "بابا...... جلدی چلیں۔"

"ارے...... کھل گیا رستہ!" بابا کمبل کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں۔

"ہاں...... بابا......! جلدی آئیں...... کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے شوہر سے بات کرنے کی کوشش کرے۔" اسرار نے گھبرا کر کہا۔ "کہیں معاملہ خراب نہ ہو جائے۔"

"اب تم بے فکر ہو جاؤ...... یہ خیال ہم اس کے ذہن سے نکال دیتے ہیں۔" بابا کمبل نے بمشکل رکشہ سے نکلتے ہوئے کہا۔ وہ ایک لمبا چوڑا آدمی تھا بمشکل رکشہ میں ٹھنس کر بیٹھا تھا، اب اترتے ہوئے بھی اسے مشکل پیش آئی۔

اسرار ناصر نے رکشہ والے سے کہا کہ وہ رکشہ ایک طرف لگا لے، وہ دونوں دس منٹ میں واپس آتے ہیں۔

گھر کی طرف واپس پلٹتے ہوئے سارہ کے ذہن میں تھا کہ وہ صارم کو نئی صورتحال سے آگاہ کر دے، ویسے خطرے کی کوئی بات نہ تھی کیونکہ اسرار ناصر ساتھ آیا تھا اور اس نے دروازہ نہ کھولنے کا وعدہ کیا تھا، وہ تو محض اطلاعاً صارم سے بات کرنا چاہتی تھی لیکن گھر میں داخل ہوتے ہوئے یہ بات اس کے ذہن سے یوں نکل گئی جیسے ذہن میں آئی ہی نہ ہو۔

چند منٹوں کے بعد اسرار ناصر لاونج کے دروازے سے گھر میں داخل ہوا، اس کے پیچھے بابا کمبل تھا۔

سارہ اور خالہ سجو ڈرائنگ روم کے دروازے پر کھڑی تھیں، سب سے پہلے بابا کمبل پر خالہ سجو کی نظر پڑی، وہ گھبرا کر سارہ کے قریب ہو گئی۔

''ہائے بی بی......! یہ کیا چیز ہے؟''

اور جب سارہ نے بابا کمبل کو دیکھا تو وہ خود بھی لرز کر رہ گئی، بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

''یا اللہ خیر!''

اب وہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر پھٹی آنکھوں سے اس شخص کو دیکھ رہی تھیں جو اسرار ناصر کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تھا۔

وہ ایک ساڑھے چھ فٹ کا لمبا چوڑا، موٹا تازہ اور کالا بھجنگ شخص تھا، کاندھوں پر پڑے ہوئے لمبے اور الجھے ہوئے بال، آنکھوں میں زردی، انتہائی خوفناک چہرہ......ایسا کہ دیکھتے ہی بندہ لرز اٹھے۔

یا اللہ......! یہ شاہ صاحب نے کس کو بھیج دیا۔ وہ دونوں سہم کر ڈرائنگ روم کے دروازے کے اندر کی طرف ہو گئیں اور آدھا دروازہ بند کر لیا۔

بابا کمبل اس وقت سفید کرتے اور تہبند میں ملبوس تھا اور سر پر سفید میلی سی ٹوپی تھی، وہ اپنے طور پر معزز شخص بن کر آیا تھا کہ شاہ صاحب کا بھیجا ہوا بندہ لگے، لیکن اس کی سفید پوشی بھی اس کے اندر کی خباثت کو چھپانے میں ناکام رہی تھی۔

وہ سیدھا زینے کے دروازے کی طرف بڑھا اور اسرار ناصر ڈرائنگ روم کے دروازے پر آ کھڑا ہوا تا کہ وہ دونوں باہر نہ نکلیں اور انہیں اس کی وجہ سے تسلی بھی رہے۔

بابا کمبل نے بند دروازے پر اپنا کالا ہاتھ رکھا تو اندر پروں کی پھڑ پھڑاہٹ بے پناہ تیز ہو گئی، گدھ ٹھک ٹھک کر کے دروازے کے پیچھے ٹکرانے لگے۔

بابا کمبل دروازے پر ہاتھ رکھے زیر لب کچھ پڑھتا رہا، چند لمحوں کے بعد اس نے دروازے سے ہاتھ ہٹا کر اسرار کی طرف دیکھا اور دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے نیچے کی طرف دبایا تو کٹ کی آواز آئی۔

لاک کھلتے ہی دروازہ تھوڑا سا کھل گیا، بابا کمبل ہینڈل پکڑ کر نیچے بیٹھ گیا اور ہینڈل پکڑے پکڑے اس نے اتنا دروازہ کھولا کہ اس کا بدصورت ہاتھ اندر جا سکے۔

اس نے اندر ہاتھ ڈال کر اِدھر اُدھر گھمایا جیسے ہی مطلوبہ شے اس کے ہاتھ میں آئی، وہ تیر کی طرح کھڑا ہوا، تھوڑا سا مزید دروازہ کھول کر اپنا ہاتھ باہر نکالا اور خوشی بھرے لہجے میں چیخا۔

''اسرار......! بھاگو۔''

اسرار ناصر نے دیکھا کہ بابا کمبل کے ہاتھ میں ایک پھڑ پھڑاتا ہوا گدھ ہے جسے اس نے گردن سے پکڑا ہوا تھا اور وہ زینے کا دروازہ بند کر کے باہر کے دروازے کی طرف دوڑ گیا تھا، اسے گھر سے نکلتے دیکھ کر اسرار ناصر بھی اس کے پیچھے بھاگا، یہ دیکھ کر وہ خوش ہو گیا تھا کہ بابا جس مقصد سے یہاں

آیا تھا، وہ پورا ہو گیا تھا، اب یہاں رکنا بیکار تھا، اس نے سارہ سے الوداعی کلمات کہنے کی بھی ضرورت نہ سمجھی، وہ بابا کے پیچھے بھاگا۔

اسرار ناصر گھر سے نکلا اور مین گیٹ کی طرف بڑھا تو اس نے دیکھا کہ بابا کمبل دوڑتا ہوا مین گیٹ سے باہر نکل رہا ہے، وہ بہت تیزی سے دوڑا کہیں ایسا نہ ہو کہ بابا کمبل رکشہ میں بیٹھ کر یہ جائے وہ جائے اور وہ سڑک پر کھڑا صرف رکشہ دیکھتا رہ جائے۔

بابا کمبل نے رکشے میں رکھے ہوئے ایک لکڑی کے پنجرے میں اس گدھ کو ڈالا اور رکشہ والے سے بولا۔ ''چلو بھئی جلدی کرو۔''

اتنے میں اسرار ناصر بھی ہانپتا کانپتا رکشے کے نزدیک پہنچ گیا، اسے دیکھ کر بابا کمبل نے رکشہ میں جگہ بنائی اور بولا۔ ''آؤ......اسرار فٹافٹ آؤ۔''

''جی بابا......!'' اسرار نے کہا اور اس کے رکشہ میں گھستے ہی رکشہ والے نے رکشہ تیزی سے گھمایا اور پھر اسے تیزی سے دوڑانے لگا۔

سارہ نے جب یہ دیکھا کہ وہ دونوں بھاگتے ہوئے گھر سے نکل گئے ہیں تو اسے فوراً گڑبڑ کا احساس ہوا۔

وہ دروازہ کھول کر باہر آئی، پیچھے خالہ سجو تھی، ابھی اس نے ایک قدم باہر نکال کر زینے کے دروازے کی طرف دیکھا ہی تھا کہ سامنے کا منظر دیکھ کر اس کا دل دھک سے رہ گیا، اس نے اپنے پیچھے کھڑی خالہ سجو کو اندر دھکیلا اور خود بھی اندر آ کر جھٹ سے دروازہ بند کر لیا۔

سارہ جلدی سے پردے کی طرف بڑھی، اس نے ذرا سا پردہ ہٹا کر باہر کی طرف دیکھا، اس نے دیکھا کہ زینے کا دروازہ آہستہ آہستہ کھلتا جا رہا ہے اور وہاں سے گدھ نکل کر اڑتے ہوئے لاؤنج کے دروازے کی طرف جا رہے ہیں۔

کچھ دیر تک زینے کے دروازے سے لاؤنج کے دروازے تک گدھوں کا تانتا بندھا رہا، جانے کتنے گدھ تھے جو اڑتے ہوئے گھر سے باہر نکل گئے تھے۔

جب سارے گدھ دروازے سے نکل گئے تو وہ دروازہ کھول کر باہر نکلی، دروازے پر کھڑے ہو کر اس نے باہر کا جائزہ لیا......اب وہاں کچھ نہ تھا، زینے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہاں سے شدید بدبو آ رہی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر اسرار ناصر اس قدر عجلت میں اس سے کچھ کہے بغیر، کچھ بتائے بغیر کیوں چلا گیا اور وہ کالا دیو یہاں کیوں آیا تھا اور کیا کر کے چلا گیا تھا۔ سارہ نے اسے گدھ لے جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

شاہ صاحب کا حکم تھا کہ کوئی دروازہ نہ کھولے......اسرار ناصر نے بھی شاہ صاحب کے حکم کو دہرایا تھا اور کہا تھا کہ وہ کسی قیمت پر دروازہ نہ کھلنے دے گا، لیکن یہ کیا ہوا کہ دروازہ کھل گیا جبکہ چابی اس کے

پاس تھی، آخر بغیر چابی کے دروازہ کیسے کھل گیا...... بہر حال شاہ صاحب کی حکم عدولی ہو چکی تھی اور سارہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ معاملہ الٹ گیا ہے اور اسرار ناصر کا پراسرار فرار اس بات کا بین ثبوت تھا کہ معاملہ خراب کرنے میں اس کا بھرپور ہاتھ ہے اور یہ سب کچھ...... کچھ اس طرح پیش آیا تھا کہ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

''خالہ جو...... باہر کا گیٹ بند کر کے آؤ۔'' اس نے خالہ سے کہا اور خود بیڈروم کی طرف بھاگی، جو کچھ ہو گیا تھا اس کے بارے میں صارم کو بتانا ضروری تھا...... اسے خیال آیا کہ وہ اسرار ناصر کے آنے کی اطلاع صارم کو دینا چاہتی تھی لیکن گھر میں آتے آتے جانے کیا ہوا کہ وہ یہ بات بھول گئی...... اگر وہ ان کی آمد کی اطلاع صارم کو دے دیتی تو وہ فوراً اسرار سے بات کر کے اپنی تسلی کرتا لیکن اب پچھتانے کا کیا فائدہ تھا۔

اب تو جو کچھ ہو گیا تھا، اس کے بارے میں صارم کو بتانا بہت ضروری تھا...... اس نے صارم کا موبائل نمبر جلدی جلدی پنچ کیا۔

''ہاں، سارہ......!'' ادھر سے صارم نے فون اٹینڈ کیا۔

''صارم......! کیا تم اس وقت گھر آ سکتے ہو؟'' سارہ نے اپنا لہجہ گھبراہٹ سے پاک رکھنے کی کوشش کی۔

''فوری طور پر تو نہیں آ سکتا...... لیکن معاملہ کیا ہے؟'' صارم نے پوچھا۔

''صارم! معاملہ بہت گمبھیر ہے...... وہ ہو گیا ہے جس کے بارے میں تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔''

''سارہ...... ایسا کیا ہو گیا؟'' صارم پریشان ہوا۔

''زینے کا دروازہ کھل گیا ہے۔'' سارہ نے اطلاع فراہم کی۔

''خود بخود......؟'' صارم حیران ہو کر بولا۔

''نہیں...... خود بخود نہیں کھلا...... ابھی اسرار ناصر ایک خبیث صورت شخص کے ساتھ آئے تھے۔''

''پھر......؟'' صارم نے بے قراری سے پوچھا۔

جواب میں سارہ نے مختصر طور پر ساری روداد بیان کر دی۔ وہ روداد سن کر چکرا گیا، اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اسرار ناصر کس شخص کے ساتھ گھر میں داخل ہوا اور وہ شخص کیا کر کے چلا گیا۔ البتہ یہ بات ضرور واضح ہو گئی تھی کہ زینے کے دروازے کا تالا بغیر چابی کے کھل گیا تھا اور وہ گدھ جنہیں شاہ صاحب نے زینے میں قید کر دیا تھا، وہ آزاد ہو گئے تھے۔

''اچھا سارہ......!'' صارم پوری بات سن کر اس سے مخاطب ہوا۔ ''تم فی الحال ایسا کرو کہ زینے کا دروازہ دوبارہ لاک کر دو...... میں اسرار ناصر کو ٹریس کرتا ہوں، اس سے پوچھتا ہوں کہ اصل میں معاملہ کیا تھا...... یہ بتاؤ ابھی تو گھر میں سکون ہے؟'' صارم نے پوچھا۔

''جی......!'' سارہ نے پورے یقین سے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔'' صارم نے کہا۔ ''اگر کوئی مسئلہ درپیش ہو تو مجھے فوراً بتا دینا...... میں سارا کام چھوڑ کر آ جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے...... میں تمہیں فوراً فون کر دوں گی...... ویسے تم پریشان مت ہو، جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔'' سارہ نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

''اوکے...... سارہ!'' فون بند کرنے کے بعد اس نے فوراً ہی جبار ناصر سے رابطہ کیا، جبار دفتر میں موجود تھا۔

اس کی آواز سن کر چہک کر بولا۔ ''ہاں چندا! کیسے ہو؟''

''یار......! وہ اس وقت اسرار کہاں ہوں گے؟'' صارم نے پوچھا۔

''گھر پر ہوگا...... پڑا سو رہا ہوگا...... کیوں خیریت؟'' جبار نے کہا۔

''ذرا بات کرنا چاہ رہا تھا...... کیا ان کے پاس موبائل ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ اس کے پاس موبائل ہے لیکن مجھے اس کا نمبر معلوم نہیں...... تم ایسا کرو تا گھر فون کر لو...... اول تو وہ گھر میں ہوگا، اگر نہیں ہوا تو مہ ناز سے پوچھ لینا، اس کے پاس ضرور موبائل نمبر ہوگا۔'' جبار نے راستہ بتایا۔

''ٹھیک ہے اوکے! تم سے میں تفصیل سے بعد میں بات کروں گا فی الحال جلدی میں ہوں۔''

صارم نے فون بند کر کے جبار ناصر کے گھر کا فون نمبر ملایا، فون مہ ناز نے اٹھایا۔

''ہاں...... بھابھی! کیا حال ہیں؟'' صارم نے مسکرا کر پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں...... سارہ کیسی ہیں؟'' اُدھر سے پوچھا گیا۔

''جی وہ بھلی چنگی ہے۔'' صارم نے جواب دیا۔

''انہیں لے کر آئیں نا...... ایک عرصہ ہو گیا ملے ہوئے۔'' مہ ناز نے شکوہ کیا۔

''اچھا...... میں لے کر آؤں گا۔'' صارم نے جلدی سے جان چھڑائی...... پھر اصل موضوع پر آیا۔

''بھابھی......! یہ بتایئے اسرار ہیں کیا گھر پر؟''

''نہیں...... آج تو وہ صبح کے ہی نکلے ہوئے ہیں۔'' مہ ناز نے فوراً کہا۔

''ان کا موبائل نمبر ہے آپ کے پاس......؟'' صارم نے پوچھا۔

''جی ہے...... چاہیئے آپ کو؟'' مہ ناز نے تصدیق چاہی۔

''ہاں...... بتائیں۔'' صارم نے کہا۔

مہ ناز نے اسرار ناصر کو موبائل نمبر بتایا...... صارم نے نمبر نوٹ کر کے ایک دو اِدھر اُدھر کی باتیں کیں اور پھر خدا حافظ کہہ کر فون منقطع کر دیا۔

مہ ناز کے بتائے ہوئے نمبر کو پہلے صارم نے اپنے موبائل میں فیڈ کیا پھر نمبر ملایا...... نمبر نہیں ملا۔ اس نے وقفے وقفے سے دو چار بار نمبر ملایا لیکن نہیں ملا، شاید اس کا موبائل آف تھا۔

اپنا کام پیک اپ کر کے صارم شام جلد ہی گھر پہنچ گیا۔ اس نے سارہ سے چابی لے کر زینے کا دروازہ کھول کر دیکھا، وہاں کچھ نہ تھا۔۔۔ البتہ بدبو ضرور آ رہی تھی، صارم نے دوبارہ دروازہ لاک کر دیا۔

''میری سمجھ میں یہ نہیں آیا سارہ کہ وہ لوگ کرنے کیا آئے تھے، تمہارے خیال میں وہ دس منٹ سے زیادہ گھر میں نہیں رہے، انہوں نے تالا کیسے کھول لیا اور پھر تیزی سے بھاگ گئے کیوں؟'' صارم الجھ گیا تھا۔

''مجھے نہیں معلوم صارم۔۔۔۔۔۔! میں اس منحوس شکل کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئی تھی اور ہم دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے تھے، کچھ دیر کے بعد بڑے زور کی آواز آئی، اسرار بھاگو۔۔۔۔۔۔ یہ آواز سن کر جب میں دروازے پر آئی تو اسرار ناصر دروازے کی طرف بھاگتے نظر آئے، وہ خبیث شخص پہلے ہی گھر سے نکل چکا تھا۔'' سارہ کے جو کچھ علم میں تھا، دہرایا۔

''شاید وہ کسی چیز سے خوف زدہ ہو کر بھاگے؟'' صارم نے خیال ظاہر کیا۔

''نہیں۔۔۔۔۔۔! وہ شخص کسی سے خوف زدہ ہونے والا نہیں لگ رہا تھا۔۔۔۔۔۔ بلکہ ڈرانے والا لگ رہا تھا، اسے دیکھ کر تو اچھا خاصا آدمی کانپ اٹھے۔'' سارہ نے کہا۔

''ایسے کس شخص کو لے آیا اسرار!'' صارم سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''وہ کہہ رہے تھے کہ اس شخص کو شاہ صاحب نے گھر چیک کرنے کیلئے بھیجا ہے۔'' سارہ نے بتایا۔

''میرا خیال ہے کہ اسرار نے کوئی کھیل کھیلا ہے، وہ جس شخص کو لے کر آیا، وہ مجھے بابا کمبل معلوم ہوتا ہے۔'' صارم بڑی حد تک صحیح نتیجے پر پہنچ گیا تھا۔ وہ پھر کچھ سوچ کر بولا۔ ''سارہ۔۔۔۔۔۔ میں شاہ صاحب کے پاس ہو کر آتا ہوں، انہیں سارے معاملے سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔''

''صارم۔۔۔۔۔۔! شاہ صاحب کل صبح تو آئیں گے ہی۔۔۔۔۔۔ پھر صبح جا کر ہی انہیں صورتحال سے آگاہ کر دینا، اب تو جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔'' سارہ نے اپنی رائے دی۔

''نہیں سارہ۔۔۔۔۔۔! مجھے شاہ صاحب کو فوراً جا کر بتانا چاہئے، ہو سکتا ہے کہ وہ ناراض ہو جائیں کہ مجھے فوراً کیوں اطلاع نہیں دی۔'' صارم نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''تم دیکھ لو صارم۔۔۔۔۔۔! جیسا مناسب سمجھو، وہ کرو۔'' سارہ نے بالآخر فیصلہ صارم پر چھوڑ دیا۔

''مجھے جانا ہی ہو گا۔'' صارم نے اپنا فیصلہ سنایا۔

اور جب صارم، شاہ صاحب کے آستانے پر پہنچا تو اس نے یہاں کا منظر یکسر مختلف پایا۔ ایک تو گھر کا پورا گیٹ کھلا ہوا تھا اور اسے اندر لوگ بیٹھے ہوئے نظر آ رہے تھے، دوسرے گھر کی دیوار کے ساتھ موٹر سائیکلیں کھڑی تھیں، ایک پرانی گاڑی بھی کھڑی تھی، کچھ سائیکلیں بھی تھیں۔

صارم نے اپنی گاڑی ایک طرف پارک کی اور سیڑھیاں چڑھ کر دروازے میں داخل ہوا۔ اس کمرے میں کافی لوگ بیٹھے ہوئے نظر آئے۔۔۔۔۔۔ ایک طرف کچھ عورتیں بھی تھیں، ہر شخص

کے ہاتھ میں سبز تسبیح تھی، ہر شخص زیر لب ورد میں مصروف تھا، کمرے میں کوئی شور وغل اور افراط تفریط نہ تھی۔

شاہ صاحب بڑے مونڈھے پر براجمان تھے، سامنے ایک چھوٹے مونڈھے پر ایک عورت بیٹھی تھی، شاہ صاحب اس سے سوال جواب کر رہے تھے، مسند حسب معمول خالی پڑی تھی۔

صارم جوتے اتار کر آگے ایک خالی جگہ پر سبز قالین پر بیٹھ گیا، اسے نہیں معلوم تھا کہ شاہ صاحب سے ملنے کا طریقہ کیا ہے، اس نے سوچا، خاموشی سے بیٹھ جائے، کچھ دیر میں خود بخود اندازہ ہو جائے گا کہ شاہ صاحب تک پہنچنے کا طریقہ کیا ہے۔

صارم، شاہ صاحب کی طرف متوجہ تھا، اچانک وہ عورت اٹھی اور اپنی چادر سنبھالتی ہوئی باہر نکل گئی۔

شاہ صاحب نے لوگوں کے مجمعے پر نظر ڈالی تو انہیں آگے ہی صارم بیٹھا نظر آیا، ان کی آنکھوں میں حیرت ابھری، دونوں کی آنکھیں ملیں، شاہ صاحب نے اسے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔

اشارہ ملتے ہی وہ فوراً اٹھ کر شاہ صاحب کے سامنے پہنچ گیا، شاہ صاحب نے مونڈھے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، صارم مونڈھا ان کے نزدیک کر کے بیٹھ گیا۔

''شاہ صاحب۔۔۔۔۔۔! میں معافی کا خواستگار ہوں، آپ نے دروازے کی حفاظت کا حکم دیا تھا، آپ نے فرمایا تھا۔۔۔۔۔۔!''

''میاں ایک منٹ ٹھہرو۔'' شاہ صاحب نے یکدم اسے بات کرنے سے روک دیا۔

پھر انہوں نے گردن مسند کی طرف موڑی جس پر دو گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے، وہ بغور سفید چادر کی طرف دیکھنے لگے، ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی مسند پر بیٹھا ہوا ہو اور وہ دل ہی دل میں ان سے مخاطب ہوں۔

کچھ دیر یک ٹک سفید چادر کی طرف دیکھنے کے بعد انہوں نے پھر رخ پھیرا اور صارم کے چہرے پر نظریں جما دیں اور آہستہ آہستہ بولنا شروع کیا۔ ''بھائی پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم نے کسی کو تمہارے گھر نہیں بھیجا۔۔۔۔۔۔ وہ چور تھا اور جو کچھ چرا کر لے گیا ہے، اس سے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔۔۔۔۔۔ الٹا عذاب میں مبتلا ہو گا البتہ اس نے ہمارا عمل ضرور تباہ کر دیا۔''

صارم کو بڑی حیرت ہوئی کہ ابھی اس نے زبان ہی کھولی تھی کہ شاہ صاحب نے اس کی زبان بندی کر کے جو بتایا، اس سے صارم کو اندازہ ہو گیا کہ شاہ صاحب کو اس پوری واردات کا علم ہو گیا ہے۔ صارم کو پہلے اسرار ناصر پر شبہ تھا، اب یقین ہو گیا تھا کہ وہ جھوٹ بول کر اس کے گھر میں داخل ہوا، وہ اس جادوگر کو اپنے ساتھ لایا اور کوئی چیز چرا کر جس کی ابھی وضاحت نہیں ہوئی، نکل گیا۔

''شاہ صاحب۔۔۔۔۔۔ وہ چور کون تھا اور میرے گھر سے کیا چرا کر لے گیا؟'' صارم نے ہمت کر کے پوچھا۔

''وہ چور اسرار کا گرو تھا، اکمل المعروف بابا کمبل......اور وہ تمہارے گھر سے ایک گدھ پکڑ کر لے گیا ہے، ہمارا ان لوگوں کی طرف دھیان نہیں گیا ورنہ تمہیں اکیلے میں تنبیہ کر دیتے، خیر اب یہ واردات ہوگئی......تالا کھل گیا......دروازہ کھل گیا......ہماری باندھی ہوئی مخلوق آزاد ہوگئی......ہماری ہفتے بھر کی محنت ضائع ہوگئی، اب میاں! بتاؤ ہم کیا کریں......؟ ہم پچھتر سال کے ہو چکے ہیں، پڑھنا پڑھانا ہمارے لئے آسان نہیں رہا ورنہ ہم اس چور کو ضرور مزہ چکھا دیتے۔'' شاہ صاحب نے تاسف سے کہا۔

''یہ سب کیا دھرا اسرار ناصر کا ہے، میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔'' صارم کو غصہ آ گیا۔

''اسرار کو جادو سیکھنے کا شوق ہے، وہ اپنے شوق کے ہاتھوں مجبور ہے، اس کا گرو تو نقصان اٹھائے گا ہی، بچے گا اسرار بھی نہیں......تمہیں کسی لڑائی جھگڑے کی ضرورت نہیں، جلد ہی تمہارے سامنے سب کچھ آجائے گا......اچھا میاں! اب تم چلو......ابھی ہمیں بہت لوگوں سے بات کرنی ہے۔'' شاہ صاحب نے فیصلہ سنایا۔

صارم فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا، اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ شاہ صاحب سے کیا بات کرے۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ شاہ صاحب ضعیف تھے، انہوں نے اپنی عمر پچھتر سال بتائی تھی، اس عمر میں تو لوگ بستر پر پڑ جاتے ہیں......جبکہ انہوں نے تو اس کیلئے خاصا فعال کردار ادا کیا تھا، اس کی بدقسمتی کہ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

''اچھا شاہ صاحب......! میں چلتا ہوں۔'' وہ مونڈھے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''ہاں......میاں جاؤ۔'' شاہ صاحب بولے۔

''میں آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپ میرے گھر تشریف لائے اور اس شری مخلوق سے نجات دلانے کی کوشش کی، ہم لوگوں کی کوتاہی سے آپ کی کامیابی ناکامی میں بدل گئی، ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔''

''بے شک میاں......بے شک......!'' شاہ صاحب نے بڑے یقین سے کہا۔

''شاہ صاحب......! مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے گا......اللہ حافظ۔'' صارم بہت مؤدبانہ انداز میں ان کے سامنے جھکا اور الٹے قدموں دروازے سے نکل آیا۔

وہ سیڑھیاں اتر رہا تھا، اس کے دل پر عجب اداسی سی چھا گئی، وہ تھکے تھکے انداز میں اپنی گاڑی میں بیٹھا اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

شاہ صاحب نے اس معاملے سے اپنا ہاتھ اٹھا لیا تھا، اس بات نے اسے بہت افسردہ کر دیا تھا اور یہ سب کیا دھرا اسرار کا تھا......اسرار پر اسے رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا، اس کا جی چاہ رہا تھا کہ جا کر اس کے منہ پر ایک ایسا مکا مارے کہ اس کی شکل بگڑ کر رہ جائے۔

وہ دو متضاد کیفیتوں میں پھنسا گھر پہنچا تو سارہ نے اس کا چہرہ دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ معاملہ

انتہائی سنگین صورت اختیار کر گیا ہے......وہ سات سال سے صارم کے ساتھ تھی، ان سات سالوں میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ صارم گھر میں ہنستا بولتا نہ داخل ہوا ہو۔

مسکرایا تو خیر سے وہ آج بھی تھا لیکن اس کی مسکراہٹ میں ایسی اداسی پوشیدہ تھی کہ سارہ اسے دیکھ کر ایک لمحے کو پریشان ہو گئی تھی، وہ سیدھا بیڈ روم میں چلا گیا تھا اور بیڈ پر جا کر بیٹھ گیا تھا۔

سارہ نے دروازے پر کھڑے ہو کر اس کی طرف غور سے دیکھا، صارم نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا، اب اس کے چہرے پر غصہ تھا۔

وہ خاموشی سے صارم کے ساتھ بیٹھ گئی اور اس کے کندھے پر دونوں ہاتھ رکھ کر قریب ہو گئی۔

''مجھے تم اس وقت بالکل اچھے نہیں لگ رہے ہو۔'' سارہ نے بہت محبت سے کہا۔

''چلو پھر مجھے کسی بیوٹی پارلر لے چلو۔'' صارم نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''وہ کیوں......؟'' سارہ نے اس کے کندھے میں اپنی تھوڑی گڑائی۔

''تا کہ کوئی مجھے سجا بنا کر اچھا بنا دے۔'' صارم بولا۔

''تم کہو تو یہیں کسی آرائش جمال کو بلا دوں؟'' سارہ نے ہنس کر کہا۔ ''تا کہ وہ تمہارا چہرہ بھی سنوارے اور تمہارا دل بھی سنبھال لے۔''

''یار......! تم کتنی اچھی ہو......جلدی سے فون کرو۔'' صارم کے چہرے پر یکا یک چراغاں ہو گیا۔

''ایک بات بتاؤ صارم......مرد کو دوسری عورت میں اتنی کشش کیوں محسوس ہوتی ہے؟'' سارہ نے ہنس کر پوچھا۔

''یار......! یہ بات کسی مرد سے پوچھنا۔'' صارم نے جواب گول کرنا چاہا۔

''تم مرد نہیں ہو کیا؟'' وہ چڑ کر بولی۔

''نہیں......میں شوہر ہوں اور دنیا کا کوئی شوہر اپنی بیوی کے سامنے یہ نہیں بتا سکتا کہ اسے دوسری عورت اچھی کیوں لگتی ہے۔'' صارم کو بالآخر جواب دینا پڑا۔

''اس کا مطلب ہے ہر شوہر کو دوسری عورت اچھی لگتی ہے؟'' سارہ نے اپنے طور پر نتیجہ اخذ کر لیا۔

''ارے......سارہ تم تو سنجیدہ ہو گئیں۔'' صارم نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ ''ویسے ایک بات بتاؤں تمہیں، ہر شوہر دوسرے شوہر سے مختلف ہوتا ہے، البتہ سننے میں یہی آیا ہے کہ سارے شوہر ایک جیسے ہوتے ہیں۔''

''ہاں......یہ بات درست ہے کہ دوسری عورت کے معاملے میں سارے شوہر یکساں ہوتے ہیں۔''

''اچھا چلو......تم اپنے شوہر کی بات کرو، تمہارا شوہر دوسری عورت کے معاملے میں کیسا ہے؟''

''محترم! ذاتیات پر نہ اتریں، عام بات ہو رہی ہے، ویسے میرے بنّے کی بات ہے نرالی......میرا بنّا ہریالا ہے۔'' سارہ نے بات کو چٹکی میں اڑا دیا۔

''صاف صاف کہو نا گھاس پھونس ہے۔'' صارم نے غصے سے کہا۔ ''یار......! بیوی کو زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہونا چاہئے۔''

''اور شوہر کو گھامڑ نہیں ہونا چاہئے۔'' سارہ نے ہنس کر کہا۔ ''اچھا چھوڑو...... دیکھو میں نے تمہارا موڈ ٹھیک کر دیا ہے...... اب یہ بتاؤ شاہ صاحب سے کیا بات ہوئی۔''

''سارہ......! کیا بتاؤں بس یوں سمجھو شاہ صاحب کا عمل تباہ ہو گیا ہے، ان کی محنت ضائع ہو گئی ہے، سارہ......! تمہیں معلوم ہے وہ لوگ یہاں کیا کرنے آئے تھے؟'' صارم نے پوچھا۔

''ہاں کیا کرنے آئے تھے؟'' سارہ بھی سنجیدہ ہو گئی۔

''وہ یہاں گدھ پکڑنے آئے تھے، ایک گدھ پکڑ کر لے گئے۔'' صارم نے بتایا۔

''چلو...... اچھا ہوا۔'' سارہ غیر متوقع طور پر خوش ہو کر بولی۔ ''یہاں ایک ہی تو گدھ تھا، وہ اسے پکڑ کر لے گئے...... قصہ پاک ہوا، ہماری اس منحوس سے جان چھٹی۔''

''سارہ......! کاش ایسا ہوتا، اس گھر میں ایک گدھ نہیں ہے، بقول شاہ صاحب یہاں پورا قبیلہ آباد ہے اور وہ صحیح کہتے ہیں، یہ بات تو ہمارے تجربے میں بھی ہے، اس دن چھت پر کتنے سارے گدھ تھے پھر آج ان لوگوں کے جانے کے بعد تم نے خود دیکھا کہ زینے کے دروازے سے کس قدر گدھ اڑ کر باہر نکل گئے۔''

''ہاں...... صارم! تم سچ کہہ رہے ہو، یہ بات بالکل درست ہے۔'' سارہ نے تاکید کرتے ہوئے پوچھا۔ ''پھر اب شاہ صاحب کیا کریں گے؟''

''سارہ......! شاہ صاحب نے اب کچھ کرنے سے معذرت کر لی ہے، ویسے بھی وہ ضعیف آدمی ہیں، پچھتر سال کے ہیں اس طرح کے کاموں کیلئے اچھی صحت کی ضرورت ہوتی ہے۔'' صارم نے کہا۔

پھر تفصیل سے صارم نے وہاں کا حال بتایا۔ سارہ بغور پوری بات سنتی رہی، ساری بات سن کر وہ بولی۔ ''میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ اسرار کو آخر کیا ہوا؟''

''اسے کیا ہونا ہے، وہ جادوگر بننے کے چکر میں ہے، ذرا مجھے مل جائے اس کا منہ توڑ دوں گا...... ساری جادوگری بھول جائے گا۔'' صارم کو یکلخت غصہ آ گیا۔

''ارے چھوڑو صارم، اس سے الجھنے کی ضرورت نہیں ہے...... البتہ جبار بھائی کو اس کا کارنامہ ضرور بتا دینا۔'' سارہ نے مشورہ دیا۔

''ہاں...... میں اس سے بات کروں گا۔'' صارم نے کہا۔

صارم نے جبار کو اس کے چھوٹے بھائی کے بارے میں پوری تفصیل سے بتایا۔ جبار بڑا حیران ہوا۔ البتہ اسے اتنا ضرور معلوم تھا کہ وہ پیروں، فقیروں کے چکر میں رہتا ہے لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کا شوق جنون کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

''اچھا یار، میں اس سے بات کرتا ہوں۔'' جبار نے اسے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔

لیکن جبار کو اس سے بات کرنے کا موقع نہ ملا، وہ اس دن کے بعد سے گھر پلٹ کر ہی نہیں آیا، ب اس نے بابا کمبل کے ساتھ رہائش اختیار کر لی تھی، وہ اس کا باقاعدہ شاگرد ہو گیا تھا۔

جبار نے جب اپنی بیوی مہ ناز کو اسرار کے بارے میں بتایا تو وہ اپنے دیور کی اس حرکت پر بڑی رمندہ ہوئی، اس نے سارہ سے فون پر بات کی۔

''سارہ بھئی......! سوری...... میں اسرار کی اس حرکت پر بہت شرمندہ ہوں، جبار الگ رمسار ہیں۔''

''ارے نہیں مہ ناز......! کوئی مسئلہ نہیں، ایسا چلتا رہتا ہے، اس میں تمہارا یا جبار بھائی کا کیا ہور!''

''ہمارا قصور تو نہیں...... بہرحال تباہی پھیلانے والا میرا دیور اور میرے شوہر کا چھوٹا بھائی تھا، پتہ یں کمبخت کن چکروں میں پڑ گیا ہے، پتہ نہیں کہاں ہے، اس دن کے بعد سے گھر آیا ہی نہیں...... لگتا ہے بابا کمبل کے ساتھ ہی کمبل ہو گیا۔'' مہ ناز غصے سے بولی۔

''اللہ رحم کرے اس کے حال پر۔'' سارہ نے اس بات کو ختم کرتے ہوئے کہا۔ ''مہ ناز کسی دن آؤ...... کافی دن ہو گئے تم سے ملاقات ہوئے، تم ہمارے اس گھر میں تو آئی ہی نہیں۔''

''ہاں واقعی...... تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' مہ ناز نے اقرار کیا۔

''بھئی میرا خیال تھا کہ اس گھر میں آنے کے بعد وارم ہاؤس پارٹی کروں گی مگر یہاں کے حالات نے چین ہی نہیں لینے دیا۔'' سارہ بولی۔

''کوئی بات نہیں...... میں بغیر پارٹی کے ہی آ جاؤں گی۔'' مہ ناز نے ہنس کر کہا۔

''سارہ بی بی......! ادھر آئیں۔'' خالہ بجو نے اچانک دروازے پر نمودار ہو کر کہا۔

''اچھا...... مہ ناز باقی باتیں ملاقات پر ہوں گی...... تم آنا ضرور۔'' یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا، خالہ بجو سے مخاطب ہو کر بولی۔ ''خالہ......! کیا ہوا؟''

''بی بی......! کوئی ڈرائنگ روم کی چھت توڑ رہا ہے۔'' خالہ بجو نے خبر سنائی۔

''خالہ بجو......! کیا ہو گیا ہے تمہیں...... ڈرائنگ روم کی چھت کے اوپر تو بیڈروم ہے۔'' سارہ بولی۔

''سارہ بی بی......! ڈرائنگ روم میں چلو، ایسا لگ رہا ہے کوئی بھاری ہتھوڑوں سے چھت توڑ رہا ہے۔'' خالہ بجو نے کہا۔ ''آؤ بی بی...... جلدی آؤ۔''

اب سارہ کیلئے کوئی چارہ نہ رہا، وہ اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں پہنچی۔

خالہ بجو نے ٹھیک ہی کہا تھا، ڈرائنگ روم کی چھت پر بھاری ہتھوڑے برس رہے تھے...... یوں لگتا بہت جلد چھت ٹوٹ کر سر پر آ پڑے گی۔

وہ سہم کر باہر نکل آئی۔

صارم گھر پر نہیں تھا۔ اس وقت رات کے آٹھ بج رہے تھے، صارم صبح کہہ کر گیا تھا کہ وہ آج رات بارہ بجے تک آئے گا، اس کے ڈرامے کی شوٹنگز چل رہی تھیں۔ یوں تو وہ سات آٹھ بجے تک اپنا کام پیک اپ کروادیا کرتا تھا لیکن آج مسئلہ یہ تھا کہ ایک آرٹسٹ بیرون ملک جارہا تھا اور اس کا کام بھی دو چار سین کا رہ گیا تھا لہٰذا صارم نے طے کیا کہ دیر تک شوٹنگ کر کے اس کا کام ختم کردے اور سکون کا سانس لے۔

صارم تو سکون کا سانس لینے کیلئے کام میں مصروف تھا لیکن ادھر سارہ کا سکون لٹ چکا تھا۔ ڈرائنگ روم کی چھت سے کچھ اس طرح کی آوازیں آرہی تھیں جیسے دس بارہ مزدور اس چھت کو توڑنے میں مصروف ہیں، بہت زوردار آوازیں تھیں یقیناً گھر سے باہر بھی سنائی دے رہی ہوں گی۔

اوپر کے بیڈروم کا دروازہ ابھی تک بند تھا، اس دروازے کو شاہ صاحب نے ہی بند کیا تھا، انہوں نے کہا تھا کہ وہ دونوں دروازے زینے اور بیڈروم کا خود آکر کھولیں گے لیکن اسرار کی وجہ سے زینے کا دروازہ دوسرے دن ہی کھل گیا تھا جبکہ اوپر کے بیڈروم کا دروازہ ہنوز بند تھا۔

سارہ اور صارم نے بھی اس طرف کوئی توجہ نہ دی، اوپر آنا جانا تقریباً متروک تھا، دروازہ کھلنے کے بعد سارہ نے زینہ اچھی طرح دھلوادیا تھا، تب کہیں جا کر بدبو ختم ہوئی تھی، زینے کے اوپر کا دروازہ بند تھا، اب سارہ اور خالہ بجو نے چھت پر جانا بھی چھوڑ دیا تھا، اس طرح اوپر کا بیڈروم شاہ صاحب کی آمد کے بعد سے مقفل ہی پڑا تھا۔

اسرار اور بابا کمبل کے ایک گدھ پکڑ کر لے جانے کے بعد سے گھر میں سکون تھا لیکن اب یہ نئی افتاد شروع ہوگئی تھی، اس شری مخلوق نے شاید طے کرلیا تھا کہ اس گھر کے مکینوں کو طویل عرصے تک چین نہیں لینے دے گی۔

سارہ نے ڈرائنگ روم کا دروازہ بند کردیا تھا اور وہ دونوں لاؤنج میں ایک طرف پڑی ڈائننگ ٹیبل کی کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھی تھیں، دونوں کے چہرے فکرمند تھے۔

سارہ سوچ رہی تھی کہ صارم کو اس نئی واردات کی اطلاع دے یا نہ دے، ویسے وہ چاہتی نہیں تھی کہ صارم کو ڈسٹرب کرے۔ صارم کا کام اس قسم کا تھا کہ اس میں یکسوئی کی شدت سے ضرورت تھی، اسے اطلاع دے کر ذہنی طور پر منتشر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ کیا کرے.....؟ اتنے میں یکلخت آوازیں آنی بند ہوگئیں، ایک دم دور تک سناٹا چھا گیا۔

سارہ نے کچھ دیر اور انتظار کیا جب مکمل خاموشی چھائی رہی تو سارہ، خالہ بجو سے مخاطب ہو کر بولی۔

''خالہ بجو.....! کیا خیال ہے اوپر چلیں؟''

''اے بی بی.....! کیا ہوا ہے تمہیں؟'' خالہ بجو گھبرا کر بولی۔

''اوپر دیکھ کر تو آئیں، کہیں منحوسوں نے اوپر کی چھت نہ کھود ڈالی ہو'' سارہ نے بڑے اطمینان سے کہا۔

''بی بی.....! صاحب بھی گھر پر نہیں ہیں، چپکی بیٹھی رہو'' خالہ بجو بولی۔

''اوئے خالہ بجو.....! میں خود کسی صاحب سے کم ہوں کیا؟'' سارہ نے گردن اکڑا کر کہا۔

''جانتی ہوں بی بی.....! بہت بہادر ہو..... سارہ بی بی! میں تمہارے حوصلے سے ہی تو حوصلہ پاتی ہوں ورنہ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو میں کب کی یہ گھر چھوڑ چکی ہوتی'' خالہ بجو نے حقیقت بیان کی۔

''دیکھو خالہ بجو.....! آج تم مجھ سے ایک وعدہ کرو، مجھے اکیلا چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گی..... اوپر بھی نہیں۔''

''بی بی! چھت پر.....!'' خالہ بجو نے ہنس کر پوچھا۔

''نہیں.....! بہت اوپر..... آسمان پر۔'' سارہ نے جواب دیا۔

''لو بھلی چلائی..... اب تم مجھے مرنے بھی نہ دوگی۔'' خالہ بجو بولی۔

''ہرگز نہیں۔'' سارہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ''ویسے خالہ ایک بات بتاؤ، تمہیں مرنے سے ڈر تو نہیں لگتا؟''

''اے..... میں کیوں ڈروں گی..... میں نے کیا کیا ہے؟'' خالہ بجو نے کچھ اس انداز میں یہ بات کہی کہ سارہ ہنسے بغیر نہ رہ سکی۔

''خالہ بجو.....! تم بھی اچھی خاصی لطیفہ ہو..... اس کا مطلب ہے کہ جو کچھ کرتے ہیں، وہ اوپر جانے سے ڈرتے ہیں؟'' سارہ نے پوچھا۔

''تو اور کیا۔'' خالہ بجو نے بلاتردد کہا۔ ''دنیا کا کالا منہ اللہ کے سامنے کس طرح لے کر جائیں گے۔''

''اچھا خالہ.....! پھر تم اپنا سفید منہ لے کر ذرا اوپر تو چلو۔'' سارہ ہنس کر بولی۔

''ہاں بی بی! چلو..... تمہارے ساتھ تو میں کہیں بھی جانے کیلئے تیار ہوں'' وہ اپنائیت سے بولی۔

''خالہ.....! پھر مجھ سے آج ایک وعدہ کرو..... تم مجھے چھوڑ کر کبھی نہیں جاؤ گی۔''

''اچھا بی بی.....! وعدہ..... پکا وعدہ..... میں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی، اوپر والے نے بلایا تو وہاں جانے سے بھی انکار کردوں گی..... اب تو خوش.....؟'' خالہ نے کہا۔

''ہاں..... خالہ! یہ ہوئی نہ بات مردوں والی۔'' سارہ نے اسے انگوٹھا دکھایا۔

''بی بی.....! مردوں والی نہیں عورتوں والی..... مرد کب اپنا وعدہ نبھاتے ہیں۔'' خالہ نے نئی منطق بگھاری۔

''ہاں..... خالہ بات تو تم بڑے پتے کی کہہ رہی ہو'' سارہ نے خوش ہو کر کہا۔ ''آؤ..... عورتوں والی۔''

پھر سارہ نے اوپر کے کمرے کی چابی نکالی اور وہ دونوں زینے کی سیڑھیاں چڑھنے لگیں۔

ابھی انہوں نے پانچویں سیڑھی پر قدم رکھا ہی تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔

''خالہ.....! ایک منٹ رکو..... کسی کا فون ہے۔'' سارہ نے گھنٹی کی آواز سن کر کہا۔ پھر وہ سیڑھیاں

اتر کر بیڈروم کی طرف بھاگی، اتنی دیر میں چار پانچ گھنٹیاں بج چکی تھیں، سارہ نے سی ایل آئی پر صارم کا موبائل نمبر دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔

''جی صارم صاحب......!'' سارہ نے جلدی سے ریسیور اٹھا کر کہا۔

''کہاں تھیں......؟ اتنی دیر سے بیل ہو رہی ہے۔''

''اوپر جا رہی تھی......سیڑھیوں سے واپس آئی ہوں۔''

''اس وقت اوپر جا رہی تھیں......خیریت تو ہے؟''

''صارم! پتہ نہیں تم نے کس قسم کا گھر لے لیا ہے، یہاں خیریت کہاں؟''

''کیوں کیا ہوا......؟''

''ڈرائنگ روم کی چھت پر ہتھوڑے چلنے کی آوازیں آنی شروع ہوگئی تھیں، دھاڑ دھاڑ......ایسا لگ رہا تھا جیسے بہت سارے مزدور چھت توڑنے پر لگے ہوں......میں تو دہل کر رہ گئی۔''

''بے وقوف لڑکی! مجھے کیوں نہیں فون کیا۔''

''عقلمند آدمی......! اس بے وقوف لڑکی نے تمہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا۔''

''یہ مزید حماقت ہے۔'' صارم نے سنجیدگی سے کہا۔

''بس صارم......! میں سوچتی رہی کیا کروں......؟ اتنے میں آوازیں آنی بند ہوگئیں۔''

''چلو شکر ہے......لیکن تم اوپر کیا کرنے جا رہی تھیں؟'' صارم نے پوچھا۔

''دیکھنے جا رہی تھی کہ کہیں بیڈروم کا فرش تو نہیں کھود ڈالا۔'' سارہ نے جواب دیا۔

''اوئے خبردار......! اوپر ہرگز مت جانا جب تک میں نہ آجاؤں۔'' صارم نے تنبیہ کی۔

''تم کب آؤ گے؟'' سارہ نے پوچھا۔

''میں نے تمہیں یہ بتانے کیلئے ہی فون کیا تھا کہ میرا کام جلدی ختم ہو جائے گا......میں گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے میں گھر پہنچ جاؤں گا۔'' وہ بولا۔

''چلو......یہ اچھا ہے......تم جلدی آ رہے ہو......مجھے بھوک بھی لگنا شروع ہوگئی تھی۔''

''تو تم کھانا کھا لو۔'' صارم نے خوشی سے اجازت دی۔

''کھانا کھا لوں......؟ تمہارے بغیر......ظالم انسان!'' سارہ نے شکوہ کیا۔

''اچھا......چلو......کچھ تھوڑا بہت کھا لو تب تک میں پہنچتا ہوں۔''

''وہ تو خیر سے میں نے چار روٹیاں کھا لی ہیں۔'' سارہ نے ہنس کر کہا۔

''چلو تم نے آدھا کھانا تو کھا لیا......اب آدھا میرے ساتھ کھا لینا۔'' صارم شرارت سے بولا۔

''ٹھیک ہے تمہاری جیسی مرضی۔'' سارہ نے بڑی معصومیت سے کہا۔

''کیا بات ہے تیری فرمانبرداری کی......آکر بتاتا ہوں تجھے۔''

''اوکے بائی!'' سارہ نے مسکراتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

پھر وہ بیڈروم سے باہر نکلی تو خالہ جو اسے زینے والے دروازے کے پاس کھڑی نظر آئی۔

''خالہ......! اوپر جانا کینسل......صارم آ رہے ہیں۔'' سارہ نے اعلان کیا۔

''اے۔ اچھا ہوا بی بی!'' خالہ جو نے اطمینان کا سانس لیا اور پھر کچن کا رخ کیا۔

☆......☆......☆

بابا کمبل کے دروازے پر ایک کار رکی، ڈرائیور نے اتر کر گھر کا دروازہ بجایا۔

کچھ دیر کے بعد اسرار نے دروازہ کھولا۔

''بیگم صاحبہ آئی ہیں بابا جی سے ملنے۔'' ڈرائیور نے اسرار سے کہا۔

''ہاں......بلاؤ۔'' اسرار نے کار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ڈرائیور نے واپس جا کر گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا، ایک چالیس پینتالیس سالہ لش پش کرتی عورت گاڑی سے نکلی اور سن گلاسز پیشانی کے اوپر چڑھا کر بڑی نخوت سے بولی۔ ''تم گاڑی میں بیٹھو۔''

پھر وہ دروازے کی طرف بڑھی، اس نے ایک نظر اسرار کو دیکھا اور پوچھا۔ ''بابا کہاں ہیں؟''

''آپ آجائیں اندر......وہ کمرے میں ہیں۔'' اسرار ناصر نے بتایا۔

وہ عورت گھر میں داخل ہوئی، اسرار نے دروازے سے باہر جھانک کر ڈرائیور کو دیکھا اور پھر دروازہ بند کر کے کنڈی چڑھا دی۔ جب وہ واپس پلٹا تو وہ عورت بابا والے کمرے میں داخل ہو چکی تھی۔

بابا کمبل آسن جمائے تخت پر بیٹھا تھا، اس نے اپنی زرد وحشت ناک آنکھوں سے اس عورت کو دیکھا اور ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، اتنے میں اسرار بھی اندر آ گیا۔

اس عورت نے اسرار کو دیکھ کر بابا کی طرف رخ کیا۔ ''بابا جی......! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔''

''ہاں بیگم صاحبہ کرو......ضرور کرو......اسرار ذرا تم ادھر چلو۔'' بابا کمبل نے اس عورت کا مطلب سمجھ کر کہا۔

اسرار الٹے قدموں کمرے سے نکل گیا اور برابر والے کمرے میں جا بیٹھا۔

''ہاں......بابا جی! بتائیں آپ نے کیا کیا؟'' اس عورت نے پوچھا۔

''بیگم صاحبہ......! اب تم فکر ہی نہ کرو، میرے ہاتھ ایسی نایاب اور قیمتی چیز لگی ہے کہ اس کا وار تو خالی جاتا ہی نہیں اور نہ اس کا کوئی توڑ ہے، اب تم حکم فرماؤ کیا کرنا ہے؟''

''ارے کرنا کیا ہے......نیست و نابود کرنا ہے، اس نے میرا گھر اجاڑا ہے، میں اسے زندہ نہیں دیکھنا چاہتی۔'' عورت نے بڑی سفاکی سے کہا۔

''بیگم صاحبہ......! جیسا چاہتی ہو، ویسا ہی ہوگا اور گارنٹی کے ساتھ ہوگا، تمہاری سوکن تین دن میں

اڑ جائے گی، اگر نہ اڑے تو ہمارے گلے پر آ کر چھری پھیر دینا۔'' بابا کمبل نے اسے یقین دلایا۔

''بس بابا......! پھر اسے اڑا دو اور مجھے بتاؤ آپ کی کیا خدمت کروں؟'' عورت نے بابا کی طرف دیکھا۔

''بیگم صاحبہ......! بابا کمبل جو کہتا ہے، وہ کرتا ہے، تمہارا کام ضرور ہو جائے گا لیکن......!'' وہ جان بوجھ کر رک گیا۔

''لیکن کیا بابا......! جلدی بتائیں۔'' عورت بے چین ہو گئی۔ اس کا مقصد اسے بے چین کرنا ہی تھا۔

''یہ کام دس بیس ہزار والا نہیں۔'' بابا نے بات شروع کی۔

''بابا جی......! میں پچاس ہزار دینے کو تیار ہوں......بس وہ کمینی چل بسے۔'' عورت بڑے جوش سے بولی۔

''چل بسے گی......ضرور چل بسے گی......اس کام میں بڑی نایاب چیز استعمال ہوگی......آپ کو اسی ہزار دینا ہوں گے۔''

''بابا جی......! دے دوں گی لیکن کام کے بعد......دس ہزار ابھی لے لیں باقی کام کے بعد۔'' عورت نے کہا۔

''بھروسے والی ہو......دھوکا تو نہ دو گی؟'' بابا کمبل نے تصدیق چاہی۔

''بھروسے والی ہوں۔'' اس عورت نے پورے اعتماد سے کہا۔ ''دھوکا نہ دوں گی۔''

''خیر......! اگر تم نے دھوکا کیا تو تمہارا حشر بھی ویسا ہی ہوگا جیسا تمہاری سوکن کا ہونے والا ہے، بس بابا کمبل کے غصے سے بچنا۔'' بابا کمبل نے اسے ڈرایا۔

''آپ فکر نہ کریں بابا جی......!'' یہ کہہ کر اس عورت نے اپنا بیگ کھولا اور ہزار ہزار کے دس نوٹ گن کر بابا کمبل کی طرف بڑھائے۔

''اسرار......!'' بابا کمبل نے زور سے آواز لگائی۔

اسرار آواز سن کر بہت تیزی سے اندر آیا۔ ''جی بابا......؟''

''اسرار......! بیگم صاحبہ سے یہ پیسے پکڑ لو۔'' بابا کمبل نے حکم دیا۔

اسرار نے اس عورت سے پیسے لے کر گنے۔ ''دس ہزار ہیں بابا!''

''ہاں۔'' بابا کمبل نے کہا......اور پھر تخت سے اتر کر بولا۔ ''بیگم صاحبہ......! آپ بیٹھو، میں دوسرے کمرے سے سامان لا کر دیتا ہوں......آؤ اسرار!''

اسرار حکم کے غلام کی طرح بابا کمبل کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

اس عورت نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔

دو منٹ کے بعد بابا کمبل کمرے میں واپس آیا، اس کے ہاتھ میں کاغذ کی ایک پڑیا تھی۔ پڑیا بالکل

اس انداز میں بندھی ہوئی تھی جیسے ہومیو ڈاکٹر دوا باندھ کر دیتے ہیں۔

''لو بیگم صاحبہ......! تم بھی کیا یاد کرو گی بابا کمبل کو......تمہیں ایسی چیز دے رہا ہوں کہ سوکن کا جنازہ اٹھے ہی اٹھے۔'' بابا کمبل نے اس پڑیا کو دکھاتے ہوئے کہا۔ ''اس پڑیا کو اپنی سوکن کی شلوار کے نیفے میں رکھنا ہے......کر لو گی یہ کام......؟''

''ہاں......بابا جی......! بہت آسانی سے......میری ایک پرانی ملازمہ اس کی خدمت پر مامور ہے، اسے دے دوں گی، وہ الماری میں رکھے کسی بھی جوڑے کی شلوار کے نیفے میں ڈال دے گی۔''

''بس......بس......پھر تو مسئلہ ہی حل۔'' بابا کمبل نے خوش ہو کر کہا۔ ''بیگم صاحبہ......! ایک بات کا خیال رکھنا اس پڑیا کو کھول کر مت دیکھنا......نہ تم اور نہ تمہاری ملازمہ......! سمجھ گئیں میری بات......اگر ایسا کیا تو پڑیا کھولنے والے کو نقصان پہنچ جائے گا۔'' بابا کمبل نے پڑیا اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

''ٹھیک بابا جی......! آپ بے فکر رہیں۔'' اس نے اطمینان دلایا۔

''جیسے ہی تمہارا کام ہو جائے تو ہمیں موبائل پر اطلاع دے دینا۔''

''اچھا بابا جی......! اب میں چلوں۔'' اس عورت نے اجازت چاہی۔

''ہاں بیگم صاحبہ اب تم جاؤ، اب تم سے چوتھے دن ملاقات ہوگی۔'' بابا کمبل بولا۔

''ضرور......!'' وہ عورت اس پڑیا کو اپنے بیگ میں احتیاط سے رکھتے ہوئے بولی۔ ''میں چلتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے......اسرار......! بیگم صاحبہ کو دروازے تک چھوڑ کر آؤ۔'' بابا کمبل نے حکم دیا۔

بابا کمبل کے حکم پر اسرار ناصر اس عورت کے ساتھ دروازے تک آیا اور اس وقت تک دروازے پر کھڑا رہا جب تک گاڑی واپس نہ چلی گئی۔

وہ دروازہ بند کر کے اندر آیا تو بابا کمبل نے اسے دیکھ کر کہا۔ ''یہ دس ہزار تمہارے ہوئے......پورا سودا اسی ہزار میں طے ہوا ہے، یہ عورت بڑے زمیندار کی بیٹی اور بڑے بزنس مین کی بیوی ہے، پیسہ اس کیلئے کوئی مسئلہ نہیں، اگر ایک لاکھ بھی کہتا تو دے جاتی......یہ حسد ایسی ہی چیز ہے۔''

اسرار ناصر نے جو نوٹ بابا کو دینے کیلئے جیب سے نکالے تھے، وہ اس نے خوشی خوشی واپس جیب میں ڈال لئے......بابا کا شاگرد بننے کے بعد یہ پہلی آمدنی تھی، اس سے پہلے تو اس نے کسی کام میں دس ہزار ایک ساتھ حاصل نہیں کئے تھے۔

اس گدھ کی وجہ سے جو بابا نے صارم کے گھر سے پکڑا تھا، اسرار کی بڑی اہمیت ہو گئی تھی، اس نے اسرار کو باقاعدہ شاگرد بنا لیا تھا، شاگرد بننے سے پہلے بابا نے شرط رکھی تھی کہ اسے دن رات اسی گھر میں رہنا ہوگا۔ اسرار نے یہ شرط فوراً مان لی تھی۔

اس کے بعد بابا کمبل نے اس سے حلف لیا تھا کہ وہ جادو سیکھنے کے بعد کبھی اپنے استاد کے خلاف کوئی عمل نہیں کرے گا، استاد کا ہمیشہ فرمانبردار رہے گا، اس حلف کو اٹھانے کے بعد بابا نے کچھ عجیب

سے لفظ اسرار ناصر کی زبان سے کہلوائے تھے اور اسے ایک گلاس میں پیلا سا پانی پینے کو دیا تھا، اسرار نے وہ گلاس منہ سے لگایا تو اسے شدید بو محسوس ہوئی، وہ اس پانی کو آنکھیں بند کر کے پی گیا تھا...... جانے بابا کمبل نے اسے کیا گندگی پلادی تھی اور یہ ابتداء تھی...... جادو تو ہے ہی گندگی کا دوسرا نام......!

اس گدھ کی انہوں نے ایک ایک چیز الگ کر لی تھی۔ اس دن بابا کمبل بہت خوش تھا کہ جانے اس کے ہاتھ ایسی کیا نایاب چیز آ گئی ہے، انہوں نے پنجرہ عملیات کے کمرے میں رکھ کر دروازہ اندر سے بند کر لیا اور پھر گدھ کے دونوں پنجے ڈوری سے باندھ دیئے پھر اس کے پر اس طرح ملا کر باندھ دیئے کہ وہ اڑ نہ سکے...... لیکن یہ کام اتنا آسان نہ تھا، اس نے کئی بار ان کے ہاتھوں سے نکل کر اڑنے کی کوشش کی لیکن ان لوگوں نے اسے اپنے قابو میں کر کے ہی چھوڑا، جب بازو اور پیر بندھ گئے تو وہ اڑنے اور چلنے سے معذور ہو گیا، لیکن بابا جب بھی اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو وہ اپنی لمبی گردن موڑ کر منہ کھول کر انہیں زخمی کرنے کی کوشش کرتا۔

"اسرار......! ذرا وہ چھری اٹھاؤ۔" بالآخر بابا نے تنگ آ کر کہا۔ "اس کا جھٹکا کرنا پڑے گا۔"

اسرار نے لمبی اور تیز چھری بابا کمبل کے ہاتھ میں دے دی...... وہ گدھ فرش پر پڑا ہوا تھا، پیر اور بازو بندھے ہونے کے باوجود وہ اپنے جسم کو ادھر سے ادھر حرکت دے رہا تھا۔

بابا کمبل نے وار کرنے کے انداز میں چھری اٹھائی ہوئی تھی اور اس انتظار میں تھا کہ اس کی گردن ذرا بھی سیدھی ہو تو وہ چھری سے اس کی گردن اڑا دے۔

موقع ہاتھ آتے ہی بابا کمبل نے اس کی گردن پر وار کر دیا اور ایک ہی وار میں اس کی گردن کٹ کر دور جا گری، گردن اڑتے ہی بابا کمبل نے اسے اٹھا کر تسلے میں ڈال دیا اور دونوں نے مل کر اسے دبوچ لیا تا کہ وہ تسلے سے نکل کر باہر نہ جائے، کچھ دیر میں وہ تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا اور سارا خون تسلے میں جمع ہو گیا۔

بابا کمبل نے پھر بڑی پھرتی دکھائی، اس نے سارا خون ایک شیشے کے جار میں جمع کر لیا، پاؤں کاٹ کر الگ رکھے گئے، دل اور دیگر چیزیں الگ کی گئیں، پر ایک جگہ جمع کئے گئے غرض اس کی ایک ایک چیز الگ کر کے محفوظ کر لی گئی...... گویا یہ گدھ نہ تھا کوئی خزانہ تھا اور یہ خزانہ بابا کمبل کے ہاتھ آ گیا تھا، وہ اس پر جتنا ناز کرتا کم تھا۔

اور یہ خزانہ اسرار ناصر کی وساطت سے اس کے ہاتھ لگا تھا، اس لئے وہ بابا کمبل کی آنکھ کا تارہ ہو گیا تھا...... یہی وجہ تھی کہ اس گدھ کے ذریعے ہونے والی پہلی آمدنی کا کچھ حصہ اس نے اسرار ناصر کو بخش دیا تھا اور اسرار ناصر ان دس ہزار روپوں کو لے کر پھولا نہیں سمایا تھا۔

☆......☆......☆

سارہ، صارم اور خالہ بجو کھانا کھانے میں مصروف تھے۔

"صارم...... وہ اسرار کا کچھ پتہ چلا؟" سارہ نے اچانک کھانا کھاتے کھاتے پوچھا۔

"ہاں...... اس کا پتہ چل گیا ہے۔" صارم نے اطلاع بہم پہنچائی۔

"گھر آ گیا ہے؟" سارہ کو حیرت ہوئی۔

"نہیں گھر تو نہیں آیا...... ایک دن اس کا فون آیا تھا، اس نے مہ ناز کو بتایا کہ وہ خیریت سے ہے اور بابا کمبل کے ساتھ رہ رہا ہے، اس نے کہا کہ وہ کسی دن گھر کا چکر لگائے گا۔" صارم نے مزید بتایا۔

"مہ ناز نے پوچھا نہیں کہ اس نے ہم سے جھوٹ کیوں بولا؟" سارہ نے تلخی سے پوچھا۔

"اس نے پوچھا تھا، جواب میں اس نے کہا کہ ان میں سے ایک گدھ پکڑ لیا ہے، بابا کمبل چلہ کاٹ رہے ہیں، جلد ہی یہ شری مخلوق ہمارا گھر چھوڑ دے گی، اس موضوع پر اس نے زیادہ بات نہیں کی اور نہ ہی اس نے اپنا پتہ بتایا بس یہی کہتا رہا کہ وہ گھر آئے گا تو ساری بات تفصیل سے بتائے گا...... یہ فون اس نے کسی پی سی او سے کیا تھا۔"

"پی سی او کا ایڈریس معلوم کیا؟" سارہ نے پوچھا۔

"ہاں...... جبار نے معلوم کیا تھا...... نئی کراچی کا ہے۔" صارم نے بتایا۔

"پھر تو اس ایڈریس کے ذریعے اسرار تک پہنچا جا سکتا ہے۔" سارہ دور کی کوڑی لائی۔

"وہ کیسے......؟" صارم حیران ہوا۔

"وہ ایسے کہ اسرار نے اپنی رہائش کے آس پاس سے ہی فون کیا ہوگا، اس ایڈریس پر پہنچ کر بابا کمبل کا گھر معلوم کر لینا قطعاً مشکل نہ ہوگا کیونکہ بابا کمبل اس علاقے میں ضرور مشہور ہوگا۔" سارہ نے بڑے پتے کی بات کی۔

"واہ کیا بات ہے۔" صارم نے اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔ "بڑی زبردست عقل کی بات کی ہے، میرا خیال تھا کہ خوبصورتی اور عقل دو متضاد چیزیں ہیں...... دو تلواروں کی طرح جو ایک نیام میں نہیں رہ سکتیں، لیکن یہاں تو معاملہ الٹا ہو گیا ہے، ویسے ایک بات ہے اگر عورت خوبصورت ہونے کے ساتھ عقلمند بھی ہو تو دو دھاری تلوار بن جاتی ہے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ تم نے ننگی تلوار نہیں کہا۔" سارہ نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

"میں ننگی کیوں کہوں...... عورت تو جامے میں ہی اچھی لگتی ہے...... اب یہ اور بات ہے کہ عورت کو آج کل گرمی بہت لگنے لگی ہے، وہ لباس دن بدن کم کرتی جا رہی ہے۔"

"تم اپنی ڈرامہ سیریل میں عورتوں کو ڈھنگ کے لباس میں ہی رکھنا ورنہ تمہارا حشر نشر کر دوں گی۔" سارہ نے دھمکی دی۔

"ٹھیک ہے جناب......! میں ایسا کرتا ہوں اپنی سیریل کی ہیروئن کو برقع اڑھا دیتا ہوں، ٹوپی والا برقع...... ٹھیک ہے؟"

"بس اتر گئے پٹری سے...... چلو کھانا کھاؤ خاموشی سے...... بڑوں نے کہا ہے کہ کھانا کھاتے ہوئے بات نہیں کرنا چاہئے۔"

"اے اور کیا بی بی......! ورنہ کھانا سیدھا شیطان کے پیٹ میں جاتا ہے۔" خالہ بجو نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

خالہ بجو کو سنجیدہ دیکھ کر دونوں ہی ہنس پڑے۔

صارم کھانا کھا کر ہاتھ دھونے اٹھا تو سارہ کی نظر اچانک اس کی قمیض کے دامن پر گئی، وہ پریشان ہوگئی۔

"صارم......! ایک منٹ!" سارہ نے اسے جاتے ہوئے روکا۔

"ہاں......! بولو؟" صارم مسکرا کر اس کے سامنے آگیا۔

"یہ تمہاری قمیض پر کیا ہے؟" سارہ نے اس کے دامن کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے...... یہ تو میں نے دیکھا ہی نہیں۔" اس نے جلدی سے ٹشو باکس سے ٹشو نکال کر اپنے ہاتھ صاف کئے اور اپنی قمیص کے دامن کو اٹھا کر دیکھا۔

اس کے دامن پر زرد رنگ کے چھینٹے پڑے تھے۔

"سالن گرا ہے شاید......؟" صارم نے ایک سرسری نظر ڈال کر کہا۔

"ٹھہرو......! میں دیکھتی ہوں۔" سارہ جلدی سے اٹھ کر ہاتھ دھو کر آئی اور پھر تولیہ سے ہاتھ پونچھ کر اس نے قمیص کا دامن اپنے ہاتھ میں لیا۔

"یہ سالن نہیں ہے۔" سارہ نے بغور دیکھ کر کہا۔

"پھر اور کیا چیز ہوسکتی ہے؟" صارم نے ان چھینٹوں کو دیکھتے ہوئے خیال ظاہر کیا بولا۔ "کپڑے دھوتے ہوئے تو کسی اور کپڑے کا رنگ تو نہیں آگیا؟"

"صارم......! یہ کپڑے میں نے تمہیں دیئے ہیں، اس قمیص پر اس طرح کے کوئی چھینٹے نہ تھے۔"

"ہاں...... سارہ......! تم ٹھیک کہہ رہی ہو، اگر یہ چھینٹے پہلے سے ہوتے تو مجھے ضرور نظر آتے۔"

"صاحب جی......! میں کپڑے بہت احتیاط سے دھوتی ہوں، یہ کسی اور کپڑے کا رنگ نہیں، پھر سفید کپڑے میں ویسے بھی الگ دھوتی ہوں۔" خالہ بجو نے گفتگو میں مداخلت کی۔ وہ بھی ان زرد چھینٹوں کو دیکھ کر پریشان ہوگئی تھی۔

"صارم......! میں تمہیں دوسرے کپڑے دیتی ہوں، تبدیل کرلو۔" سارہ نے الماری سے دوسرا استری شدہ جوڑا اسے لاکر دے دیا۔

صارم نے کپڑے تبدیل کر لئے، سارہ اور خالہ بجو نے قمیص کے دامن کا اچھی طرح معائنہ کیا، خالہ بجو نے ان چھینٹوں کو سونگھ کر بھی دیکھا، کسی قسم کی کوئی بو نہ تھی، اچھی طرح تجزیئے اور معائنے کے بعد وہ دونوں یہ اندازہ لگانے میں ناکام رہیں کہ یہ چھینٹے کس چیز کے ہیں۔

"بی بی......! لاؤ ذرا دھو کر دیکھتی ہوں۔" خالہ بجو نے قمیص کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

سارہ نے قمیص اس کے حوالے کردی۔

خالہ بجو نے پہلے تو قمیص کے دامن کو صابن سے دھویا، لیکن وہ چھینٹے نہ اترے پھر اس نے واشنگ پاؤڈر ڈال کر اور رگڑ رگڑ کر دھویا پھر بھی کچھ فرق نہ پڑا۔

"بی بی...... یہ تو صاف نہیں ہو رہے۔" خالہ بجو نے واش روم سے باہر نکل کر کہا۔ "پاؤڈر ڈال کر بھی رگڑ لیا۔"

"خالہ بجو......! ان دھبوں کا تو رنگ ہی بدل گیا۔" سارہ نے قمیص کی طرف دیکھ کر کہا۔

"صارم......! دیکھو ذرا۔"

"ہاں...... زرد سے سرخی مائل ہوگئے ہیں۔" صارم نے بغور چھینٹوں کو دیکھا۔

"خالہ بجو......! ذرا بلیچ لگا کر دیکھو۔" سارہ نے کہا۔

خالہ بجو نے بلیچ لگا کر بھی دیکھ لیا، جب اس نے بلیچ دھو کر پانی نکالا تو قمیص کا دامن دیکھ کر اس کی جان ہی نکل گئی، وہ واش روم سے نکل کر باہر آئی اور قمیص کا دامن دکھاتے ہوئے بولی۔ "بی بی......! خون......"

"ہیں۔" سارہ قمیص کا دامن دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ واقعی وہ زرد رنگ کے چھینٹے ایک دم خون رنگ ہو چکے تھے۔ "اوہ، مائی گاڈ!" سارہ نے اپنا سر تھام لیا۔

"یار......! یہ کیا ہوا؟" صارم بھی حیران ہوا۔

"ابھی ڈرائنگ روم کی چھت توڑنے کی آوازوں کا مسئلہ حل نہیں ہوا تھا کہ یہ ایک اور چکر چل گیا۔" سارہ نے دکھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ارے سارہ......! پریشان کیوں ہوتی ہو...... ایک قمیص خراب ہوئی ہے، ہو جانے دو۔" صارم نے بڑی لاپروائی سے کہا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ "میں ابھی اوپر جا کر دیکھتا ہوں کہ وہاں کیا ہوا ہے۔"

"ارے چھوڑو صارم......! اوپر کا تالا بند ہے، بند ہی رہنے دو، اب تو آوازیں نہیں آرہیں نا۔" سارہ نے مشورہ دیا۔

"آوازیں تو نہیں آرہیں...... لیکن یہ تو معلوم ہو کہ اوپر ہوا کیا ہے؟" صارم نے کہا۔

"میرے خیال میں رات میں اوپر جانا مناسب نہیں...... کل صبح جا کر دیکھ لیں گے۔" سارہ بولی۔

"چلو ٹھیک ہے، تمہاری یہ بات سمجھ میں آتی ہے، اندھیرے میں کچھ نظر نہ آئے گا۔" صارم نے کہا۔

صبح اپنے پروڈکشن ہاؤس جانے سے پہلے صارم نے اوپر جانے کیلئے چابی مانگی۔

"میں بھی چلوں گی۔" سارہ نے اس کے ہاتھ پر چابی رکھتے ہوئے کہا۔

"ارے تم یہیں ٹھہرو...... میں ابھی دیکھ کر آتا ہوں۔" صارم نے اسے ٹالنا چاہا۔

"نہ صارم صاحب......! یہ نہیں ہوگا، تمہارے سنگ میں بھی چلوں گی۔" سارہ نے ہنس کر کہا۔

"آجاؤ بھئی...... تمہارا بس نہیں چلتا ورنہ میرے ساتھ دفتر بھی چلو۔" صارم نے اسے گھور کر دیکھا۔

’’دفتر جا کر میں کیا کروں گی، وہاں کون سی میری سوکن بیٹھی ہے۔‘‘ سارہ نے ناک چڑھا کر کہا۔

’’ہو بھی سکتی ہے۔‘‘ صارم نے ہنس کر کہا۔

’’صارم......! سوکن دیکھنے کیلئے مجھے دفتر جانے کی ضرورت نہیں، جس دن تمہاری زندگی میں کوئی دوسری آ جائے گی تو میں یہاں بیٹھے بیٹھے بتا دوں گی کہ صارم! اب تم صرف میرے نہیں رہے۔‘‘ سارہ نے بڑے یقین سے کہا۔

’’کیسے بتا دو گی......؟ یہ ناممکن ہے۔‘‘ صارم نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تبرح کی۔

’’صارم......! میں تمہارے ساتھ کب سے ہوں؟‘‘ سارہ نے سوال اٹھایا۔

’’بس یوں سمجھو کہ آدھی عمر قید میں نے بھگت لی......سات سال ہونے کو ہیں، چند دن باقی ہیں۔‘‘ صارم بولا۔

’’کسی کو جاننے کیلئے سات سال بہت ہوتے ہیں صارم......! میں تمہاری ایک ایک رگ سے واقف ہوں۔‘‘

’’یار......! رگ رگ سے واقف ہونا دیگر چیز ہے اور کسی دوسری عورت کا پتہ چلانا دوسری چیز...... اچھا چلو میں کہتا ہوں کہ میری زندگی میں کوئی اور بھی ہے...... بتاؤ میں سچ کہہ رہا ہوں یا جھوٹ......؟‘‘ صارم نے اسے امتحان میں ڈال دیا۔

’’ٹھیک ہے، ابھی بتاتی ہوں، میری طرف دیکھو۔‘‘ سارہ نے کہا۔

’’لو۔‘‘ صارم نے اس کی طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔

’’اوئے...... انسان بنو۔‘‘ سارہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ’’بے شک جتنی چاہے آنکھیں پھاڑ لو، تمہاری آنکھوں میں میرے سوا کوئی نہیں۔‘‘ اس نے فیصلہ سنایا۔

’’اللہ نہ کرے کہ میری آنکھوں میں تمہارے سوا کوئی اور ہو...... تم سارہ ایک نایاب چیز ہو، تم سا کوئی اور کہاں؟‘‘ صارم نے بہت سنجیدگی سے خلوص بھرے لہجے میں کہا۔

’’بہت ہی بے وقوف ہو...... ایک پر قناعت کر کے بیٹھ گئے۔‘‘ یہ کہتے ہوئے سارہ کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

’’کسی نے سچ کہا ہے کہ عورت اپنی دشمن آپ ہی ہوتی ہے۔‘‘ صارم نے ہنس کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ’’آؤ......! اوپر چلیں۔‘‘

’’خالہ بجو......! ہم اوپر جا رہے ہیں۔‘‘ سارہ نے زور سے کہا۔

’’اچھا بی بی۔‘‘ گھر کے کسی کونے سے آواز آئی۔

زینے کا اوپر کا دروازہ کھول کر وہ چھت پر پہنچے، چھت پر کوئی نہ تھا، سارہ چھت کا چکر لگا کر بیڈ روم کی طرف آئی، اس نے باہر کی کھڑکی سے اندر جھانکنے کی کوشش کی لیکن پردے پھیلے ہونے کی وجہ سے کچھ نظر نہ آیا۔

’’صارم بظاہر تو حالات ٹھیک نظر آ رہے ہیں، دروازہ کھولنا چاہئے یا نہیں؟‘‘ سارہ نے پوچھا۔

’’دروازہ ضرور کھولنا چاہئے...... بند رہنے سے خواہ مخواہ کسی کا قبضہ پکا ہو گا۔‘‘ صارم بولا۔

’’ہاں...... یہ بات تو صحیح ہے، چلو کھولو دروازہ......‘‘ سارہ نے کہا۔

صارم نے چابی تالے میں ڈال کر گھمائی اور پھر ہینڈل پر دباؤ ڈال کر دروازہ پورے زور سے کھول دیا، ایک لمحے کو دونوں کا دل دھک سے ہوا، جانے دروازہ کھولتے ہی کیا افتاد نازل ہو لیکن ایسا کچھ نہ ہوا، اندر مکمل طور پر امن قائم تھا البتہ شاہ صاحب کے آتے ہی جو شیشہ ٹوٹا تھا، اس کے کچھ ٹکڑے قالین پر پڑے ہوئے تھے، باقی کمرے میں کسی قسم کی توڑ پھوڑ کے کوئی آثار موجود نہ تھے۔

’’سارہ......! تم خالہ سے اس کمرے کی صفائی کروا لو، میں پھر چلتا ہوں۔‘‘ یہ کہہ کر وہ دروازے سے باہر نکلا۔ سارہ پردہ ہٹا کر پروین کے گھر کی طرف دیکھ رہی تھی، اس کی بات سن کر وہ بھی دروازے کی طرف بڑھی تا کہ اسے نیچے مین گیٹ تک رخصت کر آئے اور ساتھ ہی خالہ کو بلا لائے۔

صارم کے باہر نکلتے ہی دروازہ ٹھک سے بند ہو گیا، یوں محسوس ہوا جیسے ہوا کے تیز جھونکے سے دروازہ خود بخود بند ہو گیا ہو۔

صارم جاتے جاتے رک گیا، اندر سے سارہ کی دہشت زدہ سی آواز آئی۔ ’’صارم......!‘‘

صارم نے جلدی سے ہینڈل پر [illegible] دروازہ [illegible] لاک ہو چکا تھا، چابی ابھی لاک میں موجود تھی، اس نے چابی [illegible] لیکن [illegible] چابی نہ گھومی۔

اتنے میں سارہ کھڑکی کی طرف آ گئی، اس نے پردہ ہٹا کر شیشے کی کھڑکی کھولی اور صارم کو آواز دے کر بولی۔ ’’صارم...... کیا ہوا؟‘‘

’’پریشان مت ہو، دروازہ لاک ہو گیا ہے۔‘‘ صارم نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

’’تو پھر کھولو دروازہ...... چابی کہاں ہے؟‘‘ سارہ جلدی سے بولی۔

’’چابی تالے میں موجود ہے لیکن وہ گھوم نہیں رہی شاید تالا خراب ہو گیا ہے۔‘‘ صارم نے بتایا۔

’’ایسے کیسے ہو سکتا ہے، بالکل نیا تالا ہے۔‘‘ سارہ فکرمند ہو کر بولی۔ ’’صارم......! تم دفتر مت جانا، میں کمرے میں قید ہو گئی ہوں۔‘‘

’’ہاں...... سارہ! کیسی بات کرتی ہو...... میں تمہیں چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں، ویسے تم ٹھیک تو ہو؟‘‘

’’ہاں صارم......! میں ٹھیک ہوں۔‘‘ اس نے اندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

’’تم اندر کی کھڑکیوں کے پردے ہٹا دو اور ساری کھڑکیاں کھول دو۔‘‘

’’اچھا ٹھیک ہے...... صارم تم اس کھڑکی پر کھڑے رہو۔‘‘ یہ کہہ کر سارہ نے اندر جا کر جلدی جلدی پردے اور کھڑکیاں کھول دیں اور پھر دوڑ کر باہر والی کھڑکی کی طرف آ گئی۔

صارم نے تالے پر خاصی زور آزمائی کی، ہینڈل پر بھی دباؤ ڈالا لیکن دروازہ کھل کر نہ دیا۔

’’صارم......! کھلا دروازہ؟‘‘ سارہ نے پوچھا۔

"نہیں، کھل رہا...... تالا جام ہوگیا ہے۔" وہ بولا۔

"ہائے اب کیا ہوگا...... کیا میں کمرے میں قید ہوجاؤں گی؟" سارہ کی پریشانی جائز تھی۔

"نہیں سارہ...... تم بےفکر رہو، ابھی کوئی انتظام کرتا ہوں۔" صارم نے کہا۔

"فی الحال تو تم دروازے پر کھڑے ہوکر خالہ کو اوپر بلالو" سارہ بولی۔

صارم کی آواز سن کر خالہ سجو نیچے کی صفائی چھوڑ کر دوڑی آئی۔

"کیا ہوا صاحب جی......؟"

"کچھ نہیں خالہ سجو......! دروازہ بند ہوگیا ہے اور کمرے میں سارہ ہے۔" صارم نے بتایا۔

"ائے ہے۔" خالہ کی یہ سن کر سٹی گم ہوگئی۔

"خالہ سجو......! میں بالکل ٹھیک ہوں، ادھر آجاؤ۔" سارہ نے کھڑکی سے ہاتھ نکال کر کہا۔

"ائے...... سارہ بی بی......! یہ کیسے ہوا؟" خالہ سجو حیران پریشان تھی۔

"پتہ نہیں خالہ سجو!" سارہ نے کہا۔ پھر صارم سے مخاطب ہوکر بولی۔ "صارم......! ایسا کرو کسی تالے کھولنے والے کو لے آؤ...... جب تک خالہ سجو میرے پاس کھڑی رہیں گی، اگر خدانخواستہ کوئی مسئلہ ہوا تو پروین باجی کو بلوالوں گی۔"

"لیکن وہ کیسے آئیں گی...... وہ تو ڈرتی ہیں۔" صارم نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں...... یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو...... یہ بتاؤ تمہیں کتنی دیر لگے گی۔" سارہ کو یاد آگیا۔

"سارہ بی بی......! یہیں قریب ہی مارکیٹ میں تو بیٹھتا ہے ایک تالے چابی والا۔" خالہ سجو نے بتایا۔

"تم نے دیکھی ہے دکان......؟" سارہ نے جلدی سے پوچھا۔

"ہاں......! میں نے دیکھی ہے۔" خالہ سجو نے کہا۔

"پھر خالہ سجو...... ایسا کرو تم جلدی سے جاکر اسے لے آؤ، اس سے کہنا جو مانگو گے مل جائے گا۔" سارہ نے اسے ہدایت کی۔ "بس کسی طرح آکر تالا کھول دے۔"

"میں ابھی جاتی ہوں۔" خالہ سجو جلدی سے دوپٹہ سنبھالتی ہوئی کھٹا کھٹ سیڑھیاں اتر گئی۔

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی کہ تالا کھل کیوں نہیں رہا؟" سارہ کی الجھن برقرار تھی۔

"سارہ......! اس گھر میں ہونے والی اور کوئی بات سمجھ میں آرہی ہے، جو یہ سمجھ میں آئے گی؟" صارم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس گھر کو خرید کر گویا ہم نے عذاب مول لے لیا۔" سارہ کے لبوں پر شکوہ آیا۔

"سارہ......! یہ بہت اچھا گھر ہے، اتنا سستا مل گیا، تم پریشان مت ہو، سب ٹھیک ہوجائے گا۔" صارم نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

"سب ٹھیک تو جب ہوگا، سو ہوگا فی الحال تو مجھے اس کمرے سے نکالو۔"

"ایسا لگ رہا ہے جیسے تم جیل میں ہو اور میں تم سے ملاقات کیلئے آیا ہوں...... ویسے سارہ تم نے اپنی سوکن کو قتل کر کے اچھا نہیں کیا...... سوکن تو جان سے گئی ہی تم بھی ہاتھ سے گئیں...... اب مجھے خواہ مخواہ دو شادیاں اکٹھا کرنی پڑیں گی۔" صارم نے اس کا ذہن بٹانے کیلئے مسخرہ پن کیا۔

"او...... شادی کے بچے......! اپنی بکواس بند کرو۔" سارہ نے جھنجھلا کر کہا۔

صارم، خالہ سجو کے آنے تک اسی طرح کی الٹی سیدھی باتیں کرتا رہا تاکہ سارہ کا دھیان بٹا رہے۔

وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ سچویشن خاصی گمبھیر قسم کی ہے، یہ سارہ ہی تھی جو جرأت کا مظاہرہ کر رہی تھی، اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتی تو رو رو کر ہلکان ہوجاتی۔

پندرہ بیس منٹ کے اندر خالہ سجو ایک بندے کو لے کر آگئی، وہ ایک ادھیڑ عمر کا شخص تھا، اس کے کندھے پر ایک بیگ لٹکا ہوا تھا۔

جب اس نے اوپر آکر "موقع" کا معائنہ کیا تو اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ ماجرا کیا ہے، کمرے میں ایک خوبصورت عورت بند تھی، اس کمرے کا دروازہ بند تھا جبکہ تالے میں چابی موجود تھی۔

"کیا ہوا صاحب......؟" تالے والے نے صارم سے پوچھا۔

"بھائی! ذرا دیکھو تالا نہیں کھل رہا۔" صارم نے اسے اس کے کام کی طرف متوجہ کیا۔

"یہ چابی اسی دروازے کی ہے؟" چابی بنانے والے نے پوچھا۔

"ہاں......!" صارم نے جواب دیا۔

پھر تالے والے نے اس چابی کو تالے میں گھمایا، چابی تھوڑا گھومتی لیکن تالا نہ کھلتا تب تالے والے نے اپنے بیگ سے چابیوں کا گچھا نکالا، ایک چابی منتخب کر کے تالے میں ڈالی لیکن تالا پھر بھی نہ کھلا پھر اس تالے والے نے چابی کو ریتی سے گھس کر بار بار تالے میں ڈال کر اسے گھما کر دیکھا لیکن تالا کسی طرح کھل کر نہ دیا، تب تالے والے نے کہا۔ "یہ تالا کھول کر نکالنا پڑے گا۔"

"تالا کھول کر نکال دو۔" صارم نے فوراً کہا۔

اس تالے والے نے اس تالے کو دروازے سے نکال دیا، اب دروازے میں صرف سوراخ رہ گیا۔

تالا نکلتے ہی صارم نے جلدی سے دروازے کو دھکا دیا لیکن دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا یوں محسوس ہوا جیسے اس دروازے میں اندر کی طرف کیلیں جڑ کر دروازہ بند کردیا گیا ہو۔

اس تالے والے کیلئے یہ صورتحال بڑی دل دہلانے والی تھی، دروازے میں اب کوئی رکاوٹ نہ تھی اس کے باوجود وہ نہیں کھل رہا تھا جبکہ صارم اور وہ خود دروازے کو کئی دھکے لگا چکا تھا، اندر سے سارہ نے بھی کھولنے کی کوشش کی تھی لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا۔

جب کوشش کے باوجود تالا نہیں کھلا تو تالے والے نے دروازے میں ہونے والے سوراخ سے اندر جھانک کر دیکھا پھر اس نے فوراً ہی گھبرا کر اپنی آنکھ ہٹائی، اس کا چہرہ یکایک پسینے سے تر ہوگیا تھا۔

اس نے جلدی جلدی اپنے اوزار سمیٹے اور ایسا بھاگا کہ پیچھے مڑ کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔

یہ ایک پریشان کرنے والی صورتحال تھی، تالے والا ڈر کر بھاگ گیا تھا، تالا نہ ہونے کے باوجود دروازہ اس طرح بند تھا جیسے اس میں نادیدہ تالا لگا ہو۔

سارہ کھڑکی سے چپکی کھڑی تھی، اس تالے والے نے اندر کیا دیکھا تھا، کسی کو معلوم نہ تھا، سارہ اندر موجود تھی لیکن اسے کمرے میں کچھ نظر نہ آیا تھا البتہ پریشانی اس کے چہرے سے ضرور عیاں تھی۔

صارم نے ایک بار پھر بھرپور طریقے سے دروازے میں دھکے مارے، لاتیں رسید کیں لیکن دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

''سارہ...... ! میں آتا ہوں۔'' صارم نے اچانک کوئی فیصلہ کیا۔

''کہاں جا رہے ہو صارم......؟'' سارہ گھبرا کر بولی۔

''کسی کارپینٹر کو پکڑ کر لاتا ہوں...... دروازہ کٹوانا پڑے گا۔'' صارم نے بتایا۔ پھر وہ خالہ بجو سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''خالہ بجو...... ! تم یہیں رہنا، سارہ کو اکیلا مت چھوڑنا۔''

''نہیں صاحب جی...... ! میں کسی قیمت پر سارہ بی بی کو اکیلا نہیں چھوڑوں گی، آپ جائیں۔'' خالہ بجو نے بڑے یقین سے کہا۔ اس کے لہجے میں بے پناہ اپنائیت تھی۔

صارم کے جانے کے بعد خالہ بجو، سارہ کے بالکل سامنے کھڑی ہو گئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''بی بی...... ! پریشان مت ہو...... کھل جائے گا دروازہ۔''

''خالہ بجو......!'' سارہ اچانک خوف زدہ ہو کر بولی۔

''کیا ہوا بی بی......!'' خالہ بجو نے پوچھا۔

''وہ...... وہ......!'' سارہ نے اشارہ کیا۔ ''اپنے پیچھے دیکھو۔''

خالہ بجو نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو پتھر کی ہو گئی۔

اور کیوں نہ ہوتی...... ؟ صورتحال ہی ایسی تھی۔

وہ کالا بھجنگ، زرد آنکھوں والا دیو نما شخص عین خالہ بجو کے پیچھے کھڑا تھا۔

خالہ بجو گھبرا کر سارہ کے قریب ہو گئی اور اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا پھر وہ گھبرا کر بے اختیار بولی۔

''ہائے بی بی! یہ تو...... یہ تو......؟''

''اے...... ! تم اس گھر میں کس کی اجازت سے آئے۔'' سارہ نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔'' غصے سے بولی۔

''بی بی...... ! ہم معافی چاہتے ہیں...... بلا اجازت اندر آ گئے لیکن نیچے کوئی تھا ہی نہیں، ہم کس سے اجازت لیتے۔'' وہ دیو بولا۔

''بیل کیوں نہیں بجائی؟'' سارہ کو بدستور غصہ تھا۔

''بیل بجانے کا دھیان نہیں رہا، گیٹ کھلا دیکھا تو اندر آ گئے، سوچا گھر میں جا کر کسی سے بات

کر لیں گے لیکن نیچے کوئی تھا ہی نہیں۔''

''اب یہاں کیا کرنے آئے ہو، تم نے پہلے ہی ہمیں خاصا نقصان پہنچا دیا ہے۔'' سارہ نے اسے جتایا۔

''ہم اسی نقصان کا مداوا کرنے آئے ہیں۔'' وہ بولا۔

''اسرار کہاں ہے......؟'' سارہ کو اچانک اسرار کا خیال آیا۔

''وہ نیچے بیٹھا ہے...... شرمندہ ہے اسی وجہ سے اوپر نہیں آیا، سامنا کرنے کی ہمت نہیں اس میں۔''

''اس نے ہمیں دھوکا دیا...... شاہ صاحب کا عمل تباہ کیا، اگر وہ عمل نہ ٹوٹتا تو ہمیں اس شری مخلوق سے کب کی نجات مل جاتی۔'' سارہ نے شکوہ کیا۔

''بی بی...... ! معاف کرنا یہ کمال شاہ کے بس کی بات نہیں، یہ شری مخلوق ہے، ہم جیسے شری لوگ ہی اس سے نجات دلوا سکتے ہیں۔'' بابا کمبل نے مسکرانے کی کوشش کی۔

بابا کمبل کو مسکراتا دیکھ کر سارہ کو مزید غصہ آ گیا۔ وہ بولی۔ ''پھر کھولو دروازہ؟''

''صارم صاحب کہاں ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ کارپینٹر کو لینے گئے ہیں۔'' سارہ نے بتایا۔ ''دروازہ کٹوانا ہے۔''

''بڑھئی کا باپ بھی آپ کو اس قید سے نجات نہیں دلا سکتا، وہ دروازہ ضرور کاٹ دے گا مگر باہر آپ پھر بھی نہ آ سکیں گی۔'' اس نے بڑے دعوے سے کہا۔

''اس بات کا کیا مطلب ہے؟'' سارہ نے الجھ کر پوچھا۔

''میں اس بات کا مطلب آپ کو ابھی بتاتا ہوں، بلکہ دکھاتا ہوں، میں دروازہ کھولتا ہوں، آپ اپنا ذرا دل مضبوط رکھنا، اگر کوئی چیز دکھائی دے تو ڈرنا مت...... ہمارے ہوتے ہوئے آپ کو کوئی نقصان نہیں ہو گا۔'' بابا کمبل نے اسے یقین دلایا لیکن ساتھ ہی خوف زدہ بھی کیا۔

''بی بی...... ! پتہ نہیں کیا ہو؟'' خالہ بجو نے آہستہ سے سارہ کے کان میں کہا۔ ''صاحب کو آ جانے دیں۔''

''اے مائی...... ! کچھ نہیں ہو گا، صارم صاحب کے آنے سے پہلے ہی انہیں اس مصیبت سے نجات مل جائے گی، تم ذرا ہٹو پیچھے۔'' خالہ بجو نے اگرچہ سرگوشی میں بات کی تھی لیکن بابا کمبل نے اس کی سرگوشی بھی سن لی تھی۔

خالہ بجو ذرا سا پیچھے ہٹ گئی، سارہ کوئی جواب نہ دے سکی۔

بابا کمبل نے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر کچھ نامانوس سے الفاظ تین بار بڑی کرخت آواز میں دہرائے اور ایک زوردار لات دروازے کو ماری، دروازہ تیزی سے کھلتا چلا گیا۔

''آئیں بی بی...... ! باہر آئیں۔'' بابا کمبل نے سارہ کو آواز دی۔

سارہ کھڑکی سے ہٹ کر دروازے کے سامنے آئی اور جیسے ہی وہ دروازے سے باہر نکلنے لگی تھی تو

ٹھک کر کے اس کا چہرہ کسی چیز سے ٹکرایا، اسے لگا دروازے میں موٹے شیشے کی دیوار موجود ہو، وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔

"اب سمجھ میں آئی میری بات...... اگر وہ بڑھئی دروازہ کاٹ کر الگ بھی کر دیتا پھر بھی آپ کو اس قید سے آزادی نہ ملتی، لیکن اب آپ پریشان نہ ہوں، میں آپ کو اس قید سے نجات دلاؤں گا اور آئندہ یہ شری مخلوق آپ کو کبھی قید نہیں کر سکے گی۔" بابا کمبل نے کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر کہا۔

"اب آپ کھڑکی کے ساتھ نیچے بیٹھ جائیں، اپنی آنکھوں کو اچھی طرح ڈھک لیں، چند لمحوں بعد آپ شیشہ ٹوٹنے اور زمین پر گرنے کی آوازیں سنیں گی، صرف آواز...... !شیشے کا ٹکرا کہیں دکھائی نہیں دے گا، شیشے کی دیوار ٹوٹتے ہی آپ فوراً کمرے سے نکل آنا...... ٹھیک ہے؟"

"ہاں...... ٹھیک ہے۔" سارہ نے کہا اور وہ فوراً قالین پر بیٹھ گئی، اس نے اپنا سر جھکا کر گھٹنوں میں دبا لیا اور اپنے بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ لئے۔

بابا کمبل دروازے کے باہر زمین پر آسن جما کر بیٹھ گیا پھر اس نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھا کر اپنے سر پر گھمانا شروع کیا۔ ساتھ ہی وہ زور زور سے نامانوس الفاظ بولتا جا رہا تھا۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ایک زوردار چھناکا ہوا، واقعی ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی شیشے کا دروازہ ٹوٹ کر گرا ہو، خالہ سجو ڈر کر پیچھے ہٹ گئی کہیں کوئی شیشے کا ٹکرا اس کے نہ لگ جائے۔

"آجائیں بی بی...... !" بابا کمبل نے بیٹھے بیٹھے کہا۔

اس سے پہلے کہ سارہ اٹھ کر کھڑی ہوتی اور باہر نکل کر آتی، دروازے سے سرخ پنجوں والا گدھ برآمد ہوا اور بابا کمبل نے اسے دیکھتے ہی اپنا سر جھکا کر ہاتھ اوپر رکھا، وہ گدھ اس کے ہاتھ کو زخمی کرتا ہوا فضا میں پرواز کر گیا۔

بابا کمبل کے زخمی ہاتھ سے خون ٹپکنے لگا، اس نے اپنے ہاتھ کی پشت پر اپنا منہ رکھ دیا اور ٹپکتے ہوئے خون کو چوسنے لگا۔

سارہ نے اس منظر کو دیکھا اور پھر وہ جلدی سے باہر نکل آئی، اس نے خالہ سجو کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے ساتھ لے کر زینے کی طرف بھاگی، وہ دونوں دھڑ ادھڑ اسیڑھیاں اترتی چلی گئیں۔

نیچے لاؤنج میں اسرار ناصر موجود تھا، وہ سیڑھیوں پر قدموں کی آوازیں سن کر دروازے کے نزدیک آ گیا، دروازے پر اسے خالہ سجو اور سارہ نظر آئیں۔

"سارہ بھابھی...... !کیا ہوا...... ؟خیر تو ہے۔" اسرار ناصر نے پوچھا۔

"اوپر جاؤ...... تمہارا بابا زخمی ہو گیا ہے۔" سارہ نے اسے اطلاع دی۔

"ہیں...... !بابا جی زخمی ہو گئے ہیں؟" یہ کہہ کر وہ جلدی جلدی سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر چلا گیا۔

اسرار ناصر کے اوپر جاتے ہی صارم گھر میں داخل ہوا...... سارہ کو کرسی پر بیٹھا دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ "کیسے کھلا دروازہ...... ؟" اس نے پوچھا۔

سارہ کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ جواب میں فوراً کیا کہے، اگر وہ بابا کمبل اور اسرار کا نام لیتی ہے تو صارم ایک دم بھڑک اُٹھے گا، غصے میں آ جائے گا، ہو سکتا ہے وہ اس کی پوری بات سنے بغیر ان دونوں پر چڑھ دوڑے لیکن وہ اس بات کو چھپا بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ دونوں اوپر تھے اور کسی بھی لمحے نیچے آ سکتے تھے، ویسے وہ چھپانا بھی نہیں چاہتی تھی، اس میں بھلا اس کا کیا قصور تھا، وہ اچانک ہی کھلے دروازے سے گھر میں آ گئے تھے اور ان کی یہ اچانک آمد سودمند ثابت ہوئی تھی، یہ بات کسی اور کے بس کی نہیں تھی، کارپینٹر محض دروازہ کاٹ سکتا تھا، اسے آزادی نہیں دلا سکتا تھا لیکن کارپینٹر ہے کہاں...... ؟اچانک سارہ کو خیال آیا۔

اسی وقت سارہ کی نظر صارم کے پیچھے گئی، ایک جوان شخص بڑا سا تھیلا لئے موجود تھا۔

"صارم...... !آپ انہیں تو فارغ کر دیں...... پھر میں آپ کو ساری بات بتاتی ہوں۔" سارہ نے بڑے سلجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"آؤ...... بھائی۔" صارم اس کارپینٹر کو اپنے ساتھ لے کر باہر نکل گیا اور اس نے اسے کچھ پیسے دے کر واپس روانہ کر دیا، پھر وہ مین گیٹ بند کر کے گھر میں تیزی سے داخل ہوا۔

سارہ لاؤنج سے اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں آ چکی تھی، اس نے صارم کو دیکھتے ہی آواز لگائی۔

"صارم...... !ادھر آ جائیں۔"

صارم بیڈ روم میں داخل ہوا تو سارہ بڑے اطمینان سے بیٹھی مسکرا رہی تھی، اس نے بیڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "آیئے...... تشریف رکھئے۔"

صارم اس کے پاس بیٹھتا ہوا بولا۔ "ہاں...... جلدی سے بتاؤ کیا ہوا؟"

"ایک بات بتاؤں...... ناراض تو نہیں ہو گے؟" سارہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا پھر اس کا جواب سنے بغیر ہی اس نے بولنا شروع کر دیا۔ "دیکھو ناراض نہیں ہونا، اس میں میرا کوئی قصور نہیں...... میری بات صبر و تحمل سے سن لینا۔"

"ہوا کیا آخر...... ؟ کچھ بتاؤ تو۔" صارم بے چین سے [illegible] وہ پریشان ہو گیا۔

"وہ...... وہ...... اسرار اور بابا کمبل اوپر ہیں۔" سارہ نے ڈرتے ڈرتے زبان کھولی۔

"ہیں، اوپر ہیں...... ؟" صارم یکدم غصے میں بپھر اٹھا۔ "ان منحوسوں نے میرے گھر میں داخل ہونے کی جرأت کیسے کی...... میں ابھی پوچھتا ہوں۔"

"ایک منٹ۔" صارم اٹھ کر باہر جانے لگا تو سارہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "اوپر جانے سے پہلے میری پوری بات سن لیں اور یہ جان لیں کہ بابا کمبل نے ہی مجھے اس قید سے رہائی دلائی ہے۔"

"وہ تو میں کارپینٹر کو لے آیا تھا، وہ دروازہ کاٹ دیتا، تم آزاد ہو جاتیں۔"

"میں پھر بھی آزاد نہ ہوتی۔" سارہ نے یقین سے کہا۔

"کیوں...... ؟" صارم نے پوچھا۔

"میں تمہیں ساری بات تفصیل سے بتاتی ہوں۔" سارہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

پھر اس نے پوری روداد سنا دی۔ ساری بات سن کر اس کا غصہ تو کم ہوا لیکن پوری طرح نہ اترا، اسے ان دونوں کا اس کی غیر موجودگی میں گھر میں بلا اجازت داخل ہونا پسند نہ آیا تھا، پھر وہ ابھی یہ بات بھی نہ بھولا تھا کہ اسرار اور بابا کمبل، شاہ صاحب کا عمل برباد کر گئے تھے۔

وہ بیڈ روم سے باہر نکلا تو اس نے خالہ سجو کو ڈرائنگ روم کی طرف سے آتے دیکھا۔ اس نے خالہ سجو سے مخاطب ہو کر کہا۔ "خالہ سجو......! دیکھو وہ دونوں اوپر کیا کر رہے ہیں...... انہیں اوپر سے بلا کر لاؤ۔"

"صاحب......! وہ دونوں تو چلے گئے۔" خالہ سجو نے انکشاف کیا۔

"چلے گئے...... کب......؟"

"ابھی گئے ہیں...... میں باہر کا گیٹ بند کر کے آ رہی ہوں۔"

"ارے...... تم نے بتایا بھی نہیں۔" سارہ نے کہا۔

"میں نے اسرار صاحب سے کہا بھی تھا کہ صاحب آ گئے ہیں، ان سے مل کر جائیں لیکن انہوں نے کہا کہ وہ شام کو اطمینان سے آئیں گے اور پھر ساری بات کریں گے۔" خالہ سجو نے بتایا۔ "سارہ بی بی......! بابا کمبل کے ہاتھ سے خون نکل رہا تھا اور شدید تکلیف تھی، اسرار صاحب کہہ رہے تھے کہ وہ بابا جی کو اسپتال لے کر جا رہے ہیں۔"

"اوہ......!" سارہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"میں اوپر دیکھ کر آتا ہوں۔" صارم نے زینے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

سارہ بھی اس کے ساتھ ہو لی۔ "چلو میں بھی چلوں۔"

وہ دونوں اوپر پہنچے، بیڈ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور دروازے کے نزدیک خون پڑا ہوا تھا، یہ خون بالکل کالا ہو چکا تھا۔

"یہ کس قسم کا خون ہے؟" سارہ نے سیاہ بوندوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس خبیث آدمی کے اندر سے اسی قسم کا خون نکل سکتا ہے۔" صارم بولا۔ "اسے دھلواؤ۔"

"جی......! دھلواتی ہوں۔" سارہ نے کہا۔

پھر وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے، کھڑکی کے پاس شیشے کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے، کمرہ بھی گندا ہو رہا تھا، سارہ نے خالہ سجو کو آواز دے کر اوپر بلایا اور پھر اس کے ساتھ کمرے کی صفائی ستھرائی میں لگ گئی۔ صارم نیچے آ کر فون پر بات کرنے لگا، اس نے اپنے پروڈکشن ہاؤس میں بات کی، اس نے اپنے منیجر کو ہدایات دیں اور بتایا کہ وہ آج دفتر نہیں آئے گا، کوئی کام ہو تو فون پر بات کر لے۔

☆......☆......☆

شام کو اسرار اپنے وعدے کے مطابق آ پہنچا، صارم نے خالہ سجو سے کہا کہ وہ اسے ڈرائنگ روم میں بٹھائے اور اسے انتظار کرنے کو کہے۔ صارم اسی وقت سو کر اٹھا تھا، وہ پورے اطمینان سے نہا دھو کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔

ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی جیسے ہی اس کی نظر اسرار ناصر پر پڑی تو وہ ایک لمحے کو چکرا کر رہ گیا...... یہ اسے کیا ہوا......؟ صارم نے سوچا۔

اسرار ناصر کی حالت ہی کچھ ایسی تھی کہ اچھا بھلا آدمی اسے دیکھ کر پریشان ہو جائے، وہ صوفے کے بجائے قالین پر بیٹھا تھا اور اس کے ہاتھ میں جوتا تھا۔

وہ صارم کو دیکھتے ہی ہاتھ بڑھا کر بولا۔ "صارم بھائی......! یہ میرا جوتا ہے۔" پھر سر جھکا کر مزید بولا۔ "اور یہ میرا سر ہے، آپ میرے سر پر جتنے جوتے مار سکتے ہیں، ماریئے۔"

"ارے...... یہ کیا بے وقوفی ہے۔" صارم کے اندر اس کی طرف سے جو تھوڑا بہت غصہ تھا، وہ فوراً نکل گیا۔

"صارم بھائی......! مجھے معاف کر دیں، میں نے بھابھی سے جھوٹ بولا، غلط بیانی سے کام لیا، میں دراصل مجبور تھا، بابا جی کا مجھ پر اس قدر دباؤ تھا کہ میں بتا نہیں سکتا، وہ مجھے یہاں آنے کیلئے فورس کر رہے تھے، ان کا کہنا تھا کہ یہ کام کمال شاہ جیسے شریف بندے کا نہیں، یہ شری مخلوق اس کے قابو میں ہرگز نہیں آئے گی، تو ہمیں لے چل ورنہ ان دونوں میاں، بیوی کو نقصان پہنچ جائے گا، میں بابا کے مجبور کرنے پر انہیں یہاں لے آیا، آج بھی وہ صبح سے بار بار کہہ رہے تھے، اسرار جلدی چل...... تیرے صارم بھائی کی بیوی خطرے میں ہے، میں یہ سوچ کر کہ کہیں واقعی بھابھی خطرے میں نہ ہوں، میں بابا کے ساتھ یہاں آ گیا، یہاں آ کر معلوم ہوا کہ بھابھی واقعی خطرے میں تھیں، بابا نے خود کو خطرے میں ڈال کر بھابھی کو باہر نکالا، شری مخلوق نے بابا پر حملہ کر کے انہیں زخمی کر دیا، ان کے ہاتھ میں اس قدر شدید تکلیف تھی کہ میں فوراً ہی اسپتال لے گیا، میں ابھی وہیں سے آ رہا ہوں۔" اسرار ناصر نے بہت سلیقے سے اپنی گفتگو کا اختتام کیا۔

"اچھا......! اسرار تم یہ جوتا اُدھر دروازے میں رکھو اور اطمینان سے اوپر صوفے پر بیٹھو۔" صارم اس کی گفتگو سے خاطر خواہ متاثر ہوا۔

"صارم بھائی......! آپ نے مجھے معاف کر دیا؟" اسرار ناصر بڑی معصوم صورت بنا کر بولا۔

"چلو...... ٹھیک ہے یار!" صارم نے نرم لہجے میں کہا۔ "اگر آج بابا نہ آتے تو سارہ ضرور مشکل میں پھنس جاتی۔"

"سارہ بھابھی کو مشکل سے نکالنے کے چکر میں بابا خود مشکل میں پھنس گئے، جانتے ہیں ان کے ساتھ کیا ہوا؟" اسرار نے اپنی گفتگو کو ڈرامائی رخ دیا۔

"ہاں...... تم نے بتایا تو ہے کہ ان کا ہاتھ زخمی ہو گیا تھا۔" صارم نے بے نیازی سے کہا۔

''ہاتھ زخمی ہو جاتا تو کوئی مسئلہ نہیں تھا، ہاتھ پر پٹی بندھ جاتی، ٹھیک ہو جاتا لیکن ہاتھ میں اس قدر شدید تکلیف تھی کہ بابا جیسا باہمت شخص تڑپ رہا تھا اور ان کا ہاتھ تیزی سے نیلا پڑتا جا رہا تھا اس لئے میں انہیں اسپتال لے کر بھاگا، اسپتال میں ڈاکٹر نے معائنہ کیا اور کہا کہ ہاتھ کہنی سے نہ کاٹا تو زہر پورے جسم میں پھیل جائے گا۔''

''پھر......؟'' صارم نے تھوڑا فکرمند ہو کر پوچھا۔

''بس پھر کیا...... کچھ سوچنے کا وقت ہی نہیں تھا، آناً فاناً آپریشن ہوا اور ان کا ہاتھ کہنی سے کاٹ دیا گیا۔'' اسرار نے انکشاف کیا۔

''اوہ...... مائی گاڈ!'' صارم یہ سن کر پریشان ہو گیا۔ ''یہ تو بہت برا ہوا۔''

''ہاں...... ہوا تو بہت برا لیکن بابا بڑے حوصلے والے آدمی ہیں، انہوں نے کہلوایا ہے کہ فکر اور پریشانی کی کوئی بات نہیں، میرا دایاں ہاتھ گیا ہے لیکن بایاں ہاتھ سلامت ہے، ویسے بھی میں سارے کام بائیں ہاتھ سے ہی کرتا ہوں، میرا ہاتھ کا زخم ذرا ٹھیک ہو جائے تو پھر میں سات رات کا ایک عمل کروں گا، اب میری اس شری مخلوق سے ٹھن گئی ہے، میں ان کا اس گھر میں داخلہ بند کر دوں گا، ہمیشہ کیلئے اس گھر کو باندھ دوں گا، یہ مخلوق پھر کبھی اس گھر میں داخل نہ ہو سکے گی۔'' اسرار نے تفصیل سے پیغام دیا۔

''بھئی اسرار......! ان کا میری طرف سے شکریہ ادا کرنا۔'' پھر کچھ سوچ کر بولا۔ ''چلو ایسا کرتے ہیں اسپتال چلتے ہیں، یار! ہماری وجہ سے ان کا ہاتھ گیا ہے، ہمیں انہیں دیکھنے جانا چاہئے۔''

''صارم بھائی......! جیسے آپ مناسب سمجھیں۔'' اسرار نے ممنون ہوتے ہوئے کہا۔ ''ویسے اگر آپ انہیں اسپتال دیکھنے چلیں تو وہ یقیناً آپ کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔''

''چلو ٹھیک ہے...... پھر چلتے ہیں، میں ذرا کپڑے تبدیل کر لوں۔'' صارم یہ کہتا ہوا ڈرائنگ روم سے نکل آیا۔ ''تم بیٹھو، میں پانچ منٹ میں آتا ہوں۔''

راستے بھر اسرار ناصر بابا کمبل کی تعریف کرتا گیا، اس نے صارم کو بتایا کہ وہ آپ کے گھر کے بارے میں بہت فکرمند ہیں، انہیں ڈر ہے کہ یہ شری مخلوق آپ لوگوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے، شکر ہے انہوں نے آج خود کو نقصان پہنچا کر بھابھی کو بچا لیا، وہ بتا رہے تھے کہ اس شری مخلوق نے بھابھی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور وہ انہیں شدید نقصان پہنچا کر پھر آپ کو اپنی گرفت میں لیتی، وہ تو بھلا ہو بابا کمبل کا انہوں نے اپنے علم سے یہاں ہونے والی کارروائی کا پتہ چلا لیا اور اس شری مخلوق سے ٹکر لینے کیلئے فوراً یہاں پہنچ گئے، بابا کا علم بڑا وسیع ہے، بڑے زبردست عامل ہیں، کئی موکل ان کے قبضے میں ہیں، وہ چٹکی بجاتے میں لوگوں کے کام کر دیتے ہیں، کسی سے ایک پیسہ نہیں لیتے، غریبوں کے بڑے ہمدرد ہیں، کسی پر ظلم ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتے، ان کے پاس عورتیں بہت آتی ہیں، عورتوں کی بہت عزت کرتے ہیں لیکن کسی کا ناجائز کام نہیں کرتے، کوئی ایسا عمل نہیں کرتے کہ ان کی ذات سے کسی کو

نقصان پہنچ جائے، اگر کسی نے جادو ٹونا کر دیا ہو تو اس کا اثر فوراً زائل کر دیتے ہیں، کسی پر سایہ ہو، کسی قسم کے کوئی اثرات ہوں، چند منٹ میں ختم کر دیتے ہیں، کوئی مشکل ایسی نہیں جس کا ان کے پاس حل نہ ہو، کسی کا کام کرنے کیلئے اگر کوئی چلہ کاٹنا ہو تو کاٹتے ہیں، ہر منگل کو پابندی سے قبرستان جاتے ہیں، وہاں پوری رات عمل میں مصروف رہتے ہیں، غرض وہ لوگوں کی بھلائی کیلئے ہر وقت مصروف عمل رہتے ہیں، ان کا کوئی نہیں، وہ تنہا ہیں، شادی اس لئے نہیں کی کہ ان کے پاس وقت نہیں پھر وہ کہتے ہیں کہ عامل کو شادی نہیں کرنی چاہئے، اس کی آدھی طاقت ختم ہو جاتی ہے، کمال شاہ صاحب کا ان کے بارے میں خیال ہے کہ وہ جادوگر ہیں، وہ جادوگر ہرگز نہیں ہیں، البتہ ایک اچھے عامل ضرور ہیں، بلا معاوضہ لوگوں کی خدمت کرتے ہیں، ان کے اچھے عمل دیکھ کر میں ان کا مرید ہوا ہوں، اب میں ان کے ساتھ ہی رہتا ہوں، ان کی خدمت کرتا ہوں اور ان سے عمل سیکھتا ہوں۔'' چند لمحے توقف کے بعد وہ پھر بولا۔ ''کمال شاہ صاحب بھی بہت زبردست بزرگ ہیں، لیکن اب وہ ضعیف ہو چکے ہیں، اب ان میں ہمت رہی ہے اور نہ طاقت...... شیطانی مخلوق سے ٹکرانے کیلئے بڑی ہمت اور طاقت کی ضرورت ہوتی ہے، انہوں نے آپ کے گھر آ کر بندش تو لگا دی مگر بقول بابا کمبل بندش لگانے کے بعد شاہ صاحب کو گھر پر ہی رہنا چاہئے تھا، اگر وہ گھر پر رہ کر عمل کرتے تو پھر اس شری مخلوق سے نجات لازمی تھی لیکن وہ بندش لگا کر چلے گئے، وہ یہ اندازہ نہ کر سکے کہ شری مخلوق کیا غدر مچائے گی، اگر دوسرے دن بابا مجھے زبردستی آپ کے گھر لے کر نہ پہنچتے تو یہ شری مخلوق پورا گھر الٹ دیتی، اس گھر کے مکینوں کی جانیں خطرے میں آ گئی تھیں، بابا نے اپنی حکمت عملی سے اس شری مخلوق کو کنٹرول کر لیا ورنہ جانے کیا ہو جاتا۔''

اسپتال پہنچنے تک اسرار ناصر نے اتنے طریقے اور سلیقے سے بابا کمبل کے بارے میں گفتگو کی کہ صارم متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا۔ اسے بابا کمبل کے کرتوتوں کا علم نہ تھا نہ ہی اسے کالے علم، جادو ٹونے کے بارے میں کچھ معلوم تھا۔

صارم ایک عام آدمی تھا، اگر کوئی عام آدمی دو آدمیوں کو اڑتا دیکھے تو ان دونوں میں سے اچھے برے آدمی کی پہچان نہ کر سکے گا کیونکہ اپنے علم کے زور پر دونوں آدمی اڑ سکتے ہیں، وہ بھی جس کا دوست اللہ ہو اور وہ بھی جس کا دوست شیطان ہو، فرق یہ ہے کہ شیطان کا دوست کافر ہو گا اور اللہ کا دوست مسلمان ہو گا، ولی اللہ ہو گا...... ایک اللہ کا ہاتھ تھامے ہو گا تو دوسرا شیطان کا ہاتھ پکڑے ہو گا، طاقت پرواز دونوں کے پاس ہو گی لیکن انجام دونوں کا مختلف ہو گا، ایک کو راحت بھری دائمی زندگی ملے گی جبکہ دوسرے کو جہنم کی آگ سدا جلائے گی۔

اللہ کے دوست کی پہچان یہ کہ جو نیکی کو نیکی جان کر کرے، نیکی کے معاوضے کی امید اللہ سے رکھے نہ کہ انسانوں سے...... اور شیطان کے دوست کی پہچان یہ کہ جو نیکی کا دشمن ہو اور کوئی کام بغیر لالچ کے نہ کرے، یہ ایک سادہ سا اصول ہے لیکن بہت کارآمد۔

بابا کمبل نے اسرار کے ساتھ صارم کو آتے دیکھا تو اس کی باچھیں کھل گئیں، اس نے دل ہی دل میں اسرار ناصر کو داد دی اور فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا، لگتا ہی نہیں تھا کہ آج اس کا آپریشن ہوا ہے اور آپریشن کے ذریعے اس کا ہاتھ کہنی سے کاٹ دیا گیا ہے، اس کے کٹے ہاتھ پر بینڈ تج تھا اور خون کا ایک ہلکا سا دھبہ دکھائی دے رہا تھا۔

بابا کمبل نے صارم کو بڑی عزت اور احترام دیا کیونکہ صارم جس خزانے کا مالک تھا، اس کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا تھا، اس کی نظر میں وہ سب کوئلہ تھا جبکہ بابا جانتا تھا کہ اگر طاقت کا یہ خزانہ اس کے ہاتھ آ گیا تو وہ اڑا اڑا پھرے گا۔

بابا کمبل نے اسرار کو کولڈ ڈرنک لینے کیلئے دوڑایا اور صارم کو اپنے نزدیک بنچ پر بٹھایا۔

''بابا صاحب......! مجھے بڑا افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ اپنے ہاتھ سے محروم ہو گئے۔''

''ارے...... آپ کی وجہ سے نہیں...... اس خبیث مخلوق کی وجہ سے...... اس نے آپ کی بیگم صاحبہ کو یرغمال بنا لیا تھا، لو بولو...... یہ بھی کوئی بات ہے، بھلا ہمیں کیا اس نے کمال شاہ سمجھا ہوا ہے، ارے وہ بھلا مانس ہے اور ہم بن مانس ہیں، اس شری مخلوق نے اب ہم سے ٹکر لے لی ہے، اب آپ فکر نہ کریں صارم صاحب......! ہمیں اپنے ہاتھ کی فکر نہیں، ہمیں آپ کی فکر ہے، ہم اس گھر سے اس مخلوق کو نکال کر رہیں گے، سات راتوں کا ایک وظیفہ کرنا ہوگا، ہم کریں گے، ضرور کریں گے، اس شری مخلوق کو باندھ کر چھوڑیں گے، اس نے ہمارا ہاتھ پکڑا ہے، ہم اس کے سردار کو پکڑیں گے، اپنا غلام بنائیں گے۔'' بابا کمبل بولے جا رہا تھا، اس کی کوشش تھی کہ صارم اسے خوشی خوشی اپنے گھر میں سات راتیں گزارنے کا موقع دے دے۔

اس نے صارم پر اپنا اعتماد بڑھانے کیلئے ایک اور حربہ استعمال کیا، وہ بولا۔ ''صارم صاحب......! آپ کا گھر ہر وقت ہماری نگاہوں میں رہتا ہے، اس وقت بھی ہماری نگاہوں میں ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور پھر بولتا گیا۔ ''آپ کی بیگم صاحبہ اس وقت چائے پی رہی ہیں، آپ کی ملازمہ ٹماٹر کاٹ رہی ہے، دونوں آمنے سامنے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی ہیں۔'' پھر اس نے آنکھیں کھول دیں اور صارم سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''آپ کو ہماری بات پر یقین نہیں آ رہا تو ابھی فون کر کے پوچھیں، گھر میں کیا ہو رہا ہے۔''

صارم کو بڑی حیرت ہوئی، اس کی بات سن کر اس نے سوچا بابا کے بیان کی تصدیق کرنا چاہئے جبکہ وہ خود بھی تصدیق پر زور دے رہا ہے۔

صارم نے اپنے موبائل سے گھر پر فون کیا اور سارہ سے پوچھا کہ وہ اس وقت کہاں بیٹھی تھی اور کیا کر رہی تھی۔ سارہ نے وہی کچھ بتایا جو بابا نے خالہ بجو اور سارہ کے بارے میں بتایا۔ صارم نے پھر یہ بتا کر کہ وہ کتنی دیر میں گھر پہنچے گا، فون بند کر دیا۔

''بابا......! آپ نے تو کمال کر دیا...... سارہ واقعی چائے پی رہی تھی اور خالہ بجو ٹماٹر کاٹ رہی

ہے۔'' صارم نے بڑے حیران ہو کر کہا۔ ''یہ آپ نے کیسے بتا دیا؟''

''بس جناب......! یہ اوپر والے کی دین ہے جس کو چاہے دے دے۔'' بابا کمبل نے بڑی بے نیازی سے کہا۔

اتنے میں اسرار ناصر کولڈ ڈرنک لے کر آ گیا...... تب اسے معلوم ہوا کہ وہ اس کیلئے کولڈ ڈرنک لینے گیا ہے، اگر اسے معلوم ہوتا تو وہ ہرگز اسے جانے نہ دیتا، بابا کمبل نے اشارے سے اسے بھیج دیا تھا، وہ کولڈ ڈرنک اسے پینا پڑی، آدھی کولڈ ڈرنک پینے کے بعد وہ اٹھ گیا۔

''اچھا بابا صاحب......! میں چلوں گا...... میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں۔'' صارم نے کہا۔

''آپ ہمیں دیکھنے اسپتال آ گئے یہی ہمارے لئے بہت ہے، ہم منگل کو آپ کے گھر آئیں گے اور سات راتیں آپ کے گھر پر گزاریں گے، ہم نے ٹھان لی ہے کہ اس مخلوق کو آپ کے گھر سے نکال کر رہیں گے۔'' بابا کمبل نے بڑی ہوشیاری سے اس کے گھر میں داخلے کی اجازت چاہی۔

''ٹھیک ہے بابا صاحب......! آپ آ جائیں، اس مخلوق سے میرا گھر پاک ہو جائے تو بہت اچھا ہو، مجھے خود سے زیادہ اپنی بیوی کی فکر ہے، وہ گھر میں اکیلی ہوتی ہے، اگرچہ ایک ملازمہ ساتھ رہتی ہے لیکن وہ دونوں بہرحال عورتیں ہی ہیں۔'' صارم نے کہا۔

''اب آپ بے فکر ہو جائیں...... میں منگل کی رات سیدھا قبرستان سے آپ کے گھر آؤں گا اور سات راتیں گزارنے کے بعد واپس قبرستان ہی جاؤں گا، یہ ایک خاص عمل ہے، اس میں خطرات اگرچہ بہت ہیں لیکن اب یہ خطرہ تو مول لینا ہی ہوگا، اس مخلوق نے میرا ایک ہاتھ لے لیا ہے، میں ان کی پوری فیملی کاٹ کر پھینک دوں گا، میں کمال شاہ تھوڑے ہی ہوں جو آستانے میں دبک کر بیٹھ جاؤں گا، ارے وہ بھلا مانس ہے اور ہم بن مانس ہیں۔'' بابا کمبل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے بابا صاحب......! آپ آئیں۔'' صارم نے بالآخر اجازت دے دی۔

''ہم اوپر رہیں گے چھت پر۔'' بابا کمبل نے بتایا۔

''آپ کے ساتھ یہ اسرار تو ہوں گے؟'' صارم نے اسرار ناصر کی طرف اشارہ کیا جو بڑے مؤدبانہ انداز میں ایک طرف ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

''ہاں...... ہاں......! یہ پراسرار ہمارے ساتھ ہوگا، ہم نے آج تک کسی کو شاگرد نہیں بنایا، یہ ہمارا پہلا اور آخری شاگرد ہے، بڑا لائق شاگرد ہے، دیکھنا یہ ہم سے بھی آگے جائے گا۔'' بابا کمبل نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔

''چلیں پھر بابا صاحب......! آپ سے منگل کی رات کو ملاقات ہوگی۔'' صارم نے کہا۔

''نہیں...... صارم صاحب......! ہماری آپ سے ملاقات نہیں ہوگی، یہ اسرار منگل کو دن میں آ کر چھت کا انتظام سنبھال لے گا، یہ آپ کو سب بتا دے گا کہ کیا کرنا ہے، کیسے کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' صارم، اسرار کے ساتھ آنے کا سن کر مطمئن ہو گیا...... وہ ڈر رہا تھا کہ یہ بابا کمبل

اگر اکیلا سات دن اس کے گھر میں رہا تو یہ سات دن کس طرح گزریں گے، اللہ معاف کرے بابا کمبل کی شکل ہی ایسی تھی کہ اچھا بھلا آدمی دیکھے تو کانپ کر رہ جائے، ویسے یہ اچھی بات تھی کہ اسے اپنی شکل وصورت کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہ تھی، وہ خود کو بن مانس کہتا تھا...... بجا کہتا تھا۔

بالآخر بابا کمبل اپنی گفتگو اور شعبدے بازی کے ذریعے یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ اس شری مخلوق سے نجات شاہ صاحب کے بس کی بات نہ تھی، اگر وہ مداخلت نہ کرتا تو جانے کیسی تباہی پھیل جاتی، شاہ صاحب ضعیف اور شریف آدمی ہیں جبکہ ان کے مقابل ایک شری مخلوق ہے، اس شری مخلوق سے نمٹنا کسی بھلے مانس کا کام نہیں، اس مخلوق سے تو کوئی طاقتور بن مانس ہی نمٹ سکتا تھا۔

صارم وارڈ سے جانے لگا تو بابا کمبل نے اسے اشارے سے روک لیا۔ ''ایک منٹ۔''

پھر اس نے اسرار کو اشارہ کیا کہ وہ بنچ پر رکھی ہوئی آدھی خالی کولڈ ڈرنک کی بوتل اٹھا کر اسے دے دے۔

اسرار نے وہ آدھی بوتل فوراً بابا کمبل کے ہاتھ میں دے دی۔ بابا کمبل نے جلدی جلدی کچھ پڑھا اور بوتل میں صرف ایک پھونک ماری اور صارم کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''یہ پانی پی لیں، شری مخلوق سے حفاظت کیلئے ہے۔''

صارم کو اگرچہ کولڈ ڈرنک سے کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن بابا کمبل کے کہنے پر اس نے بادل نخواستہ آدھا بچا ہوا مشروب پی لیا، کولڈ ڈرنک پیتا دیکھ کر بابا کمبل کے چہرے پر جانے کیوں اطمینان سا آ گیا اور کیوں نہ آتا کیونکہ یہ مشروب اس کی حفاظت کیلئے نہ تھا بلکہ اسے اپنا بنانے کیلئے تھا، وہ چاہتا تھا کہ صارم کے دل سے اس کی مخالفت نکل جائے۔

صارم کو اسرار ناصر گاڑی تک چھوڑنے آیا، اس نے صارم کو مزید اطمینان دلایا کہ بابا کمبل نے اس شری مخلوق کو گھر سے نکالنے کی حامی بھر لی ہے تو وہ اسے نکال کر ہی رہیں گے، مزید تفصیلات ان کے آنے سے ایک دن پہلے آکر بتائے گا۔

''تم ضرور ساتھ آنا'' صارم نے اس کی ساری بات سن کر کہا۔

''جی صارم بھائی...... میں بابا جی کے ساتھ آؤں گا، آپ بےفکر رہیں، آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔'' اسرار ناصر نے اس کا مطلب سمجھتے ہوئے اسے تسلی دی۔

''تم ابھی تک اپنے گھر بھی نہیں گئے ہو'' صارم نے اسے یاد دلایا۔ ''بھابھی تمہاری طرف سے فکرمند رہتی ہیں۔''

''میری فون پر بھابھی سے بات ہوتی رہتی ہے...... میں کسی دن گھر ہو آؤں گا، بات دراصل یہ ہے صارم بھائی کہ بابا جی نے بڑی مشکل سے مجھے اپنا شاگرد بنایا ہے، میں انہیں ناراض نہیں کرنا چاہتا، چوبیس گھنٹے ان کی خدمت میں حاضر رہنا چاہتا ہوں تبھی کچھ ہاتھ آئے گا، مجھے عملیات سیکھنے کا بہت شوق ہے اور بابا جی بڑے زبردست عامل ہیں۔''

''ہاں واقعی عامل تو وہ بڑے زبردست ہیں، انہوں نے بیٹھے بیٹھے بتا دیا کہ گھر پر سارہ اور خالہ جو کیا کر رہی ہیں، بھئی یہ تو بڑے کام کا عمل ہے، تم سیکھو اور جب تم سیکھ جاؤ تو مجھے بھی سکھانا۔'' صارم نے خوشدلی سے کہا۔

پھونک بھرے مشروب کے اثرات فوراً ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔

☆......☆......☆

آج اتوار تھا، آج صارم نے کہیں نہیں جانا تھا...... اگر آج اتوار نہ بھی ہوتا تو بھی صارم چھٹی کرتا، آج دن ہی ایسا تھا، آج صارم کی شادی کی ساتویں سالگرہ تھی۔

یہ دن صارم کی زندگی میں بہت اہم تھا، وہ اپنی شادی کی سالگرہ بڑے دھوم دھام سے مناتا تھا، گھر پر اپنے دوست احباب کو رات کے کھانے پر مدعو کرتا، سارہ کو کوئی زیور تحفے میں دیتا۔

یہ گھر دوسرے گھروں کے مقابلے میں نسبتاً بڑا تھا، لہٰذا سالگرہ کی تقریب گھر کے باہر لان میں رکھی گئی، سارہ اور صارم نے اپنے دوست احباب کو مدعو کر لیا تھا: یہ دوست احباب بہت منتخب اور محدود تعداد میں تھے، جبار ناصر اور کاس ماس تھری کے محسن نغمی اس فہرست میں سب سے اوپر تھے اور محسن نغمی جب تک محفل میں رہے، سب سے پوچھتے پھرے۔ ''کاں لکھا ہے؟''

صارم کا گھر اس وقت خوبصورت روشنیوں سے جگمگا رہا تھا، کچھ مہمان آ گئے تھے، کچھ آ رہے تھے، صارم اور سارہ گیٹ پر کھڑے اپنے مہمانوں سے مبارکباد اور پھول وصول کر رہے تھے، سارہ نے سلور کے خوبصورت کام والی کالی ساڑھی باندھی ہوئی تھی، اس کے جگمگاتے حسن کے سامنے روشنیاں بھی ماند پڑ رہی تھیں...... اس کے گلے میں بڑا ڈائمنڈ سیٹ لشکارے مار رہا تھا، یہ سیٹ صارم نے اسے تحفے میں دیا تھا، جبکہ سارہ نے اسے ایک گھڑی، ایک پرفیوم اور سوٹ تحفے میں عطا کیا تھا، صارم اس سفید سوٹ میں بڑا پرکشش دکھائی دے رہا تھا، سارہ کی دی ہوئی گھڑی اس کی کلائی پر خوب سج رہی تھی اور پرفیوم کی خوشبو لوگوں کا دل موہ رہی تھی۔

تقریباً سارے مہمان آ چکے تھے، بس سارہ کو اپنی ایک سہیلی کا انتظار تھا، اس کی پرانی کلاس فیلو شاہدہ...... سارہ کی بیسٹ فرینڈ...... اب تو خیر سے وہ شادی شدہ ہو چکی تھی، دو بچے بھی تھے، اس کا شوہر ڈاکٹر تھا۔

وہ دونوں گیٹ پر کھڑے شاہدہ کے منتظر تھے کہ ایک شاندار گاڑی سرسراتی ہوئی گیٹ کے سامنے رکی، گاڑی رکتے ہی ایک باوردی ڈرائیور بہت تیزی سے گاڑی سے نکلا اور بڑے ادب سے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا۔

پچھلے دروازے سے جو شخص باہر آیا، اسے دیکھ کر دونوں ہکا بکا رہ گئے، وہ ظفر مراد تھا، سارہ کا چھوٹا بھائی......!

''ارے...... یہ تو ظفری ہے۔'' سارہ اسے دیکھتے ہی آگے بڑھی۔

''ہاں سارہ......! یہ تو کمال ہو گیا۔'' وہ بھی سارہ کے ساتھ آگے بڑھا۔

ظفر بھی تیزی سے ان کی طرف بڑھا، اس نے دونوں کو شادی کی مبارکباد دی، صارم سے گلے ملا، اسے پھول پیش کئے پھر وہ سارہ کی طرف متوجہ ہوا۔

''میری باجی......!'' اس نے اپنے بازو پھیلائے۔

''میرے ظفری......!'' سارہ نے جلدی سے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا اور اپنے آنسو روک نہ سکی، بے اختیار رو پڑی، ظفر مراد کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔

''ارے باجی......! کیا کر رہی ہیں، روئیں نہیں، آپ کی آنکھوں کا میک اپ برباد ہو جائے گا۔'' ظفر نے اسے ہگ کر کے مسکراتے ہوئے کہا۔

''او...... یار......! یہ تو خوشی کے آنسو ہیں، ان سے میک اپ خراب نہیں ہوتا، ویسے بھی آج کل میک اپ واٹر پروف ہوتا ہے۔'' صارم نے ہنستے ہوئے کہا۔

پھر ظفر ایک دم گاڑی کی طرف واپس مڑا، ڈرائیور جو پیچھے کھڑا تھا، اس نے آگے ہاتھ بڑھا کر ظفر مراد کو ایک چھوٹا اور ایک بڑا پیکٹ دیا، ظفر نے وہ چھوٹا پیکٹ سارہ کے ہاتھ میں دیا۔

''باجی......! یہ آپ کا تحفہ۔'' ظفر مراد نے مسکرا کر کہا۔

''ارے...... ظفر تم آ گئے یہی تحفہ ہمارے لئے بہت تھا۔'' صارم پر خلوص لہجے میں بولا۔

''سن لیا سارہ باجی......! یہ صارم بھائی مجھے بطور تحفہ ہتھیانے کے چکر میں ہیں۔'' ظفر مراد نے شوشا چھوڑا۔

''نہیں بھئی نہیں...... میں ایسا بھول کر بھی نہیں کروں گا...... جانتا ہوں تمہاری بیوی فوراً میری ایف آئی آر کٹوا دے گی...... اغواء کے کیس میں۔'' صارم نے اسی انداز میں جواب دیا۔

''ارے ہاں ظفر......! زمرد کو کیوں نہیں لائے ساتھ۔'' سارہ کو اچانک اپنی بھابھی یاد آئی۔

''جی باجی......! لاؤں گا اسے کسی دن۔'' ظفر نے بات ٹالنے کیلئے کہا۔ ''اور صارم بھائی یہ آپ کا تحفہ۔'' ظفر نے بڑا پیکٹ اس کی طرف بڑھایا۔

''ارے یار......! ایک ہی تحفہ کافی تھا، سارہ کو دے تو دیا۔'' صارم نے کہا۔

''باجی کو تو میں نے میک اپ باکس دیا ہے کیا آپ......؟'' ظفر نے مسکرا کر جملہ ادھورا چھوڑا۔

ابھی صارم، ظفر کی بات کا کوئی شرارت بھرا جواب دینے کا سوچ ہی رہا تھا کہ شاہدہ اپنے شوہر اور بچوں سمیت آ گئی۔

پھر وہ سب ہنستے مسکراتے اندر آ گئے۔

''یار......! کیک کب کٹے گا، بھوک لگ رہی ہے۔'' جبار ناصر نے انہیں دیکھ کر شور مچایا۔

''سارہ......! چلو، جلدی کیک کاٹو ورنہ یہ کرائم رپورٹر ابھی پولیس بلا لے گا، اس کا پولیس سے بڑا یارانہ ہے۔'' صارم نے کہا تو سب نے مل کر ایک زبردست قہقہہ لگایا۔

سارہ اور صارم کیک کاٹنے کیلئے تیار ہوئے تو صارم کو اچانک کچھ خیال آیا۔ ''ایک منٹ۔''

سارہ نے اسے حیرت سے دیکھا، صارم سامنے بیٹھے ہوئے ظفر مراد کی طرف بڑھا، اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور ہاتھ پکڑے پکڑے سارہ کے پاس لے آیا، ظفر کو اپنے اور سارہ کے درمیان کھڑا کیا، چھری اس کے ہاتھ میں تھمائی پھر صارم اور سارہ نے ظفر کا ہاتھ پکڑا۔

تینوں نے کیک کے گرد جلتی سات موم بتیاں بجھائیں اور مبارک سلامت کے شور میں کیک کاٹا۔

کیک کاٹ کر تینوں نے ایک دوسرے کو کھلایا۔

''خواتین و حضرات......!'' اچانک ظفر مراد نے سب کو مخاطب کیا تو ذرا ہی دیر میں وہاں سناٹا چھا گیا۔

صارم اور سارہ نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا، دونوں اندازہ نہ کر سکے کہ وہ کیا اعلان کرنے والا ہے۔

''خواتین و حضرات......! مجھے کوئی لمبی چوڑی بات نہیں کرنی ہے بس اس خوشی کے موقع پر ایک چھوٹا سا اعلان کرنا چاہوں گا، ہم بہت جلد ایک ٹی وی چینل لانے والے ہیں، اس چینل کا نام سارہ ٹی وی ہوگا، اور اس کے ایم ڈی میرے بہنوئی صارم علی صاحب ہوں گے۔''

اس اعلان نے سارہ اور صارم دونوں کو ششدر کر دیا، وہاں موجود لوگ بھی چند لمحوں کیلئے خوشگوار حیرت میں آئے، اس کے بعد زبردست تالیوں کا شور اٹھا...... اس اعلان کے بعد ظفر مسکراتا ہوا اپنی نشست پر آ بیٹھا۔

آج کی تقریب کا جس خوبصورت انداز میں آغاز ہوا تھا، ویسے ہی خوبصورت انداز میں وہ اختتام پذیر ہوئی، آج اس تقریب کو یادگار بنانے کیلئے ظفر مراد نے کلیدی کردار ادا کیا، وہ بن بلائے آیا، سارہ کے نام سے ٹی وی چینل کا اعلان کیا اور اس چھوٹے سے پیکٹ میں اس نے سارہ کو جو تحفہ دیا، وہ دونوں کی سانس روکنے کیلئے کافی تھا۔

اس چھوٹے سے پیکٹ میں کروڑوں کا چیک تھا، اس چیک کے ساتھ ایک چھوٹا سا خط تھا، لکھا تھا۔

''سارہ باجی......! یہ کاروبار، جائداد اور اثاثوں میں سے آپ کا حصہ ہے، اسے قبول کر کے مجھے ممنون ہونے کا موقع دیجئے...... آپ کا ظفری......!''

کروڑوں کے اس چیک نے سارہ کو پھر رلا دیا، اسے اپنا باپ ٹوٹ کر یاد آیا...... جس سے کوئی توقع نہ تھی، اس نے توقع سے بڑھ کر دے دیا تھا اور جس سے توقع تھی، اس نے اپنے پیار سے بھی محروم کر دیا تھا۔

کاش......! ڈیڈی آپ نے ایسا نہ کیا ہوتا؟

سارہ نے پھر وہ بڑا پیکٹ کھولا جو ظفر نے صارم کو دیا تھا، اس میں ایک ہیرے لگی قیمتی گھڑی اور ایک پرفیوم نکلا، صارم نے دونوں چیزیں دیکھ کر بہت خوشی کا اظہار کیا۔

اس کے بعد سارہ نے دوسرے تحفے کھولے، سب نے اپنے اپنے حساب سے بڑے خوبصورت تحفے دیئے تھے، اس طرح تقریب سے فارغ ہوتے ہوتے دو بج گئے تب صارم نے اپنے بیڈروم کا رخ کیا۔

خالہ جو اور اس نے مل کر ادھر اُدھر بکھری چیزوں کو سمیٹا اور پھر وہ پانچ دس منٹ میں فارغ ہو کر اپنے کمرے میں داخل ہوئی، پلٹ کر اس نے دروازہ بند کیا اور مسکراتی ہوئی بیڈ کی طرف بڑھی، صارم بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بڑے اطمینان سے پاؤں پھیلائے نیم دراز تھا۔

سارہ اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گئی اور صارم کو یک ٹک دیکھنے لگی، صارم کو لگا جیسے وہ ابھی رونے والی ہے۔

”دیکھو بھئی...... اب رونے کی نہیں ہو رہی ہے۔“ صارم نے انگلی اٹھا کر اسے خبردار کیا۔

”نہیں...... میں نہیں روؤں گی، ہرگز نہیں روؤں گی، اب تو تم روؤ گے۔“ سارہ نے عجیب بات کہی۔

”میں کیوں روؤں گا...... مجھے کیا پاگل سمجھا ہے۔“ صارم نے مسکرا کر کہا۔

”سمجھا تو نہیں ہے لیکن ہو سکتا ہے چند لمحوں بعد تم پاگل ہو جاؤ۔“ سارہ نے پھر بات الجھائی۔

”سارہ...... ! فضول باتیں مت کرو، دیکھو آج کی تقریب کیسی شاندار، جاندار اور یادگار تھی، تمہارے نام کا ٹی وی چینل کھل گیا، تم کروڑوں کی مالک بن گئیں، اب تم اس یادگار رات کو پھولوں سے سجا دو۔“ صارم نے بے قرار ہو کر اس کا ہاتھ پکڑا۔

”ہاں! صارم...... ! میں یہی کرنے والی ہوں، میں اس رات کو مہکا دوں گی، تم میری بات تو سنو۔“ سارہ اس کے قریب آ گئی۔

”ہاں! سناؤ۔“ صارم نے بڑے پیار سے کہا۔ ”مجھے دیوانہ بناؤ۔“

اور جب سارہ نے اس کے قریب سرگوشی کی تو وہ بے ساختہ چیخ پڑا۔ ”نہیں۔“

”نہیں کیوں...... ؟ یہ بالکل سچ ہے صارم تم باپ بننے والے ہو۔“

”یا اللہ تیرا شکر ہے...... یا اللہ تیرا شکر ہے...... میرے مالک! آج تو نے مجھ پر اپنے کرم کی بارش کر دی، آج اکٹھی اتنی خوشیاں دے دیں میرے مالک...... ! کہیں میں خوشی سے مر نہ جاؤں۔“ صارم کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔

اسے روتا دیکھ کر سارہ بھی اپنے آنسو روک نہ سکی، وہ دونوں گلے لگ کر بہت دیر تک روتے رہے۔ یہ خوشی ایسی تھی کہ اس پر جتنے آنسو بہائے جاتے کم تھے۔

یہ آنسو خالق کائنات کے حضور بہترین نذرانہ تھا۔

جب کچھ آنسو تھمے، دل کچھ قابو میں آیا تو صارم نے سارہ کے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا۔

”سارہ...... ! یہ خوشی کی خبر کب کنفرم ہوئی؟“

”کل...... ! میں دو دن پہلے پروین باجی کے ساتھ کلینک گئی تھی، ڈاکٹر نے ٹیسٹ لکھا تا کہ کسی قسم کا شبہ نہ رہے، کل ٹیسٹ رپورٹ لے کر گئی تو ڈاکٹر نے اس خوشخبری کو پکا کر دیا...... صارم! میرا جی چاہا کہ تمہیں فون پر ہی یہ خوشخبری سنا دوں، بڑی مشکل سے خود کو روکا کیونکہ میں چاہتی تھی کہ تمہیں شادی کی سالگرہ پر یہ حسین تحفہ دوں۔“ سارہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”حیرت ہے کہ تم نے اتنی بڑی خبر کیسے ہضم کر لی۔“ وہ واقعی حیرت زدہ تھا۔

”صارم...... ! بڑی مشکل سے ہضم کی، کئی بار ایمان ڈگمگایا، جب بھی تمہاری شکل دیکھتی، صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا نظر آتا...... ہر بار میں صبر کے دامن کو سمیٹ لیتی، آج جب میں نے تمہیں تحفہ دیا تو یقین جانو بڑی مشکل سے خود کو روکا، یوں لگ رہا تھا جیسے بے اختیار زبان سے یہ خوشی کی خبر پھسل جائے گی، لیکن میں نے اپنی قوت ارادی کو مضبوط کیا، دل بے قرار کو سمجھایا، بس کچھ دیر اور ٹھہر۔“

”سارہ...... ! تم نے یہ انتہائی خوشی کی خبر نہ سنا کر نہایت بے وقوفی کا ثبوت دیا۔“ صارم کے لب پر شکوہ آیا۔

”ہائے...... صارم! تمہیں میری یہ بات بری لگی ہے؟“ سارہ نے چونک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

”تو اور کیا...... ؟“ صارم نے اس کی ناک پکڑ کر کھینچی۔ ”اگر مجھے کل پتہ چل جاتا تو آج میں سارا دن ناچا ناچا نہ پھرتا۔“

”تو اب ناچ لو۔“ سارہ نے اس کے بالوں کو مٹھی میں بھر کر ایک ادا سے کہا۔

”اب تو میں تجھے نچاؤں گا۔“ صارم نے ہنس کر کہا۔

”چلو ایسا کرتے ہیں دونوں ناچتے ہیں۔“ سارہ اسے ترچھی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

”اوئے...... خبردار جو ناچنے کا نام لیا...... بھئی اب تو بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔“ صارم کو جیسے کچھ خیال آ گیا، وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

اس کی سنجیدگی دیکھ کر سارہ کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ ”میرے بھولے بادشاہ...... ! اس طرح تو تم میری جان عذاب میں ڈال دو گے۔“

”اچھا...... یہ بتاؤ یہ خبر خالہ جو کو معلوم ہے؟“ صارم نے پوچھا۔

”نہیں...... ! صرف پروین باجی کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں، ان کو بھی میں نے قسم دی تھی کہ اور کسی کو بھی نہ بتائیں۔“ سارہ نے بتایا۔

”چلو...... پھر جاؤ خالہ جو کو بتا کر آؤ۔“ صارم نے کہا۔

”صبح بتا دوں گی...... اب وہ سو گئی ہوں گی۔“ سارہ بولی۔

”ابھی کہاں سوئی ہوں گی۔“ صارم نے کہا۔ ”اگر سو بھی گئی ہوں تو کوئی بات نہیں، انہیں اٹھا کر سناؤ۔“

”یا اللہ رحم...... !“ سارہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”میرے شوہر کو دیوانہ ہونے سے بچانا۔“

صارم ہنسنے لگا۔ جب وہ کمرے سے نکل گئی تو اس نے جبار ناصر کو اس کے موبائل پر فون کیا۔ ''بیٹے تم کہاں ہو؟''

''ابا......! میں بیڈ روم میں ہوں، کیا کچھ آگے کا حال بھی سناؤں؟'' جبار ناصر نے حسب معمول خوش مزاجی کا ثبوت دیا۔

''اوئے یار......! تو کیا حال سنائے گا، مجھ سے آگے کا حال سن۔'' صارم نے ہنس کر کہا۔

''کیا ہوا......؟ بھابھی نے تجھے کمرے سے باہر نکال دیا ہے کیا؟'' جبار نے مذاق کیا۔

''اپنی بکواس بند کرے گا تو کچھ بولوں گا نا۔'' صارم نے سنجیدگی سے کہا۔

''اچھا جلدی کر مجھے اب نیند آ رہی ہے۔'' جبار ناصر جماہی لیتے ہوئے بولا۔

''یار......! بڑی زبردست خبر ہے...... سارہ نے ابھی ابھی مجھے بتایا ہے کہ تو تایا ابو بننے والا ہے۔''

''ارے واہ......! زبردست۔'' جبار ناصر نے خوشی بھرے لہجے میں کہا۔ ''ٹھہر...... تیری بھابھی کو سناتا ہوں یہ خبر...... ارے او مہ ناز...... ارے سنو...... اپنا صارم باپ...... نہیں میں تایا ابو بننے والا ہوں اور تم تائی امی...... ہاں، ہاں...... فون جھپٹو مت...... میں دیتا ہوں تمہیں، لے بھئی صارم! اپنی بھابھی سے بات کر۔''

جبار ناصر بہت خوش تھا، مہ ناز بہت خوش تھی، اس خبر نے خالہ سجو کو بھی بہت متاثر کیا، اس نے آنسو بھری آنکھوں سے سارہ کی چٹاچٹ بلائیں لیں اور دعا دی۔ ''اللہ تمہیں نظر بد سے بچائے۔''

صارم کا عجب حال تھا، وہ بچے کی خبر سن کر خود بچہ بن گیا تھا، اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ اخبار میں پورے صفحے کا اشتہار لگوا دے، سنیما پر سلائیڈ چلوا دے، وہ کیا کرے، کیا نہ کرے، اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

بے شک یہ ایک بڑی خبر تھی، سات سال بعد بچے کی آمد کی خبر کسی بھی باپ کو پاگل کر دینے کیلئے کافی ہوتی ہے، سارہ کو یہ امید تو تھی کہ یہ خبر صارم کو بے حال کر دے گی، لیکن اسے یہ امید ہرگز نہ تھی کہ وہ دیوانہ ہو جائے گا، کیونکہ ان سات سالوں میں صارم نے بچے کے مسئلے پر کبھی جذباتی انداز اختیار نہیں کیا تھا، جبکہ سارہ اس مسئلے پر اکثر جذباتی ہو جاتی تھی، اسے بچے کی شدید خواہش تھی، لیکن اب جب یہ نوید مسرت آئی تو صارم حال سے بے حال ہو گیا جبکہ سارہ خوشی کے اظہار میں اعتدال میں رہی۔

سارہ جب بھی بچے کے مسئلے پر بے چین ہوتی اور وہ چاہتی کہ ٹونے ٹوٹکوں کا سہارا لیا جائے تو صارم ان چیزوں کی کبھی حوصلہ افزائی نہ کرتا۔ وہ کہتا۔ ''دیکھو سارہ......! ہم دونوں نے اپنا طبی معائنہ ایک جگہ نہیں کئی جگہ اور کئی بار کرا لیا ہے، ہم دونوں فٹ ہیں، اگر ہمیں خوشی نہیں مل رہی تو یہ سب اوپر والے کی طرف سے ہے، جب اس نے دینا ہوگا تو کوئی نہ روک سکے گا اور اگر اس نے ہماری قسمت میں نہیں لکھا تو پھر یہ ٹونے ٹوٹکے دھرے رہ جائیں گے، کوئی عامل، پیر کچھ نہ کر سکے گا، بس ہمیں دعا

کرنا چاہئے۔''

''صارم......! ایک بات بتاؤ...... دیکھو سچ بتانا۔''

''ہاں...... پوچھو...... سچ بتاؤں گا، تم جانتی ہو کہ مشکل سے ہی جھوٹ بولتا ہوں۔'' صارم نے کہا۔

''کیا تمہیں بچے کی خواہش نہیں؟'' سارہ نے پوچھا۔

''ہے لیکن میں عاملوں اور آستانوں کے چکر لگانے کیلئے تیار نہیں، مانگنا اس سے چاہئے جو کسی کا محتاج نہ ہو۔'' صارم یہ بات بڑے یقین اور پورے اطمینان سے کہتا۔ لیکن اس کی بات سن کر سارہ کو چین نہ آتا۔

سب جانتے ہیں کہ عورت اولاد کے معاملے میں کس قدر حساس ہوتی ہے، اوپر سے ساس، نندیں اس سلگتے معاملے کو ایسا شعلہ دکھاتی ہیں کہ بعض اوقات بے اولاد عورت وہ کچھ کرنے کو تیار ہو جاتی ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اس معاملے میں جعلی پیر، فقیر بہت خطرناک رول ادا کرتے ہیں، بعض اوقات یہ اولاد سے محروم عورت کو اس کی عزت سے بھی محروم کر دیتے ہیں۔

سارہ پر تو خیر سسرال کا کوئی دباؤ نہ تھا، اس کے سسر عازم علی ایک بے مثال آدمی تھے، وہ اس کی شادی کے بعد ایک سال زندہ رہے، اگر وہ آج بھی زندہ ہوتے اور اسے اولاد سے محروم دیکھتے تو سارہ کو امید تھی کہ وہ ہرگز ایسی کوئی بات نہ کرتے جس سے اس کا دل دکھتا، صارم کو اس مسئلے پر کسی قسم کی کوئی غیر معمولی پریشانی نہ تھی، اتنی پریشانی ضرور تھی کہ اگر ان دونوں میں سے کسی میں کوئی طبی نقص ہو تو اس کا علاج کرا لیا جائے، بار بار کے طبی معائنوں کے بعد بھی ان دونوں میں کوئی نقص نظر نہ آیا تو صارم مطمئن ہو کر بیٹھ گیا، لیکن سارہ کو اطمینان نہ تھا۔

اسے بچے کی شدید خواہش تھی، جب یہ لوگ ناظم آباد میں رہتے تھے تو سارہ روز ہی کہیں سے کوئی خبر لے آتی تھی، وہ بڑے پرامید لہجے میں اس خبر کو صارم کو سناتی۔ صارم! آج نعیمہ باجی آئی تھیں، وہ ایک پیر کا ذکر کر رہی تھیں، وہ ایسا تعویذ دیتے ہیں کہ بے اولاد عورت کو اولاد نصیب ہو جاتی ہے۔

کبھی نفیسہ باجی کے ذریعے کوئی خبر آتی، ایک عامل ہیں، وہ بے اولاد عورت کو سات دن اپنے پاس حاضری کیلئے بلاتے ہیں، ساتویں دن ایک چٹکی راکھ اسے کھلاتے ہیں تو وہ عورت صاحب اولاد ہو جاتی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ پہلا بچہ خود لے لیتے ہیں، وہ اس بچے کا کیا کرتے ہیں، یہ بات کوئی نہیں جانتا۔

صارم کو اس طرح کی خبریں سن کر بڑا غصہ آتا، وہ سارہ کو سخت لہجے میں تنبیہ کرتا۔ ''دیکھو سارہ......! میری ایک بات بہت اچھی طرح کان کھول کر سن لو، اگر تم اس مسئلے پر کسی پیر، فقیر کے چکر میں پڑیں تو یاد رکھو تمہارے ہاتھ سوائے بربادی کے کچھ نہ آئے گا، مجھ سے پوچھے بغیر کسی عورت کے چکر میں آ کر کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھنا۔''

''ارے نہیں صارم......! مجھ پر یقین کرو، میں تمہاری مرضی کے بغیر ہرگز کوئی قدم نہیں

اٹھاؤں گی۔''

''ویسے سارہ...... !تمہیں پریشانی کیا ہے اگر اولاد نہیں ہے تو نا سہی، ہماری کون سی جائداد ہے جس کیلئے ہمیں وارث چاہئے...... نہ ہی تمہاری ساس زندہ ہے جو مجھے دوسری شادی کرنے پر مجبور کردے...... میری طرف سے بھی تم پر کوئی دباؤ نہیں۔'' صارم اسے سمجھانے کی کوشش کرتا۔

''یہ بالکل صحیح بات ہے کہ مجھ پر کسی قسم کا کوئی دباؤ نہیں لیکن میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ کونسا باپ ایسا ہے جسے اولاد کی خواہش نہ ہو۔''

''مجھے اولاد کی خواہش ضرور ہے لیکن میں اپنے جگر کے ٹکڑے کو کسی کے حوالے کرنے کے لئے تیار نہیں۔''

''میں خود بھی کبھی اس کیلئے راضی نہ ہوں گی۔'' سارہ نے یقین سے کہا۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو کہ بے اولاد عورتیں کیا کچھ کرنے کیلئے تیار ہوجاتی ہیں، آئے دن اخباروں میں آتا رہتا ہے جعلی پیر، فقیر کس طرح ان کو عزت سے محروم کردیتے ہیں، یہ عورتیں ہر طرح کے عمل کرنے کیلئے تیار ہوجاتی ہیں، قبرستان میں بیٹھ کر وظیفہ پڑھنے بیٹھ جاتی ہیں، عمل کیلئے اسپتالوں سے کسی پہلوٹھی کے بچے کے کپڑے اٹھالیتی ہیں، اولاد نرینہ کیلئے بچے بدلوالیتی ہیں، ایسے ایسے گناہ کے کام کرتی ہیں کہ توبہ بھلی...... سارہ! ہمیں اس قسم کا کوئی کام نہیں کرنا ہے، یہ بات اچھی طرح اپنے ذہن میں بٹھالو کہ اولاد اسی وقت ہوگی جب اللہ چاہے گا، مجھے دنیا کا کوئی آدمی پیر، فقیر، عامل، بزرگ، ولی اللہ...... صاحب اولاد نہیں بنا سکتا جب تک اوپر والا نہ چاہے...... اگر اس نے ہمارے مقدر میں اولاد لکھ دی ہے تو ہو کر رہے گی، میں ناامید نہیں، مایوسی تو ویسے بھی کفر ہے، اللہ سے دعا کرنی چاہئے اور اللہ پر کامل یقین رکھنا چاہئے۔'' صارم نے پوری سنجیدگی سے کہا۔'' وہ ہمیں ضرور اولاد سے نوازے گا۔''

اس دن کے بعد سے سارہ نے یہ بات گرہ میں باندھ لی، مصمم ارادہ کرلیا کہ اولاد کے سلسلے میں کسی انسان سے رجوع نہیں کرنا، دینے والا صرف اللہ ہے، جب اسے کوئی چیز دینا ہوتی ہے تو سارے وسائل اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے ہیں۔

ان سات سالوں میں اس مصمم ارادے کے باوجود کئی بار ایسے نازک مقام آئے کہ سارہ کے دل میں کسی عورت کے ترغیب دینے پر کسی عامل یا پیر، فقیر کے در پر حاضری دینے کی خواہش ابھری لیکن صارم کا یقین محکم دیکھ کر اس نے اس ترغیب کو دل سے نکال دیا۔

اب اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، ہر وقت لب پر یہی دعا تھی کہ اے کائنات کے خالق...... !ہمیں صاحب اولاد بنا۔

ہر وہ دعا جو دل سے نکلے، اثر رکھتی ہے، سارہ تو اب دعا مانگتے مانگتے بے اختیار رو پڑتی تھی بالآخر وہ لمحہ آ گیا کہ اس کی دعا قبول ہوئی۔

اس خبر نے صارم کے دل میں ہلچل مچا دی تھی، جذبات کا لاوا کسی آتش فشاں کی طرح پھٹ گیا تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اپنی اس خوشی کو کس کس کے ساتھ شیئر کرے، خالہ بجو کو بتا دیا تھا، جبار ناصر کو یہ خوشخبری سنا دی تھی، اب کیا کرے، ظفر مراد کو بتائے بھئی تم ماموں بننے والے ہو۔ رات کا آخری پہر تھا، اس نے ظفر کو جگانا مناسب نہ سمجھا، اگر دن کا وقت ہوتا تو وہ یہ خبر محسن نقوی کو ضرور سناتا، ظاہر ہے وہ جواب میں یہی کہتے۔'' کاں لکھا ہے۔''

صارم اس رات سو ہی نہیں سکا، وہ سارہ سے باتیں کرتا رہا۔

وہ اب اس کی طرف سے بڑا فکر مند ہوگیا تھا، سب سے بڑی فکر اس آسیب زدہ مکان کی تھی، کیا سارہ کا اس حالت میں اس مکان میں رہنا مناسب ہوگا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ سارہ کو اس دوران ذرا سی بھی کوئی ذہنی یا جسمانی پریشانی ہو۔

اس گھر میں تو ہر وقت کی پریشانی تھی، کسی بھی وقت کچھ ہوسکتا تھا اور ایسا ہوسکتا تھا کہ آدمی کے تصور میں نہ آئے۔

''سارہ...... !میں سوچ رہا ہوں کہ اب یہ گھر چھوڑ دوں۔'' صارم نے بتایا۔

''کیوں آخر...... ؟'' سارہ نے سادگی سے پوچھا۔

''یہ آسیب زدہ گھر ہے...... اس گھر میں اب تمہارا رہنا مناسب نہیں۔'' وہ بولا۔

''یہ آسیب زدہ ضرور ہے لیکن کتنا مبارک ہے، یہ بھی تو سوچو...... یہ خوشی ہمیں اسی گھر میں ملی ہے۔'' سارہ نے ایک نئے پہلو پر روشنی ڈالی۔

''یہ گھر مبارک ہے؟'' صارم حیران ہوکر بولا۔'' سارہ تمہیں شاید یاد نہیں رہا، یہ گھر تین بندوں کی جان لے چکا ہے، جس بندے نے اسے اتنے شوق سے بنوایا، اس بے چارے کو یہاں رہنا نصیب بھی نہیں ہوا۔''

''اس گھر نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا...... نقصان پہنچانے والی یہاں بسنے والی مخلوق ہے۔''

''اس گھر کو تو خیر سے میں بھی چھوڑنا نہیں چاہتا...... میں کسی سے ڈر کر بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں، لیکن اب مجھے تمہارا دیکھنا ہے، تم کہیں کسی الجھن کا شکار نہ ہوجاؤ، ذہنی دباؤ سے تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے...... اللہ نے ہمیں جو تحفہ عطا کیا ہے، آخر اس کی حفاظت بھی تو کرنا ہے۔'' صارم فکرمند تھا۔

''جس نے ہمیں تحفہ دیا ہے، وہی اس کی حفاظت بھی کرے گا، ہم کیوں گھبرائیں۔'' سارہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اچھا...... چلو دیکھتے ہیں...... ابھی پرسوں بابا کمبل بھی آنے والا ہے، ممکن ہے وہ اس شری مخلوق کو قابو میں کرلے...... وہ اپنا ایک ہاتھ گنوا کر بھی پر جوش ہے عجیب وغریب بندہ ہے۔''

''صارم...... ! مجھے تو اسے دیکھ کر ہی ڈر لگتا ہے، وہ تو خود شری مخلوق دکھائی دیتا ہے۔'' سارہ سہم زدہ

ہو کر بولی۔

"ہاں نا...... وہ خود کو بن مانس کہتا ہے، اس کا خیال ہے کہ یہ شری مخلوق شاہ صاحب جیسے بھلے مانس کے قابو میں آنے والی نہیں ہے، یہ تو اسی کے قابو میں آسکتی ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔" سارہ نے کہا۔ "جس طرح لوہے کو لوہا کاٹتا ہے، ہوسکتا ہے اس شری مخلوق کو یہ شری شخص ہی قابو میں کرے۔"

"دیکھو کیا ہوتا ہے۔" صارم نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ "چلو اب سو جائیں...... صبح ہونے والی ہے۔"

"ارے...... یہ کیا؟" سارہ فوراً اٹھ کر کھڑی ہوگئی، اس کی نظریں صارم کی قمیص کے دامن پر تھیں۔

"کیا ہوا؟" صارم نے گھبرا کر پوچھا تب پھر فوراً ہی اس کی نظر اپنے دامن پر گئی، وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

اس کے دامن پر اچانک زرد رنگ کے چھینٹے نمودار ہوگئے تھے۔

"سارہ......! یہ کیا مصیبت ہے...... یہ چھینٹے کہاں سے آگئے؟" صارم پریشان ہو کر بولا۔

"پتہ نہیں...... کچھ دیر پہلے تو تمہاری قمیص صاف تھی، بس چند سیکنڈوں میں ہی یہ کہیں سے نمودار ہوگئے...... ٹھہرو...... میں تمہیں دوسری قمیص دیتی ہوں، اسے اتار دو۔" سارہ نے الماری کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"اس طرح تو میری ساری قمیصیں برباد ہوجائیں گی۔" صارم بولا۔

"ہو جانے دو...... کنجوس آدمی......! تمہارے پاس کپڑوں کی کمی ہے کیا؟" سارہ نے اسے چھیڑا۔

"کپڑوں کی تو خیر کمی نہیں لیکن اگر یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا پھر تو میں تہبند باندھنے پر مجبور ہوجاؤں گا۔" صارم ہنس کر بولا۔

سارہ نے اسے دوسری قمیص دی، صارم نے وہ قمیص اتار کر اس کے حوالے کی، سارہ نے اس چھینٹے زدہ قمیص کو ڈائننگ ٹیبل کے ساتھ پڑی ایک کرسی پر لٹکا دیا۔

"یہ سب اس شری مخلوق کے بارے میں ذکر کا نتیجہ ہے۔" سارہ نے کہا۔

"چلو...... دفع کرو۔" صارم نے لاپروائی سے کہا۔ "یہ سب چلتا رہے گا...... بھئی اب تم میری بھوک کا انتظام کرو۔"

"بھوک تو خیر سے مجھے بھی لگنے لگی ہے۔"

سارہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "چلو، پھر ایسا کرتے ہیں کہ ناشتہ کرتے ہیں اور پھر سو جاتے ہیں۔"

"اوکے میڈم!" صارم نے بڑے مؤدبانہ انداز میں کہا۔ "آپ ذرا ایک خستہ سا پراٹھا بنا

لیں...... بنالیں گی یا خالہ جو کو اٹھانا پڑے گا؟" صارم نے پوچھا۔

"اوئے نہیں...... آج میں تمہیں اپنے ہاتھ کا پراٹھا بنا کر کھلاؤں گی تم بھی کیا یاد کرو گے۔"

"پھر میں ہتھوڑا، چھینی اپنے پاس رکھ لوں؟" اب چھیڑنے کی صارم کی باری تھی۔

"ہتھوڑا تو چلوں سمجھ میں آگیا، یہ چھینی کیا ہوتی ہے؟" سارہ نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"ہتھوڑے سے ضرب لگائی جاتی ہے اور چھینی کے ذریعے کسی سخت چیز کو کاٹا جاتا ہے، میری جاہل بیوی!" صارم ہنس کر بولا۔

"اوئے...... خبردار جو مجھے جاہل کہا...... میرے نام سے ٹی وی چینل شروع ہونے والا ہے۔" سارہ نے اپنی انگلی اس کی آنکھوں کے سامنے ہلائی۔

"چینل تو اس وقت شروع ہوگا جب ایم ڈی صارم اس کی اجازت دیں گے۔"

"ویسے ظفری پر مجھے حیرت ہے، مجھ سے پوچھے بغیر تمہیں ایم ڈی بنا دیا۔" سارہ نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے ایک ادا سے کہا۔

صارم کچن کے دروازے پر آ کھڑا ہوا۔ جانے صارم کو اچانک کیا ہوا کہ وہ سارہ کی بات سن کر ایک دم گم صم سا ہوگیا، اس کی نظروں کے سامنے اچانک کروڑوں کا چیک آگیا اور سارہ کا جملہ اس کے دل میں تیر کی طرح ترازو ہوگیا۔

سارہ کو امید تھی کہ وہ اس جملے کے جواب میں کوئی تیز سا جواب دے گا اور اس کے اس تیز جواب کو وہ انجوائے کرے گی، لیکن ادھر سے کوئی جواب نہ آیا، اس نے مڑ کر صارم کی طرف دیکھا۔

وہ کچن کے دروازے پر خاموش کھڑا اسے عجیب سے انداز میں دیکھ رہا تھا۔

"ارے۔" سارہ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت دیکھ کر پریشان ہوگئی، اسے فوراً اندازہ ہوگیا کہ صارم نے اس کی بات کو سنجیدگی سے لیا ہے۔

وہ دوڑ کر اس کے قریب آئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ "کیا ہوا؟"

"سارہ......! تم ٹھیک کہتی ہو، ظفر کو واقعی تم سے پوچھنا چاہئے تھا، خیر سے اب تم کروڑوں کی مالک ہو، تمہارا بھائی اس شہر کا ایک بڑا بزنس مین ہے۔" صارم نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کے لہجے میں ایک محرومی تھی۔

"اچھا ایک منٹ......!" سارہ یہ کہہ کر تیزی سے بیڈ روم میں چلی گئی، فوراً ہی وہ واپس پلٹی، اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا، وہ لفافے سے چیک نکالتی ہوئی کچن میں آئی اور ماچس جلاتے ہوئے بولی۔ "صارم......! میں تمہارے اور اپنے درمیان چاندی کی دیوار نہیں آنے دوں گی، میں اس چیک کو ابھی نذر آتش کئے دیتی ہوں، صارم......! خدا کی قسم یہ بات میں نے مذاق میں کہی تھی، تم نے سنجیدگی سے لے لی، ایسا تو ہمارے درمیان کبھی نہیں ہوا، صارم! مجھے ایسا سرمایہ ہرگز نہیں چاہئے جو تمہیں مجھ سے دور کردے، لو میں آگ لگائے دیتی ہوں اس سرمائے کو۔"

صارم تیزی سے آگے بڑھا اور اس سے پہلے کہ وہ چیک کو شعلہ دکھاتی، اس نے اس کے ہاتھ سے چیک جھپٹ لیا اور بولا۔ ''یہ کیا بے وقوفی ہے؟''

''مجھے نہیں چاہئے دولت...... صارم! مجھے تمہارے سوا کچھ نہیں چاہئے۔'' سارہ نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے ٹھیک...... میں جانتا ہوں، تمہیں کیا چاہئے۔'' صارم کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

''پھر میرے مذاق کو غلط انداز میں کیوں لیا؟'' سارہ نے شکوہ کیا۔

''غلطی ہو گئی مائی باپ...... ! ہم کا ما پھی دے دو...... سرکار...... نہیں تو ہم ایک کی جگہ چار پراٹھے کھائیں گے۔'' صارم نے مسخرے پن سے کہا۔

''کیا بات ہے تمہاری۔'' سارہ نے اسے ترچھی نظروں سے دیکھا۔ ''یہ تم مردوں کو ہر چیز چار کیوں چاہئے ہوتی ہیں، بیویاں مانگو گے چار...... پراٹھے کھاؤ گے چار۔''

''ہم نے تو چار ہی مانگے ہیں، اب تم کچھ دن کے بعد مانگو گی اچار۔'' صارم بڑے معنی خیز لہجے میں بولا۔

''صارم...... ! ماروں گی تم نے فضول بات کی تو۔'' سارہ نے شرماتے ہوئے کہا۔

''ہائے سارہ...... ! میں نے تمہیں شرماتے بڑے عرصے کے بعد دیکھا ہے، یار! تم تو شرماتی ہوئی بڑی پیاری لگتی ہو، ذرا ایک بار اور شرمانا۔''

''اچھا...... ! بس اب چپ ہو جاؤ، مجھے ناشتہ بنانے دو۔'' سارہ نے خوشگوار انداز میں کہا۔

بس پھر اسی طرح دونوں نے ہنستے مسکراتے شگفتہ انداز میں باتیں کر کے ناشتہ کیا، ناشتہ کرنے کے بعد وہ گھر سے باہر نکل آئے، صبح کا وقت تھا، ٹھنڈی خوشگوار ہوا چل رہی تھی، سورج ابھی اندھیرے کی چادر میں منہ چھپائے ہوئے تھا، یہ دونوں اپنے گھر کے گارڈن میں ٹہلنے لگے، ان کے گھر کے چاروں طرف ہریالی تھی، پھولوں کے پودے تھے، سرسبز گھاس تھی۔

''صارم...... ! سنو۔'' اچانک سارہ کو ٹہلتے ٹہلتے کچھ خیال آیا۔

''ہاں...... بولو۔'' صارم نے کہا۔

''صارم! تم اس رقم سے کوئی بزنس کیوں نہیں کر لیتے؟'' سارہ نے تجویز پیش کی۔

''کون سی رقم سے؟'' صارم نے پوچھا۔

''ارے یہی جو ظفری نے چیک کی صورت میں دی ہے۔'' سارہ بولی۔

''نہیں سارہ...... ! اس رقم پر میرا کوئی حق نہیں، یہ تمہاری ہے۔''

''صارم...... ! میں اور تم کیا الگ الگ ہیں؟'' سارہ نے شکوہ کیا۔

''نہیں...... ہم ایک ہیں۔'' صارم نے اسے قریب کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن یہ رقم میرے لئے کسی سانپ سے کم نہیں۔''

''اچھا...... پھر میں ایسا کرتی ہوں یہ چیک میں ظفری کو واپس کر دیتی ہوں۔'' سارہ نے اطمینان سے کہا۔

''تمہاری مرضی۔'' صارم نے خوشدلی سے کہا۔ ''جو چاہے کرو۔''

''بس میں یہی کروں گی کہ شکریئے کے ساتھ اس رقم کو واپس کر دوں گی...... تم جانتے ہو کہ مجھے پیسے سے ویسے بھی کوئی دلچسپی نہیں، جو زندگی تم نے مجھے دی ہے، وہ میرے لئے انتہائی خوشگوار ہے۔'' سارہ نے یہ بات بڑی سچائی سے کہی۔ صارم جانتا تھا کہ سارہ یہ بات دل کی گہرائیوں سے کہہ رہی ہے۔

''میں تمہارے اس فیصلے سے بہت خوش ہوں۔'' صارم واقعی خوش تھا۔ ''میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ میں نے تمہیں کیسی زندگی دی ہے، میں جانتا ہوں کہ میں نے تمہیں محلوں سے نکالا ہے، یہ میری خوش نصیبی ہے کہ محلوں میں رہنے والی میرے ساتھ جھونپڑے میں رہ رہی ہے اور خوش ہے، میں اپنی خوش بختی پر جس قدر ناز کروں، کم ہے۔''

''اوہ...... مائی گاڈ...... ! صارم جواب نہیں تمہارا۔'' سارہ نے تالی بجائی۔

''کیوں...... کیا ہوا؟'' صارم نے وضاحت چاہی۔

''بھئی تمہاری یادداشت تو بہت اچھی ہے۔'' سارہ نے پھر الجھایا۔

''کیا مطلب......؟'' صارم نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''تمہیں تو اپنی ڈرامہ سیریل کے سارے مکالمے یاد ہیں...... واہ کیا فرفر سنائے ہیں۔'' سارہ اتنا کہہ کر جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔

صارم نے آگے بڑھ کر اس کے ریشمی بال اپنی مٹھی میں بھر لئے۔ ''جاتی کہاں ہے بھوتنی؟''

''صارم...... ! نہیں میرے بال چھوڑو...... مجھے معاف کر دو۔'' وہ چیختے ہوئے بولی۔

''اب تم ذرا گھر میں چلو...... میں تمہیں دیتا ہوں معافی اچھی طرح سے۔'' صارم اس کے بال پکڑے پکڑے بیڈروم میں لے آیا اور پھر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

سارہ ''نہیں...... نہیں'' کہتی رہ گئی۔

☆......☆......☆

سارہ نے اسی شام ظفر مراد کو اپنے گھر بلا کر وہ چیک واپس کر دیا۔

''کیوں...... ! سارہ باجی؟'' ظفر مراد نے چیک کو دیکھ کر حیرت سے کہا۔

''بات یہ ہے میرے بھائی کہ اتنے ڈھیر سارے پیسوں کا میں کیا کروں گی...... خواہ مخواہ ڈاکو میرے پیچھے لگ جائیں گے۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''سارہ باجی...... ! پلیز مذاق مت کریں۔'' ظفر مراد سنجیدہ ہو کر بولا۔ ''صارم بھائی آپ سمجھائیں نا انہیں۔''

"نہیں ظفر......! یہ تم بہن، بھائی کا معاملہ ہے، میرا اس مسئلے سے کوئی تعلق نہیں۔" صارم نے صاف اپنا دامن بچا لیا۔

"سارہ باجی......! یہ آپ کا حق ہے، میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا ہے اور یہ وہ حق ہے جو آپ کو بہت پہلے مل جانا چاہئے تھا، لیکن اس وقت ڈیڈی کا ہولڈ تھا، میں ان کے سامنے بے بس تھا، اب میں بااختیار ہوں اور خوشی سے جائداد اور اثاثوں میں جو حصہ بنتا ہے، وہ میں نے چیک کی صورت میں دے دیا ہے، آپ براہ کرم اسے واپس نہ کریں، میں آپ کو جو دے چکا، وہ دے چکا" ظفر نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"اچھا ظفری پھر ایسا کرو اس رقم کو میری طرف سے بزنس میں لگا دو، بلکہ یوں کرو تم نے میرے نام سے جو ٹی وی چینل شروع کرنے کا اعلان کیا ہے، یہ رقم اس میں لگا دو، مجھے اپنا بزنس پارٹنر بنا لو" سارہ نے بڑی سنجیدگی سے تجویز پیش کی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے بھائی کا دل دکھے۔

ظفر مراد کو یہ بات پسند آئی، وہ بولا۔ "ٹھیک ہے باجی......! ایسا ہو سکتا ہے، یہ کافی سرمایہ ہے اس سرمائے کو آپ کی طرف سے ٹی وی چینل میں لگائے دیتا ہوں، پھر صارم بھائی جس طرح چاہیں چینل کو چلائیں۔"

"ہاں......ظفر ایک بات اور۔" سارہ نے انگلی اٹھا کر کہا۔

"جی باجی......! بتائیے۔" ظفر نے اسے تذبذب سے دیکھا۔

"صارم، سارہ ٹی وی کے کوئی عہدیدار نہیں بننا چاہتے، یہ کہتے ہیں کہ میرے اپنے بہت بکھیڑے ہیں۔" سارہ نے بات شروع کی۔

ظفر مراد نے فوراً سمجھ لیا کہ صارم اس کا سرمایہ قبول کرنے کو تیار ہے اور نہ کسی قسم کا عہدہ......تب اس نے کچھ سوچ کر ایک تجویز پیش کی۔ "پھر سارہ باجی......! ایک کام کرتے ہیں، تمام تفریحی پروگرام کا معاہدہ صارم بھائی سے کر لیتے ہیں، یہ اپنی تیار کردہ ڈرامہ سیریل کہیں تو چلائیں گے، کہیں اور نہ چلائیں سارہ ٹی وی کو دے دیں، ہم منہ مانگے پیسے دیں گے۔"

"مجھے منظور ہے۔" اس سے پہلے کہ سارہ کچھ جواب دیتی، صارم نے خوشی سے اس تجویز کو قبول کر لیا، وہ اپنی محنت سے کمائے گا، اپنی مرضی سے کام کرے گا، سسرال کا اس پر کوئی احسان نہ ہوگا، اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ سارہ کے باپ، بھائی سے کسی قسم کی کوئی مدد نہیں لینی، جو کرنا ہے، اپنے قوت بازو سے کرنا ہے، وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اس سے کہے بیوی کے پیسے سے کھیل رہا ہے، ایسی کوئی بات سننا اسے گوارا نہ تھی، وہ اس معاملے میں بہت حساس تھا۔

سارہ خوش تھی کہ یہ معاملہ بڑی خوش اسلوبی سے طے ہو گیا تھا، ظفر بھی خوش تھا اور صارم بھی اپنی جگہ مطمئن تھا۔

ظفر کے جانے کے بعد اسرار ناصر آ گیا، آج پیر تھا، کل منگل کی رات سے بابا کمبل نے یہاں ڈیرہ

جمانا تھا، وہ کل کا پروگرام بتانے آیا تھا۔

"میں کل رات کو بابا کمبل کے ساتھ سیدھا قبرستان سے یہاں آؤں گا، بابا جی نے کہا ہے کہ ہم صارم صاحب کے گھر میں داخل نہیں ہوں گے بلکہ باہر سے اوپر جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے پھر میں ایسا کرتا ہوں کہ اوپر جانے کیلئے ایک دروازہ باہر کی جانب بھی ہے، میں وہ دروازہ کھولے دیتا ہوں اور باہر سے تالا بند کر کے چابی تمہارے حوالے کر دیتا ہوں، جب چاہے آ کر اوپر چلے جانا، باہر کا چھوٹا گیٹ بھی تمہیں کھلا ملے گا" صارم نے کہا۔

"اگر آپ چھوٹے گیٹ میں تالا ڈال کر چابی مجھے دے دیں تو بہت اچھا ہو" اسرار بولا۔

"ٹھیک ہے......یہ کوئی مسئلہ نہیں۔" صارم نے کہا۔ "ہاں یہ بتاؤ بابا صاحب سات دن یہاں رہیں گے، ان کے کھانے وغیرہ کا کیا ہوگا؟"

"بابا جی وظیفے کے دوران خاص کھانا کھاتے ہیں، آپ کھانے وغیرہ کی فکر نہ کریں۔"

"اور تمہارے کھانے کا کیا ہوگا؟" صارم نے دوبارہ پوچھا۔

"میں مستقل بابا جی کے ساتھ رہوں گا، میں اپنے کھانے کا خود بندوبست کر لوں گا، آپ فکر نہ کریں۔" اسرار نے اسے ہر فکر سے آزاد کر دیا۔

سب سے اچھی بات تو یہ تھی کہ بابا کمبل کا راستہ بالکل الگ ہو گیا تھا، وہ دونوں اب گھر کے باہر رہیں گے، گھر کے اندر ان کی آمد و رفت ہوتی تو صارم کو پریشانی لاحق رہتی......اس بن مانس سے سارہ اور خالہ جو دونوں ہی خوف کھاتی تھیں۔

صارم نے زینے کے بیرونی دروازے اور چھوٹے گیٹ کی چابیاں اسرار کے حوالے کر دیں اور لاؤنج میں کھلنے والے زینے کے دروازے کو اس نے مقفل کر دیا، اب باہر سے کوئی اندر گھر میں نہیں آ سکتا تھا۔

اسرار جانے لگا تو صارم اسے مین گیٹ تک چھوڑنے آیا، اسرار جاتے ہوئے بولا۔ "ہاں صارم بھائی......! ایک بات تو رہ ہی گئی۔"

"وہ کیا......؟" صارم نے پوچھا۔

"بابا جی نے آپ کو مبارکباد بھجوائی ہے۔" اسرار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کس چیز کی بھئی......؟" صارم کی سمجھ میں نہ آیا۔

"سات سال کے بعد آپ کو جو زبردست خوشی ملی ہے، اس بات کی۔" اسرار نے ڈھکے چھپے انداز میں کہا۔

صارم کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ خوشی کی خبر بابا جی تک کس طرح پہنچی۔ اس نے کچھ سوچ کر پوچھا۔ "بابا صاحب کو یہ خبر کس نے دی؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" اسرار نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم نے نہیں دی؟'' صارم بولا۔

''نہیں......! میں کیسے دیتا، مجھے تو اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا، بابا جی کی زبانی ہی معلوم ہوا۔''

''اچھا......حیرت ہے۔'' صارم نے اسرار کی طرف مشکوک نظروں سے دیکھا۔

اسرار اسے حیرت زدہ چھوڑ کر رخصت ہوا۔ صارم سوچتا ہی رہ گیا کہ آخر یہ اندر کی بات بابا کمبل تک کس طرح پہنچی۔ اسے شبہ تھا کہ یہ خبر اسے اسرار کے ذریعے ملی اور اسرار نے یہ خبر اپنی بھابھی کی زبان سے سنی لیکن اسرار تو جاتے جاتے ہوئے کہہ گیا تھا کہ یہ خبر اس نے بابا کمبل کی زبانی ہی سنی تھی۔

اس کا مطلب ہے کہ بابا کمبل تو بڑے کمال کا آدمی ہے۔ بابا کمبل پر اس کا اعتقاد سوا ہونے لگا۔ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔

☆......☆......☆

قبرستان میں گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا، بابا کمبل ایک دوسرے سے جڑی قبروں سے بچتا بچاتا، کبھی ان پر چڑھتا، پھلانگتا ہاتھوں میں ایک چھوٹی ٹارچ دبائے بڑھا چلا جا رہا تھا، اسرار اس کے ساتھ تھا، لیکن بابا کمبل جس تیزی سے قبروں پر چڑھتا اترتا کسی نامعلوم سمت کو جا رہا تھا، اسرار کا باوجود کوشش کے اس کے ساتھ چلنا دوبھر تھا، اگرچہ ٹارچ اس کے ہاتھ میں بھی تھی لیکن بیک وقت قبروں اور بابا کمبل پر نظر رکھنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔

کئی دفعہ وہ گرتے گرتے بچا تھا، اسے خدشہ تھا کہ کہیں کسی ٹوٹی قبر میں اس کا پاؤں نہ پھنس جائے، وہ اس تصور سے ہی کانپ جاتا تھا، بابا کمبل کے ساتھ رہ کر اسے عجیب وغریب تجربات سے واسطہ پڑا تھا، اب وہ جان گیا تھا کہ کالا علم سیکھنا کوئی آسان کام نہیں......اپنی ذات کی نفی کر کے شیطان کی ذات میں ضم ہونا پڑتا تھا، پھر وہ کام کرنا پڑتا تھا کہ روح بھی ٹھٹھر کر رہ جائے۔

چلتے چلتے اچانک اسرار کو احساس ہوا کہ بابا کہیں غائب ہو گیا ہے، رات کے گیارہ کا عمل......اندھیری رات......قبرستان کا سناٹا......دور دور تک دھبوں کی صورت قبریں ہی قبریں......وہ چلتے چلتے ٹھٹھک کر رک گیا، روشنی زمین پر ڈالی تو اسے احساس ہوا کہ وہ کسی کی قبر پر کھڑا ہے، وہ جلدی سے نیچے اترا، پھر اس نے ایک طرف کھڑے ہو کر چاروں طرف ٹارچ گھمائی، ٹارچ کی محدود روشنی اسے آس پاس کی چند قبروں کے حال کے سوا کچھ اور نہ بتا سکی۔

''بابا جی......؟'' اسرار نے سہم کر آواز لگائی۔

''ہاں کیا ہے؟'' اچانک ایک کرخت آواز سنائی دی اور پھر فوراً ہی ٹارچ روشن ہو گئی۔

بابا کمبل نزدیک ہی ایک درخت کے پیچھے سے نکلا، اس نے اسرار کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ماری اور انتہائی سخت لہجے میں بولا۔ ''ڈرتا کیوں ہے......ادھر آجا۔''

اسرار قبروں کا خیال کیے بنا، تیزی سے قبریں پھلانگتا بابا کمبل کے پاس پہنچ گیا۔

''اس طرح ڈرے گا تو پھر کیسے کام چلے گا۔'' بابا کمبل کے لہجے میں سرزنش تھی۔

''نہیں بابا......! ڈرا نہیں بس آپ کو دیکھ رہا تھا۔'' اسرار نے بات بنانے کی کوشش کی۔

بابا کمبل نے اس سے مزید کوئی بات نہ کی، وہ خاموشی سے ایک پختہ قبر پر بیٹھ گیا، اس قبر کے ساتھ ہی ایک نیم کا چھوٹا سا درخت تھا۔ اسرار، بابا کمبل کے ساتھ ہی براجمان ہو گیا۔

''دلگیر......او......دلگیر!'' اچانک بابا کمبل نے اونچی آواز لگائی۔ ''کدھر ہے تو؟''

''آ گیا بابا......! آ گیا۔'' فوراً ہی کچھ فاصلے سے ایک مودبانہ سی آواز آئی۔

چند لمحوں میں ایک سایہ اُن کے نزدیک آ گیا، بابا کمبل نے فوراً ٹارچ بجھالی، اسرار نے بابا کی تقلید کی۔

''بابا......! کیسے ہو؟'' وہ شخص سامنے آ کر کھڑا ہو گیا، اندھیرے میں اس کی شکل واضح طور پر نظر نہیں آ رہی تھی۔

''ہاں......! دلگیر کیا کیا تو نے؟'' بابا نے اس کی مزاج پرسی کا کوئی جواب نہ دیا اور اپنے مطلب کی بات کی۔

''بابا......! ہنڈولا تیار ہے۔'' اس نے بڑی فرمانبرداری سے کہا۔

''چل پھر بتا کدھر ہے......وقت ضائع نہ کر۔'' بابا کمبل کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

''آ جاؤ......میرے ساتھ۔'' اس شخص نے کہا پھر بولا۔ ''یہ اپنی امانت لے لو۔''

''کب کی ہے؟''

''بالکل تازہ ہے۔''

''واہ......یہ کام کیا تو نے......دل خوش کر دیا۔'' بابا کمبل خوش ہو کر بولا۔ ''لا دے......کدھر ہے؟''

تب اس شخص نے ایک کپڑے کے کالے تھیلے کو بابا کی طرف بڑھایا، بابا کمبل نے اس تھیلے کو اپنے اکلوتے ہاتھ میں لے کر اسے ہلایا جیسے وزن کا اندازہ کرنا چاہتا ہو۔

''شاباش......! دلگیر!'' بابا کمبل نے پھر اس کی تعریف کی اس کے بعد وہ کپڑے کا کالا تھیلا بابا کمبل نے اسرار کے ہاتھ میں دیدیا اور بولا۔ ''احتیاط سے پکڑو اسے۔''

اسرار نے اس تھیلے کو ہاتھ میں لیا تو وہ اسے خاصا وزنی محسوس ہوا۔ اسرار، بابا کمبل کے پیچھے چل دیا، وہ شخص آگے آگے تھا اور تیزی سے چل رہا تھا، بابا کمبل نے ٹارچ روشن کر لی تھی، اسرار اس ٹارچ کی روشنی میں بابا کمبل کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا، اب اسے اس بات کی فکر نہ تھی کہ اس کا پاؤں زمین پر پڑ رہا ہے یا کسی کی قبر پر......!

تین چار منٹ چلنے کے بعد وہ شخص نشیب کی طرف اترا، تب سامنے ہی ایک قبر پر لالٹین رکھی نظر آئی۔

"دلگیر......! جگہ تو تو نے اچھی نکالی ہے، دور سے ہمیں کوئی دیکھ نہ سکے گا۔"

"بابا......! تمہارا خیال کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"تو ہمارا خیال کرتا ہے تو ہم بھی تیرا خیال کریں گے...... گھر آنا تجھے مالو مال کردوں گا لیکن ابھی نہیں سات دن بعد...... سات دن میں گھر سے باہر ہوں۔"

"ٹھیک ہے بابا......! میں آجاؤں گا، اب تم ہنڈولا دیکھ لو، کوئی کمی ہو تو بتاؤ۔" اس شخص نے کہا۔

یہ ایک پرانی ٹوٹی ہوئی قبر تھی، اس کا کتبہ غائب تھا، کتبے کی جگہ لالٹین رکھی ہوئی تھی، بابا کمبل نے قبر میں ٹارچ کی روشنی ڈال کر اندر کی حالت دیکھی، اس قبر میں بلاک کے ذریعے دو سیڑھیاں بنا دی گئی تھیں تاکہ آدمی آرام سے قبر میں اتر سکے، قبر اندر سے صاف تھی۔

"ہنڈولا ٹھیک ہے...... دلگیر! میں اس میں گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے تک آسن جماؤں گا پھر چلا جاؤں گا تو ذرا دھیان رکھنا ادھر کا۔"

"آپ بے فکر ہو کر اپنا آسن جماؤ، ادھر کوئی نہیں آئے گا...... ویسے میں چکر مارتا رہوں گا۔" بابا کمبل کو اطمینان دلا کر وہ شخص جس کا نام دلگیر تھا، چلا گیا۔

بابا کمبل نے لالٹین اٹھائی اور قبر میں اتر گیا، لالٹین رکھ کر اس نے قبر سے سر ابھارا اور بولا۔ "لاؤ اسرار وہ تھیلا۔"

اسرار نے قریب آ کر وہ کالا تھیلا جس میں کوئی نرم سی چیز موجود تھی، بابا کے ہاتھ میں تھما دیا۔

بابا کمبل تھیلا ہاتھ میں لے کر قبر میں بیٹھ گیا اور لالٹین قریب رکھ کر اس نے کالے تھیلے کا منہ کھولا جو ایک ڈوری سے بندھا تھا۔

اسرار ایک طرف بیٹھا قبر میں جھانک رہا تھا۔

بابا کمبل نے ڈوری ایک طرف پھینک کر تھیلے کا منہ کھولا اور تھیلے میں چھپی چیز کو نکالا، اس چیز کو دیکھ کر اسرار کی روح فنا ہو گئی۔

وہ ایک کالے کتے کی گردن کٹی لاش تھی۔

بابا کمبل نے اسے زمین پر لٹا دیا اور پھر اپنے گلے سے چمڑے کا سیاہ چمکتا ہوا بیگ اتارا، اس کی زپ کھول کر کچھ نکالنے والا تھا کہ ایک دم اسے خیال آیا کہ اسرار اوپر ہے۔

"او...... اسرار!" بابا کمبل نے منہ اٹھا کر اسے پکارا۔

"جی بابا......!" وہ سامنے ہی کھڑا تھا، فوراً بولا۔

"او یار! کیا تو اوپر ہی رہے گا؟" بابا کمبل نے پوچھا۔

"آپ جیسا بولو۔" اسرار نے فرمانبرداری سے کہا۔

"نیچے آجا...... ابھی تماشا شروع ہو جائے گا...... کہیں تو جھپیٹ میں نہ آجائے۔" بابا کمبل نے کہا۔

"ٹھیک ہے بابا......! میں نیچے آجاتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ احتیاط سے سیڑھیوں پر قدم رکھتا

نیچے اتر گیا۔

قبر میں زیادہ جگہ نہ تھی، ساری جگہ تو لمبے چوڑے بابا کمبل نے گھیر لی تھی، کتے کی لاش بھی زمین پر پڑی تھی، اسرار اپنے لئے کونے میں جگہ بنا کر سکڑ سمٹ کر بیٹھ گیا۔

بابا کمبل نے بیگ سے ایک چمکتی ہوئی چھری نکالی، اس چھری کو لالٹین کی مدھم روشنی میں الٹ پلٹ کر دیکھا۔

اسی وقت ایک کریہہ آواز آئی۔ "یہ میرا جانور ہے۔"

یہ آواز نزدیک سے ہی آئی تھی، لیکن اسرار یہ تعین نہ کر سکا کہ یہ آواز کدھر سے آئی۔ شاید اوپر سے، شاید کونے سے، شاید اسرار کے پیچھے سے۔

پھر یہ آوازیں مسلسل آنا شروع ہو گئیں۔

"یہ میرا جانور ہے۔"

"یہ میرا جانور ہے۔"

یہ آوازیں ملی جلی تھیں، کبھی لگتا کوئی مرد بول رہا ہے، کبھی لگتا کوئی عورت بول رہی ہے، کبھی یوں محسوس ہوتا جیسے کوئی بچہ بول رہا ہے۔ ان آوازوں میں کرختگی اور خباثت بھری ہوئی تھی۔

یہ آوازیں مسلسل آ رہی تھیں اور ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

"بس......!" اچانک بابا کمبل چھری اوپر اٹھا کر بولا۔ "سن لیا...... میں بہرہ نہیں ہوں۔"

بابا کمبل کی ڈانٹ بھری آواز ابھرتے ہی وہ ساری آوازیں ایک دم معدوم ہو گئیں، قبر میں سناٹا چھا گیا۔

"سب کو اس کا حصہ ملے گا...... میں بوٹی بوٹی کر کے تمہارے جانور کو یہاں چھوڑ جاؤں گا، اپنا اپنا حصہ اٹھا لینا...... سمجھ میں آ گیا؟" بابا کمبل نے چھری کی طرف دیکھ کر کہا۔

جواب میں کوئی آواز نہیں آئی غالباً سب کی سمجھ میں اچھی طرح آ گیا تھا۔

"اسرار ادھر آ...... اسے پکڑ۔" بابا کمبل نے گردن کٹے کتے کی طرف اشارہ کیا۔

اس کے بعد بابا کمبل نے کسی ماہر قصائی کی طرح اس کا سر الگ کیا، بڑی مہارت سے کتے کی کھال اتاری اور بڑی تیزی سے اس لاش کو بوٹیوں میں تبدیل کر دیا۔

پھر اس نے کالے کتے کا دل مٹھی میں لے کر منہ سے نامانوس سے الفاظ نکالے اور پھر دل کو زمین پر رکھ کر اس میں چھری کی نوک پیوست کر دی۔

اسی وقت کسی عورت کی چیخ سنائی دی لیکن یہ چیخ دلدوز نہ تھی، خوشی بھری تھی۔

اسرار ایک لمحے کو سہم کر رہ گیا، اس نے ڈرتے ڈرتے قبر میں چاروں طرف دیکھا لیکن اسے کچھ نظر نہ آیا۔

بابا کمبل نے اوپر گردن اٹھائی اور بولا۔ "کشو......! تو آ گئی؟"

"جب تو بلائے گا تو آؤں گی نہیں کیا...... ؟ پوچھتا ہے کشوی تو آ گئی ؟" اس کی آواز میں غصہ تھا۔

"تو کڑوی کی کڑوی رہے گی، کبھی آرام سے بات نہیں کرے گی ؟" بابا کمبل نے جواباً اسے جھڑکا۔

"ہو...... تو کون سا شہد بھرا ہے...... بول کیوں بلایا ؟" اس کی آواز پھٹے بانس جیسی تھی۔

"مجھے کاکور چاہیے۔" بابا کمبل نے اپنا مدعا بیان کیا۔

"تو بارہ ہاتھ والی سے بول...... وہی کچھ کر سکتی ہے۔"

"بارہ ہاتھ والی کا جاپ کرنا ہوگا...... ؟" بابا کمبل کے لہجے میں کچھ پریشانی تھی۔

"تو مانگتا بھی تو کاکور ہے۔" بیٹھی بیٹھی سی آواز آئی۔ "کاکور پر قبضہ کوئی آسان تو نہیں...... تو نے دیکھا نہیں کہ وہ ذرا دیر میں تیرا ہاتھ لے اڑا۔"

"جانتا ہوں قبضہ آسان نہیں۔" بابا کمبل نے غصے سے کہا۔ "پر میں اسے چھوڑوں گا نہیں...... مجھے میری ذرا سی غلطی نے نقصان پہنچایا...... کوئی بات نہیں، میں ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہوں، کاکور کو اپنی مٹھی میں لے کر رہوں گا...... اس نے میرا ایک ہاتھ لیا ہے، میں اسے پورا پورا لے لوں گا۔"

"پھر کر لے بارہ ہاتھ والی سے بات...... کیا پتہ وہ تجھ پر مہربان ہو جائے۔"

"ہاں......! کروں گا بات...... ضرور کروں گا۔" بابا کمبل نے پرعزم لہجے میں کہا۔ پھر بولا۔ "اچھا لے تو اپنا حصہ اور جا اپنے ٹھکانے پر۔"

یہ کہہ کر بابا کمبل نے چھری کی نوک میں پیوست دل کو اوپر اٹھایا، چھری اوپر اٹھاتے ہی دل چشم زدن میں غائب ہو گیا اور اسی وقت ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔ یہ خوشی بھری چیخ تھی۔

اس چیخ کے بعد قبر میں پھر گہرا سناٹا چھا گیا۔ اسرار کو آوازوں کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آئی تھی، ہوسکتا ہے بابا کمبل کو وہ نظر آئی ہو۔ یہ کشوی کون تھی، وہ نہیں جانتا تھا، نہ وہ بابا کمبل سے پوچھنے کی جرأت کر سکتا تھا۔ یہ کالے علم کی دنیا تھی اور وہ اس کالی دنیا سے آہستہ آہستہ روشناس ہوتا جا رہا تھا۔

بابا کمبل نے زمین پر پڑے خون کو اپنی تین انگلیوں پر لگایا اور ا[illegible] سے اپنی پیشانی پر تین لکیریں بنائیں، اس کے بعد اس نے چھری اٹھا کر زور زور سے عجیب وغریب الفاظ اپنے منہ سے نکالے اور زور سے چھری کتے کی آنکھ پر ماری، چھری سے آنکھ باہر آ گئی، یہی عمل اس نے دوسری آنکھ پر بھی دہرایا اور آنکھ سے چھری نکالنے کے بجائے اس نے چھری سے کتے کا سر اٹھا لیا۔

اور کچھ پڑھتے ہوئے اس سر کو اپنے سر پر گھمانے لگا۔

اسرار بڑے غور سے اس گھومتے ہوئے سر کو دیکھ رہا تھا، وہ چکر بھی گن رہا تھا اور ان الفاظ پر بھی غور کر رہا تھا جو بابا کمبل کی زبان سے ادا ہو رہے تھے۔

"دھم کن...... دھم بن...... دھم سن...... واہ دیوا واہ۔"

سات چکر پورے ہوتے ہی بابا کمبل نے اپنے ہاتھ کو روکا، ہاتھ رکتے ہی کتے کا سر اچانک غائب ہو گیا اور قبر میں کڑ کڑ کی آوازیں گونجنے لگیں جیسے کوئی ہڈیاں توڑ کر چبا رہا ہو۔

بابا کمبل خالی چھری پر نظر جمائے ہوئے زیرلب بڑی تیزی سے کچھ پڑھ رہا تھا، ہڈیاں چبائے جانے کی آواز چند لمحے آئی اس کے بعد پھر سے خاموشی چھا گئی۔

کوئی آدھے گھنٹے تک بابا کمبل آہستہ آہستہ کچھ بولتا رہا، اسرار کی کوشش کے باوجود اس کی سمجھ میں وہ سارے لفظ نہ آ سکے، بیچ بیچ سے کوئی لفظ اس کی سماعت سے ٹکرا جاتا تو وہ اس لفظ کو دہرا کر اپنی یادداشت میں محفوظ کر لیتا۔

کافی دیر کے بعد اچانک قبر میں ایک کوندا سا لپکا جیسے ایک لمحے کو بجلی چمکی ہو پھر قبر میں مکمل اندھیرا چھا گیا، کیونکہ لالٹین اچانک بھڑک کر بجھ گئی تھی۔

گھپ اندھیرا ہوتے ہی اسرار ناصر کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی، اسے یوں لگا جیسے کسی نے اسے زندہ دفن کر دیا ہو، مرنے کے بعد قبر میں شاید اسی طرح اندھیرا ہوگا یا اس سے بھی زیادہ...... موت کے تصور سے ہی اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔

اس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی، اندھیرا ہوتے ہی اس کا ہاتھ ٹارچ کے بٹن کی طرف آیا، اس نے سوچا کہ فوراً ٹارچ روشن کر دے، اس سے پہلے کہ اسرار اپنی اس خواہش پر عمل کرتا، اچانک قبر کے اندھیرے میں ایک سانپ کی سی پھنکار سنائی دی۔

"کیا کرتا ہے؟" بابا کمبل غصے اور خوف کے ملے جلے لہجے میں چیخا۔

یہ سنتے ہی اسرار کے ہاتھ سے ٹارچ چھوٹ گئی اور یہ سوچ کر اس کا دل کانپنے لگا کہ اگر کہیں وہ ٹارچ روشن کر دیتا تو نہ جانے بابا کمبل کے عمل کا کیا حشر ہوتا، پھر بابا کمبل اس کا جو حشر کرتا، وہ بڑا قابل دید ہوتا، ذرا سی غلطی اسے راندۂ درگاہ کر دیتی۔

قبر میں اندھیرا تھا، اتنا کہ اسے آنکھیں کھلی رکھنا مشکل ہو گیا، ویسے آنکھیں کھلی رکھنے کا کوئی فائدہ بھی نہ تھا، کوشش کے باوجود اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا' بس وقفے وقفے سے بابا کمبل کی آواز سنائی دے رہی تھی، وہ کسی سے مخاطب تھا، کس سے مخاطب تھا، اس کا پتہ نہیں چل رہا تھا کیونکہ کسی کی شکل دکھائی نہیں دے رہی تھی، نہ آواز سنائی دے رہی تھی اور یہ سوالات بھی کچھ اس انداز کے تھے کہ اسرار ناصر ان کے معنی اخذ نہ کر سکا، وہ خالصتاً تکنیکی زبان تھی۔

سوالات کا یہ سلسلہ ایک دو منٹ سے زیادہ نہ چلا، پھر سے قبر میں خاموشی چھا گئی، اندھیرا پہلے سے ہی موجود تھا، اچانک بجلی سی چمکی اور لالٹین خود بخود جل اٹھی۔

بابا کمبل کے اندھیرے چہرے پر دانتوں کی چمک نمایاں ہو گئی، پھر اس کے منہ سے خوشی بھری آواز نکلی۔ "ہاں بھئی اسرار...... اب جلا لے روشنی...... خوب چراغاں کر، ویسے تو یہ کیا کرنے لگا تھا، اگر میں تجھے نہ ٹوکتا تو تو نے ٹارچ جلا دی تھی، روشنی ہوتے ہی سب کچھ جل جاتا

تھا، نہ تو رہتا نہ میں رہتا۔''

''بابا......! مجھے اندازہ نہیں تھا ورنہ میں یہ حرکت کبھی نہ کرتا۔'' وہ خوف زدہ لہجے میں بولا۔

''جانتا ہوں اس میں تیری کوئی غلطی نہیں...... ہمیں تجھے پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا۔'' بابا کمبل نے بڑے نرم لہجے میں کہا۔ ''چل اب اٹھ نکل یہاں سے۔''

''ٹھیک ہے بابا چلیں۔'' اسرار بولا۔

بابا کمبل نے اپنی چھری اٹھا کر بیگ میں ڈالی اور ٹارچ پکڑ کر کھڑا ہو گیا، اس نے اپنی ٹارچ روشن کر لی اور قبر سے باہر نکلنے کیلئے ایک سیڑھی پر قدم رکھا پھر پلٹ کر بولا۔ ''اسرار! لالٹین اٹھا لا۔''

اسرار لالٹین اٹھا کر بابا کمبل کے پیچھے قبر سے نکل آیا۔

''کیا بجا ہے؟'' بابا کمبل نے پوچھا۔

اسرار نے کلائی پر بندھی گھڑی پر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور بولا۔ ''با ھے بارہ بجے ہیں۔''

''چلو...... پھر ادھر چلنے کا وقت ہو گیا ہے۔'' یہ کہہ کر بابا نے دو چار قدم آگے بڑھائے پھر جیسے اسے کچھ خیال آ گیا، وہ رک گیا اور اسرار سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''جا ذرا قبر میں تو جھانک۔''

اسرار ابھی قبر کے نزدیک ہی تھا، اس نے ٹارچ بند کر کے قبر میں جھانکا، اسے کچھ نظر نہ آیا۔

''کیا نظر آیا؟'' بابا کمبل نے پوچھا۔

''کچھ نہیں...... قبر میں اندھیرا ہے۔'' اسرار نے بتایا۔

''او...... یار......! ٹارچ تو جلا پھر ہی تو کچھ نظر آئے گا۔''

اسرار نے اپنی ٹارچ روشن کر کے قبر میں دیکھا، اسے وہاں ایک حیران کر دینے والا منظر نظر آیا، انہیں قبر سے برآمد ہوئے بمشکل دو تین منٹ ہوئے ہونگے اور اس اثناء میں کوئی قبر کے اندر گیا تھا اور نہ ہی باہر نکلا تھا لیکن قبر بالکل صاف تھی، وہاں گوشت کی بوٹیاں تھیں نہ کھال...... حتیٰ کہ زمین پر پڑا خون بھی بالکل صاف ہو چکا تھا۔

''ہاں بھئی کیا دیکھا......؟'' بابا کمبل نے پوچھا۔

''بابا......! قبر تو بالکل صاف ہو گئی۔'' اسرار حیرت زدہ تھا۔

''ہاں......! جس جس کا حصہ تھا، وہ لے اڑا۔'' بابا کمبل نے ہنس کر کہا۔ ''چل آ جا اب......!''

بابا کمبل ٹارچ روشن کر کے آگے بڑھا، اسرار ہاتھ میں لالٹین لئے اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

ابھی وہ تھوڑا سا ہی آگے چلے ہوں گے کہ بابا کمبل کو کچھ فاصلے پر ایک سایہ کھڑا دکھائی دیا۔

''تو دلگیر ہے کیا؟'' بابا کمبل نے اونچی آواز میں پوچھا۔

''ہاں بابا......! میں ہوں۔'' ادھر سے جواب ملا۔

''ارے تو بڑے ٹھیک وقت پر پہنچ گیا۔'' بابا کمبل نے خوش ہو کر کہا۔

''ہاں بابا......! میں ادھر ہی بیٹھ گیا تھا۔'' دلگیر نے آگے بڑھ کر اسرار سے لالٹین لے لی اور بابا

کمبل سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''بابا......! کام ہو گیا؟''

''ہاں......! اب میں ساتویں رات کو یہاں آؤں گا، میرا انتظار کرنا۔'' بابا کمبل بولا۔

''ٹھیک ہے بابا!'' دلگیر نے کہا۔

''دلگیر......! یہ ہنڈولا مجھے پسند آیا ہے...... تو ایسا کر اسے اندر سے کشادہ کر کے مضبوط دیواریں اٹھا دے اور سلیب رکھ کر پکی قبر تیار کر دے اور اس پر میرے نام کا کتبہ لگوا دے اور ہاں اندر دو تین چھوٹی سیڑھیاں بھی بنوا دینا تا کہ ہمیں اترنے میں آسانی ہو، ہمیں جب بھی آنا ہوگا، ایک طرف کی مٹی ہٹا کر سلیب اٹھائیں گے اور اندر اتر جائیں گے۔'' بابا کمبل نے دلگیر کو تفصیل سے سمجھایا۔ ''ٹھیک ہے نا۔''

''ہاں بابا......! بالکل ٹھیک ہے۔'' دلگیر بولا۔ ''جو تم نے کہا، ویسا ہو جائے گا۔''

''پھر تو انعام بھی ویسا ہی پائے گا۔'' بابا کمبل نے کہا پھر وہ اسرار سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''چل اسرار! اپنا راستہ پکڑ۔'' پھر یکدم کچھ خیال آیا، وہ چونک کر بولا۔ ''او...... ہاں یہاں آس پاس پانی ہے؟''

''ہاں...... بابا! پانی بہت...... کیا کرنا ہے؟''

''یار......! ذرا ہاتھ، منہ دھونا ہے، یہاں سے کسی کے گھر جانا ہے، ہاتھ، منہ پر خون لگا ہوا ہے، کسی کی نظر پڑے تو ڈر نہ جائے۔'' بابا کمبل نے اپنے سفید دانت چمکائے۔ ''او اسرار......! تو نے بھی یاد نہیں دلایا، چل تو بھی ہاتھ، منہ دھو لے۔''

پھر انہوں نے دلگیر کے لائے ہوئے پانی سے اچھی طرح ہاتھ، منہ دھوئے۔ بابا کمبل کے چہرے پر کوئی خاص فرق نہ پڑا البتہ پیشانی سے خون ضرور صاف ہو گیا، پر منہ منحوس کا منحوس رہا۔

قبرستان سے نکل کر انہوں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور صارم کے گھر کی جانب روانہ ہو گئے۔

کوئی آدھے گھنٹے میں وہ صارم کے گھر پہنچ گئے، گیٹ کی چابی اسرار کے پاس موجود تھی، اس نے چھوٹے گیٹ کا تالا کھولا، رات کے سناٹے میں کھٹ پٹ کی آواز پیدا ہوئی، وہ دونوں اندر آ گئے، اسرار نے پلٹ کر گیٹ بند کر دیا اور تالا لگا کر وہ گھر کی طرف بڑھے۔

اوپر جانے کا دروازہ سامنے ہی تھا، یہ دروازہ اونچائی پر تھا، تین سیڑھیاں چڑھ کر اسرار نے دروازہ کھولا اور کوشش کی دروازہ کھولنے کا شور نہ ہو لیکن کیونکہ یہ دروازہ بہت کم کھلتا تھا لہٰذا قبضے زنگ آلود ہونے کی وجہ سے تھوڑا سا شور ہوا لیکن رات کے سناٹے میں یہ شور بھی بہت تھا۔

آج منگل کی رات تھی، سارہ اور صارم کو معلوم تھا کہ وہ دونوں آج سے اپنا عمل شروع کریں گے، سارہ اور صارم ان کے منتظر تھے، جب مین گیٹ پر کھٹ پٹ کی آواز آئی تو انہوں نے سمجھ لیا کہ بابا کمبل اور اسرار آ پہنچے اور جب زینے کا بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو انہیں یقین ہو گیا کہ وہ دونوں ہی ہیں۔

پھر زینے کا دروازہ اندر سے بند ہونے کی آواز آئی اور وہ دونوں اوپر چڑھنے لگے اور دھم دھم کرتے اوپر پہنچ گئے۔

چاند کی آخری تاریخیں تھیں، رات تاریک تھی، چاروں طرف گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا، دور کہیں کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آ رہی تھیں، ٹھنڈی اور تیز ہوا چل رہی تھی، اوپر کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر گہرا اندھیرا تھا...... اسرار نے کمرے کی لائٹ جلائی اور بابا کمبل کا بیگ اور دیگر سامان اس نے بیڈ پر ڈال دیا۔

بابا کمبل نے سب سے پہلے وہ دروازہ بند کیا جس سے نیچے جایا جا سکتا تھا، اس کے بعد اس نے چھت کے سات چکر کاٹے اور پھر چھت کے درمیان کھڑے ہو کر اس نے دھیرے دھیرے کچھ بولنا شروع کیا، وہ قطعاً نامانوس الفاظ بول رہا تھا۔

اسرار کمرے کی دہلیز پر بیٹھ گیا اور بابا کمبل کو بغور دیکھنے لگا۔

دس پندرہ منٹ کے عمل کے بعد بابا نے اپنی جگہ سے حرکت کی، پوری چھت کا چار دیواری کے ساتھ ساتھ ایک چکر لگایا اور اسرار کو دروازے سے ہٹنے کا اشارہ کیا، اسرار فوراً دروازہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔ بابا کمبل اندر داخل ہوا اور اس نے کمرے کی کھڑکیوں کے ساتھ چکر لگایا اور پھر وہ دروازے سے نکل کر چھت کے درمیان کھڑا ہو گیا اور وہی نامانوس الفاظ بولنے شروع کر دیئے۔ دس پندرہ منٹ یہ عمل جاری رہا اس کے بعد پھر اس نے چھت کا چکر لگا کر کمرے کا بھی چکر کاٹا اور پھر چھت کے درمیان آ کھڑا ہوا۔

اس طرح اس نے یہ عمل تین بار دہرایا اور پھر کمرے کے اندر قالین پر بیٹھ گیا، اس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا، کچھ دیر خاموش بیٹھا اسرار کی طرف دیکھتا رہا۔

بابا کمبل کی آنکھوں میں اس قدر وحشت تھی کہ اسرار اس کی آنکھوں کی طرف چند لمحے بھی نہ دیکھ سکا، اس نے فوراً اپنی نظریں جھکا لیں تب بابا کمبل بولا۔ ''ہاں بھئی...... ! پھر شروع کریں کام؟''

''جی بابا...... ! ضرور۔'' اسرار آسن جما کر بابا کمبل کے سامنے بیٹھ گیا۔

''یار اسرار...... ! ہم نے یہاں سات راتیں گزارنی ہیں بس یوں سمجھ لے کہ یہ سات راتیں نہیں بلکہ سات سنہری مواقع ہیں، اگر ایک بھی موقع ہمارے ہاتھ سے نکل گیا تو پھر سمجھ لے کہ مٹی کے سوا ہمیں یہاں سے کچھ نہ ملے گا، ہمارا جس مخلوق سے واسطہ پڑا ہے، یہ بڑی طاقتور مخلوق ہے اور بڑی شاطر...... آنکھوں میں دھول جھونکنے والی لہٰذا بڑی ہوشیاری کی ضرورت ہے، ڈرنے والی کوئی بات نہیں...... میں بھی آخر بارہ ہاتھ والی کا پجاری ہوں، اتنی آسانی سے ہار ماننے والا نہیں ہوں...... اب تو اچھی طرح سمجھ لے کہ ان سات راتوں میں تو نے یہاں کس طرح رہنا ہے، کیا کیا کرنا ہے، اس شری مخلوق پر غلبہ حاصل کرنے کیلئے ہمیں بڑے پاپڑ بیلنا ہونگے۔'' بابا کمبل نے پھر اسے چند ضروری ہدایتیں دیں۔ اسے سمجھایا کہ کس موقع پر کیا کرنا ہے۔

اسرار، بابا کمبل کی باتیں بڑی توجہ سے سنتا اور سمجھتا رہا، یہ ہدایات سن کر اسرار کے ذہن میں جو سوالات اٹھے، وہ اس نے بابا کمبل کے سامنے رکھے، بابا کمبل نے اس کے سوالات کا پوری تفصیل سے جواب دیا۔ بابا کمبل اس کے سوالات سن کر بڑا خوش ہوا تھا، وہ جان گیا تھا کہ اسرار ایک ذہین شخص ہے، آگے جا کر وہ اس کے بھی کان کاٹے گا۔

اسرار کو اچھی طرح سمجھا کر بابا کمبل نے اپنا عمل شروع کیا، وہ قالین پر ایک خاص انداز سے آسن جما کر بیٹھ گیا اور اس نے آہستہ آہستہ کچھ پڑھنا شروع کر دیا...... اسرار اس کی ہدایت کے مطابق اسی انداز میں برابر بیٹھ گیا اور اس کا بتایا ہوا ایک نامانوس لفظ دہرانے لگا، اس طرح اس عمل کا آغاز ہو گیا جو سات راتوں پر محیط تھا۔

یہ عمل سورج نکلنے تک جاری رہا، اسرار تو عمل کے آغاز کے بعد دو گھنٹے تک اس کے ساتھ بیٹھا رہا پھر وہ بیڈ پر سو گیا، صبح کو جب عمل ختم ہوا تو بابا کمبل نے اسرار کو اٹھایا اور خود بیڈ پر لیٹ کر چند منٹوں بعد ہی خراٹے بھرنے لگا۔

اسرار منہ ہاتھ دھو کر گھر سے نکلا، اس نے بازار میں ایک ہوٹل سے حلوہ پوری کا ناشتہ کیا اور اس کے بعد اس نے اپنے اور بابا کیلئے دوپہر کے کھانے کا انتظام کیا، بابا کمبل عمل کے دوران صرف دوپہر کا کھانا کھاتا اور وہ بھی مرغی کی کلیجی اور لیموں کا پانی۔

کھانے وغیرہ کا انتظام کر کے وہ دس بجے تک گھر واپس آ گیا، وہ گھر کا چھوٹا گیٹ کھول کر اندر داخل ہوا تو اسے گھر کے دروازے سے صارم نکلتا نظر آیا۔ اسرار، صارم کو دیکھ کر رک گیا۔

''ہاں بھئی اسرار...... ! خیریت ہے سب؟'' صارم نے اس کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

''جی صارم بھائی...... !'' اسرار نے مسکرا کر جواب دیا۔

''کہاں سے آ رہے ہو؟'' صارم نے پوچھا۔

''بابا جی کا کھانا لے کر آ رہا ہوں۔'' اسرار نے بتایا۔

''لیکن تم نے تو بتایا تھا کہ بابا صاحب عمل کے دوران کھانا بالکل نہیں کھاتے۔'' صارم کو یاد آیا۔

''صارم بھائی...... ! بس دوپہر کا کھانا کھاتے ہیں، وہ بھی خاص قسم کا، آپ کو اس لئے منع کر دیا تھا کہ بابا جی نہیں چاہتے تھے کہ آپ کو کھانے کے مسئلے پر پریشان کیا جائے۔'' اسرار نے وضاحت کی۔

''اچھا یار! جیسی تمہاری مرضی۔'' صارم نے اسرار کے ہاتھ میں لٹکے ہوئے شاپر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''برتن وغیرہ کی ضرورت ہو تو خالہ سجو سے لے لینا۔''

''اوپر ہیں، ضرورت کے مطابق برتن بھابھی نے پہلے ہی رکھوا دیئے تھے، آپ فکر نہ کریں، کوئی مسئلہ ہو گا تو میں بھابھی کو بتا دوں گا۔'' اسرار نے خوشدلی سے کہا۔

''رات تو ٹھیک گزری؟'' صارم نے پوچھا۔

''ہاں...... ہم لوگ رات کو قبرستان سے سیدھے ادھر آ گئے تھے، وہاں ایک ٹوٹی ہوئی قبر میں بابا جی

نے وظیفہ کیا تھا۔‘‘ اسرار نے صارم پر اثر ڈالنے کیلئے قبرستان اور بطور خاص ٹوٹی قبر کا ذکر کیا۔

’’اسرار تمہیں ڈر نہیں لگا؟‘‘

’’ڈر کس بات کا صارم بھائی......! اگر ڈریں گے تو کام کس طرح کریں گے، ہمارا تو واسطہ ہی دن رات پر اسرار مخلوق سے ہے۔‘‘ اسرار نے بڑے فخر سے کہا۔

’’اسرار......! ذرا محتاط انداز میں کام کرنا، بابا صاحب اپنا ہاتھ کٹوا بیٹھے ہیں، کہیں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔‘‘ صارم نے فکر مند لہجے میں کہا۔

’’ارے صارم بھائی......! آپ فکر ہی نہ کریں، اب ایسا کچھ نہیں ہوگا، اب یہ مخلوق خود تباہ و برباد ہوگی، ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گی، بابا جی نے بڑے زبردست عمل کا آغاز کیا ہے، اسے یہ گھر چھوڑنا ہی ہوگا۔‘‘

’’اللہ کرے ایسا ہی ہو۔‘‘ صارم نے پر امید لہجے میں کہا۔

پھر وہ اسرار سے رخصت ہو کر مین گیٹ کی طرف بڑھا اور اسرار زینے کے دروازے کی طرف......

اسرار زینے کا دروازہ کھول کر اوپر پہنچا تو بابا کمبل کو بیڈ پر سویا پایا۔

وہ کچھ اس انداز سے سو رہا تھا کہ اسرار اسے دیکھ کر ایک لمحے کو ڈر گیا۔

بابا کمبل کالے رنگ کا تہبند باندھے اور قمیض اتارے اس طرح بے سدھ پڑا تھا کہ ڈبل بیڈ ہونے کے باوجود بیڈ چھوٹا دکھائی دے رہا تھا، وہ کسی دیو کی طرح ہاتھ پاؤں پھیلائے، منہ پھاڑے کٹا ہوا ہاتھ سینے پر رکھے کچھ اس بھیانک انداز سے سو رہا تھا کہ اچھا بھلا آدمی اسے دیکھے تو خوف سے چیخ مار کر پیچھے ہٹ جائے، اسرار پر بھی ایک لمحے کو خوف طاری ہوا، لیکن پھر اس نے فوراً ہی اپنے خوف پر قابو پالیا۔

گیارہ بجے کے قریب اسرار نے بابا کمبل کا کھانا اسے پیش کیا، آدھا کلو کلیجی ایک روٹی کے ساتھ کھا کر ایک جگ لیموں کا پانی پیا تو اس کی زرد آنکھوں میں چمک سی آگئی۔

بارہ بجے وہ کمرے سے نکلا، سورج کی طرف منہ کر کے جلتے فرش پر بیٹھ گیا، اس کے جسم پر تہبند کے سوا کچھ نہ تھا، سخت گرمی پڑ رہی تھی، سورج کی تمازت سے جسم جھلسے جاتے تھے جبکہ بابا کمبل پورے اطمینان سے قمیض اتارے، ننگے بدن دھوپ میں بیٹھ کر کوئی جاپ کر رہا تھا، اس کے کالے جسم پر پسینہ پھوٹ بہا تھا، پیشانی عرق آلود تھی لیکن وہ بڑے آرام سے کچھ پڑھے جا رہا تھا، اس کی گردن پینڈولم کی طرح ہل رہی تھی، لمبے لمبے بال گردن کے ساتھ ادھر اُدھر لہرا رہے تھے، اس کی آنکھیں بند تھیں۔

کوئی دو گھنٹے تک اس نے دھوپ میں بیٹھ کر یہ عمل کیا، پھر وہاں سے سیدھا اٹھ کر واش روم میں داخل ہو گیا، پورے ایک گھنٹے تک وہ واش روم میں رہا شاید پورا شاور کھول کر وہ اس کے نیچے بیٹھا رہا، جب وہ باہر آیا تو اس کا کالا جسم مزید کالا ہو چکا تھا۔

اس نے اسرار سے کہا۔ ’’میں اب سوتا ہوں، مجھے چھ بجے کے قریب اٹھا دینا۔‘‘

’’ٹھیک ہے بابا جی......!‘‘ اسرار نے بڑی فرمانبرداری سے کہا۔

اس طرح بابا کمبل کے رات اور دن گزرنے لگے۔

چھ راتیں بڑے سکون سے گزر گئیں، لگتا ہی نہ تھا کہ اس گھر میں کسی شری مخلوق کا بسیرا ہے، ایسی شری مخلوق جو کئی انسانوں کی جان لے چکی ہے اور اس گھر میں بسنے والوں کا ایسا ناک میں دم کیا ہے کہ توبہ بھلی...... چھ راتوں سے اس گھر میں سکون تھا، بابا کمبل کا عمل اختتام پر تھا، وہ اپنے اس عمل سے بہت مطمئن اور بہت خوش تھا، اسے امید تھی کہ وہ جب یہاں سے جائے گا تو اس کے ہاتھ میں بڑی طاقت ہوگی، اس طاقت کے ذریعے وہ جو چاہے گا کرے گا۔

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ بندہ جو چاہے اگر وہ ہونے لگے تو پھر اوپر والے کو کون پوچھے؟

خوش فہمی میں مبتلا بابا کمبل کا عمل ساتویں رات میں داخل ہوا، وہ شری مخلوق جو ابھی تک خاموش تماشائی بنی ہوئی تھی، وہ اچانک ’’ایکشن‘‘ میں آئی اور تب احساس ہوا کہ وہ مخلوق شری ہونے کے ساتھ ساتھ شریر بھی ہے اور عیار بھی......

ساتویں رات...... ایک بجے کا عمل...... چھت کے بیچ بیٹھا بابا کمبل، اس کے آگے پانی سے بھری بالٹی اور ہاتھ میں تیز دھار کی چھری...... بیڈ روم کی چوکھٹ پر بیٹھا اسرار ملگجے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑے بابا کمبل پر نظریں جمائے۔

چھت پر اندھیرا تھا لیکن اسٹریٹ لائٹ اور آس پاس گھروں میں جلتی روشنیوں کا مدھم اجالا چھت پر پھیلا ہوا تھا، بابا کمبل اپنے عمل میں مصروف تھا، وہ دو تین منٹ کچھ نامانوس الفاظ دہراتا، اس کے بعد اس کا ہاتھ جس میں تیز دھار کی چمکتی چھری تھی، فضا میں بلند ہوتا اور وہ اس چھری کو پانی بھری بالٹی میں کچھ اس انداز سے مارتا جیسے یہ چھری کسی کے بدن میں گھسیڑ رہا ہو۔

یہ عمل بارہ بجے شروع ہوا تھا، اس کو چلتے ہوئے ابھی ایک گھنٹہ ہوا تھا کہ بابا کمبل کے پانی میں چھری مارتے ہی اچانک ایک ہیولا دیوار سے چھت پر کودا۔ وہ جو بھی تھا، کالے کپڑوں میں ملبوس تھا، لمبا چوڑا...... چھت پر کودتے ہی وہ سیدھا کھڑا ہوا، اس کا چہرہ کالی چادر میں چھپا ہوا تھا۔

بابا کمبل نے اس ہیولے کو دیکھا تو اس کے اندر ایک خوف کی لہر ابھری جو کچھ بھی سامنے آیا تھا، وہ قطعی غیر متوقع تھا، اسرار ناصر کی اس ہیولے کو دیکھتے ہی سٹی گم ہو گئی، وہ ہاتھوں کے بل بڑی تیزی سے پیچھے کھسکا تا کہ ضرورت پڑے تو وہ کمرے کے اندر جا کر دروازہ بند کر لے، پیچھے کھسک کر اس نے اس ہیولے پر نظریں جما دیں۔

وہ کالا سایہ جہاں کودا تھا، وہاں ایستادہ ہو گیا تھا۔

’’او...... کمبل...... تو یہاں کیا کر رہا ہے؟‘‘ اس ہیولے سے آواز آئی۔

اس آواز کو سن کر بابا کمبل چونک گیا، یہ تو اس کے باپ کی آواز تھی، اس باپ کی جسے اس نے قتل

کر دیا تھا۔

''ابا......! تم؟'' بابا کمبل نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔''تم یہاں کیوں آئے ہو؟''

''تو نے میرے ساتھ جو کیا، وہ اپنی جگہ...... لیکن میں تیرا باپ ہوں، تجھے میں کسی مشکل میں مبتلا ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔'' بابا کمبل کا باپ بولا۔

''ابا......! کیسی مشکل...... تم جانتے ہو کہ میں نے بارہ ہاتھ والی کا جاپ کیا ہے، اس کے آخری مرحلے میں ہوں، بس چند گھنٹوں کی بات ہے پھر سب کچھ میرا ہو جائے گا، ایسی طاقت میرے ہاتھ آ جائے گی، ایسا خزانہ میرے ہاتھ لگ جائے گا جس کی آرزو کرتا تو اس دنیا سے اٹھ گیا۔'' بابا کمبل اپنے نشے میں تھا۔

''اٹھ کہاں گیا...... مجھے تو تو نے اٹھا دیا۔'' ابا نے شکوہ کیا۔

''ابا......! اگر میں تمہیں نہ اٹھاتا تو میں تمہارے ہاتھوں اٹھ جاتا۔'' بابا کمبل بولا۔''یہ کیوں بھولتے ہو؟''

''میں کچھ نہیں بھولا ہوں، میں جانتا ہوں کہ تو ایک نافرمان بیٹا ہے، آج تو جس مقام پر ہے، وہ میرا ہی عطا کردہ ہے۔''

''نا ابا......! یہ جھوٹ ہے، میں نے تم سے کالا علم ضرور سیکھا لیکن تم نے مجھے کوئی مقام نہ دیا، یہ مقام میں نے خود اپنے ہاتھوں بنایا ہے...... تم تو مجھے بھینٹ چڑھانا چاہتے تھے۔''

''تو کیا سمجھتا ہے میں تجھے ایسے ہی چھوڑ دوں گا، میں اب بھی تیری بھینٹ لینے آیا ہوں، میں بھیرو کا پجاری ہوں، تو مرے گا تو میں تیرے اندر آؤں گا۔''

''ابا......! تم مجھے نادان مت سمجھو، میں نے کل بھی تمہیں کامیاب نہیں ہونے دیا تھا، آج بھی تم میرا کچھ نہیں بگاڑ پاؤ گے...... تمہیں کسی کا جسم چاہیے تو اس کیلئے قبرستان کا رخ کرو یا شمشان گھاٹ کا...... اکمل ابھی مرا نہیں اور اگر مرا بھی تو اپنا جسم جلا کر مرے گا، اس کے جسم پر کوئی قابض نہ ہو سکے گا۔'' بابا کمبل نے بڑے غرور بھرے لہجے میں کہا۔''جاؤ ابا! اب تم جاؤ، میرا عمل کھوٹا نہ کرو۔''

''تو اپنا جسم جلا کر کیا مرے گا، میں خود تجھے جلا کر مارے دیتا ہوں، تو اپنا رہے گا نہ کسی اور کا۔'' وہ کالا سایہ دو قدم آگے بڑھا۔ اس کے یہ دو قدم بڑے جارحانہ تھے۔

اسرار ناصر ان دونوں کی گفتگو بڑی توجہ سے سن رہا تھا، بابا کمبل کے بارے میں یہ بڑا ہولناک انکشاف تھا کہ وہ اپنے باپ کا قاتل تھا اور اب بابا کمبل کے باپ کی روح اپنا انتقام لینے آ پہنچی تھی، اس منحوس روح نے بھی آج ہی کا وقت منتخب کیا تھا، جب بابا کمبل کا عمل پایۂ تکمیل کو پہنچنے والا تھا اور جس کے نتیجے میں وہ بے پناہ قوت کا مالک بننے والا تھا، بابا کمبل کے طاقت کے خزانے سے اسے بھی کچھ نہ کچھ حاصل ہو جاتا، لیکن اس کا ابا تو سارا کھیل بگاڑنے آ پہنچا تھا، اسرار کے بس کی بات ہوتی تو وہ اس کالے سائے کو اٹھا کر دیوار کے اس پار پھینک دیتا۔

اسی وقت اسرار نے دیکھا کہ اس کالے سائے نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے، ایک شعلہ سا لپکا اور وہ شعلہ بابا کمبل کے اوپر آ گرا، بابا کمبل کے جسم میں یکلخت آگ لگ گئی، آگ بھڑکتے ہی اس کالے سائے نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا اور ایک جست میں قد آدم دیوار پر چڑھا اور باہر کی طرف کود گیا۔

بابا کمبل کے جسم میں آگ لگتی دیکھ کر وہ اپنی جگہ کسی اسپرنگ کی طرح اچھلا، بابا کمبل کے قریب پہنچتے ہی اس نے اس سائے کو دیوار سے اس طرف کودتے دیکھا، یہ بھی اچھا تھا کہ وہ آگ لگا کر غائب ہو گیا تھا، اب اسرار کیلئے آگ بجھانا کوئی مشکل نہ تھا۔

اسرار نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں پانی سے بھری بالٹی اٹھائی اور پوری کی پوری بابا پر الٹ دی۔

پانی پڑتے ہی بابا کمبل نے ایک بھیانک چیخ ماری۔''او کمبخت......! تو نے یہ کیا کیا؟''

بابا کمبل کی چیخ اور اس ڈانٹ بھرے جملے نے اسرار کو ہلا دیا، اسے یکدم احساس ہوا کہ اس کے ہاتھوں کھیل الٹ گیا ہے، اس سے کوئی بھیانک غلطی ہوگئی ہے۔

بابا کمبل کے جسم پر پانی پڑتے ہی چند لمحوں میں اس کے بدن پر بڑے بڑے آبلے ابھر آئے۔ بالٹی میں مسان ملا پانی تھا جو عمل کی وجہ سے بے پناہ گرم ہو گیا تھا، نقطۂ ابال سے بھی دس درجے اوپر......

بابا کمبل کے جسم پر جیسے ہی پانی پڑا، ویسے ہی گدھوں کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ اور ان کی کریہہ چیخیں سنائی دینے لگیں، یوں لگ رہا تھا جیسے بے شمار گدھ سر پر اڑ رہے ہوں لیکن وہ اڑتے ہوئے نظر نہیں آ رہے تھے، لیکن ان کی خوشی بھری چیخیں فضا میں گونج رہی تھیں۔

''بابا......! میں نے تو آپ کے جسم کی آگ......!'' اسرار ناصر ڈرتے ڈرتے بولا۔

''ارے تو نے آگ بجھانے کی بجائے ہمارے جسم میں آگ لگا دی، ہائے اسرار تو نے میری سات راتوں کی محنت برباد کر دی...... میں جیتتا جیتتا ہار گیا۔'' بابا کمبل کے لہجے میں بے انتہا افسردگی تھی، جیسے اس کے ہاتھ میں کوئی قیمتی شے آتے آتے نکل گئی ہو۔

''بابا......! میں معافی چاہتا ہوں، میں آپ کے جسم میں آگ لگتے دیکھ کر بے قرار ہو گیا تھا، بابا میں آپ کو جلتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا۔'' اسرار نے تاسف سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''چل اسرار! اب یہاں سے نکل، سامان سمیٹ اور گھر چل، میرے جسم میں اس وقت جو آگ لگی ہے، اس کی تیزی کا تو اندازہ نہیں کر سکتا۔'' بابا کمبل نے بڑے کرب سے کہا۔

''اچھا بابا۔'' اسرار نے جتنی جلد ممکن ہو سکا، اپنا سامان باندھا اور بابا کمبل کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولا۔''آؤ بابا چلیں۔''

بابا کمبل اس کے ہاتھ کے سہارے بمشکل اٹھ کھڑا ہوا۔

اسرار ناصر نے بیڈ پر پڑی ہوئی اسکائی بلیو چادر سے بابا کمبل کا جسم ڈھک دیا اور پھر وہ دونوں آہستہ آہستہ سیڑھیاں اتر کر مین گیٹ سے باہر آ گئے۔

اسی وقت ایک ٹیکسی سامنے والے گھر کے پاس رکی، اس میں سے ایک فیملی اتر کر گھر میں چلی گئی۔

اسرار ناصر نے اس ٹیکسی کو پکڑ لیا، بابا کمبل پچھلی سیٹ پر نیم دراز ہو گیا، جبکہ اسرار اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا، ٹیکسی ڈرائیور نے پیچھے مڑ کر ایک نظر پیچھے لیٹے ایک لمبے چوڑے شخص کو دیکھا، اس کا چہرہ بھی چادر سے ڈھکا ہوا تھا، ڈرائیور کی سمجھ میں نہ آیا کہ کس قسم کی سواری ہے، ایک خوف کی لہر اس نے اپنے بدن میں محسوس کی اور برابر بیٹھے اسرار ناصر سے پوچھا۔ ''کہاں جانا ہے صاحب......!''

''او مصیبت یہاں سے تو گاڑی نکال...... بتاتے ہیں تجھے کہاں جانا ہے۔'' ایک غراہٹ بھری کرخت آواز پیچھے سے آئی۔

اس آواز کو سن کر ڈرائیور کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے، اس نے تیزی سے گاڑی آگے بڑھا دی، اسرار آگے بیٹھا اسے راستہ بتاتا رہا یہاں تک کہ وہ اپنے گھر پہنچ گئے۔

اسرار نے بجلی کی سی تیزی سے اتر کر ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھولا اور بابا کمبل کا ہاتھ پکڑ کر ٹیکسی سے اتارا، پھر جلدی سے گھر کے دروازے پر پڑا ہوا تالا کھولا، بابا کمبل گھر میں داخل ہوا۔

چادر میں لپٹے ایک لمبے چوڑے آدمی کو گھر میں جاتے دیکھ کر ڈرائیور کی سٹی گم ہو گئی۔

''ایک منٹ رکو...... میں ابھی آ کر پیسے دیتا ہوں۔'' اسرار نے کہا۔

ان دونوں کے اندر جاتے ہی ڈرائیور نے بڑی تیزی سے گاڑی بیک کی اور اگلی گلی سے ٹرن لے کر یہ جا وہ جا۔

اسرار ناصر جب بابا کمبل کو اندر کمرے میں لٹا کر باہر واپس آیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ٹیکسی والا پیسے لئے بغیر جا چکا تھا، اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ ٹیکسی والا بغیر پیسے لئے کیوں چلا گیا؟

اسرار ناصر گھر کا دروازہ بند کر کے اندر کمرے میں آیا، بابا کمبل پر اب نیم غشی سی طاری تھی، اس نے اب تک مثالی ضبط کا مظاہرہ کیا تھا، اس ضبط کا ہی نتیجہ تھا کہ وہ اب ہوش و حواس سے بیگانہ ہوتا جا رہا تھا۔

اس کے جسم پر پڑے آبلے پھوٹتے جا رہے تھے، آبلہ پھٹتے ہی اس جگہ سے خون رسنے لگتا۔

دس پندرہ منٹ کے اندر اس کے جسم پر پڑے سارے آبلے پھٹ گئے اور زخموں سے خون بہنے لگا۔

بابا کمبل کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں، وہ بڑے ضبط سے کام لے رہا تھا پھر بھی اس کے منہ سے ایک دردناک کراہ نکل جاتی تھی۔

اسرار باہر صحن میں تار پر پڑا تولیہ اٹھا لایا تھا، وہ آہستہ آہستہ بابا کمبل کے زخموں پر اس تولیہ کو رکھ رہا تھا، وہ ایک زخم کا خون صاف کرتا تو دوسرے سے خون بہنے لگتا تھا، تولیہ خون سے سرخ ہوتا جا رہا تھا

لیکن خون تھا کہ رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

''بابا...... بابا!'' اسرار ناصر نے بابا کمبل کو پکارا۔

''ہاں...... کیا؟'' بابا کمبل نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔

''بابا......! خون نہیں رک رہا۔''

''بے وقوف...... مسان لگا۔'' بابا کمبل نے آگ بھرے لہجے میں کہا۔

بابا کی بات سن کر اسرار کو ہوش آیا۔ وہ فوراً دوسرے کمرے سے ایک شیشے کی چوڑی بوتل اٹھا لایا، اس میں اوپر تک مسان یعنی جلے ہوئے مردے کی راکھ بھری ہوئی تھی، یہ خاص مسان تھی، اس میں بابا کمبل نے کئی اور چیزوں کی راکھ ملا کر اسے دو آتشہ بلکہ سہ آتشہ بنا دیا تھا۔

اسرار ناصر نے جلدی سے شیشی کھول کر اپنی ہتھیلی پر کچھ راکھ نکالی اور چٹکی میں بھر کر ایک زخم پر پھیلا دی۔

راکھ لگتے ہی بابا کمبل کسی ذبح ہوتے بیل کی طرح ڈکرایا۔ ''ہائے......! مر گیا۔''

اسرار جانتا تھا کہ یہ راکھ اس ٹنکچر سے سو گنا زیادہ لگی ہو گی جس سے زخم دھویا جاتا ہے لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہ تکلیف محض ایک دفعہ ہو گی، اس کے بعد زخم میں نہ صرف ٹھنڈک پڑ جائے گی بلکہ آناً فاناً خون بھی بند ہو جائے گا، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ بابا کمبل کے جسم پر کوئی ایک تو زخم نہ تھا، وہاں تو زخم ہی زخم تھے اور ہر زخم پر راکھ لگانے کا مطلب تھا ایک اور چیخ...... سوال یہ تھا کہ کیا بابا کمبل اتنے بے شمار زخموں پر اس راکھ کو برداشت کر سکے گا۔

دو تین زخموں پر راکھ بھرنے کے بعد اسرار نے بے حال بابا کمبل سے پوچھا۔ ''بابا......! کیا کروں؟''

''مسان لگاتا رہ...... میری چیخوں کی پروانہ کر۔'' بابا کمبل نے نقاہت بھرے لہجے میں کہا۔

تب اسرار ناصر جلدی جلدی زخموں پر ''نمک'' چھڑکنے لگا، یہ راکھ کسی نمک سے کم نہ تھی، وہ زخموں پر راکھ لگاتا رہا اور بابا چیختا رہا، پھر ایک وقت ایسا آیا کہ بابا کمبل چیختے چیختے ہوش گنوا بیٹھا، وہ بے ہوش ہو گیا، اب اسرار کیلئے راکھ لگانا آسان ہو گیا، وہ پورے اطمینان کے ساتھ خون بہتے زخموں پر راکھ ڈالنے لگا۔

اس نے دیکھا کہ جہاں جہاں اس نے زخموں پر راکھ لگائی تھی، وہاں سے خون بہنا بند ہو گیا تھا، تمام زخموں پر راکھ لگانے کے بعد اس نے ایک بار اور جہاں جہاں کم راکھ لگی تھی، مزید راکھ لگا دی تا کہ زخم جلدی ٹھیک ہو جائیں۔

راکھ لگانے کے بعد اسرار ناصر نے بابا کمبل کے جسم کو تقریباً ننگا کر دیا اور پنکھا پوری اسپیڈ سے کھول دیا اس کے بعد اس نے کمرے کی لائٹ بجھائی اور باہر صحن میں آ گیا۔

اس نے دیوار کے ساتھ کھڑی چار پائی کو اٹھا کر بیچ صحن میں ڈالا اور پھر اسٹور سے اپنا بستر نکال کر

اس پر بچھایا اور بستر پر لیٹ گیا۔

وہ بابا کمبل کی طرف سے بےفکر ہو گیا تھا، وہ جانتا تھا کہ اب صبح سے پہلے وہ ہرگز ہوش میں نہ آئے گا، ویسے یہ جو کچھ ہوا تھا، بڑا غیر متوقع ہوا تھا، سب کچھ ٹھیک جا رہا تھا، بابا کمبل اپنے عمل سے بڑا خوش تھا، ساتویں رات کو عمل شروع کرنے سے پہلے بابا کمبل نے کہا تھا کہ اسرار! بس اب تابوت کی آخری کیل رہ گئی ہے، صبح تک وہ کیل میرے ہاتھ میں آ جائے گی، وہ کیل ٹھونک کر ہم پورا تابوت یہاں سے لے اڑیں گے، تو فکر نہ کر تجھے بھی اس میں سے حصہ ملے گا...... بابا کمبل بڑا پر جوش تھا لیکن اس کا سارا جوش دھرا کا دھرا رہ گیا، وہ آخری کیل ہاتھ آئی ضرور لیکن شری مخلوق کے ہاتھ میں...... اس نے بابا کمبل کے عمل کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔

یہ سب کچھ کیا ہوا تھا، اسرار اس معاملے کو صاف طور پر سمجھ نہیں پایا تھا، اگر اسے اندازہ ہو جاتا کہ وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے، محض فریب نظر ہے تو پانی سے بھری بالٹی ہرگز بابا کے سر پر نہ ڈالتا، لیکن شری مخلوق نے کھیل اس طرح کھیلا تھا کہ کچھ سمجھنے کی گنجائش ہی نہ تھی، جو کچھ کرتا تھا آناً فاناً کرتا تھا، اس طرح وہ شری مخلوق کے ہاتھ کا کھلونا بن گیا، چابی بھرا کھلونا......!

اسے بابا کمبل کے عمل کی بربادی کا بڑا دکھ تھا، ساتھ ہی وہ خوف زدہ بھی تھا کہ بابا کمبل اب اسکے ساتھ جانے کیا سلوک کرے، ہوسکتا ہے وہ اسے گھر سے نکل جانے کا حکم دے دے۔

اسرار ناصر کروٹ پر کروٹ بدلتا جا رہا تھا اور سوچتا جا رہا تھا، اس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔

ایک حیرت انگیز انکشاف یہ ہوا تھا کہ بابا کمبل اپنے باپ کا قاتل تھا، یہ بابا کی زندگی کا انتہائی خفیہ راز تھا جو اتفاقاً اس کے سامنے کھل گیا تھا، سوال یہ تھا کہ بابا کمبل نے آخر اپنے باپ کو قتل کیوں کیا؟

ابھی وہ اس سوال کا جواب کھوجتا، اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

تاریک رات اس وقت اپنے آخری پہر میں تھی، کوئی تین بجے کا عمل ہوگا، ہر سو گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا، اس گہرے سناٹے میں یہ دستک دور تک گونج گئی تھی۔

''کون......؟'' اسرار ناصر بستر سے اٹھتا ہوا بولا۔

''او...... رے اسرار! دروازہ کھول؟'' دروازے کے اس طرف سے آواز آئی۔ آواز انتہائی کرخت اور پھٹے بانس جیسی تھی۔

اس آواز کو پہچان کر اسرار ناصر کی ریڑھ کی ہڈی میں سردی کی لہر اٹھی، اس نے بند دروازے کو خوف بھری نگاہوں سے دیکھا۔

''آپ کون ہیں؟'' اسرار نے آواز پہچان تو لی تھی...... پھر بھی تصدیق ضروری تھی۔

''کون کے بچے...... فوراً دروازہ کھول...... میں تیرے بابا کا باپ ہوں۔'' ادھر سے بے حد غصے میں کہا گیا۔

اب کسی شبے کی گنجائش نہیں رہی تھی...... یہ معلوم ہو گیا تھا کہ دروازے کے اس پار بابا کمبل کا باپ موجود ہے۔ مقتول باپ جس نے چند گھنٹوں پہلے اپنے قاتل بیٹے کو انتقام کا نشانہ بنایا تھا۔ سوال یہ تھا کہ وہ دروازہ کھولے کہ نہیں۔ پتہ نہیں اب وہ یہاں کیا کرنے آیا تھا۔ کہیں پھر اس سے کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ اسے بابا کمبل سے پوچھ لینا چاہئے لیکن پوچھے کیسے بابا کمبل تو اندر غافل پڑا ہے۔

کچھ بھی ہو...... اسے کسی طرح ہوش میں لا کر دروازہ کھولنے کی اجازت لینا ہوگی۔ اب وہ کسی طرح کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اسرار نے حتمی فیصلہ کیا۔

''اچھا...... جناب ایک منٹ ٹھہریں۔ میں دروازہ کھولتا ہوں۔'' وہ فوراً واپس مڑا۔

بابا کمبل کے کمرے میں داخل ہوا۔ لائٹ جلا کر بابا کمبل کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ وہ بالکل بے سدھ پڑا تھا، لیکن جیسے ہی اسرار اس کے چہرے پر جھکا، پٹ سے اس کی زرد آنکھیں کھل گئیں۔

''کیا ہے؟'' بابا کمبل نے اس کے چہرے پر پریشانی دیکھ کر پوچھا۔

''بابا جی...... دروازے پر آپ کے ابا کھڑے ہیں۔'' اسرار نے بتایا۔

ابا کا ذکر سن کر بابا کمبل کو کرنٹ سا لگا۔ وہ اپنی تکلیف بھول بھال کر پوری طرح ہوش میں آ گیا۔

''او...... اسرار تو نے دروازہ تو نہیں کھولا۔'' وہ اٹھ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

''نہیں، بابا جی...... آپ سے پوچھے بغیر بھلا دروازہ کیسے کھول دیتا۔''

''شاباش...... تو نے بہت اچھا کیا...... جا ابا کو بول دے، دروازہ نہیں کھلے گا۔ اب تمہارا میرا کوئی رشتہ نہیں۔'' بابا کمبل نے اسے ہدایت کی۔

''ٹھیک ہے بابا۔'' اسرار نے گردن جھکا کر کہا اور کمرے سے باہر آ گیا اور صحن کے دروازے کے قریب آ کر بولا۔ ''بابا جی کہہ رہے ہیں...... دروازہ نہیں کھلے گا۔ اب ان کا اور آپ کا کوئی رشتہ نہیں۔''

اسرار کا خیال تھا کہ یہ بھاری جواب سن کر ابا شدید غصے میں آ جائیں گے، جواب میں وہ دروازہ توڑنے کی کوشش کریں گے یا پھر دیوار پھلانگ کر اندر آ جائیں گے اور پوچھیں گے۔ ''کدھر ہے وہ کمینہ۔''

لیکن حیرت انگیز طور پر کچھ نہ ہوا۔ دروازہ توڑنے کی کوشش کی گئی اور نہ دیوار پھلانگنے کی کوشش ہوئی۔ حتیٰ کہ کوئی جواب بھی نہیں آیا جبکہ جوابی کارروائی کے طور پر اپنے بیٹے کو دو چار گالیاں پورے اطمینان کے ساتھ دی جا سکتی تھیں۔

اسرار کچھ دیر دروازے کے پاس کھڑا رہا۔ باہر سناٹا چھایا ہوا تھا، کسی قسم کی کوئی آہٹ نہ تھی۔ اسرار نے کواڑ کی جھری میں سے باہر جھانکا۔ دروازے پر اب کوئی نہ تھا۔

''او...... اسرار آ جا...... ابا جا چکے۔'' اندر سے بابا کمبل کی آواز آئی۔

''آ رہا ہوں...... بابا جی۔'' اسرار غور سے چاروں طرف دیکھتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

''میرے کمرے کی لائٹ بند کر اور جا کر سو جا۔'' بابا کمبل نے اسے ہدایت کی۔ ''اور ہاں......

میرے جسم پر چادر ڈال دے......اب کافی آرام ہے۔"

"اچھا...... میں لاتا ہوں چادر۔" اسرار دوسرے کمرے سے الماری سے کالی چادر نکال لایا اور بابا کے جسم پر ڈال دی، چہرہ کھلا رہنے دیا۔ اب چادر اور بابا کمبل ایک ہو گئے تھے۔

اسرار لائٹ بند کر کے اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ وہ بڑا خوش تھا کہ ایک غلطی سے بچ گیا۔ اس نے دروازہ نہ کھول کر انتہائی عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔ بابا کی نظروں میں اس کی تھوڑی بہت وقعت بحال ہو گئی تھی۔ اس احساس نے اسے جلد ہی نیند کی آغوش میں پہنچا دیا۔

☆......☆......☆

یہ ساتویں رات کی صبح تھی۔

حسب معمول خالہ سجو سب سے پہلے اٹھی۔ اس نے اپنا بستر اٹھا کر جگہ پر پہنچایا اور منہ ہاتھ دھو کر کچن میں چلی گئی۔

کچھ دیر بعد سارہ بھی اپنے کمرے سے نکل کر آ گئی۔ اس نے مسکرا کر خالہ سجو کو سلام کیا۔ خالہ سجو نے حسب معمول سارہ کو دعائیں دیں، پہلے ان دعاؤں میں ایک دعا صاحب اولاد ہونے کی ہوتی تھی۔ اب جبکہ اللہ نے اولاد سے نواز دیا تھا تو یہ دعا تھی کہ بیٹا دے اور چاند سا دے۔ خالہ سجو کی اس تمنا کو وہ بڑے شوق سے سنا کرتی تھی...... لیکن اس کے دل میں کوئی تمنا نہ تھی۔

اس کی دعا تھی کہ جو بھی ہو اللہ اس کے نصیب اچھے کرے۔

"خالہ سجو...... پتہ نہیں...... یہ لوگ اوپر ہیں کہ چلے گئے۔ آج تو آخری رات تھی۔" سارہ نے اپنے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔

"دیکھ کر آؤں؟" خالہ سجو فوراً بولی۔

"تم کیسے دیکھو گی؟...... اوپر جانا تو منع ہے۔" سارہ نے یاد دلایا۔

"اۓ...... میں اوپر تھوڑا ہی جاؤں گی۔ باہر سے دیکھ کر آتی ہوں، شاید اسرار صاحب نظر آ جائیں۔"

"ٹھیک ہے...... جاؤ...... باہر کا چکر لگا کر آؤ۔" سارہ نے کہا۔

خالہ سجو لاؤنج کا بیرونی دروازہ کھول کر باہر آئی اور گھوم کر مین گیٹ کی طرف پہنچی تو اسے مین گیٹ کا چھوٹا گیٹ چوپٹ کھلا نظر آیا۔ وہ تیز قدموں سے آگے بڑھی۔ اس نے زینے کے دروازے پر نظر ڈالی، وہ بھی پورا کھلا ہوا تھا۔ اس نے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر کی کچھ سن گن لی مگر کوئی سرگرمی محسوس نہ ہوئی۔ اوپر وہ جا نہیں سکتی تھی۔ اس نے زینے کا دروازہ بند کیا اور پھر چھوٹا گیٹ بند کر کے تیزی سے گھر میں آ گئی۔ سارہ اس کی منتظر تھی۔ خالہ سجو کی شکل دیکھ کر سمجھ گئی کہ کوئی گڑبڑ ہے۔

"کیا ہوا؟" اس نے پوچھا۔

"سارہ بی بی...... زینے اور باہر کا چھوٹا دروازہ چوپٹ کھلے تھے، بند کر کے آئی ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ دونوں نکل گئے۔"

"ہاں بی بی ایسا ہی لگتا ہے۔ ویسے اوپر رات کو خاصا ہنگامہ رہا ہے۔ اٹھا پٹخ کی آوازیں آتی رہیں۔ ایک بار تو میں نے چیخ کی آواز بھی سنی۔ سچ بی بی میں تو ڈر ہی گئی۔ پتہ نہیں کون چیخا تھا۔"

"بھئی...... مجھے تو کچھ نہیں معلوم...... میں تو مزے سے سوتی رہی۔" سارہ نے ہنس کر کہا۔ "ویسے لگتا ہے کہ بابا کمبل کا سات راتوں والا وظیفہ مکمل ہو گیا۔"

"بی بی...... اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" خالہ سجو نے پرامید لہجے میں کہا۔ "اب یہ پتہ کیسے چلے گا؟"

"پتہ تو چل جائے گا...... اگر وظیفہ مکمل ہو گیا ہے تو اسرار آج ضرور یہ خوشخبری سنانے آئے گا۔" سارہ نے اپنا اندازہ ظاہر کیا۔ "اگر آیا نہیں تو فون پر اطلاع دے گا۔"

"ہاں...... بی بی...... یہ تو تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔" خالہ سجو نے اس کی بات سے اتفاق کر لیا۔

"ارے صارم ابھی تک نہیں اٹھے...... انہیں اٹھاؤں۔" سارہ کو اچانک صارم کا خیال آیا اور وہ ابھی کمرے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ صارم بیڈروم سے باہر آ گیا۔

"لو...... یہ تو اٹھ کر آ گئے۔" سارہ بولی۔ "جناب میں آپ کو اٹھانے جا رہی تھی۔"

"اوپر...... خیریت تو ہے؟" صارم نے پوچھا۔

"اوپر کوئی نہیں ہے۔ وہ دونوں چلے گئے۔ ابھی خالہ سجو دونوں دروازے بند کر کے آ رہی ہیں۔"

"اچھا...... ہاں بابا صاحب نے بتایا تھا کہ وہ قبرستان سے یہاں آئیں گے اور یہیں سے واپس قبرستان جائیں گے۔" صارم کو یاد آیا۔

"یہ خالہ سجو بتا رہی ہیں کہ رات کو اوپر سے کھٹ پٹ کی آوازیں آتی رہیں۔ ایک چیخ کی آواز بھی سنائی دی۔ اللہ جانے کون چیخا؟" سارہ نے بتایا۔

"اب ساری تفصیل تو اسرار سے ہی معلوم ہو سکے گی۔" صارم نے کہا۔

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد صارم اپنے دفتر جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ گھر کی گھنٹی بجی۔ خالہ سجو نے آ کر بتایا۔ "صاحب جی...... اسرار صاحب آئے ہیں۔"

"ہاں بلاؤ اسے...... ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول دو۔" صارم نے کہا۔

خالہ سجو نے صارم کے حکم کے مطابق اسرار کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔ تھوڑی دیر بعد صارم ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ اسرار اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے...... بیٹھو اسرار۔" صارم نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملایا اور اسے اپنے ساتھ ہی صوفے پر بٹھا لیا۔

صارم نے دیکھا کہ اسرار کے چہرے پر خوشی کے بجائے اداسی تھی۔ اس کا چہرہ دیکھ کر صارم فکرمند ہو گیا، اس نے پوچھا۔ "ہاں، اسرار کیا خبر ہے؟"

"صارم بھائی...... میرے پاس کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔" اسرار نے مایوس لہجے میں کہا۔ "ویسے

آپ یہ بتائیں گھر میں تو خیریت ہے۔''

''ہاں اسرار...... اللہ کا شکر ہے گھر میں ہر طرح سکون ہے۔''

''چلیں یہ اچھا ہے۔ گھر میں اب سکون ہی رہے گا۔'' اسرار نے اداسی بھرے یقین سے کہا۔

''عمل کامیاب ہو گیا۔'' صارم نے پوچھا۔

''کہاں صارم بھائی...... بابا جی کی تو جان پر بن گئی تھی...... زندگی تھی جو بچ گئے۔'' اسرار نے انکشاف کیا۔

''ارے...... میں تو خوش ہو گیا تھا کہ عمل کامیاب ہو گیا۔'' صارم نے کہا۔ ''آخر ہوا کیا؟''

''ہوا یہ صارم بھائی کہ ساتویں رات کو اس شری مخلوق نے بابا جی کے جسم میں آگ لگا دی۔ وہ تو میں نے فوراً ہی پانی سے بھری بالٹی ان پر ڈال دی ورنہ وہ زندہ جل مرتے، ساتھ میں میرا جانے کیا حشر ہوتا۔ پانی ڈالنے سے آگ تو بجھ گئی لیکن پورے جسم میں آناً فاناً آبلے پڑ گئے۔ اس طرح عمل ٹوٹ گیا۔ میں انہیں فوراً گھر لے گیا۔ پورا جسم زخموں سے بھر گیا ہے۔ زخموں پر ایک خاص مٹی لگائی ہے، اس سے فائدہ ہوا ہے۔'' اسرار نے اصل واقعات کو گول کرتے ہوئے نیا قصہ چھیڑا۔ پھر اس جھوٹی کہانی کے اختتام پر بولا۔ ''بابا جی نے مجھے صورت حال سے آگاہ کرنے کے لئے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ بے شک ہمارا عمل پورا نہ ہو سکا لیکن اس کے باوجود ہم نے چھ راتوں کے عمل سے اتنا ضرور کر دیا ہے کہ وہ مخلوق آپ کے گھر کے اندر نہیں داخل ہو سکے گی۔ اس شری مخلوق سے مکمل نجات کے لئے بابا جی صحت یاب ہوتے ہی دوبارہ عمل کریں گے۔ انہوں نے طے کر لیا ہے کہ اس گھر سے اس خبیث مخلوق کو ہمیشہ کے لئے نکال کر رہیں گے۔ فی الحال انہوں نے ہدایت کی ہے کہ آپ لوگ اوپر کسی قیمت پر نہ جائیں۔ اوپر کا پورشن اس وقت تک کے لئے بند کر دیں جب تک بابا جی اس شری مخلوق سے نجات نہ دلا دیں۔''

''ٹھیک ہے اسرار...... گھر میں کھلنے والا زینے کا دروازہ پہلے ہی بند ہے۔ اب میں بیرونی دروازہ بھی بند کئے دیتا ہوں۔'' صارم نے کہا۔

''یہ چابیاں میرے پاس ہیں، مین گیٹ اور زینے کے دروازے کی۔'' اسرار نے اپنی قمیص کی جیب سے دونوں چابیاں نکال کر صارم کے حوالے کر دیں اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''اچھا صارم بھائی اجازت۔''

''ارے کچھ چائے وائے تو پیو۔'' صارم کو اچانک خیال آیا۔

''نہیں صارم بھائی...... بابا جی گھر پر اکیلے ہیں، ان کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔''

''یار...... ان کا مجھ پر بڑا احسان ہے، میری طرف سے انہیں پوچھ لینا۔''

''جی ٹھیک ہے...... صارم بھائی اگر خدانخواستہ کوئی مسئلہ کھڑا ہو جائے اول تو ایسا ہوگا نہیں، لیکن اگر ایسا ہو تو میرے موبائل پر رابطہ کر لیجئے گا۔'' اسرار نے جاتے جاتے تلقین کی۔

صارم اسے باہر گیٹ تک چھوڑنے آیا۔ اس کے جانے کے بعد صارم نے گیٹ بند کیا، پھر زینے کا بیرونی دروازہ لاک کیا اور گھر میں داخل ہوا۔

سارہ اور خالہ بجو دونوں بے چینی سے اس کی منتظر تھیں۔ وہ جاننا چاہتی تھیں کہ بابا کمبل کا عمل مکمل ہوا کہ نہیں۔

''ہاں...... صارم صاحب کیا خبر ہے؟'' سارہ نے خوشدلی سے پوچھا۔

''بھئی خبر تو کوئی اچھی نہیں ہے۔ بابا صاحب زندہ جلنے سے بچ گئے۔ اسرار نے انہیں بچا لیا۔ پورا جسم زخمی ہے۔'' صارم نے اندوہناک خبر سنائی۔

''اوہ...... یہ تو بہت برا ہوا۔'' سارہ پریشان ہو کر بولی۔ ''تبھی وہ دروازے کھلے چھوڑ گئے تھے۔ خالہ بجو نے جو چیخ سنی تھی وہ بابا کی ہی ہوگی۔''

''ہاں۔'' صارم نے کہا۔ ''ایک اطمینان کا پہلو اس بری خبر میں یہ ہے کہ وہ اس شری مخلوق کو یہاں اندر سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ وہ خبیث مخلوق اب گھر میں داخل نہیں ہو سکتی...... لیکن انہوں نے ہدایت کی ہے کہ اوپر کا پورشن مقفل کر دیا جائے، اس وقت تک کے لئے جب تک وہ اس مخلوق کو گھر کے احاطے سے ہی نہ نکال دیں۔''

''اس کا مطلب ہے کہ وہ دوبارہ یہاں آئیں گے۔ اتنے بڑے حادثے کے باوجود انہوں نے ہمت نہیں ہاری۔ بڑا حوصلہ ہے ان میں۔'' سارہ نے تعریف کی۔

''ہاں...... انہوں نے کہلوایا ہے کہ وہ اس شری مخلوق کو گھر سے پورے طور پر نکال کر رہیں گے۔'' صارم نے بتایا۔

☆......☆......☆

بابا کمبل کو صحت یاب ہونے میں چند دن لگے۔ مسان کے علاوہ اس نے صارم کے گھر سے پکڑے گدھ کے پنجے کو جلا کر تیل کشید کیا۔ پھر اس تیل میں مسان کے علاوہ اور کئی چیزیں ملائیں۔ یہ ایک مرہم جیسی چیز بن گئی۔ اس مرہم کو خشک ہوتے زخموں پر لگایا تو چند دنوں میں اس کی جلد صاف ہو گئی۔ اس کے جسم پر زخم کا ایک بھی نشان نہ رہا۔ لگتا ہی نہ تھا کہ بابا کمبل کا یہ وہ جسم ہے جس پر نظر بھر دیکھنا بھی مشکل تھا۔

بابا کمبل دو تکیے پشت سے لگائے تخت پر نیم دراز تھا اور ایک نوجوان عورت آنکھوں میں آنسو بھرے کرسی پر بیٹھی تھی۔ اس نے بابا کمبل کا پیر پکڑا ہوا تھا۔ بس چند لمحوں کی بات تھی کہ وہ شدت غم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے والی تھی۔

''ارے...... روتی کاہے کو ہے۔'' بابا کمبل نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

اتنا کہنا تھا کہ وہ بابا کمبل کے پیروں پر سر رکھ کر بے اختیار رو پڑی۔

بابا کمبل نے اپنے پاؤں ایک جھٹکے سے پیچھے کھینچ لئے اور غصے سے بولا۔ ''ارے کہا نا کہ روتی

کیوں ہے، چل سیدھی ہو کر بیٹھ۔ آنسو پونچھ اور میری بات غور سے سن۔''

وہ نوجوان عورت فوراً پیچھے اٹھ کر بیٹھ گئی اور اپنے دوپٹے سے آنسو صاف کر کے بابا کمبل کی طرف امید بھرے انداز میں دیکھا۔

''تجھے اولاد چاہئے نا۔'' بابا کمبل نے پوچھا۔

''ہاں بابا۔'' یہ کہتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو پھر امڈ آئے۔

''او...... بابا...... رونا بند کر...... نہیں تو تجھے باہر بھیج دوں گا۔'' بابا کمبل نے تنبیہ کی۔

شام کا وقت تھا، جمعرات کا دن تھا۔ بابا کمبل کے گھر کا صحن اس وقت عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ آج کا دن صرف عورتوں کے لئے مخصوص تھا۔ اسرار ناصر دروازے پر بیٹھا تھا۔ وہ ایک ایک کر کے عورتوں کو بابا کمبل کے پاس بھیجتا جا رہا تھا۔

یہ چوتھی یا پانچویں عورت تھی جو اپنے مسئلے کے حل کے لئے بابا کمبل کے پاس پہنچی تھی۔ اولاد سے محرومی نے اس کے ہوش وحواس گم کر دیئے تھے۔ اس کی ساس نے زندگی عذاب کر دی تھی۔ وہ اٹھتے بیٹھتے اپنے بیٹے کی دوسری شادی کراتی رہتی تھی۔ اب تو اس کا شوہر بھی اسے طلاق دینے پر آمادہ ہو گیا تھا، بابا کمبل اب آخری سہارا تھا۔ بابا کی اس نے بہت شہرت سنی تھی۔ وہ بڑی امیدیں لے کر یہاں آئی تھی۔

اس نے بابا کی تنبیہ سنتے ہی فوراً آنسو پونچھ ڈالے اور کسی حد تک مسکرانے کی بھی کوشش کی۔

''دیکھ بابا...... تیرے ہاں اولاد ہو جائے گی...... پر ایک شرط ہے۔'' بابا کمبل نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

شرط کا سن کر اس نوجوان عورت کی آنکھوں میں روشن امید کے دیے بجھنے لگے، جانے بابا کمبل کیا شرط لگائے۔ وہ شرط پوری کر سکے، نہ کر سکے۔

''گھبرا مت...... بابا کمبل اور قسم کا آدمی ہے...... مجھے عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔'' بابا نے اس کی الجھن دور کی۔

''ٹھیک ہے بابا...... آپ شرط بتائیں۔ میں بہت امیدیں لے کر آپ کے پاس آئی ہوں۔''

''دیکھو بابا...... اولاد تجھے مل جائے گی۔ ایک نہیں کئی بچے ہوں گے لیکن شرط یہ ہے کہ پہلا بچہ ہمارا ہوگا۔ پہلے بچے پر تیرا کوئی اختیار نہ ہوگا۔'' بابا کمبل نے اپنی شرط بتائی۔

''بابا...... یہ سب کیسے ہوگا۔'' وہ نوجوان عورت کانپ اٹھی۔

''بچے کی پیدائش کے بعد جب تو اسپتال سے گھر جائے گی، اسی رات کالے کپڑوں میں ایک شخص آئے گا۔ وہ کہے گا بابا کی امانت دے دو تو تم نوزائیدہ بچہ اس کے حوالے کر دینا اور اسی صبح ہمارے پاس آ جانا۔ بس پھر تمہارے ہاں ہر سال دو جڑواں بچے ہوں گے۔ تمہارا گھر بچوں سے بھر جائے گا۔''

''سچ بابا۔'' وہ نوجوان عورت بے اختیار پھول کی طرح کھل اٹھی۔

''بابا...... کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔'' بابا کمبل نے یقین سے کہا۔

''ٹھیک ہے بابا۔ میں اپنے شوہر سے بات کر لوں۔'' عورت نے کہا۔

''ہاں کر لے...... ضرور کر لے...... لیکن ایک خطرہ ہے۔ ہو سکتا ہے تیرا شوہر ہمیں اپنی اولاد دینے پر راضی نہ ہو، تو ایسا کر ہم سے پڑیا لے جا، جب امید سے ہو جائے تو اپنے شوہر سے بات کر لینا۔''

''اگر بابا...... وہ پھر بھی راضی نہ ہوا تو......'' نوجوان عورت بات پوری نہ کر سکی۔

''تو فکر نہ کر...... ہمیں بچہ چھیننا بھی آتا ہے۔ ہم اسے اٹھوا لیں گے۔ بس تم ہمارا ساتھ دینا۔ اگر تم مکر گئیں تو یاد رکھو وہ بچہ پھر بھی تمہارا نہ رہے گا۔ وہ سات دن کے اندر چل بسے گا۔''

''بابا...... پھر میں ایسا کرتی ہوں...... میں کسی سے بات کرتی ہی نہیں۔ میں خفیہ طور پر بچہ آپ کے حوالے کر دوں گی...... لیکن پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اولاد سے محروم ہی رہوں۔'' نوجوان عورت نے خدشہ ظاہر کیا۔

''نہیں...... ایسا نہیں ہوگا...... بابا جو کہتا ہے، وہ کر کے دکھاتا ہے۔''

''ٹھیک ہے بابا...... پھر آپ مجھے پڑیا دے دیں۔ پہلا بچہ آپ کا ہوا۔'' نوجوان عورت نے دل پر پتھر رکھ کر کہا۔

''ہاں...... یہ ہوئی نہ بات۔'' بابا کمبل نے خوش ہو کر کہا۔ ''او...... اسرار۔'' پھر اس نے آواز لگائی۔

اسرار دروازے پر ہی بیٹھا تھا وہ فوراً اٹھ کر سامنے آ گیا۔ ''جی بابا۔''

''اسرار...... اس کو اولاد والی پڑیا دے دے۔'' بابا کمبل نے کہا۔

اسرار دوسرے کمرے سے ایک پڑیا اٹھا لایا اور اسے بابا کمبل کے قدموں میں رکھ دیا۔

''بابا...... یہ پڑیا اٹھا لو۔'' بابا کمبل نے اس نوجوان عورت کو ہدایت کی۔ ''جب تمہارا شوہر سو جائے تو اس پڑیا کو مٹھی میں لے کر سات بار اس کے سر پر گھما دینا۔ پھر اس پڑیا کو کسی خفیہ جگہ پر رکھ دینا۔ اس پڑیا کو کھول کر ہرگز مت دیکھنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گی۔ ایک ماہ کے اندر اندر تمہیں خوشخبری ملے گی۔ جب ڈاکٹر تمہیں خوشخبری سنا دے تو اس پڑیا کو خفیہ جگہ سے نکال کر فلش میں بہا دینا۔ خوشخبری سننے کے بعد اس پڑیا کو فلش میں ڈالنے میں دیر بالکل نہ کرنا...... ہماری بات تمہاری سمجھ میں آ گئی۔''

''جی بابا...... میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں۔'' نوجوان عورت نے کہا۔

''بس...... بابا...... پھر جاؤ۔'' بابا کمبل نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''بابا...... آپ کی کیا خدمت کروں۔'' اس نوجوان عورت نے پرس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''اپنی بات پر قائم رہنا...... بس اسی کو ہمارا انعام سمجھو۔'' بابا کمبل نے کہا۔

''ٹھیک ہے بابا...... میں چلتی ہوں۔'' وہ نوجوان عورت اٹھتے ہوئے بولی۔

''اسرار اگلی سائلہ بھیج۔'' بابا کمبل نے اس نوجوان عورت کے جانے کے بعد آواز لگائی۔
بس پھر اسرار ایک کے بعد ایک عورت بھیجتا رہا، ہر عورت اپنا مسئلہ بیان کرتی رہی۔
''بابا...... میرا شوہر بڑا ظالم ہے۔ مجھے مارتا ہے۔'' کوئی کہتی۔
''بابا...... میرا شوہر بڑا خراب ہے۔ دوسری عورتوں کے چکر میں رہتا ہے۔'' کسی اور نے شکوہ کیا۔
''بابا...... میری ساس نندوں نے میری زندگی اجیرن کر دی ہے۔'' کوئی اور بولی۔
''بابا...... میرے سر میں ہر وقت درد رہتا ہے کسی نے جادو کرا دیا ہے۔'' کسی نے شکایت کی۔
زیادہ تر عورتوں کے اسی طرح کے مسائل تھے۔ کچھ عورتیں اپنی نوجوان لڑکیوں کو لے کر آتیں۔ وہ حال کھیل رہی ہوتیں۔ ان سب پر کسی جن کا سایہ ہوتا، آسیب ہوتا۔
بابا کمبل شیطانی علم کا ماہر تھا۔ وہ ایسے مسائل چٹکیوں میں حل کرنے کا دعویٰ کرتا تھا۔ مسائل حل ہوتے یا مزید الجھ جاتے یہ الگ مسئلہ...... لیکن وہ اپنی شعبدہ بازی سے پریشان حال عورتوں کے دل میں جگہ بنا لیتا اور ان سے ٹھیک ٹھاک رقم اینٹھ لیتا۔
اولاد سے محروم عورتیں وہ کچھ کرنے پر راضی ہو جاتیں جس کا تصور کر کے ہی آدمی کانپ اٹھے۔
جس نوجوان عورت نے اپنا پہلا بچہ بابا کمبل کے حوالے کرنے کا وعدہ کیا، اس کے ہاں بچہ ضرور ہوا جو اس نے خاموشی سے وعدے کے مطابق کالے کپڑے والے شخص اسرار کے حوالے کر دیا، لیکن پھر وہ کبھی صاحب اولاد نہ ہو سکی اور اسی غم میں وہ پاگل ہو کر چل بسی۔ بابا کمبل نے اس بچے کے ساتھ کیا سلوک کیا، یہ وہ نوجوان عورت نہ جان سکی۔ بابا کمبل ایک انتہائی سفاک شخص تھا۔ شیطان کا چیلا...... جو شخص اپنے باپ کو قتل کر دے اس کے دل میں محبت نام کی چیز کہاں سے آئے گی۔ وہ ایک پتھر دل شخص تھا۔ جادو کے ذریعے بندوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانا اس کا دلچسپ مشغلہ تھا۔ سب سے زیادہ خوشی اسے کسی کی جان لے کر ہوتی تھی۔
وہ مالدار عورت جو اپنی سوکن کی جان کا سودا اسی ہزار میں کر گئی تھی، وعدے کے مطابق وہ ستر ہزار روپے بابا کمبل کے حوالے کر گئی۔ اس کی سوکن محض چند گھنٹوں میں چل بسی تھی۔ جادو کا اثر شروع ہوتے ہی اسے سانس لینے میں دقت پیش آنے لگی۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہو۔ آناً فاناً اسے اسپتال پہنچایا گیا، لیکن کوئی ڈاکٹر اسے بچا نہیں سکا۔ وہ شہر کے کئی بڑے ڈاکٹروں کے سامنے دم توڑ گئی۔ کوئی اس کی بیماری کے بارے میں تشخیص نہ کر سکا۔ بس وہ چند گھنٹوں میں چٹ پٹ ہو گئی۔
اس کے شوہر کو اپنی حسین بیوی کی موت کا بہت دکھ ہوا۔ اس پراسرار موت نے یہاں سے وہاں تک ہلچل مچا دی۔ خاندان کے سارے لوگ بہت پریشان ہوئے۔ بالآخر مرحومہ کی ماں نے کسی عامل سے رجوع کیا تو اس عامل نے بتایا کہ الماری میں لٹکے سرخ سوٹ کی شلوار میں ایک پڑیا رکھی ہے۔'' یہ

موت اس پڑیا کی وجہ سے ہوئی ہے، جادو کرنے والا کوئی زبردست عامل ہے۔ اس جادو کا کاٹا پانی بھی نہیں مانگتا اور یہ کہ اس جادو کو کرانے والی اس کی پہلی بیوی ہے۔ یہ معلوم ہوتے ہی اس نے کھڑے کھڑے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دی اور مرحومہ کی چھوٹی بہن سے دوسری شادی کر لی۔ طلاق ملتے ہی اس عورت نے خودکشی کر لی۔ یہ ہوا انجام دوسرے کی جان لینے کا۔
اس طرح کے انجام سے بابا کمبل ہرگز متاثر نہیں ہوتا تھا، وہ سفاک شخص روز بروز اپنی طاقت بڑھانے کے چکر میں سرگرداں رہتا تھا، اپنے انجام سے بے خبر وہ اپنی طاقت بڑھانے کی ہوس میں سب کچھ بھول بیٹھا تھا۔
عورتوں کے جانے کے بعد اسرار نے آج کی ''کمائی'' کو شمار کیا، یہ خاصی موٹی رقم تھی، بابا کمبل نے ان نوٹوں کو بکس کا تالا کھول کر اس میں ڈالا، یہ بکس نوٹوں سے بھرنے لگا تھا۔
اسرار ان نوٹوں بھرے بکس کو دیکھتا تو اس کا دل للچا اٹھتا، بابا کمبل کی شاگردی میں رہ کر اسرار میں وہ تمام خباثتیں پیدا ہوتی جا رہی تھیں جو بابا کمبل میں بدرجۂ اتم موجود تھیں، وہ بابا کمبل سے خاصا کچھ سیکھتا جا رہا تھا۔ جیسے جیسے وہ کالے علم کی طرف بڑھ رہا تھا، ویسے ویسے اس کا دل سیاہ ہوتا جا رہا تھا، کفر کی طرف بڑھتے قدم اسے ایسی دنیا کی طرف لے جا رہے تھے جہاں چاروں طرف آگ ہی آگ تھی، لیکن اسے اس کی پروا نہ تھی کہ وہ کس آگ کی طرف بڑھ رہا ہے، وہ تو آگ کو گلزار سمجھ کر آگے اور آگے بڑھتا ہی جاتا تھا۔
اب وہ بابا کمبل کے خاصا قریب آ گیا تھا، وہ اس سے ایسے سوال بھی کر لیا کرتا تھا جنہیں پہلے پوچھتے ہوئے اس کی جان نکلتی تھی۔
جب سے اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ بابا کمبل اپنے باپ کا قاتل ہے، وہ ایک الجھن کا شکار تھا، اس کا ذہن بار بار یہ سوال کرتا تھا کہ آخر بابا نے اپنے باپ کو کیوں مارا۔ اس کے باپ نے ساتویں رات کو رنگ میں بھنگ ڈال دیا تھا، اسے زندہ جلانے کی کوشش کی اور اس نے بابا کمبل کو اس آگ سے بچانے کیلئے اس پر پانی ڈال دیا تھا لیکن بابا کمبل خوش ہونے کے بجائے اس سے ناراض ہو گیا تھا، یہ بات بھی ابھی معمہ تھی۔ اگر وہ پانی سے بھری بالٹی بابا کمبل پر نہ الٹتا تو کیا وہ اسے جلا کر خاک نہ کر دیتی، اس مسئلے پر بھی بابا کمبل نے زبان نہیں کھولی تھی، کئی خطرناک باتوں پر اسرار کے پردے پڑے ہوئے تھے اور اسرار ناصر اس معاملے میں بابا کمبل سے بات کرتے ہوئے ڈرتا تھا۔
ایک رات جب بابا کمبل کھانا کھا کے اور مشروب خاص پی کر کسی مردے کی طرح ہاتھ پاؤں ڈال کر لیتا تھا اور وہ اس کے ہاتھ پاؤں دبا رہا تھا تو اچانک اسرار کے ذہن میں یہ سوال چکرانے لگا کہ آخر بابا نے اپنے باپ کو کیوں مارا؟
''او...... اسرار...... ! کیا سوچ رہا ہے؟'' اچانک بابا کمبل نے اپنی زرد آنکھیں کھول کر اسرار کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں بابا......!بس ایسے ہی۔" اسرار ناصر اپنے خیال کی چوری پر چور سا ہوا۔

"ارے جو سوچ رہا ہے، وہ بول ..... ڈرتا کیوں ہے، تو میرا پہلا اور آخری چیلا ہے۔" بابا کمبل نے اس کی ہمت بندھائی۔

"بابا......!ایک بات ہے میرے جی میں...... پر پوچھتے ہوئے ڈرتا ہوں کہیں آپ ناراض نہ ہو جائیں۔" وہ ڈرتے ڈرتے بولا۔

"او...... نہیں ہوں گے ناراض..... تجھے کہا تو ہے بول، کھل کر بول...... جو پوچھنا ہے، کھل کر پوچھ...... آج تیری ہر بات کا جواب ملے گا۔" بابا کمبل جیسے کسی ترنگ میں تھا۔

"بابا......! آپ نے اپنے والد کو کیوں قتل کیا؟" بالآخر اسرار ناصر کی نوک زبان پر یہ خطرناک سوال آیا۔

"او، اسرار......!اگر میں اسے نہ قتل کرتا تو وہ مجھے قتل کر دیتا۔" بابا کمبل نے صاف کہا۔

"کیوں آخر......؟" اسرار ناصر نے وضاحت طلب کی۔

"دیکھ اسرار......! میں تجھے بتاؤں میرا باپ بڑا زبردست عامل تھا، اس نے یہ عملیات ایک بنگالی جادوگر سے سیکھے تھے، میرا باپ اس بنگالی جادوگر کی خدمت میں چودہ سال رہا تھا، وہ کالی کا پجاری تھا، اس کے پاس طاقت کا خزانہ تھا، جو کام دوسرے عامل پتلا بنا کر یا ہانڈی کا وار کر کے کرتے ہیں، وہ کام چٹکیوں میں کر دیا کرتا تھا، میرے باپ نے اس سے بہت کچھ سیکھا پھر میرا باپ پاکستان آ گیا، اس شہر میں اس کی ٹکر کا ایک بھی عامل نہ تھا، وہ کالے علم کا بے تاج بادشاہ تھا، بہت سے عامل اس کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے، میں نے بچپن سے اپنے گھر میں اپنے باپ کو مختلف جاپ کرتے دیکھا، میرے دل میں بھی جادو سیکھنے کا شوق جاگا، میں شروع ہی سے اپنے باپ کی معاونت کرتا تھا، بڑے سے کمرے میں بے شمار مرد عورت بھرے رہتے، میرا باپ کالے کپڑوں میں ملبوس ایک تخت پر بیٹھا رہتا، اس کے سر پر سفید ٹوپی ہوتی اور گلے میں بڑے بڑے منکوں کی مالا...... تخت پر سفید چادر بچھی ہوتی، میرا باپ ایک خوبصورت آدمی تھا، میری طرح کالا کلوٹا نہیں...... میں دراصل اپنی ماں پر گیا ہوں، میری ماں ایک بدصورت عورت تھی، وہ موٹے ہونٹ والی کوئی حبشن لگتی تھی، مجھے نہیں معلوم کہ میرے باپ نے اس بدصورت عورت سے کیسے شادی کر لی، میں دس بارہ سال کا تھا کہ میری ماں کا انتقال ہوا، وہ مٹی کے تیل کا چولہا پھٹنے سے مری...... میرے باپ کو شاید میری ماں سے بہت محبت تھی، شاید اسی لئے اس نے دوسری شادی نہیں کی، میں اس کی اکلوتی اولاد تھا، میرے باپ کی ساری توجہ مجھ پر مبذول ہو گئی، اس نے مجھے چھوٹے چھوٹے عمل سکھانے شروع کئے، میں تو اس دنیا کو دیکھ کر ہی دنگ رہ گیا، کالی دنیا بڑی انوکھی اور عجائبات سے بھری ہے، کالے علم میں میری دلچسپی روز بروز بڑھتی گئی، علم نوری ہو یا ناری...... علم کی کوئی حد نہیں ہوتی، آدمی اپنی طاقت بڑھانے کیلئے ہمہ وقت کوشاں رہتا ہے، میرا باپ بھی اپنی طاقت بڑھانے کیلئے نت نئے عمل کرتا رہتا تھا، کالے علم کی دنیا ہمہ وقت

بھینٹ مانگتی ہے اور جو بھینٹ سب سے مقبول ہے، وہ انسانی بھینٹ ہے، انسانی بھینٹ دے کر عامل دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا ہے، میں سترہ سال کا ہو چکا تھا، میں کالے علم کے بہت سے اسرار رموز سے واقف ہو گیا تھا...... ایک دن اچانک میں نے اپنی باپ کی نظروں سے خون ٹپکتا دیکھا، وہ مجھے بڑی پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا لیکن مجھے اس کی نظروں میں خون کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، میں بھی اپنے باپ کا بیٹا تھا، مجھے اندازہ ہو گیا کہ میرے باپ کے دل میں اس وقت کیا خواہش ابھری ہے، پھر اس نے ایک ایسا عمل شروع کر دیا کہ اس کے اثرات مجھ پر ظاہر ہونے لگے، میرے دل میں بعض وقت ایسی ٹیس اٹھتی کہ میں سوتے سوتے تڑپ کر اٹھ جاتا، جب جاگتا تو میرا باپ کچھ پڑھ رہا ہوتا پھر ہمہ وقت میرے دل میں یہ احساس رہنے لگا جیسے کوئی لمبی سی سوئی چبھ گئی ہو، کسی طرح چین ہی نہ آتا تھا، اب مجھے کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہا تھا، ایک رات دل میں شدید ٹیس اٹھی میں تڑپ کر اٹھا تو میں نے دیکھا کہ میرا باپ میری چارپائی کے سرہانے کھڑا بڑی تیزی سے کچھ پڑھ رہا ہے۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور باپ سے احتجاجاً بولا۔ "ابا......! تم کیا کر رہے ہو؟"

"کچھ نہیں اکمل......! تیری حفاظت کیلئے ایک عمل کر رہا ہوں۔" ابا نے سفید جھوٹ بولا۔

"ابا......! ایسا مت کرو، دیکھو ابا میں تمہارا اکلوتا بیٹا ہوں۔" میں نے بڑی لجاجت سے کہا۔

"ہاں...... ہاں میں جانتا ہوں...... تو میرا اکلوتا بیٹا ہے، میرا پیارا ہے، تیری حفاظت بڑی ضروری ہے، تو جانتا ہے کہ میرے علم کی طاقت سے کتنے لوگ جلتے ہیں، یہاں دشمن بہت ہیں، ڈرتا ہوں کہیں کوئی تجھے نقصان نہ پہنچا دے۔" ابا نے ایک نئی کہانی گھڑی تھی۔

میں اب یہ بات اچھی طرح جان گیا تھا کہ میرا اصل دشمن کون ہے، میرا باپ اس وقت سو دشمنوں کا ایک دشمن تھا، اسے دیکھتے ہی میرا دل بیٹھنے لگتا تھا، یہ احساس کہ دل میں کوئی سوئی سی چبھی ہوئی ہے، یہ احساس بڑھتا ہی جاتا تھا۔

ایک رات جب میں چارپائی پر آنکھیں بند کئے لیٹا تھا تو میرا باپ یہ سمجھ کر میں سو رہا ہوں، اس نے میری زندگی کے خاتمے کا عمل شروع کر دیا...... بس وہ آخری رات تھی، آخری موقع تھا اس کے بعد میرے جسم میں بالکل جان نہ رہتی، میں مفلوج ہو کر رہ جاتا، پھر اگر وہ میری گردن پر چھری بھی پھیر دیتا تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا، ہاتھ تو بڑی بات ہے، میں اپنی انگلی ہلانے کے قابل بھی نہ رہتا...... تب میں نے سوچا ابھی یا پھر کبھی نہیں۔

مجھے اپنی جان عزیز تھی اور کسے اپنی جان عزیز نہیں ہوتی، میرا اپنا باپ میری جان کا دشمن بن گیا تھا، یہ بڑی ہولناک بات تھی، مجھے ہر قیمت پر اپنی جان بچانا تھی اور جان بچانے کی بس ایک ہی ترکیب تھی تخت یا تختہ......! وہ رہے یا میں رہوں۔

میں تیزی سے چارپائی پر اٹھ کر بیٹھ گیا، یہ حرکت میرے باپ کیلئے بڑی غیر متوقع تھی، وہ ایک دم گھبرا کر پیچھے ہٹا، مجھے موقع مل گیا، میں تیزی سے اپنے باپ کی چارپائی کی طرف بھاگا، اتنی دیر میں

میرا باپ سمجھتا کہ میں کیا کرنے جا رہا ہوں، میں وہ تیز چھری نکال لایا جسے میرا باپ ہمیشہ اپنے تکیے کے نیچے رکھ کر سوتا تھا، جب میں دوبارہ کمرے میں آیا تو چھری والا ہاتھ پیچھے تھا، میں نے دیکھا وہ اب بھی کھڑا بہت تیزی سے کچھ پڑھ رہا ہے، اسے مسلسل پڑھتا دیکھ کر میری رگوں میں غصہ بجلی کی سی تیزی سے دوڑ گیا۔

میں نے اس پر پے در پے چھری کے وار کر دیئے، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں ایسا انتہائی قدم اٹھالوں گا، جب تک وہ سنبھلتا، میں نے چھریوں کے وار سے اس کا جسم چھلنی کر دیا، میرا باپ چند منٹ میں تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا، اس کے مرتے ہی جیسے مجھے لگا کہ میں آزاد ہو گیا ہوں، میرا ذہن کھل گیا تھا، میرے دل سے سوئی کی سی چبھن یکلخت ختم ہو گئی تھی، میں نے چھری وہیں فرش پر پھینکی، پورے اطمینان سے نہایا دھویا، نئے کپڑے تبدیل کئے، اپنے خون آلود کپڑے ایک تھیلے میں ڈالے اور اپنے گھر کی دیوار کود کر سڑک پر آ گیا، قریب ہی ایک نالہ تھا، خون آلود کپڑے کا تھیلا باندھ کر نالے میں پھینکا اور پھر اطمینان سے چہل قدمی کرتا گھر کی طرف بڑھا اور دروازے پر پہنچ کر زور زور سے دروازہ پیٹنے لگا ساتھ ہی آوازیں بھی دیتا جاتا تھا ''ابا...... ابا......!''

جب مجھے دروازہ پیٹتے خاصی دیر ہو گئی تو پاس پڑوس کے لوگ گھروں سے باہر نکل آئے، میں نے انہیں بتایا کہ میں فلم کا آخری شو دیکھ کر آ رہا ہوں، اتنی دیر سے دروازہ پیٹ رہا ہوں، ابا دروازہ کھولتے ہی نہیں۔ پڑوسیوں نے اپنی سی کوشش کر کے دیکھ لی، دروازہ پیٹ پیٹ کر لوگ تھک گئے تو ایک پڑوسی نے مجھے گھر میں کود جانے کا مشورہ دیا، پھر اس نے اپنا کندھا پیش کیا، میں نے اس کے کندھے پر چڑھ کر دیوار پکڑ لی اور اس پر چڑھ کر اندر کود گیا، وہاں اندر میں نے اپنے باپ کی خون آلود لاش دیکھی، چیخ مار کر دروازے کی طرف آیا، اندر سے کنڈی کھولی، دروازہ کھلتے ہی کئی پڑوسی اندر گھس آئے اور سب نے میرے باپ کی خون آلود لاش دیکھ لی۔

میرا ڈرامہ کامیاب رہا، میرے بارے میں کوئی شبہ بھی نہ کر سکا کہ یہ کام میں نے کیا ہے، ایک تو میری عمر کم، دوسرے اپنے باپ کا اکلوتا، فرمانبردار بیٹا...... میں کس طرح اپنے باپ کو قتل کر سکتا تھا اور کیوں......؟

باپ کے مرنے کے کچھ عرصے بعد میں نے وہ گھر چھوڑ دیا، پیسے کی کوئی کمی نہ تھی، مجھے معلوم تھا میرے باپ نے صحن میں کس جگہ صندوقچی میں نوٹ دفن کئے ہوئے ہیں، میں نے معاملہ ٹھنڈا ہونے کے بعد وہ سارا دفینہ نکالا اور ایک نئے علاقے میں گھر لے لیا۔

اس کے بعد آہستہ آہستہ اپنا کام جمایا، جو باپ سے سیکھا تھا، اس علم کو آگے بڑھایا، محنت کرتا گیا، پھل پاتا گیا، قصہ مختصر آج میں جیسا بھی ہوں، تمہارے سامنے ہوں۔'' بابا کمبل نے بالآخر اپنی کہانی ختم کی۔

''ایک بات اور بتائیں بابا......! آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟'' اسرار ناصر کے ذہن میں

اچانک یہ سوال آیا۔

''ارے اسرار......! میں تجھ جیسا خوبصورت تو ہوں نہیں...... مجھے اپنی بیٹی کون دیتا؟'' بابا کمبل نے ہنس کر کہا۔

''یہ تو بابا قسمت کی بات ہے، خوبصورتوں کو بدصورت اور بدصورتوں کو خوبصورت بیویاں مل جاتی ہیں۔''

''بس میری قسمت میں بیوی نہیں...... نہ اچھی نہ بری۔''

''مجھے تو لگتا ہے کہ آپ نے شادی کی کوشش ہی نہیں کی۔''

''ہاں......! اسرار تیری یہ بات بھی صحیح ہے، میں نے شادی کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں اور نہ سوچنے کی ایک خاص وجہ تھی۔''

''وہ کیا......؟'' اسرار ناصر نے پوچھا۔

''میرا باپ مرنے کے بعد میرے خواب میں آیا تھا، پتہ نہیں وہ خواب تھا یا حقیقت میں آیا تھا، اس رات میں نیم غنودگی کے عالم میں تھا، نہ سو رہا تھا، نہ جاگ رہا تھا، میں نے اپنے باپ کو اپنے سرہانے کھڑے دیکھا، ایک لمحے کو تو میری جان نکل گئی، میری نظر میں قتل سے پہلے کا منظر گھوم گیا، جب وہ مجھے مارنے کیلئے میرے سرہانے کھڑا جاپ کیا کرتا تھا، لیکن پھر فوراً ہی دماغ میں یہ بات آ گئی کہ میں تو اپنے باپ کو قتل کر چکا ہوں، یہ کوئی خواب ہے...... میرا باپ میرے سرہانے کھڑا مجھے گھور رہا تھا، میں اب پوری طرح جاگ چکا تھا، میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''اکمل......! تو نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا، یاد رکھ تو نے مجھے مارا ہے، ایک دن آئے گا کہ تیری اولاد تجھے مارے گی، تو مکافات عمل سے بچ نہ سکے گا۔'' میرے باپ نے بڑے غصے سے کہا اور پھر پلٹ کر دروازے سے نکل گیا۔

میں سمجھ ہی نہ سکا کہ یہ خواب ہے یا حقیقت...... لیکن باپ کی اس بات سے میرے دل میں خوف بیٹھ گیا، میں نے اسی وقت طے کر لیا کہ شادی نہیں کروں گا، جب شادی نہیں کروں گا تو اولاد کہاں سے ہوگی اور جب اولاد نہیں ہوگی تو مجھے مارنے کا کون......؟ میں نے اس ڈر کی وجہ سے اپنا کوئی شاگرد بھی نہیں بنایا، تم پہلے اور آخری شاگرد ہو، کہیں تم مجھے نہ مار دینا۔'' بابا کمبل ہنستے ہوئے بولا۔

''ارے بابا......! کیا بات کر رہے ہیں۔'' اسرار ناصر نے اپنے دونوں کان پکڑے۔ ''توبہ توبہ......! میں اپنے محسن کو ماروں گا، آپ نے مجھے اتنا کچھ سکھایا ہے۔''

''او اسرار......! ابھی میں نے تجھے کچھ نہیں سکھایا، تو نے اسی کو اتنا کچھ سمجھ لیا بے وقوف...... یہ کالی دنیا بہت بڑی ہے، ایسے ایسے کرشمے ہیں، چھپے ہیں اس دنیا میں کہ تو دیکھے تو دنگ رہ جائے۔'' بابا کمبل نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''چل چھوڑ میرے پاؤں...... بہت دبا لیا تو نے۔''

اسرار ناصر نے تکیے اٹھا کر دیوار سے لگا دیئے، بابا کمبل نے پیچھے کھسک کر ان سے ٹیک لگا لی۔

''بابا......!ایک بات اور......؟''

''ہاں......ہاں......!پوچھ لے جو کچھ پوچھنا ہے، آج پوچھ لے پھر تجھے ایسا موقع نہیں ملے گا۔''

''بابا......! آپ کے ابا جب اس رات یہاں تک پہنچ گئے تھے تو وہ اندر کیوں نہیں آئے، وہ دیوار کے اوپر سے بھی آ سکتے تھے، اس گھر کی دیواریں کونسی اونچی ہیں، میں کود کر اندر آ سکتا ہوں۔''

''میرے ابا اگر اندر آ سکتے تو آ نہ جاتے، وہ پھر دروازے سے کیوں لوٹ گئے؟'' بابا کمبل نے الٹا اس سے سوال کر دیا۔

''شاید انہیں آپ کی بات سن کر ٹھیس پہنچی، آپ نے یہ جو کہہ دیا کہ دروازہ نہیں کھلے گا، میرا تمہارا کوئی رشتہ نہیں۔'' اسرار ناصر نے اپنی عقل کے مطابق بات کی۔

''او......اسرار تو نہیں جانتا کہ میرا باپ انتقام کی آگ میں جل رہا ہے، بس موقع کی تلاش میں ہے لیکن میری حفاظت کرنے والے بھی کچھ کم نہیں......میرا باپ اتنی آسانی سے مجھے نہیں مار سکتا۔''

''آپ کے جسم میں آگ لگا تو دی تھی۔''

''وہ محض ایک تماشا تھا، میرا عمل توڑنے کیلئے اس کاکور کے بچے نے بڑی عیاری سے میرے باپ کو استعمال کیا، ادھر اس نے شعبدہ دکھایا اور ادھر تو نے پانی سے بھری بالٹی مجھ پر الٹ دی، میرا عمل بکھر گیا، جو کام وہ کاکور خود نہ کر سکا، وہ تو نے کر دکھایا۔'' بابا کمبل کے لہجے میں غصہ عود کر آیا۔

اسرار ڈر گیا، یہ میں نے کیا قصہ چھیڑ دیا، بڑی مشکل سے اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا تھا، ویسے بابا کمبل نے اسرار ناصر کو کچھ نہیں کہا تھا اس لئے کہ وہ سارے اسرار و رموز سے واقف تھا، اسرار کا عمل سو فیصد فطری تھا، وہ اپنے استاد کے جسم میں آگ لگی کس طرح برداشت کر سکتا تھا۔

''چل دفع کر......اس قصے کو، جو ہونا تھا ہو گیا، اب آگے کی سوچنا ہے، بس کسی طرح میرے ہاتھ کاکور آ جائے پھر دیکھ میں کیا تماشا کرتا ہوں، میرے ہاتھ میں ایسی طاقت آ جائے گی کہ یہ دنیا مجھے سو بار جھک جھک کر سلام کرے گی۔'' بابا کمبل نے جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھا۔

''بابا......!فرض کرو، اگر کاکور آپ کے ہاتھ نہ آیا تو......؟'' اسرار نے بات ادھوری چھوڑی۔

''تو......او، اسرار کالی دنیا میں ایک کاکور تھوڑا ہی ہے، طاقت حاصل کرنے کے بہت راستے ہیں۔'' بابا کمبل نے اچانک اسرار کو گھور کر دیکھا۔

اسرار نے محسوس کیا کہ بابا کمبل کی زرد آنکھوں میں خون کی سرخی گھلتی جا رہی ہے، وہ بڑے پیار سے اسرار کو دیکھے جا رہا تھا لیکن اسرار کو اس کی آنکھوں میں صاف خون اترتا دکھائی دے رہا تھا۔

وہ بابا کمبل کی خونی نظریں دیکھ کر کانپ اٹھا اور گھبرا کر بولا۔ ''بابا......!ایسا سوچنا بھی نہیں۔''

☆......☆......☆

''کیا نہ سوچوں......؟ اسرار کیا کہہ رہا ہے تو۔'' بابا کمبل نے حیران ہو کر پوچھا۔

اب اس کا چہرہ بدل چکا تھا......وہ خون جو چند لمحوں پہلے اس کی زرد آنکھوں میں نظر آ رہا تھا،

غائب تھا۔

''کچھ نہیں بابا......!'' اسرار ناصر نے اپنی کہی ہوئی بات فوراً چھپا لی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بات واضح ہو کر کسی خرابی کا باعث بن جائے۔ یہ بات اس کی زبان سے بے اختیار نکل گئی تھی، یہ چند لمحوں کا احساس تھا۔ بابا کمبل کا چہرہ کسی خیال کے تحت ایک دم بدلا تھا اور اسرار ناصر کے یہ کہتے ہی ''بابا ایسا سوچنا بھی نہیں'' وہ ایک دم نارمل ہو گیا تھا۔ بابا کمبل بڑا حیران تھا کہ اسرار نے اس کے دل میں آئی بات کو کس طرح اپنی گرفت میں لے لیا، وہ یہ اندازہ نہ کر سکا کہ اس کے دل کی بات خون بن کر آنکھوں میں اتر آئی تھی۔

بابا کمبل اسے دیکھ کر مسکرایا۔ ''تو بڑا ذہین ہے اسرار......!تو اس فن میں بڑی ترقی کرے گا۔''

''بس بابا......!میرا خیال رکھنا۔'' اسرار بڑی وفاداری سے بولا۔ ''میں نے سب کو چھوڑ دیا ہے، اب جو کچھ ہو، وہ تم ہی ہو......اب میرا مرنا جینا تمہارے ساتھ ہے۔''

''ہاں، ہاں......!پریشان کیوں ہوتا ہے، ہم تجھے وہ کچھ سکھا دیں گے کہ تو جب تک جیئے گا، ہمیں یاد کرے گا۔'' بابا کمبل نے بڑے یقین بھرے لہجے میں کہا۔ ''بس ذرا کاکور ہمارے ہاتھ آ جائے۔''

''اس سلسلے میں، میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں، مجھے بتائیں۔'' اسرار ناصر نے پوچھا۔

''نہیں......تم اس سلسلے میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔'' بابا کمبل نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''اگر صارم بھائی کے گھر جانا ہو تو مجھے حکم کریں۔'' اسرار ناصر نے کہا۔

''نہیں......!اب وہاں نہیں جانا، اس گھر سے دور رہ کر عمل کرنا ہے، تھوڑا وقت لگے گا وہ ہمارے ہاتھ آ جائے گا، اب مجھے قبرستان میں ڈیرا جمانا ہوگا، دلگیر نے ہمارا ہنڈولا تیار کر دیا ہوگا۔'' بابا کمبل نے کہا۔

''بابا......! آپ بولو تو میں قبرستان کا چکر لگا لوں دن میں......دیکھ آؤں ہنڈولے کی کیا صورتحال ہے؟''

''نہیں......اسرار! کوئی ضرورت نہیں، وہ دلگیر ایک دو دن میں آنے والا ہوگا، وہ خود ہی آ کر ساری صورتحال بتا دے گا۔'' بابا کمبل نے کہا۔

''جیسی آپ کی مرضی بابا!'' اسرار نے سعادت مندی سے کہا۔

بابا کمبل کے دماغ پر کاکور کسی آسیب کی طرح چھا گیا تھا، اس نے کاکور کے حصول کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا تھا یا شاید وہ ایک ایسا نادیدہ خزانہ تھا جسے حاصل کرنے کیلئے وہ سر دھڑ کی بازی لگا دینا چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

ایک خزانہ وہ تھا جس کے حصول کیلئے بابا کمبل سر دھڑ کی بازی لگانے کیلئے کوشاں تھا اور ایک خزانہ وہ تھا جس کے حصول کیلئے صارم بے قرار تھا، دونوں اپنے اپنے انداز میں ''خزانے'' کے حصول میں کوشاں تھے۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔

دو ڈھائی مہینے پلک جھپکتے میں گزر گئے، گھر میں سکون تھا، جب سے بابا کمبل سات راتیں اوپر گزار کر گیا تھا، تب سے گھر میں کسی قسم کا تماشا نہیں ہوا تھا، اوپر کا پورشن مستقل بند تھا، صارم نے اوپر جانے والے دونوں دروازے مقفل کر دیئے تھے، زندگی بڑے سکون میں گزر رہی تھی، گھر کے مکین آہستہ آہستہ یہ بات بھولتے جا رہے تھے کہ یہ مکان آسیب زدہ ہے اور ایک شری مخلوق کا پورا قبیلہ آباد ہے، یہ شری مخلوق اس قدر طاقتور ہے کہ شاہ صاحب جیسے بزرگ کو پسپائی اختیار کرنا پڑی اور بابا کمبل جیسا شری شخص اس مخلوق کے ہاتھوں اپنا ایک ہاتھ گنوا بیٹھا، دوسری مرتبہ بابا کمبل کو اس شری مخلوق نے جھلسا کر رکھ دیا۔ بابا کمبل کے آنے کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ وہ شری مخلوق گھر کے اندر داخل ہونے سے قاصر رہ گئی، یہ مخلوق جو بھی تھی، انتہائی سفاک تھی، اس نے اس گھر کو تعمیر کرنے والے فرد سمیت تین بندے ہلاک کر دیئے تھے۔

صارم کی خواہش تو یہی تھی کہ اس خوشخبری کے بعد وہ اس گھر کو چھوڑ دے لیکن سارہ کے ہمت بندھانے پر اس نے ارادہ ملتوی کر دیا تھا، ویسے بھی اس خوشخبری کے بعد گھر میں کسی قسم کی ہنگامہ آرائی نہیں ہوئی تھی، پھر اپنا گھر چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی۔

اس مسئلے سے قطع نظر صارم کی حالت قابل دید تھی، وہ روز ایک نیا تماشا کرتا تھا، اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ سارہ کو اپنے ہاتھوں میں اٹھائے اٹھائے پھرے، وہ اسے اپنے ہاتھ سے طاقت کی دوائیں دیتا، اپنے ہاتھ سے اسے پھل کاٹ کر دیتا اور کھانے پر اصرار کرتا، ایسے نہ چلو، ایسے نہ بیٹھو، ایسے نہ لیٹو...... دیکھو سیڑھیاں احتیاط سے اترو، کچن میں تمہارا کوئی کام نہیں، خالہ سجو کچن سنبھالنے کیلئے بہت ہیں، بس تم آرام کرو، ٹی وی دیکھو، ٹیلیفون پر اپنی دوست شاہدہ سے بات کرو، اس سے مشورے کرو، ایسی حالت میں کیا کیا احتیاط ضروری ہیں، جبار کی بیوی سے مشورے لو، غرض صارم نے سارہ کی جان عذاب میں ڈال دی تھی۔

''صارم......! میں نے آج شاہدہ سے بات کی تھی۔'' سارہ ہنس کر تذکرہ چھیڑتی۔

''اچھا......! پھر اس نے کیا مشورہ دیا۔'' صارم اگر دور بیٹھا ہوتا تو اچھل کر اس کے پاس آ جاتا۔

''صارم......! اس نے کہا ہے کہ اپنے میاں سے اپنی جان بچاؤ۔'' سارہ نے سنجیدگی سے بتایا۔

''اوئے......بکواس نہ کر...... میں تجھ پر کیا ظلم کر رہا ہوں آخر؟'' صارم اسے گھور کر بولا۔

''نہیں......تم تو کچھ نہیں کر رہے بس جہاں طاقت کی دوا ایک چمچہ پلانی ہوتی ہے، وہاں دو چمچے پلا دیتے ہو، پھل اتنے کھلا دیتے ہو کہ ابکائی شروع ہو جاتی ہے، کھانا اتنا ٹھنسا دیتے ہو کہ سانس لینا دوبھر ہو جاتا ہے، ہاں صحیح ہے تم تو کچھ نہیں کر رہے۔'' سارہ نے بڑی معصومیت سے اس پر طنز کیا۔

''سارہ......! تم نہیں جانتی ہو تمہاری صحت کیلئے یہ بہت ضروری ہے، تمہاری صحت اچھی ہوگی تو آنے والا بھی صحت مند ہوگا، مجھے خوب موٹا تازہ بچہ چاہئے۔'' صارم چمکتی آنکھوں سے کہتا۔

''اس طرح تو تم مجھے پاگل کر دو گے؟'' سارہ پیار بھرا احتجاج کرتی۔

''نہیں ہوگی پاگل......البتہ کچھ کھاؤ گی پیو گی نہیں تو ضرور پاگل ہو جاؤ گی۔'' وہ سمجھاتا۔

''میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔'' سارہ عاجز آ جاتی۔

''اوئے...... مجھے کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں، جیسا میں کہتا ہوں، ویسا کرو۔'' بالآخر حکم ہوتا۔

بس گھر میں اسی طرح روز بحث ہوتی، خالہ سجو، صارم کی باتیں سنتی تو خوب ہنستی، صارم کے جانے کے بعد وہ سارہ کو چھیڑتی۔ ''ہاں تو بی بی......! یہ جو پانی سے بھرا گلاس ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے، اسے مجھے دے دو میں تمہیں پانی پلا دوں، کہیں وزن اٹھانے سے تم مشکل میں نہ پڑ جاؤ۔''

''خالہ......! میں صارم کا کیا کروں...... اس طرح تو یہ پاگل ہو جائیں گے۔'' وہ فکرمند رہنے لگی۔

''بی بی......! وہ تم سے بے انتہا پیار کرتے ہیں۔'' خالہ سجو ہنس کر کہتی۔

''جانتی ہوں خالہ......! اچھی طرح جانتی ہوں لیکن ان کی یہ محبت پاگل کئے دے رہی ہے۔''

''اے وہ کون سا ہر وقت گھر میں بیٹھے رہتے ہیں، ان کے جانے کے بعد اپنی مرضی سے رہو...... جو چاہے کرو۔''

''خالہ......! مجھے ڈر ہے کہ ایک آدھ ماہ بعد وہ کہیں گھر ہی نہ بیٹھ جائیں۔''

''ویسے سارہ بی بی......! ان سے کچھ بعید نہیں...... ایسا ہو بھی سکتا ہے۔'' خالہ سجو اپنا خدشہ ظاہر کرتی۔

صارم نے سارہ کا نام ایک بڑے اسپتال میں لکھوا دیا تھا، وہ اسے چیک اپ کیلئے باقاعدگی سے لے جاتا، ڈاکٹر نے اگر پندرہ دن بعد بلانا ہوتا تو وہ ایک ہفتے بعد ہی اسے اسپتال لے جانے پر اصرار کرتا، سارہ اسے لاکھ سمجھاتی لیکن اس کی سمجھ میں نہ آتا، وہ اسپتال جانے سے انکار کرتی تو وہ اسے ایک پرائیویٹ کلینک لے جاتا، وہاں ایک بڑی لیڈی ڈاکٹر کے سامنے اسے لے جا کر بٹھا دیتا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں ہی لیڈی ڈاکٹر اسے اچھی طرح پہچان گئی تھیں، وہ سارہ کو دیکھتے ہی مسکرانے لگتیں، سارہ بے چاری جھینپ کر رہ جاتی۔

ایک دن صارم بچوں کی نگہداشت سے متعلق جتنی کتابیں دکانوں پر موجود تھیں سب خرید لایا اور کتابوں کا یہ بنڈل ڈائننگ ٹیبل پر رکھ کر سارہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''یہ کیا ہے؟'' سارہ نے اس پیک بنڈل کو حیرت سے دیکھا۔

''اس میں بہت کام کی چیز ہے......دیکھو گی تو خوش ہو جاؤ گی۔''

سارہ اس جملے پر چونک گئی۔ یکلخت اسے احساس ہوا کہ کہیں صارم بچے کے کپڑے تو نہیں اٹھا لایا لیکن پھر پیکنگ دیکھ کر اندازہ ہوا کہ اس بنڈل میں کپڑے نہیں ہو سکتے۔

''کیا ہے اس میں......؟'' سارہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

"ارے بھئی کتابیں ہیں اس میں..... آج میرے دو گھنٹے لگ گئے اس چکر میں..... میں نے بھی کوئی دکان نہیں چھوڑی، جہاں سے جو کتاب ملی، اٹھالی۔" صارم بڑے فخریہ انداز میں بولا۔

"صارم.....!اس میں کیسی کتابیں ہیں؟" سارہ نے آگے بڑھ کر اس بنڈل کو کھولنا شروع کیا۔

"کھول کر دیکھو..... پتہ چل جائے گا۔" صارم نے تجسس بڑھایا۔

سارہ نے جلدی جلدی اس بنڈل کو کھولا تو اس میں سے دس بارہ کتابیں برآمد ہوئیں، ان کتابوں کے عنوان دیکھ کر اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ ان کتابوں میں کیا ہے۔

"کیوں سارہ.....!ہیں نا زبردست کتابیں؟" صارم تعریف کا طالب ہوا۔

"جی..... جی..... بہت اچھی کتابیں ہیں۔" سارہ نے اس کا دل رکھنے کو کتابوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"ان ساری کتابوں کو پڑھ لینا۔" پھر ایک دم کچھ خیال آیا۔ "لیکن تم اتنی ڈھیر ساری کتابیں کس طرح پڑھو گی، تھک جاؤ گی اور اس حالت میں تمہیں تھکن نہیں ہونی چاہئے، اچھا ٹھیک ہے میں پڑھ لوں گا۔"

"نہیں صارم! تم فکر مت کرو۔ میں آرام سے پڑھ لوں گی۔" سارہ نے بڑے یقین سے کہا۔

اپنے بیڈروم اور لاؤنج میں وہ پہلے ہی خوبصورت بچوں کی تصویریں فریم کروا کر ایسی جگہ لگوا چکا تھا جہاں وہ سارہ کی نظروں میں رہیں..... کسی نے اسے بتایا تھا کہ اس حالت میں عورت کے سامنے خوبصورت بچے ہونے چاہئیں تاکہ آنے والا بچہ بھی خوبصورت ہو۔

جب یہ بچوں کی تصویریں آویزاں ہو گئیں تو انہیں دیکھ کر سارہ نے کہا۔ "صارم.....!ان میں تو ایک بھی بچہ کام کا نہیں۔"

"کیا مطلب کام کا نہیں؟" صارم نے غصے سے کہا۔ "کیا تو نے اینٹوں کے بھٹے پر بٹھا کر ان سے اینٹیں بنوانی ہیں؟"

"ناراض کیوں ہوتے ہو..... میرا مطلب تھا یہ سارے کے سارے غیر ملکی بچے ہیں، مجھے تو یہ پسند نہیں۔"

"خوبصورت تو ہیں؟" صارم نے پوچھا۔

"ہاں..... یوں تو خوبصورت ہیں۔" سارہ نے تائید میں گردن ہلائی۔

"تو بس.....!" صارم نے کندھے اچکا کر کہا۔ "مسئلہ حل۔"

"صارم.....! تمہارے پاس تمہارے بچپن کی کوئی تصویر نہیں؟" سارہ نے کسی خیال کے تحت اچانک سوال کیا۔

"نہیں اتنی چھوٹی نہیں۔" صارم بولا۔

"پھر کتنی چھوٹی ہے؟" سارہ نے پوچھا۔

"چار پانچ سال کی عمر کی ایک تصویر ہے بابا کے ساتھ۔" صارم نے بتایا۔

"وہ ذرا مجھے دکھانا۔" سارہ نے پرشوق لہجے میں کہا۔

"کیوں.....؟" صارم نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"میں اسے اپنے تصور میں چار پانچ ماہ کا کر لوں گی۔" سارہ نے ہنس کر کہا۔ "تمہارا وارث تم جیسا تو ہو۔"

"یہ کیسے یقین کہ لڑکا ہوگا؟" صارم نے پوچھا۔ "لڑکی بھی تو ہو سکتی ہے۔"

"لڑکا ہی ہوگا۔" سارہ نے بڑے یقین سے کہا۔

"اوئے یہ کیا فضول بات کی تم نے..... جو بھی ہو لڑکا یا لڑکی..... مجھے خوشی سے قبول ہے۔" صارم نے پوری سچائی سے یہ بات کی پھر چہک کر بولا۔ "اچھا بھئی نام تو سوچو۔"

اس کے بعد ناموں پر بحث شروع ہو گئی، لڑکوں کے نام سوچے گئے، لڑکیوں کے ناموں پر غور کیا گیا۔ اگلے دن صارم ناموں کی کتاب خرید لایا جس میں ناموں کے ساتھ ان کے معنی بھی درج تھے، پھر کئی دن تک لڑکے اور لڑکی کے ناموں کی ایک فہرست بنائی گئی، پھر روز ہی اس فہرست سے ایک دو نام کٹ جاتے، بالآخر آہستہ آہستہ سارے نام ہی فہرست سے خارج ہو گئے..... نام رکھنا کوئی آسان کام ہے کیا.....؟ پھر نئی فہرست مرتب کی گئی پھر ان ناموں پر بحث جاری ہو گئی۔

بس دو ڈھائی مہینے سے یہی تماشا چل رہا تھا، سارہ کو امید نہیں تھی کہ اس خوشخبری کے نتیجے میں صارم کی یہ حالت ہو جائے گی۔ گزشتہ سات سالوں میں صارم نے اولاد کے سلسلے میں کبھی کسی بے قراری کا اظہار نہیں کیا، البتہ سارہ ضرور بے چین رہتی تھی، اسے بچے کی شدید خواہش تھی لیکن صارم اسے ہمیشہ سمجھاتا تھا، اپنی طرف سے اس نے کبھی کسی بے قراری کا اظہار نہیں کیا۔

لیکن اب معاملہ الٹ ہو گیا تھا، بچے کی آمد کی خوشخبری ملتے ہی اس کے دل میں چھپا آرزوؤں کا بم بلاسٹ ہو گیا، اب اسے چاروں طرف بچے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

اس نے سارہ کو ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھ دیا تھا، اس کا بس چلتا تو وہ سارہ کو بیڈ سے نیچے اترنے ہی نہ دیتا..... جو سنتا، وہ صارم کے اس شدید لگاؤ کو دیکھ کر حیران ہوتا، بچے تو سبھی کے یہاں ہوتے ہیں اور اللہ کی دین میں دیر سویر ہو ہی جاتی ہے لیکن کوئی باپ اس طرح تو باؤلا نہیں ہو جاتا جیسے صارم ہو گیا تھا۔

اور ابھی تو کچھ نہ تھا محض دو ڈھائی ماہ ہی گزرے تھے۔

تین ماہ گزرے تو ایک دن صارم اپنے دفتر جانے کی تیاری کرتے ہوئے بولا۔ "سارہ.....! میں سوچ رہا ہوں کہ تمہارے لئے ایک نرس رکھ دوں۔"

سارہ بیڈ پر نیم دراز تھی اور وہ صارم کو بال بناتے دیکھ رہی تھی، نرس کا ذکر سن کر وہ ذرا اونچی ہو کر بیٹھ گئی اور اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر بولی۔ "ہاں! ذرا خوبصورت سی۔"

"چلوخوبصورت سی رکھ دوں گا۔" صارم نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"ویسے وہ کیا کرے گی؟" سارہ نے اپنی حسین چمکتی آنکھوں سے صارم کو دیکھا۔

"تمہاری دیکھ بھال کرے گی اور کیا کرے گی۔" صارم نے سادگی سے جواب دیا۔

"صرف میری......!" سارہ نے شرارت سے کہا۔

"او......یار......! میں سنجیدہ ہوں۔" صارم نے خفگی سے کہا۔

"سنجیدہ ہو تو پھر میری بات غور سے سنو...... مجھے کسی نرس کی ضرورت نہیں، میں بالکل ٹھیک اور چاق وچوبند ہوں، ایسی حالت میں ہاتھ پاؤں چھوڑ کر نہیں بیٹھا جاتا، حرکت میں رہا جاتا ہے، یہ جو دیہاتی عورتیں ہوتی ہیں آخری وقت تک کھیتوں میں کام کر رہی ہوتی ہیں اور تخلیق کے دو دن بعد ہی اٹھ کر بیٹھ جاتی ہیں، اگر ان عورتوں کو تمہارے جیسے شوہر مل جائیں تو اللہ کے فضل سے سب کی سب مفلوج ہو جائیں، سمجھے میرے بھولے بادشاہ......! میں جانتی ہوں کہ تمہیں مجھ سے بہت محبت ہے لیکن صارم ہر معاملے کی ایک الگ نوعیت ہوتی ہے، مجھے چھوئی موئی نہ بناؤ، بعض وقت زیادہ کیئر بھی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔" سارہ نے چند لمحے توقف کیا پھر دھیمے سے مسکرائی اور بولی۔ "رہی نرس کی بات تو ضرور رکھو لیکن میرے لئے نہیں۔"

"پھر کس کیلئے رکھوں؟"

"اپنے لئے......! تمہیں مجھ سے زیادہ دیکھ بھال کی ضرورت ہے، میری فکر میں اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھے ہو۔"

"بس سارہ......! میں چاہتا ہوں کہ تمہیں کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ ہو، ہر وقت ڈرتا رہتا ہوں کہیں مجھ سے کوئی کوتاہی نہ ہو جائے۔" صارم پرخلوص لہجے میں بولا۔

"ڈر کیسا...... جس نے دیا ہے، وہی حفاظت بھی کرے گا۔" سارہ یقین بھرے لہجے میں بولی۔

سارہ کی باتوں کا اس پر دو چار دن ہی اثر رہتا اس کے بعد وہی صارم ہوتا، وہی سارہ ہوتی اور وہی اس کی "پریشانیاں" ہوتیں۔ آخر وہ اپنی فطرت کس طرح بدلتا، وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔

☆......☆......☆

بابا کمبل کے سر پر دھن سوار ہو گئی تھی کہ کاکور کو حاصل کرنا ہے۔ کاکور کون تھا، یہ اسرار نہیں جانتا تھا بابا کمبل نے اس بارے میں کچھ اسرار کو بتایا تھا اور نہ اسرار نے پوچھا تھا۔ اسرار کا اندازہ تھا کہ کاکور سرخ پنجوں والا گدھ ہے، وہ دیکھنے میں دوسرے گدھوں سے جسیم تھا، سرخ پنجوں اور اپنی جسامت کے اعتبار سے وہ اپنے قبیلے کا سردار معلوم ہوتا تھا، اسی لئے شاید اسے اپنی گرفت میں لینا چاہتا تھا، اگر وہ قابو میں آ گیا تو پھر سمجھو پورا قبیلہ ہی غلامی میں آ گیا۔

بابا کمبل آج کل قبرستان میں راتیں گزار رہا تھا، دلگیر نے اس ٹوٹی قبر کو جسے وہ "ہنڈولا" کہتا تھا پختہ بنوادی تھی، اس پر بابا کمبل کے نام کا کتبہ لگوادیا تھا، اوپر سے قبر کچی تھی، بوقت ضرورت مٹی ہٹا

لیب کو ایک طرف کر کے اندر سیڑھیوں کے ذریعے پختہ قبر میں بآسانی اترا جا سکتا تھا، یہ قبر اندر سے ھی کشادہ تھی اتنی کہ دو آدمی آرام سے اٹھ بیٹھ سکتے تھے۔

بابا کمبل پہلی ہی رات اپنے ساتھ الو باندھ کر لایا تھا، یہ الو اس نے اسرار سے منگوایا تھا اور قبرستان نے سے پہلے اس نے تیز چھری سے کسی ماہر قصائی کی طرح اس کا ایک ایک عضو الگ کر کے باندھ تھا، اسرار اس کے ساتھ قبرستان تک آیا تھا اور پھر اسے قبر میں داخل کرنے کے بعد گھر واپس چلا گیا ا، اب یہ دلگیر کا کام تھا کہ وہ صبح تڑکے بابا کمبل کو قبر سے نکال دے، اگر دلگیر نہ بھی آتا تو بھی قبر سے نا کوئی مشکل نہ تھا، وہ ہاتھوں کے زور سے سلیب ہٹا کر بآسانی اوپر آ سکتا تھا۔

بابا کمبل کے عمل کی آج شروعات تھی، اسرار سلیب کو اس طرح رکھ کر کہ اندر تھوڑی بہت ہوا جاتی ہے، گھر واپس جا چکا تھا، قبر میں مکمل تاریکی تھی، اگرچہ بابا کمبل کے پاس ایک چھوٹی ٹارچ تھی لیکن اس نے بند کر دی تھی، ٹارچ بند کرنے سے پہلے اس نے الو کے اعضا اور گوشت کو الگ الگ کر کے ر کے پختہ فرش پر رکھ دیا تھا اور اب وہ بڑی تیزی سے کچھ پڑھنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

پڑھتے پڑھتے اس نے اندھیرے میں اپنے ہاتھ کو حرکت دے کر الو کا دل اٹھا لیا اور اسے ہتھیلی پر ھ کر کچھ نامانوس سے الفاظ منہ سے نکالے، اچانک قبر میں ایک خوشی بھری چیخ گونجی۔

"کشوی تو آ گئی؟" بابا کمبل نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"تو بہرہ ہے کیا...... تجھے میری آواز نہیں سنائی دی؟" کشوی کڑوے انداز میں بولی۔

"آواز کیوں کہتی ہے چیخ بول۔" بابا کمبل نے اسے چھیڑا۔

"ایسی اچھی چیز کا انتظام کیا ہے تو نے...... تو کیا خوشی کا اظہار بھی نہ کروں؟" کشوی بولی۔

"چل پھر اٹھا اپنا حصہ۔" بابا کمبل نے کہا۔ چند لمحوں بعد ہی اس نے محسوس کیا کہ الو کا دل اس کی یلی ہتھیلی سے غائب ہے۔

"ہاں......بول کیوں بلایا؟" چند لمحوں بعد ایک چٹخارہ لیتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"مجھے کاکور چاہئے۔" بابا کمبل نے اپنا مدعا بیان کیا۔

"تو چھوڑ دے اس کا پیچھا...... وہ تیرے ہاتھ نہیں آئے گا، وہ بڑی چالاک مخلوق ہے، وہ تیرا ایک ھ لے اڑا...... تیرے باپ کو تیرے سامنے لے آیا، تجھے جھلسا کر رکھ دیا۔" کشوی نے اسے آئینہ ھایا۔ "اب کیا تو مرنا چاہتا ہے؟"

"دیکھ کشوی! چاہے جو ہو جائے، میں کاکور کو حاصل کر کے رہوں گا۔" بابا کمبل کی ایک ہی ٹ تھی۔

"اچھی طرح سوچ لے...... کام آسان نہیں۔" کشوی نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

"سوچ لیا...... کر کے رہوں گا، کام آسان ہو یا مشکل۔" وہ ایک عزم سے بولا۔

"پھر تجھے بارہ ہاتھ والی کے قدموں میں بھینٹ چڑھانا ہوگی۔" کشوی نے اسے راستہ دکھایا......

بھیانک راستہ......

''کس کی بھینٹ؟'' بابا کمبل نے کپکپاتے انداز میں کہا۔

''انسانی بھینٹ......! انسان کی قربانی دے کر ہی بارہ ہاتھ والی کو خوش کیا جا سکتا ہے۔'' کشوی نے بتایا۔

قبر میں گہری تاریکی تھی، اب گہرا سناٹا چھا گیا، بابا کمبل گہری سوچ میں پڑ گیا۔

''کیا ہوا چپ کیوں ہو گیا؟'' جب کچھ دیر جواب نہ آیا تو کشوی نے پوچھا۔

''انسانی بھینٹ دینا اتنا آسان کام تو نہیں...... سوچ رہا ہوں کیا جواب دوں۔'' بالآخر بابا کمبل بولا۔

''کاکور چاہئے تو جواب ہاں میں دینا ہوگا۔'' کشوی نے اسے گھیرنے کی کوشش کی۔

''چل دیا۔'' اچانک بابا کمبل کچھ سوچ کر بولا۔ ''ہاں میں جواب دیا۔''

''بس پھر تیری مشکل آسان ہو جائے گی...... انسانی بھینٹ دے کر تو بارہ ہاتھ والی کا پکا چیلا بن جائے گا اور جو بارہ ہاتھ والی کا پکا چیلا بن جائے، اس کے تو وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔''

''دیکھو کیا ہوتا ہے۔'' بابا کمبل غیر یقینی لہجے میں بولا۔

''میں پھر چلوں...... تو بارہ ہاتھ والی سے بول بچن لے لے۔'' کشوی نے رخصتی کلام کیا۔

''ٹھیک ہے کشوی تو چل...... میں کرتا ہوں بات۔'' بابا کمبل نے کہا۔

اسی وقت ایک چیخ کی آواز سنائی دی اور قبر میں سناٹا چھا گیا۔

بابا کمبل کچھ دیر خاموش بیٹھا اندھیرے میں گھورتا رہا اس کے بعد ایک عزم سے الو کا سر زمین سے اٹھایا اور اپنی ہتھیلی پر رکھ کر اسے اپنے سر پر گھمانے لگا اور ساتھ ہی اس کی زبان سے نامانوس الفاظ نکلنے لگے۔

''دھم کن...... دھم بن...... دھم سن...... واہ دیواہ واہ۔''

سات چکر پورے ہوتے ہی بابا کمبل نے اپنا ہاتھ روکا...... ہاتھ روکتے ہی الو کا سر اچانک غائب ہو گیا اور قبر میں کٹر کٹر کی آوازیں گونجنے لگیں جیسے کوئی ہڈیاں چبا رہا ہو۔

بابا کمبل نے ایک غیر مرئی نقطے پر نظر جما کر اپنا عمل جاری رکھا، وہ بڑے انہماک سے بولتا جا رہا تھا۔

''دھم کن...... دھم بن...... دھم سن...... واہ دیواہ واہ۔''

پھر اچانک ہی قبر میں ایک کوندا لپکا جیسے ایک لمحے کو بجلی چمکی ہو پھر گھور اندھیرا چھا گیا اس کے بعد غراہٹ کی آواز سنائی دی۔

جب بابا کمبل کو احساس ہو گیا کہ بارہ ہاتھ والی سے رابطہ ہو گیا ہے تو اس نے اس کے ساتھ بول بچن شروع کر دیئے۔ بھینٹ کا ذکر سن کر بارہ ہاتھ والی نے خوشی سے نعرہ لگایا پھر اس نے وچن دے دیا

کہ بھینٹ کے بدلے وہ کاکور کو اس کا مطیع بنا دے گی۔

پھر اچانک ایک کوندا سا لپکا، ایک لمحے کو قبر میں اجالا پھیل گیا اس کے بعد گھور اندھیرا چھا گیا۔

بابا کمبل نے بارہ ہاتھ والی کے جاتے ہی خوشی کا نعرہ لگایا اور زمین پر پڑے الو کے گوشت اور دیگر بچے اعضا کو خوشی سے اوپر اٹھا اٹھا کر اچھالنے لگا۔ ''لو بھئی اپنا حصہ...... لو بھئی اپنا حصہ۔''

چند لمحوں میں اس قبر میں الو کا ایک ناخن بھی نہ رہا...... جو جس کا حصہ تھا، وہ اسے لے اڑا۔

آج کا عمل کامیابی سے ہمکنار ہو گیا تھا، اب قبر میں بیٹھنا فضول تھا لہٰذا وہ سلیب ہٹا کر آرام سے قبر سے نکل آیا پھر اس نے سلیب کو اپنی جگہ رکھا اور قبر کے پاس پڑے بیلچے سے قبر پر مٹی چڑھا دی اور بیلچہ قبر پر رکھ کر پورے اطمینان سے قبرستان سے نکل آیا۔

اپنے گھر پہنچا تو رات کے تین بج رہے تھے، اسرار ناصر، بابا کمبل کے تخت پر بے خبر سو رہا تھا۔ اسے توقع تھی کہ بابا پانچ چھ بجے تک قبرستان سے لوٹے گا لیکن وہ تو تین بجے ہی واپس آ گیا اور زور زور سے دروازہ بجا دیا، کنڈے کی ٹھک ٹھک اور دروازہ دھڑ دھڑانے کی آواز سے اس کی اچانک آنکھ کھل گئی۔

وہ تیزی سے اٹھ کر صحن میں آیا اور زور سے بولتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ ''کون ہے؟''

''او...... کھول اسرار...... ہم ہیں۔'' بابا کمبل نے خلاف توقع بڑے حلیم انداز میں کہا۔

''اچھا بابا جی......! ایک منٹ کھولتا ہوں دروازہ۔'' یہ کہہ کر وہ واپس اندر گیا، تکیے کے نیچے سے چابی نکالی، باہر کے دروازے میں پڑے تالے کو کھولا اور پھر جلدی سے دروازہ کھول کر ایک طرف ہٹ گیا۔

بابا کمبل کسی بھونچال کی طرح گھر میں داخل ہوا، وہ سیدھا اپنے کمرے میں گیا اور اپنے تخت پر جا کر بیٹھ گیا، اسرار ناصر نے دوبارہ دروازے پر قفل ڈالا اور بابا کمبل کے کمرے میں داخل ہوا۔

''اسرار......! کیا تو سو رہا تھا؟'' بابا کمبل نے اس کی شکل دیکھ کر کہا۔

''جی بابا......!'' اسرار ناصر نے کہا۔ ''میرا خیال تھا کہ آپ صبح تک آئیں گے۔ آپ جلدی نہیں آ گئے؟''

''او اسرار......! جب جلدی کام بن گیا تو ہنڈولے میں بیٹھ کر کیا کرتا۔''

''کیا ہوا......؟ کاکور کے ہاتھ آنے کی کوئی سبیل نظر آئی؟''

''راستہ تو دکھائی دیا ہے لیکن بڑا کٹھن راستہ ہے، میرے اکیلے کے بس کا معاملہ نہیں۔''

''تو پھر......؟'' اسرار نے پرتجسس نگاہوں سے بابا کو دیکھا۔

''تیری مدد کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔''

''بابا......! میں حاضر ہوں، ہر خدمت کیلئے، بولیں کیا کرنا ہے۔''

''تو نے یہ بات محض جوش جذبات میں کہہ دی ہے، جب وقت پڑے گا تو بھاگ جائے گا۔''

''نہیں بابا......! میں بھاگنے والوں میں سے نہیں، آزما کر دیکھ لیں۔''

''ایک بار پھر سوچ لے، قول دے رہا ہے تو پھر قول نبھانا بھی ہوگا۔''

''نبھاؤں گا...... سو بار نبھاؤں گا۔''

''بارہ ہاتھ والی بھینٹ مانگتی ہے...... انسانی بھینٹ...... کیا تو قربان ہو جائے گا؟'' یہ کہتے ہوئے بابا کمبل کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک آ گئی اور اسرار کی ریڑھ کی ہڈی میں سردی اترنے لگی۔

''دیکھیں بابا میں......!'' اسرار نے بمشکل بات شروع کی۔

بابا کمبل نے اس کی بات درمیان سے کاٹ دی، وہ جان گیا تھا کہ اسرار کیا کہنے والا ہے۔ ''دیکھ اسرار......! کچھ کہنے سے پہلے میری بات اچھی طرح سن لے پھر کوئی فیصلہ کرنا، میں تیرے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کروں گا، میں اپنے باپ کی طرح چاہتا تو تیری جان لینے کیلئے عمل شروع کر دیتا، لیکن میں ایسا کرنا نہیں چاہتا...... بات وہ اچھی جس میں سامنے والے کی مرضی بھی شامل ہو۔''

''ہاں بابا...... مرضی ضروری ہے۔'' اسرار نے گہرا سانس لے کر کہا۔

''بات دراصل یہ ہے کہ اسرار کہ اس میں تیرا کوئی نقصان نہیں، بھینٹ چڑھتے ہی تو امر ہو جائے گا اور رہتی دنیا تک اس زمین پر رہے گا، تیرے پاس ایک طاقت ہوگی۔'' بابا کمبل نے اسے سبز باغ دکھایا۔

''میں سمجھا نہیں بابا......!'' اسرار ناصر نے الجھ کر پوچھا۔

''دیکھ اسرار! اگر تو بارہ ہاتھ والی کے قدموں میں اپنی مرضی سے نچھاور ہو جاتا ہے تو یہ میرا تجھ سے وعدہ ہے کہ تیرے شریر چھوڑتے ہی میں تیری روح کو دوسرا جسم فراہم کر دوں گا، بس تو اس جسم میں داخل ہو جانا، ایک بار تو کسی کے جسم میں آ گیا تو پھر تجھ میں یہ صلاحیت پیدا ہو جائے گی کہ تو کسی بھی زندہ شخص کے اندر بسیرا کر سکے گا، جب تک تو چاہے گا، وہ جسم تیرے قبضے میں رہے گا پھر کاکور کے ہاتھ آتے ہی ایک طرح سے تجھے میرے ہاتھ بادشاہت آ جائے گی پھر تو جو چاہے گا، وہ مجھ سے حاصل کر سکے گا، تو اڑا اڑا پھرے گا، جس جسم پر چاہے گا تصرف حاصل کر سکے گا اور سب سے بڑی بات کبھی نہیں مرے گا، کیونکہ روح کو کبھی موت نہیں آتی۔''

''بابا......! اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں آسیب بن جاؤں گا، بدروح ہو جاؤں گا، بھٹکی ہوئی آتما بن جاؤں گا؟'' اسرار ناصر نے بلا جھجک بڑے مستحکم انداز میں کہا۔ ''نہیں بابا......! یہ مجھے منظور نہیں میں اپنے ہی جسم میں زندہ رہنا چاہتا ہوں، میں بھینٹ نہیں چڑھوں گا۔''

بابا کمبل کو اندر ہی اندر ایک حیرت کا جھٹکا لگا، اسے امید نہ تھی کہ اسرار اس طرح دوٹوک انداز میں اس کے روبرو انکار کر دے گا لیکن اب جو ہونا تھا، وہ ہو چکا تھا، اب اس معاملے کو کسی اور طرح ہینڈل کرنا تھا۔

بابا کمبل نے فوراً پینترا بدلا اور بڑے میٹھے لہجے میں بولا۔ ''کوئی بات نہیں اسرار......! تو نے اچھا

کیا جو پوری صفائی سے انکار کر دیا...... بات وہی اچھی ہوتی ہے جو مرضی سے ہو، بھینٹ کیلئے بہت لوگ مل جائیں گے، کسی کو بھی بکرا بنا لوں گا، میں تجھے کھونا نہیں چاہتا، تو میرا بہترین جانشین ہے، میں اس دنیا میں تیرے لئے بہت کچھ چھوڑ جاؤں گا...... تو عیش کرنا۔''

''بڑی مہربانی بابا۔'' اسرار نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ خوشی یہ نہ تھی کہ بابا کے مرنے کے بعد اسے ترکے میں کیا ملے گا اصل خوشی یہ تھی کہ بابا نے اس کے انکار کو انا کا مسئلہ نہیں بنایا تھا اور وہ بھینٹ چڑھتے چڑھتے رہ گیا تھا، اس کی زندگی بچ گئی تھی۔

یہ اسرار کی خام خیالی تھی۔ بابا کمبل نے ہرگز اپنا ارادہ نہیں بدلا تھا، اس نے ہر صورت اسرار کو بارہ ہاتھ والی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھانے کی ٹھان لی تھی، اس کی کوشش تو یہی تھی کہ وہ اپنی مرضی سے بھینٹ چڑھنے کیلئے راضی ہو جائے تو اچھا ہے، وہ کئی جھنجھٹوں سے بچ جائے گا۔

بابا کمبل کیلئے اسرار کی جان لینا کوئی مشکل کام نہ تھا، وہ بہت طاقتور عامل تھا، زمین میں پتلا گاڑ کر دو گھنٹے میں وہ اسرار کو موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا لیکن یہاں معاملہ موت کے گھاٹ اتارنے کا نہ تھا، اسے قربان کرنے کا تھا، بارہ ہاتھ والی کے چرنوں میں جب تک گردن کٹا انسان جس کے جسم سے خون بہہ رہا ہو، نہ پیش کیا جائے، اس وقت تک وہ اس قربانی کو قبول ہی نہیں کرتی۔

اب بابا کمبل کے پاس ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ وہ عمل کر کے اس کا ذہن باندھ دے اور اس کے ذہن میں اس قربانی کو اس قدر پرکشش بنا دے کہ وہ خوشی خوشی اپنی گردن پر چھری پھروا لے۔

بابا کمبل نے سارے کام چھوڑ دیئے، اب دن رات اس نے منتر پڑھنے شروع کر دیئے، دن میں وہ تخت پر بیٹھا عمل میں مصروف رہتا تو رات کو قبرستان کا رخ کرتا، وہاں سے صبح تڑکے واپس آتا۔

بابا کمبل کی ہدایت تھی کہ اسرار ہمہ وقت گھر پر ہی رہے تاکہ آنے والے ضرورت مندوں کو نمٹا سکے۔ بابا کمبل کی شاگردی میں آ کر اسے اتنا تو آ گیا تھا کہ وہ ان ''کیسوں'' کو آسانی نمٹا سکتا تھا، بابا کمبل قبرستان سے آ کر اپنے عمل والے کمرے میں جا کر ڈیرہ جما لیتا، جبکہ اسرار آنے والے ضرورت مندوں سے تخت والے کمرے میں ملتا۔ اسرار بابا کمبل کی جگہ بیٹھ کر بڑا خوش تھا پھر آنے والے مرد اور عورتیں بھی بابا کمبل کے مقابلے میں اس سے مطمئن نظر آتے تھے، کیونکہ وہ بابا کمبل کی منحوس صورت کے مقابلے میں خوش شکل تھا، پڑھا لکھا تھا، سلیقے سے گفتگو کرتا تھا۔

اسی طرح اطمینان سے دن گزر رہے تھے کہ ایک رات سوتے سوتے اچانک اسرار کی آنکھ کھلی۔ وہ گھر میں اکیلا تھا، دو ڈھائی بجے کا عمل تھا، بابا کمبل قبرستان گیا ہوا تھا، کمرے میں اندھیرا تھا، اسرار آنکھ کھلتے ہی اٹھ کر بیٹھ گیا، اسے اپنا دماغ بھاری بھاری سا محسوس ہوا یوں لگ رہا تھا جیسے دماغ میں غبار بھرا ہوا ہو۔

اس نے کچن میں رکھے ہوئے کولر سے ایک گلاس ٹھنڈا پانی پیا اور پھر اندھیرے میں چلتا ہوا تخت پر بیٹھ گیا، کچھ دیر وہ لمبے لمبے سانس لیتا رہا، اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اسے کیا ہو رہا ہے، دماغ ماؤف تھا

اس کے ساتھ ساتھ اسے گھبراہٹ بھی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گیا، اس کے ذہن پر غنودگی چھانے لگی، اسے محسوس ہوا جیسے کوئی سرگوشی میں کہہ رہا ہو "او اسرار......! بارہ ہاتھ والی پر قربان ہو جا...... تو طاقتور بن جائے گا، اڑا اڑا پھرے گا، او اسرار......! بارہ ہاتھ والی کو خوش کر دے پھر تیرے وارے نیارے ہو جائیں گے۔"

اسرار نے کوشش کر کے اپنے ذہن کو جھٹکا، اس خیال سے اپنے ذہن کو آزاد کروایا، وہ اٹھ کر بیٹھ گیا، اس نے کمرے کی لائٹ جلائی اور پھر تخت پر بیٹھ کر سوچنے لگا۔ یہ اس کے ذہن میں کس قسم کا خیال آیا......؟ وہ کافی دیر تک بیٹھا اس مسئلے پر غور کرتا رہا۔

پھر یہ خیال اس کے ذہن میں جڑ پکڑتا گیا، دل و دماغ پر چھاتا گیا۔

"او...... اسرار! بارہ ہاتھ والی پر قربان ہو جا۔"

اب یہ خیال رات کو، دن کو، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، کسی بھی وقت اس کے دماغ پر غبار کی طرح چھا جاتا۔

کوئی تھا جو اس کے دماغ کو مفلوج کر رہا تھا، اسے ترغیب دے رہا تھا، اسے سنہری خواب دکھا رہا تھا۔

یہ سلسلہ بڑھتا ہی جاتا تھا، بابا کمبل سے اس دن کے بعد سے کوئی بات اس موضوع پر نہیں ہوئی تھی، اب تو بابا سے بات بھی برائے نام ہوتی تھی کیونکہ وہ رات کو قبرستان میں ہوتا اور دن میں وہ عملیات والے کمرے میں ہوتا اور دروازہ اندر سے بند کر لیتا۔

وہ جب گھر میں آتا اور عملیات والے کمرے میں جاتا تو جانے سے پہلے وہ اپنا تکیہ اسرار سے ضرور مانگ لیتا، شاید اس تکیے کو اپنے سر کے نیچے رکھ کر سوتا تھا۔ یہ بابا کمبل کا مخصوص تکیہ تھا، اس پر کالا غلاف چڑھا ہوا تھا، رات کو جاتے ہوئے وہ یہ کالا تکیہ اسرار کو دے جاتا۔

اسرار اس تکیے کو اپنے سر کے نیچے رکھ کر سوتا، سارا اسرار اس تکیے میں تھا، بابا کمبل جانتا تھا کہ اسرار اس کے تکیے کو سرہانے رکھتا ہے، وہ اس تکیے کو اپنے سامنے رکھ کر سحر پھونکتا تھا، اس کے دماغ پر جو یہ غبار چھا رہا تھا اور قربان ہونے کی بات کو پرکشش بنایا جا رہا تھا، وہ سب کالے تکیے کا کمال تھا۔

جب یہ ترغیب تواتر سے اس کے دماغ کو ملنے لگی تو وہ ذرا چونکا۔ اس نے جس معاملے کو بڑے مستحکم اور دوٹوک انداز میں مسترد کر دیا تھا، وہ بات اسے کسی کیکڑے کی طرح اپنی گرفت میں لیتی جا رہی تھی۔

"او اسرار......! بارہ ہاتھ والی پر قربان ہو جا...... تیرے وارے نیارے ہو جائیں گے، تجھے ایک طاقت مل جائے گی، تو اڑا اڑا پھرے گا۔"

اب اس کا ذہن اس بات پر آمادہ ہونے لگا تھا کہ وہ بارہ ہاتھ والی پر قربان ہو کر کیوں نہ امر ہو جائے۔

اس آمادگی ہی نے اسے چونکا دیا تھا، ضرور کوئی گڑبڑ تھی، بابا کمبل اس پر ضرور کوئی عمل کر رہا تھا، اس پر سحر پھونک رہا تھا، اسے سحر زدہ کر رہا تھا، کوئی منتر پڑھ رہا تھا۔

ابھی وقت تھا کہ وہ اس سحر سے نکل آئے ورنہ پھر بارہ ہاتھ والی پر قربان ہونے کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا۔

جب اس نے سحر کے ذریعے پر غور کیا تو فوراً اس کا ذہن کالے تکیے کی طرف گیا، اس نے اس تکیے کو فوراً اپنے سر کے نیچے سے نکال دیا اور دوسرا تکیہ رکھ لیا، اس تکیے پر نارنجی رنگ کا غلاف چڑھا ہوا تھا۔

پھر دوسرے دن اس نے ایک کام اور کیا، اس نے بابا کے کمرے میں سونا چھوڑ دیا، وہ صحن میں چارپائی بچھا کر اپنے بستر پر سونے لگا لیکن یہ ہوشیاری ضرور کرتا صبح بابا کمبل کے آنے سے پہلے چارپائی کھڑی کر کے تخت پر جا لیٹتا اور دکھانے کیلئے کالا تکیہ بھی سر کے نیچے رکھ لیتا۔

لیکن فرق پھر بھی اس سے کچھ نہ پڑا اس لئے کہ اب تدبیر کا وقت گزر چکا تھا، سحر کی میعاد پوری ہونے کو تھی، بابا کمبل کی محنت رنگ لانے کو تھی، آخر اس نے دن رات ایک کر دیئے تھے، اس کا عمل آخر کامیابی سے کیوں نہ ہمکنار ہوتا۔

اسرار کی تشویش بڑھ گئی تھی، سارا معاملہ اس کی سمجھ میں اچھی طرح آ گیا تھا، اب فیصلہ کن اقدام ضروری تھا۔

ایک صبح جب بابا کمبل قبرستان سے واپس آیا تو اس نے بابا کو پکڑ لیا۔

"بابا......! ایسا نہ کریں۔" اسرار نے بڑی ملائمت سے کہا۔

"کیسا نہ کروں...... کھل کر بول۔" بابا کمبل کی زرد آنکھوں میں بڑی سفاکی تھی۔

"بابا...... آپ نے میرا دماغ باندھ دیا ہے، آپ مجھے بھینٹ چڑھانے پر تلے ہوئے ہیں۔" اس نے صاف کہا۔

"دیکھ اسرار......! ہمیں کا کور چاہئے اور کا کور کیلئے مجھے اپنا بیٹا بھی بھینٹ چڑھانا پڑتا تو چڑھا دیتا۔" بابا کمبل بھی اب کھل کر سامنے آ گیا تھا۔

"بابا......! آپ اچھا نہیں کر رہے۔" اسرار ناصر کے لہجے میں تنبیہ تھی۔

"ہم اچھا کر رہے ہیں یا برا......! خوب اچھی طرح جانتے ہیں، تو ہمیں دھمکی نہ دے، اب بات اتنی آگے جا چکی ہے کہ واپسی ممکن نہیں، بس آج کی رات اور...... اس کے بعد تجھ پر ہمارا قبضہ پکا ہو جائے گا، ہم جو چاہیں گے، وہ تو بولے گا...... ہم جو چاہیں گے، وہ تو کرے گا، تیرا دل و دماغ ہماری مٹھی میں آ جائے گا، اب تیرے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں بچا ہے، بس اسرار آج کی رات اور......"

بابا کمبل نے سارا بھید کھول دیا۔ وہ ایک بڑا ساحر تھا، اسے اپنے منتروں پر بڑا ناز تھا، وہ جانتا تھا کہ ایک رات کا عمل اور رہ گیا ہے اس کے بعد اسرار مفلوج ہو کر رہ جائے گا۔

”اچھا بابا......! جیسی تمہاری مرضی......اگر تم مجھے قربان کرنے پر تل ہی گئے ہو تو پھر اپنی مرضی کر گزرو۔“ اسرار نے کچھ سوچ کر اپنا لہجہ بدل لیا، اس نے ہتھیار ڈال دیئے، پسپائی کا راستہ اختیار کر لیا۔

”ہاں......یہ ہوئی نا بات......اب آیا تو سیدھے رستے پر......اگرچہ تو پوری طرح میری گرفت میں ہے، تیری موت کے بعد اب میں تجھے طاقتور بنانے کا پابند نہیں رہا، لیکن میرا اب بھی تجھ سے وعدہ ہے کہ تو بھینٹ چڑھتے ہی امر ہو جائے گا، تجھے ایک ایسی طاقت مل جائے گی جس کا تو تصور بھی نہیں کر سکتا۔“ بابا کمبل نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہمارا کالا تکیہ دے دے، ہم سوئیں گے۔“

”جی اچھا بابا۔“ اسرار نے تخت سے اٹھا کر کالا تکیہ بابا کے حوالے کر دیا، بابا اس تکیے کو لے کر عملیات والے کمرے میں داخل ہو گیا اور اندر سے کنڈی بند کر لی۔

بابا کے اندر جاتے ہی اسرار دوسرے کمرے کی دہلیز پر سر پکڑ کر بیٹھ گیا، یہ کیا ہو گیا، یہ بابا تو اس کی جان لینے پر تل گیا تھا، اس کا خیال خام ثابت ہوا تھا۔ بابا نے اس کی جان نہیں چھوڑی تھی، جب وہ راضی خوشی بھینٹ چڑھنے کیلئے آمادہ نہیں ہوا تو اس نے اس کے دل و دماغ پر قبضہ جمانے کیلئے زبردست عمل کیا تھا اور اب وہ عمل آج رات مکمل ہونے والا تھا۔

اگر آج کی رات گزر گئی تو پھر اسے اس دنیا سے گزرنے سے کوئی نہ روک سکے گا۔ تب اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ آج کی رات گزرنے نہ دے گا، وہ اس کا سحر توڑ دے گا، اسے بابا کا سحر توڑنا ہی ہو گا ورنہ پھر کچھ باقی نہ رہے گا۔

آج کی رات بڑی فیصلہ کن تھی، وہ سوچنے لگا کیا کرنا چاہئے، اپنی جان کس طرح بچانی چاہئے، جو عمل اس پر کیا گیا تھا، اس کے اثرات سے وہ اچھی طرح واقف تھا، یہ ایک ایسا سحر تھا جس کا کوئی توڑ نہ تھا، اس عمل کے پورا ہوتے ہی اس کا ”معمول“ بن جانا یقینی تھا۔

وہ سر پکڑے سوچتا رہا، بہت سی باتیں، بہت سے خیالات اس کے دماغ میں آتے رہے، درمیان میں کئی بار اس پر پچھتاوا بھی طاری ہوا، وہ کیوں ان عملیات کے چکر میں پڑا، عملیات سیکھنے کے شوق نے اسے کہیں کا نہ چھوڑا......کیوں وہ ان فضولیات میں پڑا، یہ بابا کمبل تو بڑا سفاک قاتل نکلا، اس نے دیکھتے ہی دیکھتے اس عرصے میں جانے کتنی جانیں لے لی تھیں، اسرار کو عملیات سیکھنے کا شوق ضرور تھا لیکن وہ جادو کے ذریعے کسی کی جان لینے کے حق میں نہ تھا، لیکن وہ بابا کمبل کے ساتھ رہ رہ کر خود بھی بڑا پتھر دل بنتا جا رہا تھا، سحر کے ذریعے لوگوں کی جانیں لینے کے عمل میں وہ بابا کا شریک تھا، اس نے ان کاموں میں بابا کی بھرپور مدد کی تھی، اس نے ایسا کیوں کیا......؟ وہ شریک جرم کیوں ہوا...... پچھتاوے کی ایک لہر اس کے دل و دماغ میں گھومتی ہوئی باہر نکل جاتی۔

دوسروں کی جان لینے والے کی اب خود اپنی زندگی داؤ پر لگ گئی تھی۔

وہ سوچتا رہا، مختلف تراکیب اس کے ذہن میں آتی رہیں، وہ نت نئے منصوبے بناتا رہا، بالآخر ایک منصوبے پر اچھی طرح ہر پہلو پر غور کر کے عمل کرنے کی ٹھان لی اور گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

اور دوپہر تک انتظام کر کے وہ واپس گھر آ گیا، اس نے دروازے کا تالا کھولا، اندر داخل ہو کر بابا کے کمرے پر نظر ڈالی، وہ بند تھا، اسرار کو معلوم تھا کہ وہ شام سے پہلے کمرے سے نہیں نکلے گا۔

☆......☆......☆

آج بابا کمبل گھر سے جلدی نکلا تھا، وہ جاتے ہوئے اسرار سے کہہ گیا تھا کہ وہ آج جلدی قبرستان سے واپس آئے گا، کوئی تین بجے تک آ جائے گا۔

”جی......اچھا بابا۔“ اسرار نے بڑی فرمانبرداری سے کہا اور اسے دروازے تک چھوڑنے آیا۔

وہ بابا کمبل کو دروازے پر کھڑے ہو کر جاتا ہوا دیکھتا رہا، جب وہ گلی میں مڑ گیا تو اسرار گھر میں داخل ہو گیا اور صحن میں ٹہلنے لگا۔

جب اسے اندازہ ہو گیا کہ بابا کمبل نے قبر میں بیٹھ کر اپنا عمل شروع کر دیا ہو گا تو وہ اپنی پوری تیاریوں سے گھر سے نکلا، سڑک پر پہنچ کر اس نے رکشہ پکڑا اور قبرستان پہنچ گیا۔

وہ قبرستان میں مین گیٹ سے داخل ہونے کے بجائے دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہوا اور پورے اطمینان سے قبروں پر چڑھتا اترتا اس ڈھلانی راستے کی طرف بڑھنے لگا جس کے آخر میں بابا کمبل نے اپنے لئے قبر تیار کروائی تھی، یہ قبر اندر سے پختہ تھی اور اوپر سے کچی......مٹی اور سلیب ہٹا کر بڑی آسانی سے قبر میں اترا جا سکتا تھا۔

اسرار کے دونوں ہاتھوں میں ٹین کے بڑے بڑے ڈبے تھے، جنہیں اٹھائے وہ دھڑکتے دل کے ساتھ ہنڈولے کی طرف بڑھ رہا تھا، اول تو اسے اس وقت یہاں کوئی دیکھنے والا نہ تھا اور دیکھتا بھی تو یہی سمجھتا کہ کوئی شخص پانی سے بھرے ڈبے اٹھائے قبر تازہ کرنے جا رہا ہے۔

پھر وہ لمحہ آ گیا کہ اسرار قبر کے بالکل نزدیک پہنچ گیا، اب وہ بہت محتاط انداز میں چلتا قبر پر پہنچ گیا، ملگجے اندھیرے میں اس نے دیکھا کہ قبر کے ایک طرف سے مٹی ہٹی ہوئی ہے لیکن قبر سلیب سے ڈھکی ہوئی ہے، اس نے ذرا سا جھک کر قبر کی سن گن لینے کی کوشش کی تو بابا کمبل کے منتر پڑھنے کی آواز اس کے کانوں میں آ گئی، بابا کمبل پورے انہماک سے عمل کرنے میں مصروف تھا۔

اسرار نے ایک ڈبہ آہستہ سے زمین پر رکھا اور دوسرے ڈبے کا ڈھکن کھول کر اسے بھی زمین پر رکھ دیا۔

پھر اس نے بڑی تیزی سے سلیب اٹھا کر قبر پر الٹ دیا، سلیب الٹتے ہی ٹھنڈی ہوا کا تیز جھونکا قبر میں پہنچا تو بابا کمبل نے اوپر دیکھا۔

”بابا......! میں آ گیا ہوں، میں اپنی مرضی سے بھینٹ چڑھنے کیلئے راضی ہوں، اب اپنا عمل ختم کر دیں۔“ اسرار نے قبر میں جھانک کر کہا۔

"اواسرار......! تو اپنی مرضی سے نہیں آیا، ہم نے تجھے بلایا ہے، دیکھا تو نے ہمارا کمال......؟" یہ کہہ کر بابا کمبل قبر میں کھڑا ہو گیا اور پھر اس نے ایک سیڑھی پر پاؤں رکھ کر قبر سے اپنا منہ جھکایا اور بولا۔
"آجا تو اندر آجا...... ابھی تھوڑا سا کام باقی ہے پھر ساتھ ہی چلتے......!"

بابا کمبل اپنا جملہ پورا نہ کر سکا، ڈبے سے نکلنے والی موٹی دھار اس کے سر پر سے ہوتی ہوئی چہرے پر پڑی اور وہ الٹ کر قبر میں جا گرا۔

پھر اسرار ناصر نے اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔

اس نے آناً فاناً اس ٹین کے ڈبے کو جس میں ایک انتہائی خطرناک تیزاب بھرا تھا، بابا کمبل پر الٹ دیا...... بابا کمبل نے ایک دو بار اٹھ کر کھڑے ہونے کی کوشش کی لیکن وہ کھڑا ہو نہیں پایا، اسے تو چیخنے کا بھی موقع نہیں ملا۔ یہ تیزاب اس قدر تیز تھا کہ اس کا سر اور چہرہ ادھڑ کر رہ گیا، سر اور چہرے کے علاوہ جہاں جہاں اس کے جسم پر تیزاب گرا، چند لمحوں میں کھال گل کر اتر گئی۔

اسرار ناصر نے پورا ڈبہ اس پر الٹ دیا تھا، بابا کمبل کا جسم بری طرح تڑپ رہا تھا، بابا اپنے ہوش گنوا بیٹھا تھا، ایک آگ تھی جو اس کے جسم میں گھستی چلی جا رہی تھی، پگھلا ہوا سیسہ تھا جس نے اس کی آنکھوں کو بے نور، کانوں کو بے آواز اور زبان کو گونگا کر دیا تھا، اس کا عیار ذہن بے ہوشی کی چادر میں لپٹتا جا رہا تھا، اسے تو اتنا بھی موقع نہ ملا تھا کہ وہ یہی اندازہ کرے کہ اس کے ساتھ ہوا کیا ہے۔

ڈبہ خالی ہوتے ہی اسرار نے اسے اس کے اوپر پھینک دیا پھر گردن میں لٹکی طاقتور ٹارچ روشن کی اور ٹارچ کی روشنی قبر میں ڈالی۔

قبر میں انتہائی کریہہ منظر تھا، بابا کمبل کا چہرہ اور جسم انتہائی بھیانک ہو چکا تھا، اس کا جسم اب بھی تڑپ رہا تھا لیکن پہلے جیسی شدت نہ رہی تھی۔

اسرار ناصر نے تیزاب بھرا دوسرا ڈبہ اٹھایا، اس کا ڈھکن کھول کر قبر میں پھینکا، تیزاب سے بھرا ڈبہ لے کر احتیاط سے قبر میں ایک سیڑھی نیچے اترا پھر اس نے جھک کر ایک ہاتھ میں ٹارچ پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے تیزاب اس پر ڈالنے لگا۔

اس نے ڈبے سے نکلتی موٹی دھار کے ذریعے بابا کمبل کے پورے جسم کو اچھی طرح نہلا دیا، چہرے اور سر کو اس نے خصوصی طور پر نشانہ بنایا۔ وہ چاہتا تھا کہ بابا کمبل کی سفاک کھوپڑی پگھل کر پانی ہو جائے، وہ اس قابل نہ رہے کہ آئندہ کسی کو موت کا نشانہ بنا سکے۔

بابا کمبل کے جسم میں بڑی جان تھی، وہ اب بھی رہ رہ کر تڑپ اٹھتا تھا اور بابا کا جسم جیسے ہی جنبش کرتا، اسرار کا ہاتھ حرکت میں آتا اور تیزاب کی موٹی دھار اس پر گرتی۔

یہ تیزاب اس قدر خطرناک تھا کہ قبر کا سیمنٹڈ فرش بھی سفید ہو گیا تھا۔ اسرار نے ٹارچ بجھا دی تھی کیونکہ قبر کا منظر اس قدر دلخراش ہو گیا تھا کہ وہ نظر بھر کر اسے دیکھ نہیں پا رہا تھا۔

ٹارچ بجھا کر اس نے باقیماندہ تیزاب بھی قبر میں ڈالا، خالی ڈبہ اندر پھینکا اور قبر سے باہر نکل آیا

اس کے بعد اس نے سلیب سے قبر کو بند کر دیا، بیلچہ وہیں موجود تھا، اس نے بیلچے کے ذریعے قبر پر مٹی چڑھا دی۔

بابا کمبل قبر کے اندر جلے ہوئے گوشت اور پگھلی ہوئی ہڈیوں کا ملغوبہ بن گیا تھا، وہ خود تو قبر سے کیا ہی نکلتا، اس کے جسم کی اندر سے یہ حالت ہو گئی تھی کہ کوئی بھی اسے قبر سے نکالنے کی کوشش کرتا تو اس کے اعضا ہی ایک ایک کر کے باہر نکلتے، اب وہ ٹکڑوں کی صورت میں ہی باہر آ سکتا تھا۔

یہ وہ شخص تھا جو دوسروں کی زندگیاں ٹکڑوں میں بانٹ دیا کرتا تھا، جس نے اپنے باپ کو قتل کیا تھا اور نہ جانے کتنے مرد و عورتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا، جو شیطان کا پجاری تھا، آج وہ اپنے شاگرد کے ہاتھوں انجام کو پہنچا تھا، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جس شخص کو وہ بھینٹ چڑھانے کی تیاریاں کر رہا ہے، وہ خود ہی اس کی بھینٹ چڑھ جائے گا۔ اسی کو کہتے ہیں کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں...... ہاتھی کبھی کبھی چیونٹی کے ہاتھوں مارا جاتا ہے۔

بابا کمبل کو یہ قبر بہت پسند آئی تھی، وہ اسے "ہنڈولا" کہتا تھا، اس نے اس قبر کو اندر سے کشادہ اور پختہ بنوایا تھا اور قبر پر اپنے نام کا کتبہ لگوایا تھا، وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ مصنوعی قبر کل اس کی اصلی قبر بن جائے گی۔

اسرار ناصر نے قبر پر اچھی طرح مٹی چڑھائی، بیلچہ بہت زور سے مٹی میں مارا، وہ کچی مٹی میں اندر تک گھس گیا، اس نے بیلچے کو اسی طرح قبر میں گڑھا چھوڑ دیا اور انتہائی نفرت سے بولا۔ "خس کم جہاں پاک۔"

وہ کوئی گھنٹے تک اس قبر کے قریب بیٹھا رہا، وہ کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا، وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ بابا کمبل کسی طرح قبر سے باہر تو نہیں نکل کر آ جاتا، اگرچہ یہ بات ناممکنات میں سے تھی لیکن احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ وہ کسی قسم کا خطرہ مول نہ لے۔

جب قبر میں کسی طرح کی کوئی جنبش نہ ہوئی اور نہ ہی کوئی اندر سے آواز آئی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

اسرار ناصر نے اپنے بائیں جانب کچھ فاصلے پر روشنی دیکھی، وہ اس روشنی کی جانب بڑھا، وہاں ایک مردے کی تدفین ہو رہی تھی، مشکل سے وہاں دس پندرہ آدمی تھے، اسرار ناصر نے سوچا اتنی رات گئے اس شخص کے جنازے کے ساتھ اتنے بھی آدمی آ گئے، یہ بڑا غنیمت تھا۔

اسرار ناصر بھی ان لوگوں کے پیچھے کھڑا ہو گیا، مردے کو قبر میں اتارا جا چکا تھا بس اب مٹی چڑھائی جا رہی تھی اور یہ کام دلگیر بڑی چابکدستی سے کر رہا تھا۔

دعا کے بعد جب شریک جنازہ واپس ہو لئے تو وہ دلگیر کے پاس آیا۔

"بابا ہیں یا چلے گئے؟" دلگیر نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"چلے گئے۔" اسرار ناصر نے سچی بات کہی۔

"ارے...... آج کچھ جلدی نہیں چلے گئے کیا؟" وہ بولا۔

''ہاں......دلگیر! وہ کچھ جلدی چلے گئے......اب تم نے ایک کام کرنا ہے۔'' اسرار ناصر نے کہا۔

''ہاں......بولو۔'' وہ اپنے ہاتھ دھوتے ہوئے بولا۔

''دیکھو دلگیر......! بابا نے اب وہ قبر بند کر دی ہے، انہوں نے قبر میں کوئی چیز دفن کی ہے۔''

''کیا دفن کیا ہے بابا نے؟'' اس نے پوچھا۔

''یہ میں نہیں بتا سکتا البتہ اتنا ضرور بتا سکتا ہوں اگر کسی نے قبر کھول کر دیکھی تو وہ اسی وقت مر جائے گا۔'' اسرار ناصر نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

''اوہ......اچھا......!'' دلگیر بولا۔ ''اچھا کیا جو تم نے مجھے بتا دیا۔''

''بابا حکم دے گئے ہیں کہ کل دن میں اس قبر کو اوپر سے بھی پکا کرنا ہے۔'' اسرار نے کہا۔ ''دلگیر......! میں اب صبح آؤں گا، تم انتظام کر لینا...... میں اپنی نگرانی میں قبر پکی کرواؤں گا، مجھے قبر پر بیٹھ کر کچھ پڑھنا بھی ہے......ٹھیک ہے، اب میں چلتا ہوں، تمہارا بیلچہ ابھی قبر میں گڑھا ہوا ہے، اسے نکالنا مت...... میں صبح خود آ کر نکالوں گا......چلوں پھر میں؟''

''ٹھیک ہے، تم صبح آؤ گے تو تمہیں پورا انتظام ملے گا۔'' دلگیر نے اسے یقین دلایا۔

ادھر سے مطمئن ہو کر وہ دوبارہ بابا کمبل کی قبر پر گیا، ٹارچ کی روشنی میں اس نے قبر کا اچھی طرح جائزہ لیا، سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کر گیا تھا، وہ کچھ دیر اور وہاں ٹھہرا پھر وہ اطمینان بھرے قدم اٹھاتا قبرستان سے باہر آ گیا۔

جب وہ گھر پہنچا تو رات کا ایک بج رہا تھا۔

وہ تالا کھول کر گھر میں داخل ہوا تو اسے آزادی کا احساس ہوا، اس کا دماغ ہلکا پھلکا ہو گیا تھا، خوف اور دباؤ کی کیفیت جس سے وہ دوچار تھا، ختم ہو گئی تھی۔

ایک مسرت بھرے احساس کے ساتھ اس نے پورے گھر کا چکر لگایا، اب اس گھر میں موجود ہر چیز اس کی تھی اور اس گھر میں ایک خزانہ دفن تھا، نوٹوں سے بھرے بکس کے علاوہ کچھ ایسی نایاب چیزیں تھیں جو سفلی علم کرنے میں بڑی مددگار ثابت ہوتی تھیں، یہ چھوٹا سا گھر بھی بابا کی ملکیت تھا جو اب اس کا ہو گیا تھا۔

وہ بابا کمبل کے تخت پر خوب ہاتھ، پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا لیکن نیند نہ آئی، خیالات کی یلغار تھی جو بار بار اس کی نیند اچاٹ کر رہی تھی، سب سے بڑی خوشی اپنے بچ جانے کی تھی، ورنہ بابا کمبل نے آج کی رات اپنا عمل مکمل کر کے اسے ایک نادیدہ گرفت میں لے لینا تھا، وہ بے دست و پا ہو جاتا، وہ ایک ایسا معمول بن جاتا جو ہر حال میں اپنے عامل کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے، بابا کمبل اسے بآسانی بارہ ہاتھ والی کے چرنوں میں ڈال کر اس کی گردن پر چھری پھیر دیتا لیکن وہ چھری کے نیچے آتے آتے رہ گیا۔

ایک یہ احساس کہ وہ آزاد ہو گیا تھا، ایک یہ احساس کہ اس کی جان بچ گئی تھی اور ایک یہ احساس کہ

اس کا دشمن ہمیشہ کیلئے نیست و نابود ہو گیا تھا اور وہ اس گھر میں موجود ہر شے کا بلا شرکت غیرے مالک و مختار ہو گیا تھا۔ یہ اور دوسرے احساس مل کر اس کی نیند اڑانے کیلئے کافی تھے۔

پھر مستقبل کی منصوبہ بندی بھی تھی، سوچتے سوچتے پوری رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹ گئی۔

صبح ہوتے ہی وہ نہا دھو کر گھر سے نکلا، پہلے اس نے مارکیٹ کے ایک بڑے ہوٹل سے حلوہ پوری کا ڈٹ کر ناشتہ کیا اور رکشہ پکڑ کر قبرستان پہنچ گیا۔

وہ تیزی سے قبریں پھلانگتا بابا کمبل کی قبر پر پہنچ گیا، اسے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ قبر جوں کی توں تھی، بیلچہ قبر میں اسی طرح گڑھا ہوا تھا جس طرح اس نے گاڑھا تھا، قبر کے برابر بلاک جمع تھے، اس کا مطلب تھا کہ دلگیر نے صبح تڑکے ہی کام شروع کروا دیا تھا۔

شام ہوتے ہوتے قبر اسرار ناصر کی مرضی کے مطابق پختہ کر دی گئی، اس نے راج مزدور اور سامان کی ادائیگی کی، پھر دو ہزار روپے دلگیر کو بطور خاص دیئے۔

دو ہزار روپے دیکھ کر دلگیر کی باچھیں کھل گئیں۔

''دلگیر......! بابا کا حکم ہے کہ اس قبر کی حفاظت کی جائے، اسے کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچے۔'' اسرار نے حفظ ماتقدم کے طور پر یہ بات کہی۔

''لو جی تم فکر ہی نہ کرو...... یہ ہر وقت میری نظر میں رہے گی، اسے بھلا کون نقصان پہنچا سکتا ہے...... آپ بابا جی کو بول دینا اس قبر کی طرف سے بے فکر رہیں۔'' دلگیر نے بڑے یقین دلانے والے انداز میں کہا۔

''چلو پھر ٹھیک ہے، ویسے میں بھی ادھر کا چکر لگاتا رہوں گا۔'' اسرار بولا۔

''آپ جب چاہے آؤ......بس اب قبر کی ذمہ داری میری......!'' دلگیر نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

پھر وہ مزید ہدایات دے کر قبرستان سے نکل آیا۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اس قبر کو دلگیر کے علاوہ کوئی اور نہیں توڑ سکے گا، قبر کے ٹوٹنے کی صورت میں بابا کمبل کے قتل کا انکشاف ہونے کا ڈر تھا اسی لئے اس نے قبر کو نہایت پختہ بنوا دیا تھا اور ساتھ ہی قبر کی حفاظت کی تلقین بھی کر دی تھی تاکہ قتل کا راز ہمیشہ راز ہی رہے۔

رات کا کھانا کھا کر وہ نو بجے گھر واپس پہنچا، کچھ دیر اس نے تخت پر آرام کیا، اب وہ بابا کمبل کی طرف سے بالکل مطمئن ہو گیا تھا، کسی قسم کا کوئی خدشہ کوئی خطرہ باقی نہ رہا تھا۔

آرام کرنے کے بعد اس نے بابا کے عملیات والے کمرے کی ایک ایک چیز کا جائزہ لیا، ٹین کے بکس میں لاکھوں روپے تھے، سفلی علم میں کام آنے والی بہت قیمتی اور نایاب چیزیں لوہے کی الماری میں موجود تھیں۔ یہ ایک بڑا خزانہ تھا، الماری میں ایک خفیہ خانہ تھا جس کا تالا بند تھا، اس تالے کی چابی اس نے پوری الماری میں تلاش کر لی، کہیں نہ ملی، کمرے میں بھی تلاش کی بالآخر وہ چابی بابا کے چرمی بیگ سے برآمد ہو گئی۔

چابی نکال کر اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ خفیہ خانے میں لگائی تو خانہ کھل گیا، اس نے خانے کا پٹ کھول کر اندر ہاتھ ڈالا۔ یہ ایک گہرا خانہ تھا، اس خانے میں کپڑے میں لپٹی چیز کے علاوہ کچھ اور نہ تھا۔

یہ چیز ایک کالے کپڑے میں لپٹی ہوئی تھی اور اوپر سے دیکھنے میں زیور کا ڈبہ محسوس ہو رہی تھی۔ اسرار کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس میں کیا قیمتی زیور ہے کہ اسے الماری کے خفیہ خانے میں محفوظ کیا گیا۔

جب اسرار نے کپڑا کھولا تو اس کا اندازہ غلط ثابت ہوا، اس میں زیور کا ڈبہ نہ تھا بلکہ ایک موٹی کتاب تھی، خاصی پرانی جس کے صفحے زرد ہو چکے تھے اور کئی صفحے کتاب سے الگ بھی ہو چکے تھے۔

اسرار کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ کس قسم کی کتاب ہے جسے بابا کمبل نے بڑی حفاظت سے رکھ چھوڑا تھا۔

اس نے کتاب کھول کر سرسری سا جائزہ لیا تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ یہ کتاب واقعی قیمتی تھی اور انتہائی نایاب...... یہ عملیات کی کتاب تھی جسمیں مختلف خبیث روحوں کو اپنے قبضے میں کرنے کے منتر اور جاپ لکھے ہوئے تھے، اس میں شیطانی روحوں پر قبضہ کرنے کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا...... اسرار اس کتاب کو دیکھ کر بے پناہ خوش ہوا، یہ صحیح معنوں میں نایاب خزانہ تھا، یہ کتاب اتنی پرانی تھی کہ لگتا تھا کہ بابا کے ابا کی ہوگی، اس نے یہ کتاب اسی طرح کالے کپڑے میں لپیٹ کر خفیہ خانے میں رکھ دی اور خانے کو مقفل کر دیا۔

اسرار اس گھر کو فروخت کر کے یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا، اس نے آس پاس یہ مشہور کر دیا کہ بابا کمبل حیدر آباد منتقل ہو گئے ہیں، وہ اب مستقل وہیں رہیں گے پھر اس نے پڑوسی سے بات کی کہ وہ یہ مکان فروخت کرنا چاہتا ہے، اگر وہ خریدنا چاہے تو سستا دیدے گا، پڑوسی اپنے مکان کی توسیع چاہتا تھا لہٰذا وہ فوراً راضی ہو گیا، ویسے بھی یہ مکان اسے بہت سستا مل رہا تھا۔

اسرار نے پہلے سعود آباد میں ایک کرائے کا مکان حاصل کیا اور وہاں منتقل ہو گیا پھر اس نے اس مکان کا سودا پکا کر لیا اور جو بھی پڑوسی سے رقم ہاتھ آئی، لے کر یہاں سے نکل گیا۔

دو ماہ بعد ہی اس نے سعود آباد بھی چھوڑ دیا اور لیاقت آباد میں ایک چھوٹا مکان خرید کر وہاں شفٹ ہو گیا اور اسی علاقے میں ایک پی سی او کھول لیا۔ پی سی او تو محض نام کا تھا، اس دکان پر جو بھی فون کرنے آتا، یہ اسے اپنے پاس بٹھا لیتا اور کچھ اس طرح کی شعبدے بازی دکھاتا کہ پی سی او پر ایک بار آنے والا بار بار آنے لگتا۔

ایک دن صبح پی سی او کھولتے ہی ایک پریشان حال خاتون اندر آئی، وہ برقع میں تھی چہرہ کھلا ہوا تھا، ادھیڑ عمر کی اس عورت کے چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں، اس نے آتے ہی اپنے چھوٹے سے پرس سے ایک پرچی نکالی اور اسرار کو دیتے ہوئے بولی۔ ''جلدی سے یہ نمبر ملا دو۔''

اسرار نے پرچی لے کر اس نمبر پر ایک نظر ڈالی اور ریسیور اٹھا کر وہ نمبر ملا دیا ادھر سے کسی عورت کی آواز آئی تو ریسیور اسرار نے اس عورت کی طرف بڑھا دیا۔ ''بات کریں۔''

''اری اصغری......! کل جو میں نے تجھے سیٹ دکھایا تھا، وہ غائب ہے۔''

''پر آپا......! میں نے تو دیکھ کر آپ کے سامنے ہی تہمینہ کے حوالے کر دیا تھا۔''

''اری......! میں تجھے تھوڑی کچھ کہہ رہی ہوں...... تجھے بتا رہی ہوں کہ وہ سیٹ ڈبے میں سے غائب ہو گیا، الماری میں خالی ڈبہ رہ گیا۔''

''آپا......! تم نے میرے علاوہ اور کس کس کو سیٹ دکھایا تھا؟''

''ایک دو پڑوس کی عورتوں کو دکھایا تھا۔''

''بس پھر ان میں سے ہی کسی نے ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے۔''

''اری نہیں...... میں نے سیٹ انہیں دکھا کر خود اپنے ہاتھ سے ڈبہ بند کر کے الماری میں رکھا ہے۔''

''تو پھر آپا......! سیٹ کون لے گیا؟''

''اصغری......! میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا...... پچیس تیس ہزار کا سیٹ ہے، شادی سر پر ہے، اب یں کیا کروں؟''

''آپا......! تم پریشان مت ہو، میں آتی ہوں۔''

''ہاں اصغری......! جلدی سے آجا...... میرے تو ہاتھ پاؤں پھولے جاتے ہیں، میری سمجھ میں ہیں آ رہا کیا کروں...... ٹھیک ہے تو آجا۔'' اس عورت نے بات ختم کر کے ریسیور کریڈل پر رکھا اور سرار سے مخاطب ہو کر بولی۔ ''کتنے پیسے دوں۔''

''خالہ......! ایک منٹ بیٹھو اور مجھے بتاؤ معاملہ کیا ہے؟'' اسرار نے بڑے نرم لہجے میں کہا۔

پی سی او والے کو ہمدرد پا کر اس عورت نے جس کا نام اکبری تھا، سیٹ غائب ہونے کی پوری روداد نادی۔ اسرار نے ایک دو سوال اس ضمن میں کئے اور پھر بال پوائنٹ ہاتھ میں پکڑ کر دراز سے ایک اپی نکالی اور اس کے ایک صفحے پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچنے لگا۔ لکیریں کھینچنے کے ساتھ وہ گردن کبھی ں میں اور کبھی اثبات میں ہلاتا جا رہا تھا، کچھ دیر کے بعد اس نے کاپی بند کر کے دراز میں ڈالی اور بال ائنٹ کا ڈھکنا بند کرتا ہوا بولا۔ ''خالہ......! میں جان گیا ہوں کہ تمہارا سیٹ کہاں ہے؟''

اس انکشاف پر اکبری اچھل پڑی، وہ بڑی مسکین صورت بنا کر بولی۔ ''اے بھیا......! جلدی بتاؤ، ری تو جان نکلی ہوئی ہے۔''

''اس سیٹ کو گھر کے ایک فرد نے ڈبے سے غائب کیا ہے۔'' اسرار نے دوٹوک لہجے میں بتایا۔

''گھر کے فرد نے......؟'' اکبری کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ ''اے بھیا......! کون ہے وہ؟''

''خالہ......! ہم نام نہیں بتایا کرتے۔'' اسرار نے کہا۔ ''لیکن یہاں معاملہ صرف زیور کا ہی نہیں، ھر کی عزت کا بھی ہے اس لئے اس راز کو کھولنا پڑے گا، اس طرح گھر کی عزت بھی بچ جائے گی اور ر بھی بازیاب ہو جائے گا۔''

''اے بھیا......! کیا کہہ رہے ہو...... میری سمجھ میں نہیں آ رہا...... صاف صاف بولو۔''

''صاف صاف بتا دوں گا خالہ لیکن تمہیں دو کام کرنے ہوں گے، ایک تو صبر سے کام لینا ہوگا، دوسرے تمہیں مٹھائی کے پیسے دینے ہوں گے۔'' اسرار نے معاملے کی بات کی۔

''ہاں دے دوں گی مٹھائی کے پیسے...... پہلے زیور تو ملے لیکن تم پیسے کتنے لو گے؟''

''صرف پانچ سو روپے۔'' اسرار ناصر نے کہا۔ ''اور یہ پیسے سمجھو بہت کم ہیں، جو چیز میں بتانے جا رہا ہوں اگر کوئی اور بتاتا تو کم از کم پانچ ہزار روپے لیتا۔''

''اے بھیا......! میں ایک غریب عورت ہوں، جانے کس کس طرح کر کے میں نے یہ سیٹ بنوایا تھا۔''

''جانتا ہوں اسی لئے پانچ سو روپے مانگے ہیں۔'' اسرار اپنی رقم کم کرنے کیلئے تیار نہ تھا۔

''چلو دے دوں گی لیکن سیٹ ملنے کے بعد۔'' اکبری نے صاف اور واضح انداز میں کہا۔

''جو بات میں بتانے جا رہا ہوں اس کے آگے سیٹ کی کوئی حیثیت نہیں۔'' اسرار ناصر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''سنو خالہ......! میری بات غور سے سنو...... تم جس بیٹی کی شادی کر رہی ہو، وہ سیٹ اسی نے چرایا ہے، وہ سیٹ اس وقت اس کے پرس میں موجود ہے، خالہ! جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میری بات پہلے پورے صبر سے سنو، دیکھو تمہاری لڑکی کسی عامر نامی لڑکے سے شادی کرنا چاہتی ہے، وہ آج رات کچھ کپڑے اور سونے کا یہ سیٹ لے کر گھر سے نکل جائے گی بس اتنا کافی ہے یا اور بھی کچھ بتاؤں؟'' اسرار نے رک کر پوچھا۔

''نہیں...... اتنا بہت ہے، میں اب جاتی ہوں، کل تمہارے پاس آؤں گی، اگر تمہاری دونوں باتیں سچ نکلیں تو میں پانچ سو روپے نہیں ہزار دوں گی...... میرا انتظار کرنا۔''

''ٹھیک ہے خالہ......! مجھے کوئی جلدی نہیں لیکن میری ایک بات یاد رکھنا، اگر میری بات سچ نکلے تو مٹھائی کے پیسے ضرور دے جانا ورنہ مجھے بلانا بھی آتا ہے۔'' اسرار کے لہجے میں تنبیہ تھی۔

''میں ضرور آؤں گی۔'' اکبری نے اٹھتے ہوئے کہا پھر اچانک اسے کچھ یاد آیا۔ ''اے ہاں...... کال کرنے کے پیسے تو لے لو۔''

پھر اس نے کال کے پیسے ادا کئے اور چہرے پر فکرمندی لئے واپس چلی گئی۔

دوسرے دن وہ صبح ہی صبح آ گئی، اسرار ناصر نے اس کا چہرہ دیکھا، چہرے پر اطمینان پھیلا ہوا تھا، اسرار خاموش رہا، اس نے اس سے کوئی سوال نہ کیا۔

اکبری نے اپنا چھوٹا سا پرس کھولا اور اس میں سے چار تہہ کیا ہوا ہزار کا نوٹ نکالا اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ ''لے بھیا......! مٹھائی کے پیسے...... تمہاری ہر بات سچ نکلی، میں تمہاری بڑی احسان مند ہوں کہ تم نے میری برادری میں ناک کٹنے سے بچا لی...... میں نے اس کتیا کو آدھی رات کو گھر سے نکلتے ہوئے پکڑ لیا، اس کے پرس میں سیٹ موجود تھا اور وہ ایک پوٹلی میں چند اچھے جوڑے

باندھ کر نکل رہی تھی، میں نے اسے چٹیا سے پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا اور وہ مار ماری کہ ہفتے بھر تک اپنے بدن کی سکائی کرتی رہے گی، اس عامر کے بچے کی بھی میں نے کھال اتروا دی، اب زندگی بھر وہ کسی گھر کی عزت کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھے گا۔''

اکبری جوش میں اور جانے کیا کیا بولتی رہی۔ اسرار ناصر اسے دیکھ کر خاموشی سے مسکراتا رہا اور اس کی بات پوری توجہ سے سنتا رہا۔

جب اکبری کے دل کی بھڑاس نکل گئی تو وہ ایک بار پھر اس کا شکریہ ادا کر کے چلی گئی۔

یہ عورت اسرار ناصر کی پہلی سائلہ تھی جسے اس نے اپنے فن کا کمال دکھا کر ہزار روپے کمائے تھے۔

یہ ابتداء تھی پی سی او پر آنے والے ہر طرح کے لوگ تھے، لڑکے، لڑکیاں، عورتیں، مرد...... اپنی ضرورتوں کے مطابق فون کرنے آتے، انہی میں سے وہ اپنے مطلب کا ''شکار'' اپنے جال میں پھانس لیتا۔

ایک دن ایک لڑکی فون کرنے آئی، وہ کالج کی یونیفارم میں تھی، لمبے قد، سانولی رنگت، پرکشش چہرہ، کندھے پر بیگ لٹکائے، وہ اس سے مخاطب ہو کر بولی۔ ''فون کرنا ہے۔''

اسرار ناصر نے اسے پی سی او کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر ہی اپنا عمل شروع کر دیا تھا، وہ زیرلب کچھ پڑھ رہا تھا، جب اس لڑکی نے فون کرنے کے بارے میں کہا تو اسرار نے کوئی جواب نہ دیا، وہ تیزی سے کچھ پڑھ رہا تھا البتہ اس نے ہاتھ کے اشارے سے انتظار کرنے کو کہا۔

لڑکی خاموش کھڑی ہو گئی...... چند لمحوں بعد ہی اسرار نے ٹیلیفون اس کی طرف کھسکا دیا اور خود ذرا سا پیچھے ہو کر بیٹھ گیا۔

لڑکی تیزی سے نمبر ملانے لگی اور اسرار اسے بڑے غور سے دیکھنے لگا، لڑکی نے نمبر ملا کر اسرار کی طرف سے رخ پھیر لیا، اسے اسرار کا اس طرح گھورنا اچھا نہ لگا تھا، اس نے طے کر لیا تھا کہ آئندہ وہ اس پی سی او پر فون کرنے نہیں آئے گی۔

جس نمبر پر اس نے رنگ کیا تھا، ادھر سے کسی لڑکی نے فون اٹھایا، لڑکی کی آواز سن کر اس لڑکی نے فوراً فون بند کر دیا اور ایک نظر اسرار ناصر کی طرف دیکھا۔

''کیا ہوا......؟'' اسرار نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' لڑکی نے ناگواری سے کہا اور اپنی مٹھی میں دبے دس روپے کے نوٹ کو اس کی طرف بڑھایا۔

اسرار ناصر نے اس کے ہاتھ سے نوٹ لے لیا اور بڑے مؤدبانہ انداز میں بولا۔ ''اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں؟''

لڑکی خاموش رہی...... اس نے صرف سوالیہ انداز میں اسرار کی طرف دیکھا۔

''آپ نے جس کو فون کیا تھا، وہ گھر پر نہیں ہے لیکن میں بتا سکتا ہوں کہ ساجد اس وقت کہاں ہے

اور کس کے ساتھ ہے۔'' اسرار نے بڑی سادگی سے انکشاف کیا۔

یہ انکشاف اس لڑکی کیلئے کسی دھماکے سے کم نہ تھا، وہ اندر ہی اندر لرز کر رہ گئی۔ یہ پی سی او نیا کھلا تھا اور وہ پہلی بار یہاں آئی تھی پھر اس وقت فون پر اس نے کوئی بات نہ کی تھی، ساجد کی بڑی بہن کی آواز سن کر اس نے فون رکھ دیا تھا، اس پی سی او والے نے نہ صرف اس کے محبوب کا نام بتا دیا تھا بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ وہ کہاں ہے اور کس کے ساتھ ہے، یہ بھی بتا سکتا ہے۔

لڑکی کے چہرے پر ہوائیاں اڑتے دیکھ کر اسرار نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔'' آپ پریشان نہ ہوں آپ کا راز...... راز رہے گا لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ کو بتا دوں کہ وہ ایک فراڈ لڑکا ہے، اس کا کام ہی آپ جیسی معصوم لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنسا کر برباد کرنا ہے...... اس وقت وہ ہاکس بے پر ایک پری گل نامی لڑکی کے ساتھ موجود ہے۔''

''اوہ......!'' وہ لڑکی اس انکشاف پر اس سے زیادہ کچھ نہ بول سکی، اسے شدید ذہنی جھٹکا لگا، وہ صدمے سے نڈھال ہو گئی۔

''آپ آرام سے کرسی پر بیٹھ جائیں۔'' اسرار نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

وہ لڑکی کرسی پر کسی دیوار کی طرح گری، اس کی بری حالت دیکھ کر اسرار نے ایک گلاس پانی اس کے سامنے رکھا جسے وہ بہت تیزی سے غٹ غٹ پی گئی۔

''آپ کے پاس ساجد کا موبائل نمبر ہے؟'' اسرار نے پوچھا۔

''جی ہے لیکن وہ اٹھا نہیں رہا۔'' اس لڑکی نے بمشکل کہا۔ شاید وہ اپنے آنسو روکنے کی کوشش میں تھی۔

''آپ مجھے نمبر بتائیں، میں دیکھتا ہوں وہ کیسے نہیں اٹھاتا۔''

لڑکی نے نمبر بتایا، اسرار نے نمبر ملاتے ہوئے فون سیٹ پر ایک پھونک ماری اور بیل ہوتے ہی اس نے ریسیور لڑکی کے ہاتھ میں تھما دیا۔

تین چار بیلوں کے بعد ساجد کی آواز آئی۔ ''ہیلو۔''

''ساجد......! میں ثمینہ بول رہی ہوں۔''

''او...... یار ثمینہ......! معاف کرنا میں مقررہ جگہ پر نہیں پہنچ سکا، تم نے ضرور وہاں میرا انتظار کیا ہوگا، یار! میں ایک مشکل میں پھنس گیا ہوں، کل آ کر تمہیں بتاؤں گا، تم آج والے وقت پر وہاں پہنچ جانا...... ٹھیک ہے۔''

''ساجد......! میں تمہاری مشکل کو اچھی طرح جان گئی ہوں، تمہاری اس مشکل کا نام پری گل ہے اور اس وقت تم کہاں ہو، یہ بھی بتا سکتی ہوں، تم اس وقت ہاکس بے کے ساحل پر ہو، میں اپنے کانوں سے سمندر کے شور کی آواز سن رہی ہوں، ساجد! ابھی کچھ اور بتاؤں یا بس......؟ ذلیل انسان اب آئندہ مجھے کبھی شکل نہ دکھانا۔'' یہ کہہ کر ثمینہ نے ایک جھٹکے سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

اب اسے خود پر قابو رکھنا مشکل ہو گیا تھا، وہ اپنی آنکھوں میں آئے آنسو نہ روک سکی۔

پھر اس نے جلدی جلدی اپنے آنسو دوپٹے سے پونچھے اور اسرار کو بہت شکر گزار نظروں سے دیکھا اور بولی۔'' آپ نے میری زندگی تباہ ہونے سے بچا لی۔''

''آپ ایک ذہین لڑکی ہیں، آپ نے موبائل میں پیچھے سے آتی ہوئی سمندر کی لہروں کی آواز پہچان لی، میرا کام آسان ہو گیا، آپ کو یقین آ گیا کہ میں نے جو کچھ کہا، سچ کہا، اب میں آپ سے صرف اتنا کہوں گا کہ جو کچھ ہوا، اسے بھول جائیں، اپنی پڑھائی میں دھیان لگائیں اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے آپ کے والدین کی عزت خراب ہو، یہ اپنے دس روپے رکھ لیں، میں آپ سے کالوں کے پیسے نہیں لوں گا۔'' اسرار نے اتنا کہہ کر وہ دس روپے کا نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

ثمینہ نے دس روپے کا نوٹ اپنی مٹھی میں دبایا اور پی سی او سے باہر نکل گئی۔

دو چار دن کے بعد اکبری ایک عورت کے ساتھ پی سی او پر آئی، اسرار نے اکبری کے ساتھ آنے والی عورت کو بغور دیکھا، اسے وہ ایک پژمردہ اور بیمار سی عورت دکھائی دی۔

''خالہ......! کیسی ہو؟'' اسرار نے پوچھا۔

''اے...... میں ٹھیک ہوں۔'' پھر وہ اپنے ساتھ والی عورت کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ ''یہ بہت پریشان ہیں، بہت سے پیروں، فقیروں کے در پر حاضری دے چکی ہیں، میں نے کہا کہ اے تم کہاں ماری ماری پھر رہی ہو، میرے ساتھ چلو میں تمہیں پی سی او والے بابا کے پاس لے جاتی ہوں، وہ چٹکی بجاتے میں مسئلہ حل کر دیں گے...... اب تم ان کا مسئلہ سن لو...... یہ اپنے بیٹے کے غم میں آدھی رہ گئی ہیں۔''

''اچھا خالہ......! بیٹھو میں دیکھتا ہوں کیا مسئلہ ہے۔'' یہ کہہ کر اسرار نے دراز سے کاپی نکالی اور اس پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچنے لگا ساتھ ہی ساتھ کبھی نفی اور کبھی اثبات میں گردن ہلاتا جاتا تھا۔

اکبری اسے بڑے فخر سے دیکھ رہی تھی۔

کچھ دیر کے بعد اس نے کاپی بند کر کے دراز میں ڈال دی اور بال پوائنٹ کا کور لگاتے ہوئے بولا۔ ''خالہ......! ان کا مسئلہ میں نے معلوم کر لیا ہے لیکن مسئلہ ہے بہت ٹیڑھا...... مجھے سات دن قبرستان میں وظیفہ پڑھنا ہوگا، اس کیلئے کچھ چیزیں درکار ہوں گی جو مہنگی ہیں، دس ہزار روپے سے کم خرچ نہیں آئے گا۔''

''اے بغیر بتائے مسئلہ بھی معلوم کر لیا...... ذرا بتائیں تو۔''

''خالہ......! ان کا لڑکا جس کی عمر پندرہ، سولہ سال ہے، ایک سال سے گھر سے غائب ہے، اسے کسی نے اغواء نہیں کیا، وہ ناراض ہو کر گھر سے نکلا، اس وقت جہاں ہے، خیریت سے ہے، اگر کہو تو لڑکے کا نام بھی بتا دوں؟'' اسرار نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں...... بتائیں۔'' اس مرتبہ لڑکے کی ماں بے قرار ہو کر بولی۔

"لڑکے کا نام شمشاد ہے، لڑکا گورے رنگ کا ہے۔" اسرار نے بتایا۔

"ہائے...... ! بالکل صحیح نام بتایا اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہ ناراض ہو کر گھر سے نکلا، وہ کئی دن سے موٹر سائیکل خریدنے کی ضد کر رہا تھا، اس کے ابو نے کہا ابھی تم چھوٹے ہو، بی اے میں آ گئے تو موٹر سائیکل دلوا دوں گا بس پھر وہ گھر سے جو گیا تو پھر لوٹ کر نہ آیا، وہ میرا اکلوتا بچہ ہے، شکر ہے وہ زندہ سلامت ہے۔" لڑکے کی ماں بولی۔

"ہاں...... بالکل زندہ سلامت ہے اور سات دن کے اندر اندر وہ گھر واپس آ جائے گا، یہ میری گارنٹی ہے، دس ہزار روپے خرچہ آئے گا، پیسے پہلے لوں گا، اگر لڑکا ساتویں دن گھر واپس نہ آئے تو اپنے پیسے واپس لے جانا، بس اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔" اسرار ناصر نے کھرے کاروباری انداز میں کہا۔

اکلوتے بچے کی بازیابی کیلئے دس ہزار روپے کچھ بھی نہ تھے۔ یہ کھاتے پیتے لوگ تھے، اگر کوئی غریب ماں بھی ہوتی تو اِدھر اُدھر سے قرض ادھار لے کر اسرار کے حوالے کر دیتی۔ اسی شام دس ہزار روپے اسے ادا کر دیئے گئے، اسرار نے دن مقرر کر دیا۔

اسرار نے اس لڑکے شمشاد کے سلسلے میں گھر بیٹھ کر صرف تین دن ایک گھنٹے کا عمل کیا، وہ لڑکا بے قرار ہو کر گھر واپس لوٹ آیا۔

اسی شام اس کی ماں مٹھائی کا ڈبہ لے کر اور ساتھ لڑکے کو لے کر خوش خوش اسرار کے پاس آئی، اسرار نے ڈبہ کھول کر ایک گلاب جامن کھائی اور ڈبہ ماں، بیٹے کو واپس کر دیا۔

ابھی تین دن گزرے تھے کہ ثمینہ ایک لڑکی کے ساتھ آئی، آج وہ کالج کے یونیفارم میں نہ تھی، گھریلو لباس میں تھی اور اچھی لگ رہی تھی۔

اسرار نے ثمینہ اور اس کے ساتھ آنے والی لڑکی کو ایک نظر دیکھا اور کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"ان کا ایک مسئلہ ہے۔" ثمینہ کرسی سنبھالتے ہوئے بولی۔ "یہ میری بہت اچھی دوست ہے، کسی کو پسند کرتی ہے، ذرا اس لڑکے کے بارے میں بتائیں۔"

"اچھا......!" اسرار نے دراز سے کاپی نکالی اور بال پوائنٹ سے کارروائی کرنے سے پہلے بولا۔

"ان کا نام؟"

"سمیرا ہے ان کا نام!" ثمینہ نے جواب دیا۔

کچھ دیر اسرار کاپی پر آڑھی ترچھی لکیریں بناتا رہا پھر بولا۔ "لڑکا بہت اچھا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ لڑکے کے والدین اس رشتے پر راضی نہیں...... راضی تو خیر سے ان کے گھر والے بھی نہیں لیکن ان کے گھر والے تو کسی طرح مان جائیں گے لیکن لڑکے کے والدین کسی قیمت پر نہیں مانیں گے۔"

"آپ نے جو کہا صحیح کہا...... اصل مسئلہ یہی ہے کہ لڑکے کے والدین راضی نہیں، لڑکا کہتا ہے کورٹ میرج کر لیتے ہیں لیکن کورٹ میرج پر یہ راضی نہیں۔" ثمینہ نے بتایا۔

"پھر یہ کیا چاہتی ہیں؟" اسرار نے پوچھا۔

"والدین راضی ہو جائیں لڑکے کے...... پھر اس کے گھر والے بھی مان جائیں گے، یہ چاہتی ہے کہ شادی میں سب ہنسی خوشی شامل ہوں۔" ثمینہ نے بتایا۔

"یہ تین ہزار روپے خرچ کرنے کو تیار ہوں تو ان کا مسئلہ حل کر دوں گا۔" اسرار نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "لڑکے کے والدین بھی راضی ہو جائیں گے اور ان کے والدین بھی اس رشتے کو ہنسی خوشی قبول کر لیں گے۔"

ثمینہ کی دوست سمیرا نے دوسرے دن تین ہزار روپے لا کر دے دیئے، اسرار ناصر نے ایک خاص عمل کے ذریعے سمیرا کے رشتے میں جو رکاوٹیں تھیں، وہ دور کر دیں، دونوں کی منگنی ہو گئی، ہنسی خوشی سب شریک ہوئے۔

ایک دن ایک عورت ٹیلیفون پر کسی سے اپنے شوہر کی شکایت کر رہی تھی، اسرار نے اس کیس کو فوراً اپنے ہاتھ میں لے لیا، عورت غریب تھی، اس سے صرف پانچ سو روپے لئے اور ایک پڑیا میں کچھ باندھ کر دے دیا اور کہا کہ چائے میں ڈال کر پلا دینا، چائے پیتے ہی تمہارا شوہر مطیع ہو جائے گا اور پھر ایسا ہی ہوا۔

بس اس طرح چراغ سے چراغ جلتا رہا، اسرار ناصر کی شہرت بڑی تیزی سے پھیلتی گئی، دو ماہ کے اندر اس نے اپنا خاصا اعتماد جما لیا، اب لوگ دور دور سے اس کے پاس آنے لگے، وہ اس علاقے میں پی سی او والے بابا کے نام سے مشہور ہو گیا، اسے یہ نام دینے والی اکبری تھی، آہستہ آہستہ لوگ اسے اسی نام سے پکارنے لگے۔

اسرار کو نہ چاہنے کے باوجود یہ نام قبول کرنا پڑا، اب لوگ اس کے پی سی او پر فون کرنے کم آتے، اپنے مسئلے مسائل لے کر زیادہ آتے اور وہ ان سے خاصی رقم اینٹھ لیتا۔

آنے والوں میں خواتین کی تعداد زیادہ تھی، ثمینہ بھی آتی رہتی تھی، جب اس نے ساجد کے بارے میں انکشاف کیا تھا، تب سے وہ اس کی بڑی ممنون تھی، پھر اس نے دوسرا احسان اس کی دوست سمیرا پر کیا تھا، یہ ایک مشکل کام تھا بلکہ ناممکن...... لیکن اس نے اس ناممکن کام کو ممکن بنا دیا تھا۔ ثمینہ، اسرار کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنے لگی تھی، وہ اپنے چہرے مہرے سے پڑھا لکھا اور مہذب دکھائی دیتا تھا، اس میں باباؤں والی کوئی بات نہ تھی، وہ بہت تمیز، تہذیب سے بات کرتا تھا، اس کے انداز میں کوئی سوقیانہ پن نہ تھا۔

جب پہلی بار ثمینہ اس کے پی سی او میں فون کرنے آئی تھی تو اسے دیکھتے ہی اسرار کے دل میں ایک پھلجھڑی سی چھوٹی تھی، وہ فوراً اس کی آنکھوں کے ذریعے اس کے دل میں اتر گئی تھی۔

وہ اسے اچھی لگی تھی پھر اتفاق یہ کہ اس کا معاملہ ایسا نکل آیا اس نے اسے ساجد جیسے فراڈ لڑکے سے بچا لیا، اس احسان نے ثمینہ کے دل میں اسرار کیلئے جگہ بنا دی تھی۔

اسرار کو لوگ پی سی او والے بابا کہتے تو اس کو بڑی ہنسی آتی، کیا عجیب نام تھا۔

ایک دن وہ آئی تو اس نے مسکرا کر پوچھا۔ ''یہ آپ نے اپنا نام پی سی او والے بابا کیوں رکھ لیا ہے...... کچھ عجیب سا بلکہ فضول سا نام نہیں ہے؟''

''بھئی میں کیا کروں...... لوگوں نے مجھے اس نام سے پکارنا شروع کر دیا، کس کس کو روکوں گا۔'' اسرار نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ویسے آپ کا نام کیا ہے؟'' ثمینہ نے پوچھا۔

''میرا نام اسرار ناصر ہے۔'' اس نے بتایا۔

''واہ...... ! کیا اچھا نام ہے۔'' ثمینہ خوش ہو کر بولی۔ ''آپ لوگوں کو بتائیں کہ آپ کا نام اسرار ناصر ہے، پی سی او والے بابا نہیں۔''

''ثمینہ صاحبہ...... ! میں کس کس کو بتاؤں...... ویسے مجھے کچھ فرق نہیں پڑتا، لوگ جو مرضی چاہے کہیں۔'' اسرار بولا۔

''لیکن مجھے فرق پڑتا ہے۔'' ثمینہ نے شیریں لہجے میں کہا۔ اسرار ناصر نے اسے چونک کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں چراغ روشن تھے، وہ چند لمحے توقف کر کے بولی۔ ''میں نہیں چاہتی کہ کوئی آپ کو اس احمقانہ نام سے پکارے۔''

''ثمینہ صاحبہ...... ! نام میں کیا رکھا ہے۔'' اسرار نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''نام میں بہت کچھ رکھا ہے، ورنہ پھر اچھے نام رکھنے کی تلقین کیوں کی جاتی؟'' ثمینہ نے اپنی پلکیں جھکاتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... ! بات تو آپ نے بڑے پتے کی ہے بھئی، میں آپ کو مان گیا آپ حسین ہونے کے ساتھ ذہین بھی ہیں اور یہ دونوں خوبیاں مشکل ہی سے یکجا ملتی ہیں۔'' اسرار ناصر نے شگفتہ لہجے میں کہا۔ ''آپ پھر یوں کریں میرا کوئی اچھا سا نام رکھ لیں۔''

ثمینہ نے جواب دینے کیلئے اپنے بھرے بھرے ہوئے لب کھولے ہی تھے کہ اسرار ناصر کی آنکھوں میں حیرت دیکھ کر وہ بولنے سے پہلے ہی چپ ہو گئی، اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا کہ وہ کس چیز کو دیکھ کر حیران ہوا ہے۔

''ارے...... !'' اچانک اسرار ناصر نے بڑی خوشگوار حیرت سے کہا اور پھر وہ ان دونوں کو دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

☆......☆......☆

پانچ چھ ماہ گزرے تو صارم کی بوکھلاہٹ عروج پر تھی، اس کی فکر پریشانی قابل دید تھی، سارہ کو اپنے سے زیادہ صارم کی فکر لاحق ہو گئی تھی، دونوں ایک دوسرے کی فکر میں گھلے جا رہے تھے۔

صارم جب تک گھر میں رہتا، سارہ کے آگے پیچھے گھومتا رہتا، کھڑی ہوتی تو اسے زیادہ کھڑا نہ

رہنے دیتا، ہاتھ پکڑ کر بیڈ پر بٹھا دیتا، اگر بیٹھی ہوتی تو ڈھیر سارے تکیے پیچھے رکھ کر لٹا دیتا، اگر لیٹی ہوتی تو اس کے پاس بیٹھ کر سر دبانے لگتا۔ اس کا والہانہ پن دیکھ کر سارہ کی آنکھیں بھیگ جاتیں۔

اس کے دل سے بے اختیار دعا نکلتی۔ ''یا اللہ...... ! سب خیر رکھنا۔''

صارم اس کی ذرا بھی طبیعت خراب دیکھتا تو اسے اٹھا کر اسپتال لے جاتا، لیڈی ڈاکٹر اس سے مسکرا کر پوچھتی۔ ''جی مسز صارم...... ! آپ آج کیسے آ گئیں...... ابھی تو آپ کی وزٹ میں سات دن باقی ہیں۔''

''یہ...... یہ!'' سارہ، صارم کی طرف اشارہ کر کے کہتی۔ ''ان سے پوچھیں۔''

''ڈاکٹر...... ! مجھے ان کی طبیعت ٹھیک نظر نہیں آ رہی تھی اس لئے چیک اپ کیلئے لے آیا۔'' صارم پورے اطمینان اور انتہائی سنجیدگی سے کہتا۔

لیڈی ڈاکٹر صارم کی طرف حیرت زدہ ہو کر دیکھتی اور کہتی۔ ''صارم صاحب...... ! آپ کی مسز ماشاءاللہ پوری طرح چاق و چوبند ہیں، فکر پریشانی کی قطعاً کوئی بات نہیں...... بس مقررہ وقت پر انہیں دکھاتے رہیئے، او کے۔''

''جی...... ! بہتر۔'' صارم نے بڑی فرمانبرداری سے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''ویسے اگر کوئی دوا وغیرہ لکھنا چاہیں تو لکھ دیں۔''

''کس کیلئے......؟'' لیڈی ڈاکٹر مسکرا کر بولی۔

''ان کیلئے...... دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہیں، رنگ بھی زرد پڑتا جا رہا ہے۔'' صارم نے بڑی فکر مندی سے کہا۔

''مجھے تو یہ کہیں سے بھی کمزور نظر نہیں آ رہیں...... ماشاءاللہ رنگ بھی خوب نکھرا ہوا ہے۔''

''اچھا...... ! ٹھیک ہے۔'' صارم کو لیڈی ڈاکٹر سے متفق نہ ہوتے ہوئے بھی متفق ہونا پڑتا۔

باہر نکل کر وہ سارہ سے کہتا۔ ''سارہ...... ! یہ لیڈی ڈاکٹر مجھے ناتجربہ کار نظر آتی ہے۔''

سارہ اس کی اس بات کا کیا جواب دیتی، وہ مسکرا کر چپ ہو جاتی...... وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس مسئلے پر اس سے بحث کرنا، اسے سمجھانا فضول ہے، وہ اب سمجھنے سمجھانے کی حدود سے نکل گیا تھا۔

وہ اپنے جذبے میں سچا تھا، اسے سارہ کی صحت کی بہت فکر تھی، وہ اس سلسلے میں کسی قسم کی کوتاہی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا...... نہ ہونا چاہتا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ سارہ کو اپنی صحت کی کوئی فکر نہ ہو، اسے بہت فکر تھی، اللہ نے سات سال کے بعد جو خوشی عطا کی تھی، وہ اس سلسلے میں کوئی غفلت برتنا نہیں چاہتی تھی اور نہ برتتی تھی، ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق وہ پوری طرح اپنا خیال رکھے ہوئے تھی، ہر طرح سے مطمئن تھی لیکن اگر کوئی مطمئن نہیں تھا، وہ صارم تھا۔ اب سارہ نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا، ویسے اس کی کوشش ہوتی تھی کہ جب تک صارم گھر میں رہے، وہ ہنستی مسکراتی رہتی، کوشش کرتی کہ صارم اس کی کسی حرکت

سے وہم میں مبتلا نہ ہو۔

دن اسی طرح گزر رہے تھے، گھر میں ہر طرح کا سکون تھا، جب سے بابا کمبل سات دن کا عمل کر کے گیا تھا، کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں آئی تھی، اوپر کا پورشن ہنوز بند تھا، اوپر کوئی جاتا ہی نہ تھا، بابا کمبل نے ٹھیک کہا تھا کہ اس کا عمل پورا نہیں ہوا ہے لیکن چھ دن کے عمل کے نتیجے میں اس نے اس شری مخلوق کا گھر میں داخلہ بند کر دیا ہے اور واقعی یہ بات سچ ثابت ہوئی تھی کیونکہ پانچ چھ ماہ کا عرصہ بیت جانے کے باوجود کسی قسم کی شر پسندی گھر میں نظر نہیں آئی تھی، اگر کسی قسم کی شورش نظر آتی تو صارم نے طے کر لیا تھا کہ ایسے ماحول میں سارہ کو ہرگز نہیں رکھے گا، وہ دوسرا گھر کرائے پر لے لے گا لیکن گھر چھوڑنے کی نوبت نہیں آئی...... جب گھر میں کسی قسم کا کوئی مسئلہ نہ تھا تو وہ خواہ مخواہ گھر کیوں چھوڑتا۔

کبھی کبھی صارم کے دل میں بیٹھے بٹھائے ایک خوف کی سی لہر اٹھتی، اس کے ذہن میں یہ خیال آتا کہ کہیں یہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ تو نہیں، اس شری مخلوق سے کچھ بعید نہیں تھا، یہ بڑی عیار قسم کی مخلوق تھی اس طرح ہاتھ دکھاتی تھی کہ بندہ سر پکڑ کر بیٹھ جاتا تھا۔

اور پھر ہوا بھی یہی...... اس نے صارم کے ساتھ ایسا ہاتھ دکھایا کہ وہ دل تھام کر رہ گیا۔

اس دن رات ہی سے بارش شروع ہو گئی تھی، بہت تیز اور موسلا دھار بارش تھی۔

اس کراچی شہر میں جہاں کا کوئی نظام درست نہیں، سڑکوں پر آئے دن گٹر ابلتے رہتے تھے، نکاسیٔ آب کا کوئی معقول انتظام نہیں، ایسے میں اس شہر میں بارش کا ایک چھینٹا پڑ جائے تو یہاں کے باسیوں کی جان عذاب میں آ جاتی ہے کجا موسلا دھار بارش...... اور وہ بھی مسلسل۔

صبح چار بجے سے جو بارش شروع ہوئی تو اس کا زور نو بجے کے قریب ٹوٹا، بند پھر بھی نہ ہوئی...... کن من بوندیں پڑتی رہیں، گرمی بھی کئی دن سے اچھی خاصی پڑ رہی تھی اوپر سے بجلی کی آنکھ مچولی...... لوگوں کی جان نکلی ہوئی تھی۔

اس بارش نے موسم ٹھنڈا کر دیا تھا، لیکن جھونپڑی والوں کی جان عذاب میں آ گئی تھی، بارش ہو ایک گھنٹہ تو چھت ٹپکے دو گھنٹے...... لیکن اگر طوفانی بارش چھت ہی اڑا لے جائے تو پھر چھت ٹپکنے کا مسئلہ ہی نہ رہے۔

مضبوط اور پکی چھتوں والے بارش کا لطف لے رہے تھے، کچھ اپنی چھتوں پر چڑھ گئے تھے، کچھ اپنے گھر کے آنگن میں کھڑے بھیگ رہے تھے۔

سارہ کے گھر میں چاروں طرف لگے پیڑ، پودے بارش سے خوب نکھر آئے تھے، سارہ کو بارش سے عشق تھا، بھیگا موسم اس کے دل میں پھول کھلا دیتا تھا۔

وہ کافی دیر پہلے اٹھ گئی تھی، اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ خوب تیز بارش میں نہائے، لیکن وہ جانتی تھی کہ اگر صارم نے اسے بارش میں بھیگتے دیکھ لیا تو اس کی جان ہی نکال دے گا، لہٰذا وہ اپنا من مارے

لاؤنج کے دروازے پر کرسی ڈالے بارش کا نظارہ کرتی رہی۔

خالہ بجو نے ناشتہ تیار کر لیا تو سارہ نے صارم کو جا کر اٹھایا، اس کے پاس بیٹھ کر اس نے صارم کے سر کے بال اپنی مٹھی میں بھرے اور شوخ لہجے میں بولی۔ ''شہزادے......! اٹھ جائیے، آپ کے گھر میں بہار آئی ہے۔''

''کیا ہوا ہے؟'' صارم نے آنکھیں کھول کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''جناب! بڑی زبردست بارش ہوئی ہے...... پیڑ، پودے خوب نکھر گئے ہیں۔'' سارہ نے اطلاع دی۔

بارش کا ذکر سنتے ہی وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا، اس نے سارہ کو غور سے دیکھا پھر اس کے کپڑے چھوئے اور بالوں پر ہاتھ پھیرا، پھر فکرمند ہو کر بولا۔ ''تم بارش میں تو نہیں بھیگیں؟''

''نہیں بھیگی میری ساس...... میں نے گھر سے باہر قدم بھی نہیں نکالا، جانتی تھی تو میری جان عذاب میں ڈال دے گی۔'' سارہ نے ہنس کر کہا۔

صارم نے اس کی بات کا کوئی اثر نہ لیا، وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''بارش میں بھیگو گی تو ٹھنڈ لگ جائے گی، نزلہ، زکام ہو جائے گا، میں نہیں چاہتا کہ تم بیمار پڑو۔''

''اچھا...... چلو اٹھو...... ناشتہ کر لو...... باہر دیکھو کیا زبردست موسم ہے۔'' سارہ نے کہا۔

صارم جلدی سے اٹھ گیا، ناشتہ کر کے اس نے باہر کا رخ کیا، بارش اب بھی ہو رہی تھی، لیکن بہت ہلکی...... وہ گھر سے باہر آیا تو ایک دم تازگی کا احساس ہوا، فرحت بخش ہوا چل رہی تھی، فضا میں مٹی کی خوشبو رچی تھی، صارم نے گہرے گہرے سانس لئے۔

صارم کو باہر دیکھ کر سارہ بھی اس کے پیچھے آ گئی، باہر کی فضا نے اس پر ایک نشہ سا طاری کر دیا، ایک مدہوشی کی سی کیفیت اس کی روح پر طاری ہو گئی۔ سارہ کو اپنے عقب میں آتا دیکھ کر صارم وہیں رک گیا، جی میں تو آیا کہ اسے واپس گھر میں بھیج دے لیکن سارہ کے چہرے پر ایک سرشاری کی سی کیفیت دیکھ کر وہ رک گیا، وہ جانتا تھا کہ سارہ بارش کی کس قدر دیوانی ہے، اب اگر اس نے فوراً ہی گھر میں واپس بھیج دیا تو وہ بجھ جائے گی، ویسے بارش برائے نام تھی، اکا دکا بوندیں پڑ رہی تھیں، اس کے بھیگنے کا خطرہ نہ تھا۔

''صارم......! کیا زبردست موسم ہے، ایسے موسم میں میرا جی چاہتا ہے کہ کسی پر فضا مقام کی سنسان سڑک پر بھٹکتی چلی جاؤں، یہاں تک کہ سڑک ختم ہو جائے۔'' سارہ نے آنکھیں بند کر کے لطف لیتے ہوئے کہا۔

''محترمہ......! اپنی آنکھیں فوراً کھول لیں اور فوراً اندر چلیں۔'' بالآخر صارم کو کہنا پڑا۔

''کیا ہے؟'' سارہ نے اسے ترچھی نظروں سے دیکھا۔

''کچھ نہیں ہے...... بس اب آپ اندر چلیں۔'' صارم نے ہنس کر کہا۔

"جاتی ہوں، میری جان کے دشمن......!" وہ اسے گھورتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی۔ فوراً ہی بارش تیز ہوگئی۔

گیارہ بجے کے قریب جب وہ دفتر جانے کی تیاری کرنے لگا تو سارہ نے کہا۔ "ایسی بارش میں کہاں جا رہے ہو؟"

"سارہ......! جانا ضروری ہے، ایک تو شوٹنگ شیڈول طے کرنا ہے، دوسرے ایک دو اداکاروں سے میٹنگ کرنی ہے، ویسے ایسے موسم میں تمہیں چھوڑ کر میرا بھی باہر نکلنے کو جی نہیں چاہ رہا...... پر کیا کروں مجبوری ہے، ویسے میں جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا۔" صارم نے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے۔" سارہ نے زیادہ اصرار نہ کیا۔ وہ اس کے کام کی نوعیت سمجھتی تھی۔

جب وہ جانے کیلئے گھر سے نکلا تو سارہ اسے حسب معمول مین گیٹ تک خدا حافظ کہنے کیلئے ساتھ آئی۔ بارش ایک بار پھر رک گئی تھی۔

صارم نے اسے اپنے ساتھ آتے دیکھ کر فوراً اسے ٹوک دیا۔ "نہیں سارہ......! تم آرام سے گھر میں بیٹھو، کافی گھوم پھر لی ہو، خالہ بجو کو بھیج کر مین گیٹ بند کروا لینا، او کے خدا حافظ۔"

اس نے سارہ کا جواب سننے کی بھی زحمت گوارا نہ کی، تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد وہ کافی دیر دروازے پر کھڑی باہر کا منظر دیکھتی رہی اور سوچتی رہی۔ صارم کی روک ٹوک سے اسے الجھن تو ہوتی تھی لیکن اس روک ٹوک اور احتیاط کے پیچھے جو جذبہ کارفرما تھا، اس جذبے کی سچائی سے وہ کیا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خالق کائنات کا لاکھ لاکھ شکر بجا لاتی کہ اس نے اسے ایسا خیال رکھنے والا شوہر عطا کیا تھا۔

جب خالہ نے دیکھا کہ سارہ کافی دیر سے دروازے پر کھڑی ہے تو اس نے اس کے پیچھے کرسی رکھ دی اور بولی۔ "بی بی......! بیٹھ جائیں۔"

"آں......اچھا۔" سارہ نے چونک کر خالہ بجو کو دیکھا پھر کرسی پر بیٹھ گئی۔

"بی بی......! کیا سوچ رہی تھیں کھڑی کھڑی؟" خالہ بجو نے ایسے ہی بات کرنے کے لئے اسے چھیڑا۔

"کچھ نہیں خالہ......! کوئی خاص نہیں۔" سارہ نے دھیرے سے جواب دیا۔

"پھر بھی...... کچھ تو۔" خالہ بجو نے سادگی سے پوچھا۔

"بس...... صارم کے بارے میں سوچ رہی تھی...... کس قدر خیال کرتے ہیں میرا...... کبھی کبھی تو مجھے ڈر لگنے لگتا ہے، خدانخواستہ اگر مجھے کچھ ہو......!"

"سارہ بی بی خبردار......! بدفال منہ سے نہ نکالیں...... اللہ نہ کرے کہ آپ کو کچھ ہو۔" خالہ بجو نے بے اختیار ہو کر اس کی بات کاٹ دی۔ "کچھ نہیں ہوگا...... اللہ خیر کرے گا۔"

"ہاں بس خالہ! میری دن رات یہی دعا ہے، اللہ خیر کرنا، مشکل کو آسان کرنا، ہر طرح کے

صدمے سے بچانا، نہیں تو میرا شوہر پاگل ہو جائے گا۔" یہ کہتے ہوئے سارہ کی آنکھیں محبت سے لبریز ہو گئیں، چاہت کے موتی اس کی حسین آنکھوں سے نکل کر اس کے چمکدار رخساروں پر بہنے لگے۔

اس دن سارہ کی عجیب سی کیفیت تھی، خود اس کی بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا ہو رہا ہے، بس ایک بے نام سی اداسی تھی، ایک انجانا سا خوف تھا۔

بیٹھے بیٹھے تھک گئی تو اپنے کمرے میں آگئی، اس نے شاہدہ کو فون کیا، کوئی آدھے گھنٹے تک وہ اس سے ادھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی، باتوں کے دوران تو وہ خود کو بھولی رہی، لیکن جیسے ہی اس نے ریسیور رکھا پھر ایک بے نام سی اداسی نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

وہ گھبرا کر باہر نکل آئی اور کچن میں آکر کچھ چھوٹے موٹے کام نمٹانے لگی۔

"بی بی......! آپ بیٹھ جاؤ، میں کرلوں گی۔" خالہ بجو نے اسے ٹوکا۔

"نہیں خالہ......! مجھے کرنے دو۔" سارہ نے بڑے نرم لہجے میں کہا۔

"سارہ بی بی......! کوئی پریشانی ہے؟" خالہ بجو نے اس کا چہرہ غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"خالہ......! پتہ نہیں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا...... میرا دل گھبرا رہا ہے۔" سارہ نے دل کی بات کہی۔

"ہو جاتا ہے ایسا ان دنوں میں...... آپ کسی سے ٹیلیفون پر بات کرلیں۔" خالہ بجو نے تجویز پیش کی۔

"ابھی تو شاہدہ سے آدھ گھنٹے بات کر کے آرہی ہوں۔" سارہ نے بتایا۔

"پھر بھی جی نہیں بہلا؟" خالہ بجو نے پوچھا۔

"کہاں خالہ......!" سارہ نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"اچھا...... پھر یوں کریں کچھ دیر سو جائیں۔"

"نہیں...... خالہ ابھی نہیں...... کھانا کھا کر لیٹوں گی تو پھر کچھ دیر سو جاؤں گی، ابھی تو مجھے نیند نہیں آرہی۔" سارہ بولی۔

پھر دوپہر کا کھانا کھا کر وہ اپنے بیڈروم میں چلی گئی، کھانا بھی اس نے برائے نام ہی کھایا، بارش مسلسل ہو رہی تھی، کبھی تیز کبھی ہلکی...... اس بارش نے شہر کو اتھل پتھل کر کے رکھ دیا تھا۔

سارہ نے لیٹنے سے پہلے اپنے کمرے کی کھڑکیوں سے پردے ہٹوا دیئے تھے، اسے باہر کا منظر نظر آرہا تھا، وہ لیٹے لیٹے بارش کا مزہ لے رہی تھی۔

پھر بارش دیکھتے دیکھتے جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی، کافی دیر سکون سے سوتی رہی، کوئی تین بجے کے قریب اچانک اس کی آنکھ کھلی...... اس نے گھبرا کر کمرے میں چاروں طرف دیکھا، کمرے میں کچھ نہ تھا، بس باہر سے تیز بارش کی آواز آرہی تھی۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی، اس نے تکیے رکھ کر ٹیک لگا لی اور اپنے خواب پر غور کرنے لگی۔

وہ ایک گہرا خواب تھا جو اسے اپنی پوری جزئیات کے ساتھ یاد تھا بلکہ ذہن پر نقش تھا۔

سارہ نے خواب میں شاہ صاحب کو دیکھا تھا، وہ اس کے پاس کھڑے صبر وتحمل کی تلقین کر رہے تھے، وہ کہہ رہے تھے۔ ''آپ کو صبر کرنا ہوگا۔''

اس سے پہلے کہ سارہ ان سے سوال، جواب کرتی، اس کی آنکھ کھل گئی۔

سارہ کو یاد آیا کہ جب شاہ صاحب گھر آئے تھے تو انہوں نے اسے دیکھ کر یہی جملہ کہا تھا۔

''بیٹا......! آپ کو صبر کرنا ہوگا۔''

اور اب خواب میں آکر بھی انہوں نے یہی کہا...... آخر مسئلہ کیا ہے؟

کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے کہ شاہ صاحب اسے بار بار صبر کی تلقین کر رہے ہیں۔

آخر کیا ہونے والا ہے؟

سارہ کا دل اچانک بیٹھنے لگا، اس نے ریسیور اٹھا کر صارم کو فون ملایا۔

''ہاں...... سارہ! خیریت؟'' ادھر سے صارم نے اپنا موبائل فون کان سے لگایا۔

''صارم......! کب آؤ گے؟'' وہ بے قراری سے بولی۔

''بس...... میں نکلنے والا ہوں...... تم مجھے کچھ پریشان لگ رہی ہو۔''

''صارم......! میں نے ابھی ایک خواب دیکھا ہے۔''

''بتاؤ...... کیا دیکھا......؟ لگتا ہے کوئی پریشانی والا خواب دیکھ لیا۔''

''صارم......! میں نے شاہ صاحب کو خواب میں دیکھا ہے، وہ میرے سرہانے کھڑے کہہ رہے ہیں بیٹا! آپ کو صبر کرنا ہوگا، میں چاہتی ہوں کہ ان سے کچھ بات کروں، لیکن اسی وقت میری آنکھ کھل جاتی ہے، صارم......! اس خواب کو دیکھنے کے بعد میرے دل کو قرار نہیں ہے، اللہ جانے کیا ہونے والا ہے۔'' وہ بے حد پریشان تھی۔

''ارے پاگل ہوئی ہو کیا......؟ اس طرح خواب دیکھ کر پریشان ہوگی تو پھر زندگی کس طرح گزرے گی، بے فکر ہو جاؤ، اللہ خیر کرے گا۔'' اس نے تسلی دی۔

''صارم......! کیا تمہیں یاد ہے کہ شاہ صاحب ہمارے گھر آئے تھے تو انہوں نے مجھے دیکھ کر یہی بات کہی تھی...... تمہیں یاد آیا؟'' سارہ نے سوال کیا۔

''ہاں......! سارہ انہوں نے کچھ صبر والی بات تو کی تھی جس پر میں نے کہا تھا کہ شاہ صاحب یہ بڑی صبر والی خاتون ہیں۔'' صارم کو یاد آیا۔

''یہی بات انہوں نے خواب میں آکر دہرائی ہے...... صارم! تم میری بات مانو نہ مانو، اس بات کے پیچھے کوئی راز ضرور ہے۔'' سارہ نے زور دے کر کہا۔

''اچھا...... پھر میں تمہاری تسلی کیلئے شاہ صاحب کے پاس جاؤں گا، ان سے اس خواب کا ذکر کروں گا۔''

''ہاں...... صارم! یہ اچھا ہوگا، تم شاہ صاحب سے ضرور ملنا لیکن آج نہیں، ابھی تو تم سیدھے گھر

آؤ۔'' سارہ نے کہا۔

''آج تو گھر پہنچنا ہی مشکل ہے، کل صبح جاؤں گا، سڑکیں پانی میں ڈوبی ہوئی ہیں، بری طرح ٹریفک جام ہے، مجھے دیر ہو جائے گی تو پریشان مت ہونا۔'' صارم نے اسے باہر کی صورتحال بتائی۔

''چلو ٹھیک ہے...... میں فون پر تم سے بات کرتی رہوں گی۔'' سارہ نے کہا۔

''او کے......!'' صارم نے موبائل بند کیا۔

چار بجے کے قریب وہ اپنے پروڈکشن ہاؤس سے نکلا، گاڑی نکال کر وہ سڑک پر آیا تو اسے باہر کی صورتحال کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہوا۔

بارش اگرچہ تھم چکی تھی لیکن سڑکوں کا برا حال تھا، جگہ جگہ پانی کھڑا ہوا تھا، بعض سڑکیں تو اس طرح پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں کہ لگتا تھا یہاں کبھی سڑکیں تھی ہی نہیں، سڑکیں دریا بنی ہوئی تھیں۔

ٹریفک اس قدر جام تھا کہ گاڑی ایک منٹ کے لئے چلتی تو پندرہ منٹ کھڑی رہتی، ایک گھنٹے میں اُس نے بمشکل ایک کلومیٹر فاصلہ طے کیا، اُسے شدید جھنجھلاہٹ تھی لیکن اس جھنجھلاہٹ کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

ادھر سارہ الگ پریشان تھی، گھر کی لائٹ جا چکی تھی، بارش بند ہونے کے بعد حبس بڑھ گیا تھا، خالہ سجو نے لاؤنج میں لگی گیس لائٹ روشن کر دی تھی، اندھیرے کا مسئلہ تو ایک حد تک حل ہو گیا تھا لیکن گرمی جان نکالے دے رہی تھی۔

سارہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد صارم کے موبائل فون پر رنگ کر رہی تھی۔

''صارم کہاں ہو......؟'' پہلا سوال یہ ہوتا۔

صارم بتاتا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔

''ارے...... اتنی دیر میں تم نے اتنا سا ہی فاصلہ طے کیا ہے؟'' سارہ حیرت زدہ ہوتی۔

''ہاں یار......! بری طرح ٹریفک جام ہے۔'' اُس کے لہجے میں غصہ ہوتا۔

''ادھر لائٹ نہیں ہے۔'' سارہ بیزار لہجے میں کہتی۔

''تم ڈر تو نہیں رہی ہو؟'' وہ پریشان ہو کر پوچھتا۔

''نہیں ڈر تو نہیں رہی لیکن گرمی کی وجہ سے لگ رہا ہے جیسے جسم میں آگ بھری ہو۔''

''یار......! اس طرح کام چلے گا نہیں...... بجلی کا کچھ انتظام کرنا ہوگا، میں کرتا ہوں، جنریٹر لگواتا ہوں۔''

''ہاں...... صارم......! ضروری ہے، اس طرح بجلی جاتی رہی...... میں تو مر جاؤں گی۔''

''اوئے نہیں چندا......! تمہیں مرنے نہیں دوں گا، میں پورا پاور ہاؤس بنوا دوں گا۔'' صارم نے اس کا موڈ اچھا کرنے کی کوشش کی۔

''فی الحال تو تم گھر آؤ...... میرے بھولے انجینئر!'' سارہ نے بھی شگفتہ انداز اختیار کیا۔

"سارہ......!دُعا کرو کہ میں آج کی رات گھر پہنچ جاؤں۔"

"ہیں......!یہ کیا کہہ رہے ہو؟" سارہ پریشان ہو کر بولی۔

صارم ٹھیک ہی کہہ رہا تھا، صورت حال ہی کچھ ایسی تھی، چار پانچ کلومیٹر چلا ہوگا کہ اُس کی گاڑی بند ہوگئی، یہ تو شکر تھا کہ اُس کی گاڑی سڑک کے کنارے تھی، اُس نے گاڑی کو سائیڈ لگا کر لاک کیا اور پیدل چل پڑا۔

پھر اُس کے جو بھی سواری ہاتھ آتی رہی، وہ اُس میں بیٹھتا، اُترتا رہا، کبھی موٹر سائیکل پر لفٹ لی، کبھی منی بس میں بیٹھا، کبھی ٹیکسی پکڑی، رکشہ میں بیٹھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ یہ سب چیزیں سڑک پر چلنے والی تھیں، اُڑنے والی نہ تھیں اور سڑک پر چلنے کی گنجائش نہ تھی۔

سارہ ٹیلیفون کے ذریعے اُس سے "موسم کا حال" معلوم کرتی رہی۔ اور وہ "موسم کا حال" بتاتے ہوئے اپنے دل کی بھڑاس نکالتا رہا۔ یہ کتنا اچھا تھا کہ اُس کے پاس موبائل فون تھا اور وہ اپنے غصے کا اظہار اپنی بیوی کے سامنے کر سکتا تھا، ورنہ تو لوگ غصے میں آگ بگولا ہوئے بس پھٹ پڑنے کو تیار تھے۔

کوئی گیارہ ساڑھے گیارہ بجے وہ ملیر ہالٹ پہنچا، وہ موٹر سائیکل والا اُسے چوک پر اتار کر سیدھا نکل گیا جبکہ صارم کو ماڈل کالونی جانا تھا۔

چوراہے پر گھپ اندھیرا تھا، وہ تھکن سے چور تھا، اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ گھر تک کس طرح پہنچے گا کیونکہ ٹیکسی، رکشہ نام کی کوئی چیز وہاں موجود نہ تھی، سڑک دور تک سنسان پڑی تھی۔

وہ کچھ دیر کھڑا وہاں کسی سواری کا انتظار کرتا اور سوچتا رہا کہ اگر سواری نہ ملی تو اُسے گھر تک پیدل جانا پڑے گا، پیدل جانے کے تصور سے ہی اُس پر بے ہوشی طاری ہونے لگتی تھی۔

خدا کا کرنا کیا ہوا کہ ایک رکشے والا بھولا بھٹکا ادھر نکل آیا۔ صارم نے ہاتھ دے کر اُسے روکا۔

پھر وہ لپک کر اُس کے پاس پہنچا اور بولا۔ "جناب......! ماڈل کالونی چلیں گے؟"

"ماڈل کالونی میں کس جگہ جائیں گے؟" اس نے پوچھا۔

"عوامی ہوٹل کے قریب۔" صارم نے بتایا۔

"بیٹھ جائیں......سو روپے ہوں گے۔"

صارم جانتا تھا کہ یہ چار گنا کرایہ ہے لیکن اس وقت تو وہ اُسے سو روپے کے بجائے دو سو روپے دینے کو تیار تھا۔ وہ فوراً رکشہ میں بیٹھ گیا۔ "چلیں جناب......!"

صارم کے بیٹھتے ہی رکشہ چل پڑا۔ اُس نے سکون کا گہرا سانس لیا، اب منزل آسان ہوگئی تھی، اُسے کیا معلوم تھا کہ کیسا اندوہناک سانحہ پیش آنے والا ہے اُس کے ساتھ...... اگر اُسے معلوم ہوتا تو وہ کسی قیمت پر رکشہ میں نہ بیٹھتا۔

☆......☆......☆

اسرار ناصر جن دو خواتین کو دیکھ کر "ارے" کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا، ان میں ایک اس کی بھابھی تھی۔ اُس کے بڑے بھائی جبار ناصر کی بیوی مہ ناز۔

"ارے بھابھی آپ؟" اسرار ناصر نے حیرت زدہ انداز میں زور سے کہا۔

مہ ناز نے جب اُسے دیکھا تو وہ خود بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ "ارے تم......؟ کیا تم پی سی او والے بابا ہو؟"

"ہاں نا...... مہ ناز! یہی تو ہیں پی سی او والے بابا...... انہوں نے ہی تو میرے ایک سال سے کھوئے ہوئے بیٹے کو سات دن میں کھینچ بلایا تھا...... اب تم پوچھ لو ان سے اپنے دیور کا پتہ۔"

مہ ناز کے ساتھ آنے والی اس لڑکے شمشاد کی ماں تھی جو گھر سے ناراض ہو کر چلا گیا تھا اور جسے اسرار ناصر نے اپنے عمل کے ذریعے بلوالیا تھا۔

اسرار ناصر نے جب سے بابا کمبل والا گھر چھوڑا تھا، تب سے اُس نے اپنے بھائی یا بھابھی سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا، کئی ماہ گزر گئے تھے۔ جبار ناصر کو تو اُس کی کوئی خاص فکر نہ تھی، وہ مہ ناز کے توجہ دلانے پر بیزاری سے کہتا۔ "ارے آجائے گا، کہیں چلے کاٹ رہا ہوگا۔"

مہ ناز اُس کی فکر میں سرگرداں تھی۔ ایک دن اُس کی پڑوسن نے ایک پی سی او والے بابا کی "کرامات" کا ذکر کیا۔ اُس کے گمشدہ لڑکے کو سات دن میں پکڑ بلایا تھا اُس نے۔

مہ ناز کو اگرچہ ان "باباؤں" پر یقین نہ تھا لیکن یہ "کرامات" کیونکہ اُس کی پڑوسن کے ساتھ ہوئی تھی تو وہ نیم دلی سے اُس کے ساتھ چلی آئی تھی۔

اب یہ اور بات تھی کہ بابا سے جس کا پتہ پوچھنے آئی تھی، وہ خود ہی گمشدہ شخص نکلا تھا۔

"ان سے میں اب کیا پوچھوں؟" مہ ناز نے شمشاد کی ماں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "یہی تو ہے وہ شخص جس کا پتہ میں پوچھنے آئی تھی۔"

یہ سن کر شمشاد کی ماں کبھی اسرار اور کبھی مہ ناز کو حیران ہو کر دیکھنے لگی۔

"ہیں...... یہ تمہارے دیور ہیں؟" شمشاد کی ماں خوش ہو کر بولی۔ "بھئی یہ خوب اتفاق رہا، جس کا پتہ پوچھنے آئے، وہ خود ہی پتے والا نکلا۔"

"بھابھی......! بیٹھیں۔" اسرار نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

جب وہ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئیں تو اسرار نے پوچھا۔ "جبار بھائی کیسے ہیں؟"

مہ ناز کا بے اختیار جی چاہا کہ اسرار کو کھری کھری سنائے کہ اُس نے اتنے عرصے سے بھائی کی کوئی خیر خبر نہ لی، فون تک نہ کیا، اب بڑی محبت جتا رہا ہے کہ جبار بھائی کیسے ہیں، لیکن وہ شمشاد کی ماں کا خیال کر گئی کہ خواہ مخواہ میں اُس کے سامنے بے عزتی ہوگی۔ پھر وہ ایک لڑکی بھی بیٹھی تھی، دلکش سی۔

مہ ناز نے ثمینہ کو تاڑنے والی نظروں سے دیکھا۔ بھابھی کو اس طرح دیکھتے، جانے اسرار کیوں خفیف سا ہو گیا۔

''تمہارے بھائی تم سے سخت ناراض ہیں...... آخر تم اتنے عرصے غائب کہاں رہے، گھر نہیں آسکتے تھے تو کیا فون پر بھی بات نہیں کر سکتے تھے؟'' مہ ناز نے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کی۔

''ہاں...... بھابھی! یہ میری کوتاہی ہے، میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں۔'' اسرار نے لڑنے سے پہلے ہی ہتھیار ڈال دیئے۔ وہ جانتا تھا کہ اس نازک وقت میں سن لینا ہی بہتر ہے۔

سب سے زیادہ فکر تو اُسے ثمینہ کی تھی...... کہیں اس کے سامنے کوئی غلط بات نہ ہو جائے، آج ہی تو ان دونوں کے درمیان ''مکالمہ'' ہوا تھا، ثمینہ اُسے اچھی لگی تھی اور آج کی باتوں سے ظاہر ہوا تھا کہ ثمینہ کو بھی وہ اچھا لگنے لگا تھا۔

آئندہ کچھ دنوں میں یہ بات مزید کھل کر سامنے آجائے گی۔ اس وقت یہ بہتر موقع تھا کہ وہ بھابھی سے ثمینہ کا تعارف کرا دے کیونکہ اگر بات شادی تک پہنچی تو اس مرحلے کو بھابھی ہی طے کرا سکتی تھیں۔

اُس نے فوری طور پر ان تینوں کے لئے کولڈ ڈرنک منگائی۔ جب لڑکا کولڈ ڈرنک رکھ گیا تو اسرار بولا۔''بھابھی...... لیجئے۔''

''ارے اسرار...... تم نے خواہ مخواہ تکلف کیا۔'' مہ ناز نے کولڈ ڈرنک اپنے آگے کھسکاتے ہوئے کہا۔

''ثمینہ...... آپ لیں نا۔'' اسرار نے بوتل اُس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''اسرار...... یہ کون ہیں؟'' مہ ناز نے سوال پوچھ کر اسرار کا مسئلہ آسان کر دیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ مہ ناز کو کس طرح ثمینہ کی طرف متوجہ کرے۔ مہ ناز اُس کی طرف متوجہ ہوگئی تھی اور اُس نے اس کے بارے میں سوال بھی کر لیا تھا۔

اب سوال یہ تھا کہ وہ ثمینہ کے بارے میں کیا کہہ کر تعارف کرائے کہ یہ کون ہیں؟

''بھابھی...... یہ ہماری ایک کلائنٹ ہیں۔'' اُس نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔''ان کا ایک مسئلہ تھا جو میں نے حل کر دیا تھا، ویسے یہ کالج اسٹوڈنٹ ہیں اور بڑی ذہین ہیں۔''

''اچھا......!'' مہ ناز نے اُسے خاص نظر سے دیکھا۔''اور پیاری بھی ہیں...... بھئی میں ان کی بھابھی ہوں، آپ کا نام کیا ہے؟''

''جی...... میرا نام ثمینہ ہے۔'' ثمینہ نے کچھ جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

''ثمینہ...... آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔'' مہ ناز نے خوش اخلاقی سے کہا۔

''جی...... آپ کو دیکھ کر مجھے بھی خوشی ہوئی۔'' ثمینہ بڑے خوشگوار لہجے میں بولی۔

کولڈ ڈرنک پینے اور دو چار اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد مہ ناز اُٹھ کھڑی ہوئی اور اسرار سے ہنستے ہوئے بولی۔''اچھا...... بابا جی! پی سی او والے بابا...... میں چلتی ہوں، تم اب گھر کب آؤ گے؟''

''بھابھی...... میں آج رات ہی گھر آؤں گا۔''

''چلو ٹھیک ہے...... میں انتظار کروں گی۔'' مہ ناز نے رخصت ہوتے ہوئے کہا۔''اچھا...... ثمینہ آپ ہمارے گھر آئیے گا۔''

''جی...... میں ضرور آؤں گی۔'' ثمینہ نے کھڑے ہو کر بڑے مؤدبانہ اور پرشوق انداز میں کہا۔

ان دونوں کے جانے کے بعد اسرار نے ثمینہ کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔''ثمینہ صاحبہ...... آپ کو پسند آئیں، ہماری بھابھی؟''

''جی...... بہت۔'' ثمینہ نے کہا۔''لیکن آپ اتنے عرصے سے گھر کیوں نہیں گئے؟''

''جانتی ہیں میرے بھائی جبار ناصر کہاں کام کرتے ہیں؟'' اسرار نے اس کے سوال کو گول کرتے ہوئے ایک اور سوال اٹھایا۔

''نہیں...... مجھے کیا معلوم۔'' ثمینہ نے کہا۔

''بھئی وہ کراچی کے ایک بڑے روزنامے کے کرائم رپورٹر ہیں۔'' اسرار نے بڑے فخر سے بتایا۔

''اچھا...... یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔'' ثمینہ بولی۔

''اور میرے لئے سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ آپ کی میری بھابھی سے ملاقات ہوگئی۔''

''ہاں...... مجھے بھی اچھا لگا ان سے ملنا...... بہت محبت کی خاتون معلوم ہوتی ہیں، آپ کو ڈھونڈتی ہوئی چلی آئیں...... آج کے زمانے میں کون کس کو ڈھونڈتا ہے، ہر شخص اپنی دنیا میں مگن ہے، اپنے اپنے دائروں میں گم...... کسی کے پاس کسی کیلئے وقت نہیں ہے۔'' ثمینہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''نہیں...... یہ غلط ہے، میرے پاس بہت وقت ہے۔'' اسرار مسکرایا۔

''کس کیلئے؟'' ثمینہ نے پوچھا۔

''ہے ایک لڑکی......!'' اسرار نے بات گھمائی۔

''پتہ نہیں کون خوش نصیب ہوگی۔'' ثمینہ نے ایک حسرت سے کہا۔

''پتہ چل جائے گا...... عنقریب پتہ چل جائے گا، جب میرے بھائی اور بھابھی جائیں گے اس کے گھر۔''

''یہ فیصلہ آپ نے کچھ جلدی نہیں کر لیا۔'' ثمینہ جانے کیا سوچ کر بولی۔

''نہیں...... یہ بروقت فیصلہ ہے...... چٹ منگنی پٹ بیاہ۔''

''ہوسکتا ہے لڑکی انکار کر دے۔''

''لڑکی کو انکار کا حق تو ہے...... لیکن وہ انکار کی وجہ بھی بتائے گی۔''

''ہوسکتا ہے وہ اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتی ہو۔''

''ضرور کرے...... مجھے بھلا کیا اعتراض ہوسکتا ہے، میرے اکیلے گھر میں اسے پڑھائی کا خاصا وقت ملے گا، جہاں تک چاہے پڑھے۔'' اسرار نے بڑے پریقین انداز میں کہا۔

”دیکھ لیں......شادی کے بعد بدل تو نہیں جائیں گے؟“

”نہیں......بدلوں گا، تم اقرار تو کرو۔“ اسرار نے ہنس کر کہا۔

”ارے......!“ ثمینہ یکلخت چونکی۔ ”یہ آپ نے کیا بات شروع کر دی۔“

”بس......! شروع ہو گئی تو ہو گئی، اب نہیں رکتی، اسے انجام تک پہنچاؤ۔“

”انجام سے بڑا ڈر لگتا ہے، ابھی ایک دھوکا کھا کر بیٹھی ہوں اسرار صاحب......! بڑا ڈر لگتا ہے مجھے۔“ ثمینہ نے خوف سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”اسرار صاحب نہیں......صرف اسرار کہو اور جان لو کہ دنیا میں صرف فریبی ہی نہیں بستے۔“ اسرار نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

”فریب کسی کی پیشانی پر لکھا ہوا نہیں ہوتا۔“ ثمینہ نے بڑے مدبرانہ انداز میں کہا۔

”تمہاری یہ بات بالکل درست ہے، بعض چہرے بڑا دھوکا دیتے ہیں۔“ اسرار بولا۔ ”لیکن میں نے تو تمہیں فریب سے بچایا ہے۔“

”ہاں......! جانتی ہوں میرے جادوگر!“ ثمینہ نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔ ”پر یہ تو بتاؤ تم نے مجھ پر کیا سحر پھونکا ہے کہ میرے دل کو کسی طرح قرار ہی نہیں؟“

”نہیں......ثمینہ! سحر میں نے نہیں، تمہاری دلکش شخصیت نے مجھ پر پھونکا ہے، مجھے کہاں قرار ہے۔“

”پھر قرار کیسے آئے؟“ ثمینہ نے مسکرا کر پوچھا۔

”اس کا بڑا آسان ساحل ہے، شادی کر لیتے ہیں، خیر سے میری بھابھی کو بھی تم پسند آ گئی ہو۔“

”چلیں پھر آئیں اپنی بھابھی اور بھیا کے ساتھ میرے گھر۔“ ثمینہ نے فیصلہ سنایا۔

”کہیں انکار تو نہیں ہو جائے گا؟“ اسرار نے کہا۔ ”یوں تو عامل کے پاس سب اپنا کام نکلوانے آتے ہیں، لیکن عامل کا کوئی کام نہیں نکالتا۔“

”نہیں......ایسا نہیں ہوگا، آپ میں اور دوسروں میں بڑا فرق ہے، آپ یہاں کوئی دکان سجائے بیٹھے نہیں ہیں، نہ یہاں بڑے بڑے بورڈ لگے ہوئے ہیں، آپ تو ایک پی سی او کے مالک ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اپنے عمل سے لوگوں کا بھلا کر دیتے ہیں۔“

”تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ میں تمہارے والدین کے سامنے پی سی او کے مالک کی حیثیت سے آؤں؟“

”جی بالکل!“ ثمینہ نے پورے اعتماد سے کہا۔

”ثمینہ......! تم واقعی ذہین ہو، تم نے میرے دل میں پیدا ہونے والے خدشے کو کس خوبصورتی سے دور کر دیا۔“ اسرار نے اسے پرستائش نظروں سے دیکھا۔ ”تم میری زندگی میں آ گئیں تو میری زندگی میں بہار آ جائے گی۔“

”کون جانے اسرار صاحب میں آپ کی زندگی میں بہار بن کر آؤں گی یا خزاں؟“ یہ بات ثمینہ کے منہ سے غیر ارادی طور پر نکل گئی تھی۔

بعض باتیں اسی طرح غیر ارادی طور پر نوک زباں پر آ جاتی ہیں، بندے کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ اس نے جو کچھ کہا ہے، وہ کل تقدیر کا لکھا بن جائے گا۔ ثمینہ کی بے یقینی کہ وہ بہار بنے گی یا خزاں...... آگے جا کر سچ ثابت ہوئی، تقدیر نے اسے خزاں بنا دیا۔

اسرار ناصر اسی دن جبار ناصر کے گھر پہنچا، مہ ناز اپنے شوہر کو ساری روداد سنا چکی تھی۔ اس دن جبار ناصر کا آف تھا، وہ گھر پر ہی موجود تھا، اسرار ناصر نے اپنے بڑے بھائی کے سامنے خوب ڈرامہ کیا، اپنی کوتاہیوں کی معافی طلب کی، اپنے پی سی او والے بابا بننے کی داستان سنائی، بابا کمیل کی موت اور اپنی جانشینی کی کہانی سنائی، غرض اس نے اپنے بڑے بھائی جبار کا دل موہ لیا۔ جبار ناصر کو عملیات سے کوئی دلچسپی نہ تھی البتہ اسے یہ ضرور اطمینان ہوا کہ اس نے کوئی پی سی او کھول لیا ہے اور کھا کما رہا ہے۔

جب جبار ناصر کا غصہ اتر گیا اور گھر کی فضا اس کے حق میں ہو گئی تو اس نے مہ ناز سے مخاطب ہو کر ثمینہ کا قصہ چھیڑ دیا، اس نے اپنی بھابھی سے درخواست کی کہ وہ اس کا رشتہ مانگنے چلیں۔

”او یار......! تم ہمیں بے عزت نہ کروا دینا۔“ جبار ناصر نے ساری تفصیل سن کر مداخلت کی۔

”ارے نہیں بھائی!“ اسرار فوراً بولا۔ ”ثمینہ خود آپ لوگوں کو بلا گئی ہے۔“

”مہ ناز! لڑکی کیسی ہے؟“ جبار اپنی بیوی سے مخاطب ہوا۔

”لڑکی تو اچھی ہے۔“ مہ ناز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہ تمہیں کہاں مل گئی؟“ اب اس نے اسرار سے پوچھا۔

”اپنے پی سی او پر ہی ملاقات ہوئی اس سے۔“ اسرار نے تھوڑا سا شرماتے ہوئے بتایا۔

”اچھا پھر ایسا کرو مہ ناز کو اپنے ساتھ لے جانا۔“ جبار ناصر نے بالآخر فیصلہ سنایا۔

”نہیں بھائی......! یہ رشتہ آپ کے بغیر منظور نہیں ہوگا۔“ اسرار نے کہا۔

”مسئلہ یہ ہے کہ تمہاری گارنٹی کون لے گا، تم انتہائی لاپروا انسان ہو، گھر سے بغیر بتائے نکل جاتے ہو اور مہینوں اپنی شکل نہیں دکھاتے، اگر شادی کے بعد تم کوئی چلہ کاٹنے جنگل میں نکل گئے تو تمہارے پیچھے اس لڑکی کو کون دیکھے گا، وہ تو ہماری جان کو روئے گی۔“ جبار ناصر نے خدشہ ظاہر کیا۔

”ارے جبار......! کیسی باتیں لے کر بیٹھ گئے، تم اسرار کے بڑے بھائی ہو، تم اگر اس کے سر پر ہاتھ نہیں رکھو گے تو کون رکھے گا۔“ مہ ناز نے اپنے دیور کی حمایت کی۔ ”وہ لڑکی تم سے زیادہ اسرار کو جانتی ہے، وہ خود رشتہ مانگنے کو کہہ رہی ہے تو آخر کچھ سوچ کر ہی کہہ رہی ہوگی، ویسے اب اسرار میں بہت تبدیلی آ گئی ہے، اس نے عامل کی حیثیت سے اتنا نام کما لیا ہے کہ خود اپنے دیور کا کھوج لگاتے لگاتے پی سی او والے بابا کے پاس پہنچ گئی...... اسے عملیات کا شوق تھا بالآخر سیکھ کر ہی مانا۔“

''اچھا......! پی سی او والے بابا تو واقعی اپنے کام میں ماہر معلوم ہوتا ہے، اس نے ایک ہی دن میں اپنی بھابھی کو ہمنوا بنا لیا ... چل ٹھیک ہے یار......! تیرا رشتہ مانگنے چلے جائیں گے۔'' جبار نے بڑی فراخ دلی سے کہا۔

اسرار یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اس رات وہ اپنے بھائی کے گھر ہی رہا، اس نے بھائی، بھابھی سے شادی کے سلسلے کی تمام بات طے کر لی اور پھر اگلے ہی دن شام کو وہ اپنے بھائی، بھابھی کو ثمینہ کے گھر لے کر پہنچ گیا۔ اگرچہ اسے پوری امید تھی کہ ثمینہ کے گھر والے اس رشتے سے انکار نہیں کریں گے پھر بھی اس نے احتیاطاً رشتہ منظور ہونے کا ایک عمل کیا، نتیجہ یہ نکلا کہ ثمینہ کے والد نے آنکھ بند کر کے یہ رشتہ قبول کر لیا، شاید اس رشتے کی منظوری میں جبار ناصر کی شخصیت کا بھی ہاتھ ہو، اسرار ایک بڑے اخبار سے منسلک شخص کا چھوٹا بھائی جو تھا۔

رشتہ طے ہوتے ہی اسرار منگنی کے چکر میں نہیں پڑا، اس نے شادی کی تاریخ مانگی۔ ثمینہ کے والد چھ ماہ کی مہلت چاہتے تھے لیکن اسرار نے جہیز سے انکار کر کے ان کا یہ مسئلہ حل کر دیا، نتیجے میں ایک ماہ بعد شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔

اسرار نے تاریخ مقرر ہوتے ہی سکون کا گہرا سانس لیا، اسے امید نہیں تھی کہ یہ سب کچھ اتنی آسانی سے اور اتنا جلد ہو جائے گا، بہرحال اس رشتے میں مہ ناز کا بڑا ہاتھ تھا، اس نے پورے خلوص سے اپنے دیور کا گھر بسانے کی کوشش کی تھی، اسرار اپنی بھابھی کا بڑا احسان مند تھا۔

یہ شادی سے ایک دن پہلے کی بات ہے۔

اسرار اپنے بھائی کے یہاں شفٹ ہو گیا تھا، اس کا ارادہ تھا کہ وہ شادی کے بعد کچھ دن جبار کے گھر میں گزار کر اپنے مکان میں منتقل ہو جائے گا، مہ ناز نے شادی کی پوری تیاری کر لی تھی۔

شام کو وہ پی سی او سے اچھا بھلا واپس آیا تھا، جاگتی آنکھوں سے کل رات کے مہکتے سپنے دیکھتا ہوا وہ گھر واپس آیا تھا، شام کی چائے پیتے ہوئے وہ ہنس ہنس کر اپنی بھابھی سے باتیں کر رہا تھا کہ اچانک اس کے سر میں شدید درد اٹھا۔

''ہائے......!'' وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

''ارے کیا ہوا اسرار......؟'' مہ ناز گھبرا کر بولی۔

درد اتنا شدید تھا کہ اس سے کچھ بولا نہ گیا بس سر پکڑے جھکتا چلا گیا۔

مہ ناز جلدی سے اٹھ کر بھاگی، جبار ناصر دوسرے کمرے میں تھا۔

''جبار......! دیکھو اسرار کو کیا ہوا ہے؟'' مہ ناز کے چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔

''ارے کیا ہوا؟'' وہ دوڑ کر باہر آیا تو وہ لاؤنج میں پڑے صوفے سے لڑھک کر نیچے فرش پر آ گیا تھا اور گٹھڑی بنا پڑا تھا، اس کے دونوں ہاتھ سختی سے سر پر جمے ہوئے تھے۔

''اسرار کیا ہوا؟'' جبار نے اس کے ہاتھ پکڑ کر سر سے الگ کرنے کی کوشش کی۔

''نہیں......!'' وہ درد کی شدت سے چیخا۔

اور بے ہوش ہو گیا۔

''جبار......! اسے اسپتال لے جائیں۔'' مہ ناز نے ہدایت کی۔

جبار ناصر نے ایمبولینس کال کی مگر ایمبولینس آتے ہی اسرار کو ہوش آ گیا، وہ اٹھ کر بیٹھ گیا، اس کے سر میں اب کوئی درد نہ تھا۔

''اب درد کیسا ہے؟'' مہ ناز نے پوچھا۔ ''باہر ایمبولینس کھڑی ہے، اپنے بھائی کے ساتھ اسپتال چلے جاؤ۔''

''نہیں بھابھی......! میں اب ٹھیک ہوں، اسپتال جانے کی کوئی ضرورت نہیں، ایمبولینس واپس کر دیجئے۔'' اسرار اٹھتا ہوا بولا۔

جبار ناصر نے اصرار بھی کیا کہ وہ اسپتال چل کر چیک اپ کرا لے، لیکن اسرار نے جانے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا۔ ''بھائی! میں اس وقت بالکل ٹھیک ہوں، درد ہے اور نہ کوئی مسئلہ!''

نتیجے میں ایمبولینس واپس کر دی گئی اور دس منٹ کے اندر اندر اسرار بالکل نارمل ہو کر ہنسی مذاق کرنے لگا۔

اسرار ناصر کی شادی بہت سادگی اور بخیر و خوبی انجام پا گئی، وہ ثمینہ کو پا کر بہت خوش تھا اور ثمینہ اسے پا کر نہال تھی لیکن وقت کچھ اور کھیل کھیلنے میں مست تھا۔

وہ دونوں محو گفتگو تھے، باتوں کے پھول لبوں سے جھڑ رہے تھے، جب وہ باتیں کر کر کے تھک گئے اور آنکھوں میں نیند اترنے لگی تو سپیدۂ سحر نمودار ہونے والا تھا، دونوں نے ایک دوسرے کو خمار آلود نظروں سے دیکھا اور بے اختیار مسکرا پڑے۔

بس مسکرانا ہی غضب ہو گیا پھر وہی درد، شدت کا درد اس کے سر میں اٹھا جیسے کوئی اس کا سر دو حصوں میں تقسیم کئے دے رہا ہو، درد کی ایک ناقابل برداشت لہر تھی۔

وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بیڈ پر ڈھے گیا، ثمینہ پریشان ہو گئی، وہ تو اچھا تھا کہ اسرار اسے ایک دن پہلے اٹھنے والے درد کی روداد سنا چکا تھا، ورنہ ثمینہ اس کی تکلیف دیکھ کر اس کے بے ہوش ہونے سے پہلے اپنے ہوش گنوا بیٹھتی۔

''اسرار......! کیا ہوا؟'' ثمینہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''وہی درد...... بہت شدید۔'' اسرار بمشکل بولا اور چند لمحوں میں بے ہوش ہو گیا۔

ثمینہ دروازہ کھول کر باہر نکلی، اس نے مہ ناز کے کمرے کا دروازہ اضطراری کیفیت میں بجایا۔

کچھ دیر کے بعد مہ ناز نے دروازہ کھولا تو ثمینہ کو دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

''خیر تو ہے ثمینہ......!''

''وہ بے ہوش ہو گئے ہیں۔''

"درد اٹھا تھا......؟"

"جی...... بہت زور کا۔"

"اچھا...... میں جبار کو اٹھاتی ہوں۔" مہ ناز نے اسے تسلی دی۔ "تم پریشان مت ہو۔"

جتنی دیر میں وہ دونوں ثمینہ کے کمرے میں پہنچے، اتنی دیر میں اسرار کو ہوش آ چکا تھا، درد بالکل غائب تھا، یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ ابھی کسی اذیت ناک صورتحال سے گزرا ہے۔

"یہ کیسا درد ہے جبار......؟" مہ ناز تشویشناک لہجے میں بولی۔ "جتنی تیزی اور شدت سے اٹھتا ہے، اتنی ہی تیزی سے غائب ہو جاتا ہے۔"

"چیک اپ کروانا ہوگا۔" جبار ناصر نے کہا۔ "ابھی تو تم ٹھیک ہو اسرار......؟"

"جی بھائی......!" اسرار نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"چلو پھر سو جاؤ...... کل دن میں اسپتال چلنا۔"

"جی اچھا۔" اسرار نے کہا۔ جبار ناصر کمرے سے نکل گیا۔

ثمینہ، مہ ناز کے ساتھ دروازے تک آئی۔ مہ ناز نے ثمینہ کے کان میں کوئی سرگوشی کی جسے سن کر ثمینہ شرما گئی۔

☆......☆......☆

سارہ گھر کے باہر مین گیٹ کے نزدیک صارم کے انتظار میں ٹہل رہی تھی، رات کی رانی کی خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی، بارش بند تھی، ٹھنڈی خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔

ابھی تو اس کی صارم سے بات ہوئی تھی، وہ رکشے میں بیٹھا گھر کی طرف آ رہا تھا، اس نے کہا تھا "بس سارہ......! مشکل آسان ہوئی، سفر ختم ہوا...... میں پانچ منٹ میں گھر پہنچ جاؤں گا۔"

سارہ یہ سوچ کر گھر سے باہر نکل آئی تھی کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے مین گیٹ کھولے گی، اپنے محبوب شوہر کو بہ نفس نفیس خوش آمدید کہے گی۔

حالانکہ خالہ جو نے کہا بھی تھا "سارہ بی بی......! میں کھول دوں گی دروازہ، آپ گھر میں بیٹھیں۔" لیکن وہ مانی نہیں تھی۔

☆......☆......☆

سڑک سنسان تھی، آدھی رات ہو چکی تھی، فضا میں ایک پراسرار سناٹا طاری تھا۔

اچانک صارم کی نظر سڑک پر پڑی، اسے پوری سڑک پر ایک کفن پوش لاش نظر آئی، یہ لاش اتنی لمبی تھی کہ پوری سڑک کو گھیرے ہوئے تھی۔

اس لاش کو دیکھتے ہی صارم چیخا۔ "رکشہ روکو۔"

صارم کی چیخ سن کر رکشہ والے نے بریک لگائے لیکن رکشہ رکتے رکتے لاش پر سے گزر گیا۔

جب رکشہ رکا تو اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا، لاش جوں کی توں پڑی تھی۔

"کیا ہوا صاحب......؟"

"کچھ نہیں...... جلدی رکشہ بھگاؤ۔" صارم بے قراری سے بولا۔

رکشہ ڈرائیور کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس سواری کو بیٹھے بٹھائے کیا ہوا، اس نے فوراً رکشہ آگے بڑھا دیا۔

صارم کو گھر پہنچنے میں دو تین منٹ اور لگے گھر کے گیٹ پر اتر کر اس نے رکشہ والے کو کرایہ ادا کیا اور شکریہ کہا، صارم کے اترتے ہی رکشے والا اپنی راہ لگا۔

صارم نے گیٹ پر پہنچ کر کال بیل کا بٹن دبایا۔ فوراً ہی اندر سے آواز آئی۔ "کون ہے؟"

سارہ کی آواز پہچان کر وہ بے چینی سے بولا۔ "سارہ......! جلدی دروازہ کھولو، میں بے ہوش ہونے والا ہوں۔"

"اوئے......! خبردار جو بے ہوش ہوئے۔" سارہ جلدی سے دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔

اور دروازہ کھولتے ہی جیسے ہی سارہ کی نظر صارم کے چہرے پر پڑی۔

اس نے ایک دل ہلا دینے والی چیخ ماری اور تیورا کر زمین پر گر پڑی۔

اور گرتے ہی بے ہوش ہو گئی۔

"سارہ...... سارہ......!" صارم نے بے قراری سے پکارتے ہوئے اسے اٹھانے کی کوشش کی۔

سارہ کی آنکھیں بند تھیں اور اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہو چکے تھے۔ صارم نے کئی مرتبہ اس کے چہرے کو تھپتھپایا اور زور زور سے بولا۔ "سارہ آنکھیں کھولو...... سارہ آنکھیں کھولو، یہ میں ہوں تمہارا صارم......!"

خالہ جو نے صارم کو اس طرح پکارتے ہوئے سنا تو وہ بھاگتی ہوئی گھر سے باہر نکلی اور گیٹ کے نزدیک پہنچی تو اس نے عجیب منظر دیکھا، سارہ زمین پر پڑی تھی اور صارم اسے پکار رہا تھا۔

"یا اللہ خیر......!" خالہ جو نے اپنا کلیجہ تھام لیا پھر وہ دیوانہ وار ان کی طرف بڑھی۔

"کیا ہوا صاحب جی......؟" وہ گھبرا کر بولی۔

"پتہ نہیں خالہ......!" صارم نے اسے اپنے ہاتھوں پر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میری شکل دیکھتے ہی اس نے چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئی۔"

"بی بی...... سارہ بی بی!" خالہ جو نے اس کا بازو پکڑ کر ہلایا لیکن اس نے آنکھیں نہ کھولیں۔

صارم اسے ہاتھوں میں اٹھا کر گھر کے اندر لایا، اس نے اسے بیڈ پر لٹایا اور اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لے کر بولا۔ "سارہ، سارہ! آنکھیں کھولو...... سارہ میں مر جاؤں گا۔"

خالہ جو نے بیڈ پر نظر ڈالی تو وہ کانپ گئی۔ "صاحب جی......! میں پروین بی بی کو بلا کر لاتی ہوں، بی بی کی حالت ٹھیک نہیں...... آپ ایمبولینس بلائیں، بی بی کو فوراً اسپتال لے جانا ہوگا۔"

خالہ جو اتنا کہہ کر گھر سے نکل گئی، اس نے صارم کا جواب سننے کا بھی انتظار نہ کیا۔

صارم نے فوراً ایمبولینس کیلئے کال کی، اس نے رفاہی ادارے کے علاوہ کئی اسپتالوں میں ایمبولینس کیلئے فون کردیئے...... کہیں سے تو ایمبولینس جلدی پہنچے گی۔

خالہ سجو چند منٹوں میں پروین کو لے کر آ گئی، انہوں نے صارم کو باہر جانے کو کہا، دونوں نے سارہ کو دیکھا، سارہ خطرے میں تھی، اس کا فوراً اسپتال پہنچنا ضروری تھا پھر پروین کو خیال آیا کہ سامنے والے گھر میں ایک بڑے اسپتال کی نرس رہتی ہے، اسے فوراً بلالیا جائے۔

پروین، خالہ سجو کو اپنے ساتھ لے کر اس نرس کے گھر گئی، وہ ابھی ڈیوٹی سے واپس آئی تھی، وہ لیبر روم کی ایک تجربے کار نرس تھی، اسے پروین نے صورتحال بتائی تو وہ فوراً ان کے ساتھ آ گئی۔

وہ نرس جس کا نام ذکیہ تھا، اس نے فوراً سارہ کو اٹینڈ کیا، صورتحال سنگین تھی بہرحال ذکیہ کا تجربہ کام آیا، اس نے بڑی چابکدستی سے اس نازک کیس کو سنبھال لیا، جو ہو گیا تھا، اسے تو وہ نہ روک سکی لیکن اس کی بروقت کارروائی سے سارہ کی زندگی بچ گئی۔

جب تک ایمبولینس آئی تب تک صورتحال واضح ہو چکی تھی، بس یہی پندرہ بیس منٹ فیصلہ کن تھے، ایک ننھی جان معرض وجود میں آئی لیکن مردہ حالت میں...... یہ ایک انتہائی خطرناک ڈلیوری کیس تھا، زندگی موت تو بہرحال اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن ذکیہ کی بروقت طبی امداد نے موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا سارہ کو موت کے چنگل سے چھڑا لیا، یہ ایک قبل از وقت ڈلیوری کیس تھا، اس میں نومولود کی موت یقینی تھی۔

سارہ کو ہوش آ چکا تھا، صارم چاہتا تھا کہ اسے اسپتال لے جائے لیکن ذکیہ نے کہا۔ ''اسپتال کا وقت اب گزر چکا، جو ہونا تھا، وہ ہو گیا...... اب اسپتال جانے کا کوئی فائدہ نہیں۔''

لیکن صارم نہ مانا، اس نے سارہ کو اپنے ہاتھوں میں احتیاط سے اٹھا کر اسٹریچر پر ڈالا، اسٹریچر ایمبولینس میں رکھا اور خالہ سجو کو ساتھ لے کر اسپتال پہنچ گیا۔

جس لیڈی ڈاکٹر کی زیر نگرانی سارہ کا چیک اپ چل رہا تھا، وہ فوراً ہی اسپتال پہنچ گئی، وہ پریشان تھی کہ یہ سب ہوا کیسے......؟ اس لئے کہ وہ ابھی دو دن پہلے ہی تو اسے دکھا کر گئی تھی، زچہ اور بچہ ماشاء اللہ دونوں صحت مند تھے، اس کیس میں کسی قسم کی کوئی پیچیدگی نہ تھی پھر یہ کیونکر ہوا...... ڈاکٹر کے گلے سے یہ بات کسی طرح نہ اتر رہی تھی کہ سارہ نے اپنے شوہر کی شکل دیکھی اور اس قدر خوف زدہ ہوئی کہ اپنی سدھ بدھ گنوا بیٹھی، بہرحال ڈاکٹر نے اس کا اچھی طرح چیک اپ کیا، نومولود کو بھی دیکھا جواب حیات نہ تھا، ڈاکٹر نے احتیاطاً سارہ کو ڈرپ لگا دی، انجکشن دے دیئے، دوائیں لکھ دیں اور اسے اسپتال سے فارغ کر دیا۔

صارم کیلئے یہ خبر بڑی روح فرسا تھی، جس آس میں وہ جی رہا تھا اور جس کیلئے وہ ایک ایک دن گن رہا تھا اور جس کی حفاظت کیلئے اس نے سارہ کو شیشے کی طرح رکھا ہوا تھا، وہ تو آ کے بھی گزر گیا تھا، یہ کیسا جان لیوا سانحہ تھا، اس کا دل پارہ پارہ ہو گیا تھا۔

ادھر سارہ کا عجیب حال تھا، وہ جس معصوم صورت کو اپنے دل میں بسائے ہوئے تھی، وہ تو فریم ہی ٹوٹ گیا تھا اور تصویر فریم سے نکل کر اڑتی جانے کہاں سے کہاں جا پہنچی تھی۔

اس دلخراش سانحے نے سارہ کا وجود ریزہ ریزہ کر دیا، وہ جیسے ٹوٹ کر بکھر گئی تھی۔

اس صدمے کو وہ کسی طرح برداشت کر ہی نہیں پا رہی تھی، اس نے کھانا پینا چھوڑ رکھا تھا، سب اسے سمجھا رہے تھے، صارم کا تو خود اپنا کلیجہ پاش پاش تھا، وہ بھی اپنے دل پر پتھر رکھ کر سارہ کو سمجھا رہا تھا، کچھ کھانے کی تلقین کر رہا تھا۔

صارم اسے جیسے ہی کچھ کھلانے کی کوشش کرتا، وہ اس کے کندھے سے لگ کر رونے لگتی، صارم کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آتے، وہ بڑے ضبط سے کام لے کر ان آنسوؤں کو اندر ہی اندر روکنے کی کوشش کرتا، لیکن نہ روک پاتا پھر وہ دونوں ہی مل کر رونے لگتے، کچھ دیر کے بعد وہ ایک دوسرے کے آنسو پونچھتے اور سر جھکا کر بیٹھ جاتے، دونوں کے ہی دل ویران ہو چکے تھے۔

خالہ سجو کی اپنی حالت بری تھی، وہ ان دونوں کو روتا دیکھتی تو اس کا جی چاہتا کہ دونوں کو اپنے کلیجے میں چھپالے، کسی طرح ان کا دکھ بانٹ لے، کوئی ایسی بات کہے کہ انہیں صبر آ جائے لیکن اسے کچھ سوجھتا ہی نہ تھا، اس کی سمجھ میں ہی نہ آتا کہ ان سے کیا کہے...... سات سال کے بعد ان کے گھر کے آنگن میں ایک پھول کھلنے کی آس بندھی تھی، لیکن وہ پھول تو کھلنے سے پہلے ہی مرجھا گیا تھا، اس سانحہ پر اس کا اپنا دل کٹ رہا تھا، وہ انہیں کیا تسلی دیتی اور کیونکر دیتی......!

کون ایسا تھا جو اس سانحہ پر اشکبار نہ تھا، کیا ظفر مراد...... کیا جبار ناصر...... کیا پڑوسن پروین۔

سب ان دونوں کی دلجوئی میں لگے تھے، لیکن دل تھا کہ بہلتا ہی نہ تھا۔

سر دست سب سے بڑا مسئلہ سارہ کے کھانے کا تھا، اس نے کھانا پینا چھوڑ رکھا تھا۔

سارہ کو تین دن ہو گئے تھے اس نے کچھ کھایا پیا نہ تھا، اگر زبردستی اسے کچھ کھلا بھی دیا جاتا تو فوراً الٹی ہو جاتی، کھانا نہ کھانے کی وجہ سے اس کی نقاہت بڑھتی جا رہی تھی۔

سارہ بیڈ پر لیٹی تھی، خالہ سجو اس کے پیر دبا رہی تھی اور صارم بیڈ کے ایک کنارے بیٹھا اس کی شکل دیکھ رہا تھا، ان تین دنوں میں سارہ کی کیا حالت ہو گئی تھی، وہ بالکل سفید پڑ گئی تھی، لگتا تھا جیسے اس کا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔

سارہ کی آنکھیں بند تھیں لیکن اسے صارم کی نظریں اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھیں، وہ کبھی کبھی آنکھیں کھول کر اسے دیکھ لیتی تھی اور پھر موند لیتی۔

''سارہ......!'' صارم نے دھیرے سے پکارا۔

سارہ نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا، بولی کچھ نہیں۔

''سارہ......! کچھ کھالو'' صارم نے بڑے التجا آمیز لہجے میں کہا۔

''ہاں...... صارم کھالوں گی، ابھی بھوک نہیں ہے۔'' سارہ نے اس کی التجا کو مسترد نہ کیا۔

"سارہ......! تمہیں کچھ کھائے ہوئے تین دن ہو گئے ہیں، آخر تم کب کھانا کھاؤ گی، تمہیں کب بھوک لگے گی؟"

"پتہ نہیں۔" سارہ نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

"دیکھو سارہ......! ایسا مت کرو، صبر سے کام لو، تقدیر کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے، تم تو بڑی صبر کرنے والی عورت ہو، لیکن تم نے تو صبر کا دامن ہی ہاتھ سے چھوڑ دیا......سارہ دیکھو......! اب میری بات غور سے سنو، اب اگر تم نے کھانا نہ کھایا تو پھر میں بھی نہ کھاؤں گا اور تم یہ بات اچھی طرح جانتی ہو کہ میں جو کہتا ہوں، وہ کرتا ہوں۔" صارم نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"سارہ......بی بی! میں بھی کھانا نہیں کھاؤں گی۔" خالہ سجو نے صارم کی حمایت میں کہا۔

سارہ نے دونوں کو باری باری دیکھا اور پھر دھیرے سے آنکھیں بند کر لیں، آنسو بھری آنکھیں چھلک اٹھیں، آنسو رخساروں پر بہنے لگے، اس نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

"سارہ......! تمہیں یاد نہیں کہ شاہ صاحب تمہارے خواب میں آئے تھے تو انہوں نے صبر کی تلقین کی تھی اور جب وہ پہلی بار ہمارے گھر آئے تھے تو انہوں نے تمہیں دیکھتے ہی کہا تھا صبر کرنا ہو گا، میری سمجھ میں اس وقت ان کی بات نہ آئی تھی، جب انہوں نے خواب میں آکر دوبارہ یہی تلقین کی تب بھی میری سمجھ میں کچھ نہ آیا لیکن اب سب کچھ سمجھ میں آ گیا ہے، انہوں نے اس سانحہ کی ہمیں بہت پہلے اطلاع دے دی تھی سارہ......! میں شاہ صاحب کے پاس جاؤں گا، انہیں بتاؤں گا کہ جس سانحہ پر انہوں نے صبر کرنے کی تلقین کی تھی، وہ سانحہ رونما ہو چکا ہے۔" صارم کے لہجے میں دکھ بول رہا تھا۔

"صارم......! ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہوا، آخر ہم نے کسی کا کیا بگاڑا تھا؟" سارہ نے ٹوٹے لہجے میں کہا۔

"سارہ......! آخر ہوا کیا تھا، تم مجھے دیکھتے ہی کیوں چیخی تھیں؟" صارم نے پوچھا۔

"میں تمہیں دیکھ کر اس لئے چیخی تھی کہ وہ تم تھے ہی نہیں، کوئی اور تھا۔"

"سارہ......! وہ میں ہی تھا، کوئی اور نہیں تھا......تم مجھے دیکھتے ہی بے ہوش ہو گئی تھیں۔"

"صارم......! وہ تم نہیں تھے۔" سارہ نے پورے یقین سے کہا۔ "وہ تمہارا چہرہ تھا ہی نہیں......ایسا ہیبت ناک، چہرہ سرخ جلتی ہوئی آنکھیں......اب بھی تصور کرتی ہوں تو دل بیٹھنے لگتا ہے۔"

سارہ کے چہرے پر ایک دم پسینہ نمودار ہو گیا۔

"صاحب جی......! اس ذکر کو جانے دیں۔" خالہ سجو گھبرا کر بولی۔ "بی بی کے پاؤں بالکل ٹھنڈے برف ہو گئے ہیں۔"

"اچھا......سارہ تم گھبراؤ مت، میں اس مسئلے پر شاہ صاحب سے بات کروں گا، تم ایسا کرو کہ تھوڑا سا کچھ کھا لو۔" صارم نے اسے پچکارتے ہوئے کہا۔

"اچھا......کھا لیتی ہوں۔" سارہ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"خالہ......! کچھ کھانے کو لے آؤ۔" صارم نے خالہ کو ہدایت کی۔

"یہاں نہیں ڈائننگ ٹیبل پر......میں ذرا منہ، ہاتھ دھو کر آتی ہوں۔" سارہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

صارم خوش ہو گیا، اس نے سہارا دے کر سارہ کو اٹھایا، خالہ سجو بھاگتی ہوئی کچن کی طرف گئی اور جلدی جلدی اس کیلئے کچھ ہلکی پھلکی چیزیں تیار کرنے لگی۔

سارہ واش روم سے باہر نکلی تو صارم اسے سہارا دے کر ڈائننگ ٹیبل پر لے آیا، اسے خوشی تھی کہ وہ کچھ کھانے پر آمادہ ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

صارم جب شاہ صاحب کے گھر پہنچا تو اس نے گھر کا دروازہ کھلا پایا، وہ گاڑی سے اتر کر سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچا، کھلے دروازے سے اسے ہال نما کمرے میں کوئی نظر نہ آیا، وہ جوتے اتار کر اندر داخل ہوا تو اسے شاہ صاحب مونڈھے پر بیٹھے نظر آئے، کمرے میں اس وقت کوئی نہ تھا، اسے لگا جیسے وہ اس کے انتظار میں بیٹھے ہوں۔

شاہ صاحب اپنے گھٹنوں پر دونوں ہاتھ رکھے کچھ پڑھ رہے تھے، ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، انہوں نے صارم کو اپنے قریب مونڈھے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

صارم جب گھر سے نکلا تھا شدید مایوسی کا شکار تھا لیکن اس وقت شاہ صاحب کے سامنے بیٹھتے ہی اسے سکون کا احساس ہوا۔

"شاہ صاحب......! ہم پر وہ سانحہ گزر گیا جس کے بارے میں آپ نے صبر کی تلقین کی تھی۔"

"جو ہونا ہوتا ہے، وہ ہو کر رہتا ہے۔" شاہ صاحب نے کہا۔

"شاہ صاحب......! سات برس بعد اللہ نے روشنی دکھائی اور پھر اس روشنی کو ہم سے چھین بھی لیا......آخر ایسا کیوں؟" صارم نے ایک تڑپ کے ساتھ پوچھا۔ اس کے لہجے میں شکوہ تھا۔

"اللہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں، سب اس کے سامنے جواب دہ ہیں، وہ جو کرتا ہے، کسی سے پوچھ کر نہیں کرتا اور نہ کسی کی مرضی کے مطابق کرتا ہے، وہ اپنی مرضی سے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ اپنی مصلحت خود ہی سمجھتا ہے، اس نے کیوں دیا اور کیوں لے لیا، اس کا سب سے آسان جواب یہ ہے کہ اس نے چاہا تو دے دیا اور اس نے واپس لینا چاہا تو واپس لے لیا، اس کے سامنے کیوں کا کیا سوال......؟ بھائی! وہ قادر مطلق ہے۔" شاہ صاحب نے بڑے نرم لہجے میں گفتگو کی۔

"اس کے قادر مطلق ہونے میں کیا کلام ہے، پر میں اپنی بیوی کا کیا کروں، اسے کسی طور صبر نہیں آتا ہے۔"

"آ جائے گا، پریشان کیوں ہوتے ہو......ہم ان کیلئے پانی دیں گے، وہ پلا دینا صبر آ جائے گا۔"

"اور میں کیا کروں؟" صارم نے بے بسی سے شاہ صاحب کو دیکھا۔

"تم مرد ہو، تمہیں بہت مضبوط ہونا چاہئے۔" شاہ صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''شاہ صاحب! میں بہت مضبوط ہوں لیکن میرا دل خالی ہوگیا ہے۔'' اس کے لب پر پھر شکوہ آیا۔
''اللہ بہتر کرے گا۔'' شاہ صاحب نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔
''شاہ صاحب......! یہ سب ہوا کیسے؟'' صارم نے پوچھا۔ ''سارہ کہتی ہے کہ اس نے میرے چہرے میں کسی اور کا چہرہ دیکھا، بہت ہی ہیبت ناک چہرہ...... سرخ جلتی ہوئی آنکھیں لیکن شاہ صاحب میں نے تو اپنے اندر کوئی تبدیلی محسوس نہ کی، اگر میرا چہرہ تبدیل ہوگیا تھا تو مجھے تو کچھ محسوس ہوتا۔'' صارم نے استفسار کیا۔

''جو مخلوق تمہارے گھر میں بسیرا کئے ہوئے ہے، وہ شری تو ہے ہی ساتھ میں بڑی عیار بھی ہے، ایسی شاطرانہ چالیں چلتی ہے کہ آدمی دیکھتا رہ جائے، میں بتاتا ہوں ہوا کیا، پہلے اس مخلوق نے میرا وظیفہ توڑا بابا کمبل کے ذریعے، پھر جب بابا کمبل نے اپنے سفلی علم کے ذریعے سات رات کا عمل کیا تو وہ مخلوق بابا کمبل کے باپ کو سامنے لے آئی، اس کے ذریعے بابا کمبل کا عمل پورا نہ ہونے دیا، عمل پورا نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس مخلوق پر قبضہ نہ جما سکا، لیکن اس عمل سے اتنا ضرور ہوا کہ اس مخلوق کا گھر میں داخلہ بند ہوگیا، یہ بات اس مخلوق کو پسند نہ تھی، اب گھر میں اپنا داخلہ کھولنے کیلئے اس نے تمہیں ذریعہ بنایا۔'' شاہ صاحب نے ایک لمحے کو توقف کیا۔
صارم بڑا حیران تھا کہ شاہ صاحب کے علم میں ہر بات تھی، وہ ان کی پہنچ کا قائل ہوگیا۔
''مجھے کس طرح ذریعہ بنایا؟'' صارم کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ وہ اس مخلوق کا معمول کس طرح بنا۔

شاہ صاحب چاہتے تو اسے ہر بات بتا دیتے لیکن انہوں نے ایسا چاہا نہیں، وہ اس پر اپنے علم کا رعب ڈالنا نہیں چاہتے تھے، لہٰذا چند لمحے توقف کر کے بولے۔ ''بھئی یہ تو تم مجھے بتاؤ گے۔''
''شاہ صاحب......! مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔'' صارم نے صاف گوئی سے کہا۔
''اچھا یہ بتاؤ کہ بارش والی رات تم نے رکشہ میں بیٹھ کر کیا دیکھا؟'' شاہ صاحب نے پوچھا۔
''اوہ...... ہاں، اچھا ہوا آپ نے مجھ سے اس رات کا احوال پوچھ لیا، میں خود اس معاملے میں الجھن کا شکار تھا، آپ سے بات کرنا چاہتا تھا، اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ میں نے رکشہ میں بیٹھ کر کیا دیکھا، اچانک میری سڑک پر نظر پڑی تو میں نے ایک کفن پوش لاش دیکھی جو اتنی لمبی تھی کہ پوری سڑک پر پھیلی ہوئی تھی، میں نے اس خوف سے کہ رکشہ لاش پر سے نہ گزر جائے، رکشہ والے سے رکشہ روکنے کو کہا لیکن رکشہ لاش کے اتنے نزدیک پہنچ چکا تھا کہ رکتے رکتے لاش پر سے گزر گیا، رکشہ والے نے حیران ہو کر پوچھا کیا ہوا......؟ میں نے اس کو جواب دینے کے بجائے پیچھے مڑ کر دیکھا، لاش جوں کی توں سڑک پر پڑی تھی، میں نے خوف زدہ ہو کر رکشہ والے کو رکشہ بھگانے کو کہا تب مجھے اندازہ ہوا کہ وہ لاش صرف مجھے نظر آئی اور رکشہ بلا رکاوٹ اس لاش پر سے گزر گیا، بس پھر میں گھر پہنچ گیا...... سارہ نے مجھے دیکھتے ہی چیخ ماری اور پھر وہ ہوگیا جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔'' صارم

اس دن کا واقعہ سنا کر لرز اٹھا۔
''بس...... رکشہ کے لاش پر سے گزرتے ہی وہ تمہارے ساتھ ہولیا اور تم پر سوار ہو کر گھر میں داخل ہوگیا پھر اسے کون روکنے والا تھا...... اس طرح اس نے بابا کمبل کے سفلی علم کا تمہارے ذریعے توڑ کرلیا۔'' شاہ صاحب نے اس کے ذہن میں جو الجھن تھی، اسے سلجھایا۔
''اوہ...... تو میرے بچے کی قاتل یہ مخلوق ہے؟'' صارم نے تصدیق چاہی۔
''ہاں...... اس شری مخلوق کا سردار کاکور۔'' شاہ صاحب نے انکشاف کیا۔
''کاکور......!'' صارم نے اس کا نام دہرایا۔ ''سردار کاکور۔''
''بہت سفاک مخلوق ہے، موقع کی تلاش میں رہتی ہے، موقع ملتے ہی اپنا کام کر گزرتی ہے۔''
''شاہ صاحب......! میں اسے نہیں چھوڑوں گا، اس نے میرا بچہ چھینا ہے، میری بیوی کی گود اجاڑی ہے، میں اسے نہیں بخشوں گا، میں اس کاکور کے بچے کو فنا کر کے رہوں گا...... شاہ صاحب! آپ میری مدد کریں، مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں؟'' صارم نے انتہائی غصے سے کہا۔ اس کے لہجے میں پہاڑوں کی سی پختگی تھی۔

''فی الحال تحمل سے کام لینا ہوگا، غصے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا، ہمارا جس مخلوق سے مقابلہ ہے، وہ انتہائی عیار ہے، ہمیں اس سے سبق سیکھنا ہوگا، وہ حملہ آور کو فوراً ہی نہیں دبوچتی، اسے اپنے سامنے کھل کر آنے کا موقع دیتی ہے اور اس اثناء میں اس کا توڑ تلاش کر لیتی ہے، ہمیں بھی ایسا ہی کرنا ہوگا، جذباتی ہو کر جلد بازی میں کوئی قدم اٹھایا تو نقصان ہوگا، ایسا کرو مجھے کچھ وقت دو، میں دیکھتا ہوں کہ اس سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے۔'' شاہ صاحب نے اس کی ہمت بندھانے کی کوشش کی۔
''شاہ صاحب......! آپ کی بڑی مہربانی ہوگی، آپ مجھے بتائیں کیا کرنا ہوگا، میں نے اس مخلوق کو فنا کرنے کا تہیہ کر لیا ہے چاہے اس مقابلے میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔'' صارم نے عزم مصمم کے ساتھ کہا۔

''نہیں...... اللہ نے چاہا تو ایسا نہیں ہوگا، اس مخلوق نے بہت تباہی پھیلا دی ہے، بالآخر اسے بھی تباہی سے دوچار ہونا ہوگا، لیکن یہ بات میں پھر کہوں گا کہ تحمل سے کام لینا ہوگا، کسی قسم کی جلد بازی سے اس مخلوق کو فائدہ پہنچے گا۔''
''ٹھیک ہے شاہ صاحب......! میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا...... اللہ کے واسطے میرا ہاتھ پکڑ لیجئے۔'' صارم نے بڑے تحمل سے کہا۔
''اللہ بہتر کرے گا۔'' شاہ صاحب نے کہا۔ ''میں تمہارے ساتھ ہوں، مجھ سے جو ہو سکا، ضرور کروں گا۔''
''شکریہ شاہ صاحب!'' صارم کے دل کو تقویت سی ملی۔
''میں تمہیں پانی پڑھ کر دیتا ہوں، اپنی بیوی کو پلانا، اللہ چاہے گا تو صبر آجائے گا۔'' یہ کہہ کر شاہ

صاحب اندر چلے گئے۔

شاہ صاحب کے اندر جانے کے بعد صارم نے ایک نظر پورے کمرے کا جائزہ لیا۔ اس کمرے میں اس وقت اس کے سوا کوئی نہ تھا لیکن جانے کیوں اسے محسوس ہوا جیسے یہاں کوئی ہے۔

صارم نے تخت پر نظر ڈالی، تخت پر دو گاؤ تکیے رکھے تھے، وہ اس مسند کو بغور دیکھنے لگا، اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ مسند خالی کیوں ہوتی تھی، شاہ صاحب یہاں کیوں نہیں بیٹھتے تھے، ابھی اسے مسند کی طرف دیکھتے ہوئے چند لمحے ہی ہوئے تھے کہ اسے ایک ہیولا سا نظر آیا بس صرف ایک لمحے کو......

”بھائی! اتنے غور سے کیا دیکھ رہے ہو؟“ اس آواز پر صارم بری طرح چونک پڑا۔

یہ شاہ صاحب کی آواز تھی، اس نے دیکھا کہ شاہ صاحب ہاتھ میں پانی کی بوتل لئے مونڈھے پر بیٹھ رہے ہیں۔

”کچھ نہیں شاہ صاحب......!“ صارم نے جھجکتے ہوئے کہا۔

”دیکھو بھائی......! کائنات کے راز اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا...... یا تھوڑا بہت وہ جانتے ہیں جنہیں اللہ جاننے کا علم دے دیتا ہے۔“ بس اتنا کہہ کر شاہ صاحب خاموش ہو گئے۔

صارم نے اندازہ لگایا کہ کیونکہ وہ مسند کا راز معلوم کرنے کیلئے اسے بغور دیکھ رہا تھا، شاید شاہ صاحب نے اسے اس معاملے میں متجسس ہونے سے روکا تھا۔

اب شاہ صاحب کچھ پڑھ رہے تھے، دو چار منٹ انہوں نے پڑھنے کے بعد بوتل کا ڈھکن کھولا اور صرف ایک پھونک مار کر بوتل بند کر دی۔

”لو بھائی......! اس پانی کو تم بھی پی لینا...... اللہ نے چاہا تو تمہیں سکون ملے گا۔“

”جی اچھا۔“ صارم نے وہ بوتل احتیاط سے پکڑتے ہوئے کہا۔ ”شاہ صاحب......! پھر میں کب آؤں آپ کے پاس؟“

”تین دن کے بعد۔“ شاہ صاحب نے چند لمحے سوچ کر جواب دیا۔ ”اور ہاں......! وہ تمہارے ہاں ایک ملازمہ ہے، اسے بھی یہ پانی پلا دینا، بھئی وہ بڑی وفادار عورت ہے، جان دینے والی...... اس نے اس صدمے کو بڑی گہرائی سے لیا ہے۔“

”خالہ بجو کی بات کر رہے ہیں آپ؟“ صارم نے تصدیق چاہی۔

”ہاں...... ہم اسی کی بات کر رہے ہیں۔“ شاہ صاحب نے کہا۔

”شاہ صاحب......! ہم خالہ بجو کو قطعاً ملازمہ نہیں سمجھتے، ہم انہیں اپنے گھر کا فرد گردانتے ہیں۔“

”ہاں بھئی...... اسی لئے وہ تمہارے غم میں پوری طرح شریک ہے۔“ شاہ صاحب نے کہا۔

”اچھا! شاہ صاحب اجازت......!“ صارم بولا۔

”ہاں بھائی جاؤ...... اللہ بہتر کرے گا۔“ شاہ صاحب بولے۔

صارم مونڈھے سے اٹھا، شاہ صاحب اپنے مونڈھے پر بیٹھے رہے، صارم نے دروازے کے

ا آ کر اپنے جوتے پہنے، ایک نظر شاہ صاحب کو دیکھا اور کھلے دروازے سے باہر نکل آیا۔

☆......☆......☆

جبار ناصر نے اسرار کو اسپتال میں دکھایا، نیوروسرجن نے ٹیسٹ لکھے۔

”ڈاکٹر صاحب...... کیا مسئلہ ہے؟“ جبار ناصر نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

”صحیح صورتحال تو ٹیسٹ کے رزلٹ سے معلوم ہو گی، شبہ ہے دماغ میں کہیں کوئی ٹیومر نہ ہو۔“
ڑ نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

جب ٹیسٹ کا رزلٹ آیا اور نیوروسرجن نے ٹیسٹ رپورٹ کا معائنہ کیا تو رپورٹ بالکل کلیئر نکلی،
نے کہا۔ ”دماغ بالکل ٹھیک ہے، کوئی مرض نہیں۔“

ٹیسٹ رپورٹ کلیئر ہونے کے باوجود اسی شام پھر درد اٹھا، وہی شدت کا درد...... ایسا کہ آدمی کی
نکلتی محسوس ہو اور پھر فوراً بے ہوشی۔

جبار ناصر نے ایک دو اور ڈاکٹروں سے اس کا معائنہ کروایا، لیکن ہر ڈاکٹر نے یہی کہا کہ انہیں کوئی
ا مرض نہیں۔

ڈاکٹروں کے علاوہ اسرار نے اپنا علم بھی استعمال کیا لیکن وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا، درد بڑھتا جا رہا
اتھ ہی وقفہ بھی کم ہو رہا تھا، شروع میں چوبیس گھنٹے میں ایک بار درد اٹھتا تھا، اب یہ وقفہ کم ہوتے
نے چار گھنٹے رہ گیا، پہلے درد چند منٹوں کا ہوتا تھا اس کے بعد وہ فوراً بے ہوش ہو جاتا تھا، لیکن اب
دس پندرہ منٹ تک پہنچ گیا اور بے ہوشی ختم ہو گئی تھی، اس طرح اس کی اذیت اور بڑھ گئی تھی۔

رد اٹھتا تو یوں محسوس ہوتا جیسے کوئی دماغ میں موٹی کیل ٹھونکتا چلا جا رہا ہے، پورا جسم پسینے میں
جاتا، جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا، وہ بن جل مچھلی کی طرح تڑپتا، ایسا لگتا جیسے کسی نے اس کے گلے
پھری پھیر دی ہو جس طرح ذبح کے بعد جانور کی لاش تڑپتی ہے، ایسے ہی اسرار تڑپتا، یہ اور بات
ا کا گلا کٹتا نہ اس کی جان نکلتی۔

رد ختم ہوتا تو اس پر شدید نقاہت طاری ہو جاتی اور یہ کمزوری بڑھتی ہی جا رہی تھی، اب اسے اٹھتے
چکر آنے لگے تھے، چہرہ زرد ہوتا جا رہا تھا، اس کے ہاتھوں میں رعشہ آ گیا، سارے علاج کرائے
یا حکیم، کیا ڈاکٹر، کیا ہومیو پیتھ...... کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، سب کا ایک ہی جواب تھا،
وئی بیماری نہیں، خود اسرار کا علم اس مسئلے پر کام نہیں کر رہا تھا جبکہ اسے احساس تھا کہ یہ کسی قسم کے
ہیں۔

ب ایک دن بیٹھے بٹھائے اسے شاہ صاحب کا خیال آیا اور یہ خیال اس کے دل میں جڑ پکڑتا گیا،
صاحب کے آستانے پر حاضری کیلئے بے چین ہو گیا، اس نے اپنے دل میں مصمم ارادہ کر لیا کہ
ج شاہ صاحب سے ملنے ضرور جائے گا۔

ب وہ اپنے گھر میں شفٹ ہو چکا تھا، آج کی رات وہ گھر میں اکیلا تھا، ثمینہ اپنے والدین کے گھر

گئی ہوئی تھی، وہ پہلی بار رات کو اپنے گھر گئی تھی، اس نے اسرار سے بھی اصرار کیا تھا کہ وہ ساتھ چلے لیکن اسرار نے منع کر دیا تھا، رات کے بارہ بجے کے بعد اس کی ثمینہ سے بات ہوئی تھی۔

''اسرار......! کیسی طبیعت ہے؟'' ثمینہ نے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' اسرار نے جواب دیا۔'' ثمینہ! میں سوچ رہا ہوں کہ روحانی علاج کروا کر بھی دیکھ لوں۔''

''ہاں اسرار......! میرے دل میں بھی یہ بات آئی تھی، آپ جانتے ہیں کسی بزرگ کو؟''

''ہاں۔'' اسرار نے جواب دیا۔''سوچ رہا ہوں کل صبح شاہ صاحب کے پاس جاؤں، بہت بڑے بزرگ ہیں۔''۔

''ٹھیک ہے، آپ انہیں دکھالیں، وہاں سے سیدھے میرے پاس آجایئے گا پھر ہم دوپہر کا کھانا کھا کر اپنے گھر چلے جائیں گے۔'' ثمینہ نے فوراً پروگرام مرتب کر دیا۔

''او کے!'' اسرار نے کہا۔

''اپنا خیال رکھنا۔'' ثمینہ نے بڑے دلربا انداز میں کہا۔

فون بند کر کے اسرار نے اپنا گھر لاک کیا اور لائٹ بجھا کر بستر پر لیٹ گیا۔ حیرت انگیز طور پر دس پندرہ منٹ میں اس کی آنکھ لگ گئی۔

''او......اسرار......! سو گیا تو؟'' اچانک اس کے کانوں میں ایک منحوس آواز گونجی۔

اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو بابا کمبل سامنے کھڑا تھا، بگڑے ہوئے چہرے کے ساتھ......

اسرار اس کا دہشت ناک چہرہ دیکھ کر کانپ اٹھا۔

''ارے......اٹھ جا...... دیکھ ہم آئے ہیں، تو کیا سمجھتا تھا ہمیں مار کر اور قبر میں دفن کر کے تو ہم سے نجات پالے گا؟'' بابا کمبل نے زہریلے لہجے میں کہا۔''ہاں بتا تیرے سر کا درد کیسا ہے؟ کروالیا سب سے علاج......! او بے وقوف تو نہیں جانتا کہ یہ بابا کمبل کا دیا ہوا درد ہے، اس کا علاج بھی بابا کے پاس ہے۔''

''بابا......! مجھے معاف کر دو......مجھ سے غلطی ہو گئی۔'' اسرار کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہے۔ اس نے معافی مانگنے میں ہی اپنی عافیت جانی۔

''او اسرار......! کیسی معافی......کیسی غلطی......تو نے جو کرنا تھا، کرلیا اب تو ہمارا تماشا دیکھ، صبح تو جہاں جانے والا ہے جا......ہم چاہیں تو تجھے وہاں نہیں جانے دیں مگر تو جا، ویسے تیرا بھی جواب نہیں چیلا ہے تو شیطان کا اور جائے گا اللہ والے کے پاس......اپنے آقا سے مدد مانگ جس کا تو پجاری ہے، کافر ہے تو کافر ہی رہ......مسلمان بننے کی کوشش نہ کر، اب کوئی کچھ نہیں کرسکتا، تو پوری طرح ہماری گرفت میں ہے، تو نے ہمیں دس پندرہ منٹ میں ختم کر دیا اگرچہ وہ موت بھی بڑی اذیت ناک تھی لیکن ہم تجھے اتنی آسانی سے نہیں ماریں گے، او اسرار......! ہم تجھے سسکا سسکا کر ماریں گے،

ہم تجھے تماشا بنا دیں گے، جو دیکھے گا وہ ہنسے گا، بچے تجھے پتھر ماریں گے، تو پی سی او والا بابا بنتا ہے، ہم تجھے ٹیلیفون والا بابا بنا دیں گے۔'' یہ کہہ کر بابا کمبل خوب زور سے ہنسا، اس کا بھیانک چہرہ مزید بھیانک ہو گیا۔

بابا کمبل کی خوفناک ہنسی، اس کا بھیانک چہرہ، اس کی دل ہلا دینے والی باتیں......اسرار کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔

''تو نے ہمیں بڑی عیاری سے مارا ہے......تو کیا سمجھتا ہے ہم تجھے چین لینے دیں گے، بس اب تو نے جتنا عیش کرنا تھا کرلیا......ہماری دولت پر قبضہ کرلیا، ہمارا مکان بیچ دیا، ہمارے سکھائے کالے علم کے ذریعے تو نے ایک لڑکی اپنے دام فریب میں لے لی، شادی کرلی، ہم تیری زندگی تو تباہ کریں گے ہی ساتھ تیری بیوی کو بھی نہیں چھوڑیں گے، اب تو آگے آگے ہو گا اور ہم تیرے پیچھے پیچھے......بس تو دیکھتا جا، او اسرار......! تو نے ہمارے ساتھ بہت برا کیا، اب ہم بھی تجھے جلا جلا کر ماریں گے۔'' اتنا کہہ کر بابا کمبل نے ایک دل ہلانے دینے والا قہقہہ لگایا اور غائب ہو گیا۔

اسرار کی فوراً ہی آنکھ کھل گئی، اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا، خوف کی لہر نے پورے جسم پر قبضہ کیا ہوا تھا، وہ گھبرا کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

کمرے میں اندھیرا تھا، اس نے کمرے کی لائٹ جلائی۔

گھڑی پر نظر ڈالی، ڈھائی بجے تھے، اس نے ایک گلاس پانی پیا اور اس خواب کے بارے میں سوچنے لگا، یہ خواب تھا یا حقیقت......! اسے یوں لگ رہا تھا جیسے بابا کی روح آئی ہو، اس نے سوچا تھا کہ بابا کو مار کر وہ چین پالے گا لیکن یہاں تو معاملہ الٹا ہو گیا تھا، اسے سر کے درد کے بارے میں شبہ تھا کہ یہ کسی قسم کے اثرات ہیں......اب یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ یہ کس قسم کا اثر تھا اور کس کا اثر تھا۔

اسی لئے بیماری گرفت میں نہیں آرہی تھی، سارے ڈاکٹر پریشان تھے، کوئی بیماری ہوتی تو پکڑ میں آتی۔

بابا بڑی خوفناک دھمکیاں دے کر گیا تھا......اگر وہ واقعی انتقام پر اتر آیا تو اس کی جان عذاب میں آجائے گی، ایک دل اس کا کہہ رہا تھا کہ یہ محض خواب تھا یا اس کے لاشعور کا ڈراوا......کیونکہ اس نے بابا کو اذیت دے کر مارا تھا اس لئے احساس جرم نئی نئی شکلیں اختیار کر رہا تھا۔

پھر اسے نیند نہ آئی، وہ رات بھر یونہی کروٹیں بدلتا رہا، اس خواب نے اس کے دل کا سکون لوٹ لیا تھا، اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ صبح ہوتے ہی شاہ صاحب کے پاس ضرور جائے گا۔

☆......☆......☆

شاہ صاحب اپنے مونڈھے پر آنکھیں بند کئے بیٹھے تھے، ان کے ایک ہاتھ میں تسبیح تھی جس کا دانہ انگلی کی جنبش سے بہت تیزی سے پھسلتا جا رہا تھا، ہال نما کمرے میں کوئی نہ تھا، دو گاؤ تکیوں والی مسند حسب معمول خالی پڑی تھی، شاہ صاحب نے اچانک آنکھیں کھولیں تو اپنے سامنے اسرار کو بیٹھا پایا۔

جانے وہ کب آ کر بیٹھ گیا اور شاہ صاحب کے آنکھیں کھولنے کا منتظر تھا، جیسے ہی شاہ صاحب نے آنکھیں کھولیں، اسرار مونڈھے سے اٹھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"شاہ صاحب......! مجھے بچا لیجئے۔" وہ گڑگڑا کر بولا۔

"میاں......! ہم کون بچانے والے؟" شاہ صاحب نے اپنے پیر پیچھے کھسکاتے ہوئے کہا۔ "یہاں سے فوراً اٹھو...... دیکھو ہمیں اس طرح کی حرکتیں پسند نہیں۔"

شاہ صاحب کی ڈانٹ سن کر وہ ان کے قدموں سے اٹھ کر مونڈھے پر بیٹھ گیا اور سر جھکا لیا۔

"دیکھو میاں......! بندے کو اس کے اعمال بچاتے ہیں، اوپر میزان نصب ہے، پورا پورا انصاف ہوگا...... اب مجرم یہ چاہیں کہ وہ جرم بھی کریں اور پکڑے بھی نہ جائیں تو میاں یہ اس فریبی دنیا میں تو ممکن ہے لیکن عالم بالا میں کوئی رشوت، کوئی سفارش، کوئی دھوکا، فریب چلنے والا نہیں، میاں! تم نے جو بویا ہے، اسے کاٹنا تو پڑے گا، ہمارے اختیار میں کچھ نہیں، ہم تو خود اللہ کے بے بس بندے ہیں۔" شاہ صاحب نے بہت نرم لہجے میں اسے سمجھایا۔

"نہیں...... شاہ صاحب! مجھے مایوس نہ کریں، میں بڑی آس لے کر آپ کے پاس آیا ہوں۔" وہ پھر گڑگڑایا۔

"میاں......! تمہیں یاد ہوگا کہ ہم نے منع کیا تھا کہ اس جادو ٹونے کے چکر میں مت پڑو، لیکن تم نہیں مانے...... تم نے جان بوجھ کر کفر کا راستہ اختیار کیا اور اس کانٹوں بھرے راستے پر مخمل سمجھ کر چلتے رہے، اب ایسے آنکھ کے اندھے کا کیا کرے کوئی۔" شاہ صاحب نے صاف گوئی سے کہا۔

"شاہ صاحب......! میں مر جاؤں گا، وہ میرے پیچھے پڑ گیا ہے، اس نے میرے دماغ میں جیسے کوئی کیل ٹھونک دی ہے، درد کی شدید لہر اٹھتی ہے، اس درد نے میری زندگی اجیرن کر دی ہے۔" اسرار نے بڑے التجا آمیز لہجے میں کہا۔

"ذرا اپنا ہاتھ دکھاؤ۔" شاہ صاحب نے کہا۔

اسرار نے پرامید ہو کر فوراً اپنا سیدھا ہاتھ آگے بڑھایا۔

شاہ صاحب نے اس کا ہاتھ پلٹ کر انگلیوں کے ناخن دیکھے اور فوراً ہی اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

پھر آنکھیں بند کر کے کچھ پڑھا، چند لمحوں بعد آنکھیں کھول کر مسند کی طرف دیکھا پھر ایک سرد آہ بھر کر اس سے مخاطب ہوئے۔ "میاں......! تدبیر کا وقت گزر چکا، اس خبیث نے بڑا پکا کام کیا ہے" وہ تمہیں اپنے ساتھ لے کر ہی جائے گا۔"

"شاہ صاحب......! میرے لئے کچھ کریں...... میں آپ کے ہاتھ جوڑتا ہوں۔" اسرار نے اپنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"میاں......! یہ ہاتھ الگ کرلو۔" شاہ صاحب نے ناراض ہو کر کہا۔

جب اسرار نے اپنے ہاتھ کھول کر گھٹنوں پر رکھ لئے تو شاہ صاحب نے نرم لہجے میں کہا۔

"میاں! ہم پانی پڑھ کر دے دیتے ہیں، وہ لے جاؤ، پیتے رہنا، سکون ملے گا بس اتنا ہی کر سکتے ہیں، ویسے میاں! اب کھیل ختم ہی سمجھو، کوئی معجزہ ہو جائے تو ہم کچھ کہہ نہیں سکتے۔" یہ کہہ کر شاہ صاحب اندر چلے گئے۔

تھوڑی دیر میں وہ باہر آئے تو ان کے ہاتھ میں پانی سے بھری بڑی بوتل تھی، انہوں نے مونڈھے پر بیٹھ کر کچھ پڑھا، تین بار بوتل کھول کر پانی میں پھونک ماری اور ڈھکن بند کر کے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔ "لو میاں...... اللہ بہتر کرے گا۔"

اسرار نے شاہ صاحب کے ہاتھ سے پانی سے بھری بوتل لے لی، اسرار نے چاہا کہ بوتل لے کر شاہ صاحب سے دعا کی درخواست کرے لیکن انہوں نے اسے بولنے کا موقع نہ دیا۔ "بس جاؤ میاں......!"

یہ کہہ کر انہوں نے آنکھیں بند کر لیں اور تسبیح پڑھنے لگے۔

اب اسرار کے پاس یہاں ٹھہرنے کا کوئی جواز نہ تھا، وہ بوتل ہاتھ میں تھامے گھر سے باہر نکل آیا، بوتل اس نے موٹر سائیکل کے کیریئر میں لگائی اور گاڑی اسٹارٹ کر کے سڑک کی طرف چل دیا۔

ثمینہ کے گھر پہنچا تو دروازہ ثمینہ کی چھوٹی بہن زرینہ نے کھولا۔ وہ اسے دیکھتے ہی بولی۔ "اچھا ہوا آپ آگئے۔"

"کیوں کیا ہوا؟" اسرار گھر میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"ابھی باجی کی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔" اس نے بتایا۔

"کہاں ہے ثمینہ......؟" اسرار نے فکرمند ہو کر پوچھا۔

"وہ اندر کمرے میں لیٹی ہیں۔" زرینہ بولی۔

اسرار، زرینہ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ پورا گھر بیڈ کے گرد کھڑا ہے اور ثمینہ بیڈ پر لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔

"کیا ہوا......؟" اسرار نے پوچھا۔

"پتہ نہیں اسرار کیا ہوا...... اچھی خاصی بیٹھی باتیں کر رہی تھی کہ اچانک دورہ سا پڑا، ہاتھ، پاؤں اینٹھ گئے اور گلے سے عجیب و غریب آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی گلا پکڑ کر دبا رہا ہو...... دس پندرہ منٹ تک یہ کیفیت رہی پھر ٹھیک ہوگئی، اس وقت سے اسی طرح لیٹی ہے۔" ابا نے بتایا۔

"اوہ......!" اسرار کو فوراً اپنا خواب یاد آگیا، بابا نے کہا تھا کہ ہم تیری بیوی کو بھی نہیں چھوڑیں گے، تو اس نے کر دیا سلسلہ شروع...... اس نے ثمینہ کی طرف غور سے دیکھا، وہ ٹکٹکی باندھے چھت کی طرف دیکھے جا رہی تھی، اس نے اسرار کے آنے کا بھی کوئی نوٹس نہ لیا تھا۔

اسرار کو فوراً پانی کی بوتل یاد آئی جو اس کی موٹر سائیکل کے کیریئر پر لگی تھی، موٹر سائیکل گلی میں کھڑی تھی، وہ بغیر کچھ کہے گھر سے باہر آیا، بوتل کیریئر پر موجود تھی۔

اس نے بوتل کیریئر سے نکالی اور گھر میں واپس آیا، اس نے زرینہ سے خالی گلاس مانگا اور بوتل سے پانی نکالنے لگا، وہ چاہتا تھا کہ کچھ پانی خود پی لے اور کچھ ثمینہ کو پلا دے۔

ابھی وہ بوتل سے پانی نکال ہی رہا تھا کہ ثمینہ کسی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹی، اس نے بوتل چھین کر دروازے سے باہر پھینکی جو صحن میں گر کر ٹوٹ گئی، اس اچانک حملے سے اسرار کے ہاتھ سے گلاس بھی چھوٹ گیا، وہ بیڈ پر گرا اور اس میں جو تھوڑا بہت پانی تھا، وہ بستر پر گر گیا۔

ثمینہ بپھری ہوئی تھی، اس نے غصے سے اسرار کی طرف دیکھا اور کرخت، مردانہ آواز میں بولی۔

''او اسرار......! پہنچ گیا تو اپنے چہیتے کے پاس......تو نہیں مانا......ارے وہ ہمارا کیا بگاڑ لے گا...... دیکھا تو نے ہم نے کس طرح پھینک دیا پانی......!''

ثمینہ کا چہرہ بگڑ چکا تھا، اس کی آواز کے ساتھ آنکھیں بھی بدل چکی تھیں، اس کی آنکھوں میں زردی اتر آئی تھی، یہ آنکھیں سو فیصد بابا کمبل کی تھیں۔

''اب کھیل شروع ہو چکا ہے......اب تو تماشا دیکھتا جا، اگر ہم نے تجھے دنیا کے سامنے تماشا نہ بنا دیا تو ہمارا نام بدل دینا۔'' یہ کہہ کر ثمینہ نے اپنی وحشت ناک آنکھوں سے اسرار کو گھورا اور پھر کہا۔

''اب ہم چلتے ہیں۔''

اسی وقت ثمینہ تیورا کر بیڈ پر گری اور بے سدھ ہوگئی۔

اسرار اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گیا، اس نے ثمینہ کا بازو پکڑ کر ہلایا۔ ''ثمینہ......ثمینہ......!''

''جی......!'' ثمینہ اس کی آواز سن کر فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی، اب وہ نارمل ہو چکی تھی، اس کا چہرہ اپنی اصلی حالت میں آ چکا تھا، وہ اسرار کو دیکھ کر بولی۔ ''آپ کب آئے؟''

''ابھی آیا ہوں......تم ٹھیک تو ہو؟''

''ہاں......میں بالکل ٹھیک ہوں......کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''ابھی تم کیا اول فول بک رہی تھیں، تمہاری تو شکل ہی بدل گئی تھی بیٹی......!'' ثمینہ کی امی نے کہا۔

''ہیں؟!'' وہ حیرت زدہ ہوئی۔ ''میں کیا کہہ رہی تھی امی!''

''کچھ نہیں۔'' اسرار نے فوراً مداخلت کی اور اس کی امی کو اشارے سے منع کیا کہ وہ اس موضوع پر کوئی بات نہ کریں۔

ثمینہ کی امی فوراً ہی خاموش ہوگئیں، گھر کے دوسرے افراد نے بھی چپ سادھ لی۔

ثمینہ کو شبہ ہوا، وہ اسرار سے مخاطب ہو کر بولی۔ ''کیا معاملہ ہے......مجھ سے کوئی حرکت سرزد ہوئی ہے کیا؟''

''نہیں......ثمینہ کچھ نہیں ہوا'' اسرار نے بڑے یقین سے کہا۔ ''تم پریشان مت ہو۔''

''آپ شاہ صاحب کے پاس گئے تھے......انہوں نے کیا کہا؟''

''انہوں نے پڑھا ہوا پانی دیا تھا۔'' پھر اسے فوراً خیال آیا کہ وہ بوتل تو ثمینہ نے جھپٹ کر صحن میں پھینک دی تھی، تب اس نے فوراً ہی بات بدلی۔ ''اوہ......! چلو ثمینہ گھر چلیں۔''

''چلے جانا اسرار......! کھانا کھا کر جانا۔'' ثمینہ کی امی نے کہا۔

''اسرار بھائی......! آپ کچھ دیر آرام کر لیں، مجھے تھکے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔'' زرینہ نے کہا۔

''ہاں......کچھ طبیعت عجیب سی ہو رہی ہے۔'' اسرار بولا۔

''پھر آپ لیٹ جائیے......میں دروازہ بند کر دیتی ہوں۔'' ثمینہ نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی گھر کے دوسرے افراد فوراً کمرے سے نکل گئے۔

''نہیں ثمینہ......! میں لیٹوں گا نہیں۔''

''اچھا......آپ آرام سے تو بیٹھ جائیں، میں آپ کیلئے زبردست چائے بنا کر لاتی ہوں۔''

''چلو ٹھیک ہے۔'' اسرار نے کہا جب وہ کمرے سے جانے لگی تو اسرار فوراً ہی بولا۔ ''ہاں ثمینہ! باہر ذرا دیکھ کر جانا، صحن میں شیشے کی بوتل ٹوٹی پڑی ہے، تمہارے پاؤں میں شیشہ نہ لگ جائے۔''

''کیا پڑھے ہوئے پانی کی بوتل ٹوٹ گئی؟'' ثمینہ نے دروازے پر رک کر پوچھا۔

''بس ثمینہ......! کچھ نہ پوچھو......اس وقت کیا کچھ ٹوٹ گیا ہے۔''

''اچھا......میں آتی ہوں پھر پوچھتی ہوں کیا کچھ ٹوٹ گیا ہے۔'' ثمینہ دروازے سے نکل گئی۔

اسرار بیڈ کے سرہانے تکیہ لگا کر نیم دراز ہوگیا، اس وقت اس کے دل کی عجیب کیفیت ہو رہی تھی، اس کا دل کانپ رہا تھا، بابا کمبل نے انتقامی کارروائی شروع کر دی تھی، جس طرح اس نے ثمینہ پر قابض ہو کر اپنا رنگ دکھایا تھا، وہ اسرار کی سٹی گم کر دینے کیلئے کافی تھا، پڑھے ہوئے پانی کی بوتل اس نے ثمینہ کے ذریعے توڑ دی تھی، شاہ صاحب نے ویسے ہی کوئی حوصلہ افزاء بات نہ کی تھی، لیکن یہ کیا کم تھا کہ انہوں نے پانی دم کر کے دے دیا تھا، اسرار نے اس پانی کو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا جانا تھا لیکن وہ تنکا بھی اس کے ہاتھ نہ آیا تھا، اسرار کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا کرے......؟ کس طرح اس بدروح سے نمٹے۔

''لیجئے جناب چائے......! مزیدار سی۔'' ثمینہ چائے کا کپ لئے کمرے میں داخل ہوئی تو اسرار کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا، اس نے ثمینہ کی طرف دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی۔

ادھر اسرار مسکرایا......ادھر اسرار کو دیکھ کر ثمینہ کے ہاتھوں میں بے اختیار لرزش ہوئی، گھبراہٹ میں کپ الٹ کر نیچے گرا۔

''آگ......آگ......!'' ثمینہ بری طرح چیخی۔

اس کے چیخنے پر اسرار نے پلٹ کر اپنے پیچھے دیکھا کہ کہاں آگ لگی کیونکہ آگ......آگ پکارتے ہوئے ثمینہ کی نظریں اس پر تھیں......لیکن اسرار کو اپنے پیچھے کچا، پورے کمرے میں

کہیں آگ نظر نہ آئی۔

''آگ......آگ!'' کا نعرہ سن کر تمام افراد آناً فاناً دروازے پر اکٹھا ہو گئے۔

''کہاں ہے آگ؟'' زرینہ نے ثمینہ کو حواس باختہ ہو کر چیختے دیکھ کر پوچھا۔

''وہ......وہ۔'' ثمینہ نے اسرار کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ جل رہے ہیں۔ ارے پانی لاؤ۔ ان کی آگ بجھاؤ۔'' ثمینہ نے دیکھا کہ جب کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہل رہا ہے تو وہ خود آگ بجھانے کے لئے پانی لینے باہر نکلی۔

اتنی دیر میں اسرار اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور ثمینہ کے پیچھے بھاگا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ ثمینہ نے اس کو آگ میں لپٹا دیکھا ہے۔

جب وہ باہر نکلا تو ثمینہ پانی سے بھری بالٹی اٹھائے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''ثمینہ۔'' اسرار نے زور سے آواز دی۔

اس کی آواز سن کر وہ فوراً رک گئی۔ بالٹی زمین پر رکھی اور اسے بڑی حیرت سے دیکھنے لگی۔

''ارے......آپ تو بالکل ٹھیک ہیں۔''

''ثمینہ......تم نے کیا دیکھا؟'' اسرار نے پوچھا۔

''میں نے آپ کو شعلوں میں گھرا دیکھا۔ آپ کے کپڑے جل رہے تھے اور اونچے اونچے شعلے اٹھ رہے تھے۔'' ثمینہ نے اسرار کو تشکر آمیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔ ''اللہ کا شکر ہے۔ آپ ٹھیک ہیں۔''

''یہ فریب نظر تھا۔ کسی نے محض تمہیں پریشان کرنے کے لئے شعبدہ دکھایا۔'' اسرار نے کہا۔

''کون ہے وہ؟'' ثمینہ نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

''ہے ایک سفاک شخص جو اب آسیب بن چکا ہے۔'' اسرار نے انکشاف کیا۔ ''ثمینہ بڑی خطرناک صورت ہو گئی۔ جانے کیا ہونے والا ہے؟''

''ہائے......مجھے ڈرائیں نہیں۔'' ثمینہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

''ثمینہ......شاید شاہ صاحب نے صحیح کہا تھا۔ اب تدبیر کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اس خبیث نے بڑا پکا کام کیا ہے۔ میں چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہوں۔ میرے گرد اندھیرا پھیل رہا ہے۔ میں تباہی کی طرف بڑھ رہا ہوں۔ مجھے کوئی اس تباہی سے نہیں بچا سکتا۔ ثمینہ میں نے اسے قتل کیا ہے۔ اذیت دے کر مارا ہے۔ وہ مجھے کبھی نہیں چھوڑے گا۔ مجھے سسکا سسکا کر مارے گا۔'' اسرار بڑے عجیب انداز میں بول رہا تھا۔ ''جو بویا ہے، وہ کاٹنا ہوگا۔''

ثمینہ اس کی سمجھ میں نہ آنے والی باتوں سے سہم گئی۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے آئی۔ اس نے اسے آرام سے بیڈ پر بٹھایا اور بولی۔ ''اسرار......آپ کچھ دیر آرام کریں، آپ پریشان ہیں، کچھ دیر سو جائیں۔ میں آپ کے لئے دوبارہ چائے بنا کر لاتی ہوں۔''

اسرار نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ وہ یک ٹک ثمینہ کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی

ویرانی تھی کہ ثمینہ کانپ کر رہ گئی۔ اس نے زرینہ کو چائے بنانے کا اشارہ کیا اور خود اس کے پاس بیٹھی رہی۔

زرینہ جب تک چائے بنا کر لائی تب تک وہ سو چکا تھا۔ پتہ نہیں وہ سو رہا تھا یا خوفزدہ ہو کر اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ بہرحال ثمینہ اسے سوتا دیکھ کر گھر کے افراد کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آئی اور کمرے کا دروازہ بند کر دیا تاکہ وہ پورے اطمینان سے سو سکے۔

دروازہ بند ہوتے ہی وہ نمودار ہوا اور اس کے بیڈ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس نے اسرار کے پاؤں کا انگوٹھا زور سے ہلایا۔ ''او......اسرار۔ ارے سو گیا کیا؟''

اس خبیث کی آواز سن کر اسرار کے جسم میں سردی کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھ کھولی۔

''او......اسرار۔ ڈرتا کیوں ہے؟ پوری آنکھیں کھول۔ دیکھ ہم آئے ہیں۔'' بابا کمبل نے کہا۔

''جی بابا۔'' اسرار کپکپاتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''او......اسرار......لیٹا رہ۔ بالآخر تو نے لیٹنا ہی ہے۔ یہاں نہیں تو قبر میں۔'' بابا کمبل نے قہقہہ لگایا۔ ''او۔ بے وقوف ہماری بات غور سے سن۔ تو نے ہمیں مار کر اپنی کم بختی بلا لی۔ ہم تجھے چھوڑیں گے نہیں۔ اب کوئی تجھے ہمارے چنگل سے نہیں نکال سکتا۔ تیرا جی چاہے تو نکلنے کی کوشش کر کے دیکھ لے۔''

ابھی بات ہو ہی رہی تھی کہ کمرے میں دھیرے سے ثمینہ داخل ہوئی۔ اس کی آمد سے بابا کمبل فوراً غائب ہو گیا۔ ثمینہ نے دیکھا کہ اسرار دروازے کی طرف خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہا ہے اور اس کا پورا چہرہ پسینے سے بھیگا ہوا ہے اور رنگت ہلدی کی طرح ہو رہی تھی۔

''ارے......اسرار۔ کیا ہوا آپ کو؟'' ثمینہ نے اپنے دوپٹے سے اس کا بھیگا چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔ ''اس قدر پسینہ کیوں آ رہا ہے؟''

''وہ ابھی ابھی یہاں سے گیا ہے۔''

''کون؟'' ثمینہ نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''وہی جسے میں نے قتل کیا ہے۔ وہ مجھے نہیں چھوڑے گا۔ ثمینہ میں کیا کروں، کہاں جاؤں؟'' اسرار کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔

''آپ کہیں نہ جائیں۔ پریشان نہ ہوں۔ میں ابا سے بات کرتی ہوں۔ وہ کسی بزرگ کا پتہ معلوم کر کے آپ کو لے جائیں گے۔'' ثمینہ نے اسے جھوٹی تسلی دینے کی کوشش کی۔

''اچھا۔'' اسرار نے آنکھیں بند کر لیں جیسے بلی کو دیکھ کر کبوتر آنکھیں بند کر لیتا ہے۔

''نیند آ رہی ہے؟'' ثمینہ نے آہستہ سے پوچھا۔

''نہیں......نیند نہیں آ رہی ہے۔ آنکھیں بوجھل ہو رہی ہیں۔ جی چاہ رہا ہے آنکھیں بند کر لوں۔''

اسرار نے کہا۔

''لایئے...... میں آپ کا سر دبا دوں۔'' ثمینہ نے کہا اور اس کا جواب سنے بغیر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا اور بہت آہستگی سے اپنے نرم ہاتھوں سے اس کا سر دبانے لگی۔

کچھ دیر کے بعد اسے احساس ہوا کہ وہ سو گیا ہے، لیکن اس نے سر دبانا بند نہ کیا۔ وہ چاہتی تھی کہ جتنی دیر وہ سو سکتا ہے، سوتا رہے۔

جب اس نے محسوس کیا کہ اسرار اب پکی نیند میں ہے تو اس نے سر دبانا بند کر دیا۔ وہ کچھ دیر اس کے پاس بیٹھی رہی کہ اگر وہ ہلے جلے تو وہ فوراً اس کا سر دبانا شروع کر دے، لیکن اسرار نے کوئی حرکت نہ کی۔ اس کے جسم میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ وہ بے حس و حرکت آنکھیں بند کیے لیٹا رہا۔

تب ثمینہ آہستگی سے اٹھ گئی اور دروازہ بند کر کے کمرے سے باہر نکل گئی۔

دروازہ بند ہوتے ہی اسرار کی پٹ سے آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا کہ وہ کمرے میں اکیلا ہے۔ یہ محسوس کرتے ہی وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

ثمینہ ابھی بتا ہی رہی تھی، اپنی ماں کو وہ اس وقت گہری نیند سو رہے ہیں کہ اسرار اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ ثمینہ نے گھبرا کر پیچھے پلٹ کر دیکھا۔

''خیریت؟'' اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں...... ثمینہ۔'' اسرار نے کہا۔ پھر بیزاری سے بولا۔ ''آؤ...... ثمینہ گھر چلیں۔''

''ارے...... اسرار بھائی۔ آج آپ کو کیا ہوا ہے۔ چلے جایئے گا۔ بس کھانا تیار ہے۔'' زرینہ نے مسکرا کر کہا۔

اسرار بڑی مشکل سے رکنے پر راضی ہوا۔ تب جلدی جلدی کھانے کی تیاری کی گئی۔

اسرار کھانا کھاتے ہی کھڑا ہو گیا۔ ''چلو...... ثمینہ۔''

ثمینہ نے دیکھا کہ اس کا شوہر کچھ پریشانی کا شکار ہے تو وہ فوراً ہی اس کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئی۔ وہ سر پر چادر ڈالتے ہوئے بولی۔ ''جی...... چلیں۔''

''ارے...... بیٹا...... تم تو ایک دم ہی کھڑی ہو گئیں۔ چلی جانا۔ اسرار کو چائے تو پینے دو۔'' ثمینہ کی امی نے کہا۔

''نہیں...... امی۔ بس اب جائیں گے۔ چائے میں گھر پر بنا دوں گی۔ مجھے ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہو رہی۔'' اس نے اپنی امی کو جواب دیا۔

''اچھا جیسی تمہاری مرضی۔'' ثمینہ کی امی نے دل گرفتگی سے کہا۔

ثمینہ رخصت ہوتے وقت سب سے گلے ملی۔ اس کے والد اپنے کمرے میں تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ثمینہ جا رہی ہے تو وہ باہر نکل آئے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

اس وقت تک گھر کے افراد دروازے پر کھڑے رہے جب تک ثمینہ موٹر سائیکل پر بیٹھ نہ گئی۔

گاڑی چلتے ہی اس نے اپنے گھر والوں پر ایک نظر ڈالی۔

''خدا حافظ۔'' کہہ کر ہاتھ ہلایا تو جانے اسے یہ احساس کیوں ہوا کہ جیسے وہ اپنے گھر والوں کو پھر کبھی نہ دیکھ سکے گی۔ اس نے گھبرا کر پیچھے دیکھا۔ ابھی تک سب دروازے پر کھڑے ہوئے تھے۔ زرینہ نے ہاتھ ہلایا تو اس نے بھی جواب میں ہاتھ ہلایا اور تب ہی موٹر سائیکل دوسری سڑک پر مڑ گئی۔

اس طرح سارا منظر یکدم غائب ہو گیا۔ ثمینہ کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ اسرار سے کہے۔ وہ اسے واپس گھر چھوڑ دے لیکن پھر یہ سوچ کر اسرار کو کہیں غصہ نہ آ جائے، وہ خاموش ہو گئی اور اس نے اسرار کے کندھے پر اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کر دی۔

آگے جا کر ایک اسکول کے سامنے اسپیڈ بریکر تھا۔ یہ اسپیڈ بریکر اتنا اونچا تھا کہ اسپیڈ بریکر کے بجائے گاڑی بریکر معلوم ہوتا تھا۔

اسرار نے اس اسپیڈ بریکر سے اپنی موٹر سائیکل احتیاط سے گزارنا چاہی تو معاملہ الٹا ہو گیا۔ اس نے اسپیڈ بریکر دیکھ کر اپنی گاڑی کی اسپیڈ کم کرنا چاہی لیکن جانے کیا ہوا کہ اسپیڈ کم ہونے کے بجائے ایک دم بڑھ گئی۔ اسپیڈ بریکر پر گاڑی بہت زور سے اچھلی۔ ثمینہ سیٹ سے اچھل کر سڑک پر گری۔ اسرار بھی توازن قائم نہ کر سکا۔ وہ موٹر سائیکل سمیت تھوڑا آگے گرا۔ موٹر سائیکل کے نیچے اس کی ٹانگ آ گئی۔

لوگوں نے فوراً اسرار کو اٹھایا۔ اسرار فوراً ثمینہ کی طرف بھاگا۔ وہ اوندھی سڑک پر پڑی تھی۔ وہ سر کے بل گری تھی اور جانے اس کے دماغ میں کہاں چوٹ لگی تھی کہ وہ آناً فاناً اس دنیا کو چھوڑ کر جا چکی تھی۔ جب اسرار نے اسے سیدھا کیا تو وہ ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

ثمینہ کی موت نے اس کے دل پر کاری ضرب لگائی۔ وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ ثمینہ اتنی جلد اسے داغ مفارقت دے جائے گی اور یہ معمولی حادثہ اس قدر جان لیوا ثابت ہو گا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آئی کہ اسپیڈ کم کرنے کی بجائے اس نے بڑھا کیوں دی۔ اس نے اپنی دانست میں اسپیڈ کم کی تھی لیکن کسی نادیدہ ہاتھ نے بے اختیار اسپیڈ بڑھا دی تھی۔

یہ نادیدہ ہاتھ کس کا تھا؟

تب اچانک اس کے ذہن میں ایک نام گونجا۔ ''بابا کمبل۔''

ثمینہ کی موت کا یقین ہوتے ہی وہ سڑک پر گر کر بے ہوش ہو گیا تھا۔ پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو ثمینہ کو کفن پہنایا جا چکا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کا چہرہ دیکھا تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

اور انہی آنسوؤں کی برسات میں اس نے اپنی بیوی کو قبر میں اتار کر مٹی ڈالی اور پھر اس کی قبر پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔

دوبارہ جب آنکھ کھلی تو اس نے خود کو بیڈ پر پایا۔ کمرے میں اندھیرا تھا کیونکہ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ تب اسے احساس ہوا کہ وہ اپنی سسرال میں ہے۔ اسے یاد آیا کہ اس پر کیا قیامت گزر چکی ہے اور

اس قیامت کے پیچھے ''بابا کمبل'' کا ہاتھ جان کر وہ دہرے صدمے سے دوچار ہوگیا۔

اسی وقت وہ نمودار ہوا اور اپنی کرخت آواز میں بولا۔ ''او...... اسرار...... ارے سو گیا کیا؟''

بابا کمبل کی منحوس آواز سن کر اس نے اپنی آنکھوں سے ہاتھ ہٹایا تو اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

''او...... اسرار۔ روتا کاہے کو ہے۔ یہ تو ابتدائے عشق ہے۔ آگے آگے دیکھ ہوتا ہے کیا؟'' یہ کہہ کر بابا کمبل نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور جس طرح نمودار ہوا تھا، ویسے ہی چلا گیا، لیکن اسرار کے دل میں خراش ڈال گیا۔

ثمینہ کی امی نے اسے اپنے گھر نہیں جانے دیا۔ اس کی حالت ایسی تھی کہ وہ بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو جاتا تھا۔ ہوش میں ہوتا تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ اسے کھانے پینے کا ہوش نہ رہا تھا۔ ایک طرح سے وہ اپنی سدھ بدھ گنوا بیٹھا تھا۔

تین چار دن کے بعد اس کی حالت کچھ بہتر ہوئی تو وہ اٹھ کر اپنے پی سی او پر آ گیا۔ اس کی عجیب کیفیت تھی۔ ذہن جیسے خالی ہوگیا تھا۔ شدید مایوسی کا شکار تھا۔ بیٹھے بیٹھے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی۔ پھر دل ذرا قابو میں آتا تو اسے شدید نقاہت کا احساس ہوتا۔

وہ فون کرنے والوں کو خالی خالی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ بعض وقت تو اسے یہی احساس نہ رہتا کہ وہ کہاں بیٹھا ہے۔ جب یہ احساس ہوتا کہ وہ اپنے پی سی او پر بیٹھا ہے تو وہ گھبرا کر چاروں طرف دیکھتا۔ بس اسی طرح سارا دن گزر گیا۔

شام کو جب وہ اپنا پی سی او بند کرنے والا تھا تو مہ ناز، جبار ناصر کے ساتھ آ گئی۔ وہ زبردستی اسے اپنے ساتھ گھر لے گئی۔ مہ ناز نے اس کی دلجوئی کی۔ اسے خوب سمجھایا کہ جو ہونا تھا، وہ ہو چکا ہے۔ اب وہ اپنی حالت سنبھالے۔ مرنے والے کے ساتھ کوئی خود نہیں مر جاتا۔

اسرار ناصر اپنی بھابی کی تسلی آمیز باتیں غور سے سنتا رہا۔ وہ اس کا انتہائی مشکور تھا۔ یہ مہ ناز ہی تھی جس نے اس جیسے نالائق دیور کا ہمیشہ خیال رکھا تھا، لیکن مہ ناز کو معلوم نہ تھا کہ وہ کس آگ میں جل رہا ہے۔

اور یہ آگ خود اس نے اپنے دامن میں لگائی تھی۔ وہ کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ اسی کا پیدا کردہ ہے۔

اسے کسی کل چین نہ تھا۔ اس پر ایسی گھبراہٹ طاری تھی کہ وہ بیٹھا بیٹھا اٹھ کر کھڑا ہو جاتا۔ پھر ٹہلنے لگتا۔ ٹہلتے ٹہلتے بیڈ پر ڈھے جاتا۔ کچھ دیر لیٹتا۔ پھر بے چینی شروع ہو جاتی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ جاتا۔ کبھی دائیں ہوتا، کبھی بائیں ہوتا۔ کبھی سجدے میں چلا جاتا۔ غرض عجب عالم تھا اس کا۔

مہ ناز اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی بے چینی اس سے دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ مہ ناز سمجھ رہی تھی کہ ثمینہ کی اچانک موت نے اس کا قرار چھین لیا ہے۔ بے شک اسرار کو ثمینہ کی موت کا دکھ تھا لیکن اس دکھ میں خوف کی کیفیت زیادہ تھی۔ بابا کمبل نے کہا تھا کہ وہ اس کی بیوی کو نہیں چھوڑے گا، تو

اس نے نہیں چھوڑا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ تجھے سسکا سسکا کر ماروں گا، تو وہ اسے سسکا سسکا کر مار رہا تھا۔ اس نے اسرار کی زندگی اجیرن کر دی تھی، اسے کسی پل قرار نہ تھا۔

''اسرار...... تمہیں کیا ہوا ہے؟'' بالآخر مہ ناز نے اسے بے چین دیکھ کر پوچھا۔

''کوئی میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ وہ مجھے سسکا سسکا کر مار دینا چاہتا ہے۔''

''کون ہے وہ منحوس جو تمہاری جان کے درپے ہوگیا ہے۔'' مہ ناز نے پوچھا۔

''ایک بدروح ہے۔'' اسرار نے سرگوشی میں کہا۔

''بدروح......'' مہ ناز چونک کر بولی۔

''ہاں...... بھابی۔ اس نے میری جان عذاب میں کر دی ہے۔''

''ارے تو اس سے پیچھا کیوں نہیں چھڑا لیتے۔ تم تو عملیات کے ماہر ہو۔'' مہ ناز نے راہ دکھائی۔

''بھابی...... میں نے اس سے پیچھا ہی چھڑانا چاہا تھا۔'' اسرار کے لہجے میں پچھتاوا تھا۔

''تو پھر؟'' مہ ناز نے پوچھا۔

''پھر یہ کہ میرا خیال تھا کہ ہمیشہ کے لئے اس سے پیچھا چھوٹ گیا ہے، لیکن یہ میرا خام خیال تھا۔ میں تو اب بری طرح اس کی گرفت میں آ گیا ہوں۔ وہ سر درد بھی اسی کی وجہ سے تھا اور ثمینہ کی موت میں بھی اس کا ہاتھ ہے۔ وہ مجھے ہر طرح سے تباہ کر دینا چاہتا ہے۔'' اسرار نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''اسرار...... اگر تم خود کچھ نہیں کر سکتے تو کسی اور عامل سے اپنا علاج کراؤ۔'' مہ ناز نے مشورہ دیا۔

وہ صوفے پر بیٹھا تھا۔ بیٹھے بیٹھے جانے اسے کیا ہوا کہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور بڑی عجلت کے سے انداز میں بولا۔ ''بھابی...... میں جا رہا ہوں۔''

''ارے...... اسرار...... تم کہاں جا رہے ہو؟'' مہ ناز پریشان ہو کر بولی۔

''بھابی...... میں اپنے گھر جا رہا ہوں۔ بھابی...... مجھے چاروں طرف آگ ہی آگ دکھائی دے رہی ہے۔'' وہ عجیب پراسرار انداز میں بولا۔

''اسرار...... یہاں تو کچھ نہیں ہے۔'' مہ ناز نے کمرے میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بھابی...... میں گھر جاؤں گا۔'' اسرار نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''اچھا...... چلے جاؤ، لیکن واپس آ جانا۔ اکیلے گھر میں تمہارا رہنا ٹھیک نہیں۔''

''ہاں...... بھابی دیکھو، میں جا رہا ہوں۔ مجھے معاف کر دینا۔ جبار بھائی سے بھی کہنا کہ وہ مجھے معاف کر دیں۔'' یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے مہ ناز کا جواب سننے کا بھی انتظار نہ کیا۔

گھر سے باہر آ کر اس نے ایک ٹیکسی روکی اور اپنے گھر کا پتہ بتا کر اس میں بیٹھ گیا۔

اسے ایک پل قرار نہ تھا۔ کبھی وہ کھڑکی سے منہ نکال کر باہر دیکھتا، کبھی وہ ٹیکسی ڈرائیور کو دیکھتا، کبھی

یکدم پیچھے مڑ کر دیکھتا، کبھی آگے جھکتا، کبھی بائیں جھکتا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے ایسی بے چین سواری آج تک نہ دیکھی تھی۔ وہ اس کے ہلنے جلنے سے پریشان ہوگیا۔ بالآخر اس نے پوچھ ہی لیا۔ ''سر جی...... کیا پریشانی ہے؟''

اسرار نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ بس ایک نظر ٹیکسی والے کی طرف مڑ کر دیکھا۔ ٹیکسی والا اس سے نظریں نہ ملا سکا۔ اسے اسرار کی آنکھوں میں ایسی ویرانی نظر آئی کہ وہ ایک لمحے کو کانپ اٹھا۔ اس نے اپنی نظریں ونڈ اسکرین پر جما دیں۔

''بھائی جلدی چلو۔ مجھے آگ نظر آرہی ہے۔'' اسرار نے بڑی بے قراری سے کہا۔

اب ٹیکسی والے کو اندازہ ہوگیا کہ کوئی پاگل اس کی ٹیکسی میں بیٹھ گیا ہے۔ عافیت اسی میں ہے کہ گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی جائے اور اس سے کوئی سوال نہ کیا جائے۔

ٹیکسی ڈرائیور نے ممکنہ تیز رفتاری اختیار کر کے اسرار کو اس کے ٹھکانے پر پہنچا دیا۔ جب ٹیکسی اسرار کی گلی میں داخل ہوئی تو اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ اگر اپنے چاروں طرف آگ دیکھ رہا تھا تو صحیح دیکھ رہا تھا۔ اس کا گھر شعلوں میں گھرا ہوا تھا۔

لوگ آگ بجھانے کی اپنی سی کوششیں کر رہے تھے۔ فائر بریگیڈ کو اطلاع دی جا چکی تھی۔ اسرار کو ٹیکسی سے اترتے دیکھا تو کئی لڑکے اس کی طرف لپکے۔

تب ٹیکسی ڈرائیور کو اندازہ ہوا کہ اس نے اس سواری کے بارے میں غلط رائے قائم کی تھی۔ وہ پاگل نہیں، فرزانہ تھا۔ اس نے میلوں پہلے اس آگ کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے ٹیکسی ایک طرف کھڑی کی اور اس کے گھر کی آگ بجھانے کی کوشش کرنے لگا۔

جب تک فائر بریگیڈ آیا، تب تک اس کا گھر جل کر خاکستر ہو چکا تھا۔ گھر اس بری طرح جلا تھا کہ اس میں موجود ایک چیز بھی ثابت نہ بچی تھی۔ گلی کے سب لوگ حیران تھے کہ یہ کیسی آگ تھی جس نے گھر کی تمام چیز کوئلہ کر دی تھی۔ ایسی آگ دیکھی نہ سنی۔ آگ اس طرح تو نہیں پھیلتی۔ گھر کے کسی گوشے میں موجود کوئی نہ کوئی شے ضرور جلنے سے رہ جاتی ہے۔

ابھی وہ بیوی کی موت کے صدمے سے سنبھل نہیں پایا تھا کہ اپنے گھر کو اپنی آنکھوں کے سامنے خاکستر ہوتے دیکھا۔ اس کا بہت کچھ جل گیا تھا بلکہ سب کچھ جل گیا تھا۔ اب وہ بالکل تہی دامن رہ گیا تھا۔

وہ رات اس نے اپنی سسرال میں گزاری۔ ثمینہ کے والد کا گھر اس کے گھر سے زیادہ دور نہ تھا۔ دو تین گلیوں کا فاصلہ تھا۔ آگ لگنے کی اطلاع انہیں گھر پر ہی مل گئی تھی۔ صدمے سے چور اسرار کو وہ اصرار کر کے اپنے گھر لے آئے تھے اور زبردستی رات کو تھوڑا بہت کھانا کھلا کر کمرے میں لٹا دیا تھا تاکہ وہ کچھ سکون پا لے۔

کمرے کی لائٹ جل رہی تھی۔ زرینہ نے کمرے کی لائٹ بجھانا چاہی تھی، لیکن اسرار نے منع

کر دیا تھا۔ تب وہ لائٹ کھلی چھوڑ کر اور کمرے کا دروازہ بند کر کے اپنی ماں کے ساتھ چلی گئی تھی۔

اسرار نے جان بوجھ کر لائٹ کھلی چھڑوائی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اندھیرے کمرے میں اسے اکیلا پا کر وہ فوراً نمودار ہو جائے گا۔ ظاہر ہے اسے گھر جلانے کی تصدیق تو کرنا تھی۔ یہ تو آ کر بتاتا تھا کہ یہ آگ اس نے لگائی ہے۔ وہ اسے نمودار ہونے سے روک تو نہیں سکتا تھا، لیکن اس کا خیال تھا کہ شاید وہ روشنی میں خود کو ظاہر کرنے سے احتراز کرے۔

اس طرح کی چیزیں روشنی میں نمودار ہونے سے ڈرتی ہیں، لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی۔ بابا کمبل کے بارے میں اس نے اب تک جتنے مفروضے قائم کیے تھے، وہ سیلاب کے پانی کی طرح بہہ گئے تھے۔

کچھ دیر گزری تھی کہ اچانک کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔

اور ایک کرخت آواز سنائی دی۔ ''او...... اسرار...... ارے سو گیا کیا؟''

اس نے اس منحوس آواز کو پہچان لیا۔ خاموش لیٹا رہا۔

پھر ایک ہذیانی قہقہہ سنائی دیا۔ اور آواز آئی۔ ''ارے...... ہاں...... تو سو کیسے سکتا ہے بھلا۔ آج تو تیرا گھر بھی جل گیا اور گھر بھی ایسا جلا کہ کچھ بھی باقی نہ رہا۔ ہمارا احسان مان کہ ہم نے تیرا گھر نہیں ڈھایا۔ تیرا گھر سلامت ہے۔ جلی دیواروں پر رنگ و روغن کرا لینا۔ پی سی او والے بابا۔ تیرا کاروبار تو خوب چل نکلا ہے۔ ویسے ہم سوچ رہے ہیں کہ تیرا نام بدل دیں۔ پی سی او والے بابا کچھ جچا نہیں۔ چل سوچتے ہیں کہ اب تیرا کیا نام ہو۔ چل سوچ لیا۔ اب تو کہلائے گا ٹیلیفون والا بابا۔''

اسرار خاموش رہا۔ اس کا دل پہلے ہی خون کے آنسو رو رہا تھا۔ اوپر سے بابا کمبل کی زہر میں بجھی ہوئی گفتگو وہ سن رہا تھا اور اندر سے تڑپ رہا تھا۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر اچانک ہی لائٹ جل گئی۔ اسرار نے بند آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ جا چکا تھا۔

ثمینہ کی جان لے لی تھی۔ گھر جلا دیا تھا۔ اسے بے چینی میں مبتلا کر دیا تھا۔ اب جانے کیا نیا شگوفہ کھلانے والا تھا۔ پی سی او والے بابا سے اسے اور کیا بنانے والا تھا۔ اسے قطعاً کوئی اندازہ نہ تھا۔

عملیات سیکھنے کے شوق نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا۔ وہ دین کا رہا تھا نہ دنیا کا۔ وہ دھوبی کا کتا بن گیا تھا جو گھر کا ہوتا ہے نہ گھاٹ کا۔ وہ سوچتا رہا، گزری زندگی کسی فلم کی طرح اس کے ذہن کے پردے پر منعکس ہوتی رہی۔

پھر کروٹیں بدلتے جانے کس کروٹ اسے نیند آگئی۔

اسے کیا معلوم تھا کہ ہوش و خرد کی یہ آخری رات ہے۔ اسے معلوم ہوتا تو وہ شاید سوتا ہی نہیں۔ وہ اس رات کو آنکھوں آنکھوں میں کاٹ دیتا۔ ویسے وہ حیران تھا اس قدر تکلیفوں اور اذیتوں کے باوجود اس کی آنکھیں کیوں بند ہوتی جا رہی ہیں۔ اسے کیا معلوم تھا کہ یہ آخری نیند ہے۔ اس کے بعد وہ

جان ہی نہ سکے گا کہ وہ کس کیفیت سے گزر رہا ہے۔

اس رات اس نے بڑا بھیانک خواب دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ وہ تنہا کسی ویرانے میں بھٹک رہا ہے۔ پھر یہ ویرانہ قبرستان میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسے بابا کمبل کی قبر نظر آتی ہے۔ اچانک یہ قبر دھماکے سے پھٹتی ہے۔ بابا کمبل صحیح سلامت اس قبر سے برآمد ہوتا ہے۔ وہ اسے قبر کے پاس کھڑا دیکھ کر انتہائی غصے میں آجاتا ہے اور اپنا بایاں ہاتھ اس کی طرف بڑھاتا ہے۔ اس کا ہاتھ لمبا ہوتا جاتا ہے اور وہ اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے۔ پھر وہ بھاگنا شروع کرتا ہے۔ اسرار کو وہ بابا کمبل کہیں نظر نہیں آتا، لیکن اس کے ہاتھ کی گرفت اس کے ہاتھ پر بہت مضبوط ہوتی ہے۔ وہ ہاتھ اسے دوڑنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہ دوڑتا جاتا ہے۔ قبریں پھلانگتا ہوا گرتا پڑتا دوڑتا جاتا ہے۔ پھر اس سے دوڑا نہیں جاتا تو وہ اسے گھسیٹتا ہوا لے جاتا ہے۔ اسرار کو کبھی ایسا محسوس ہوتا جیسے اسے کانٹوں پر گھسیٹا جا رہا ہو۔ کبھی ایسا محسوس ہوتا کہ گرم ریت پر اس کا جسم گھسٹ رہا ہو۔ کبھی وہ خود کو شعلوں میں گھرا محسوس کرتا۔ کبھی یوں محسوس ہوتا جیسے کسی آرا مشین سے اس کے جسم کے دو حصے کئے جا رہے ہوں۔ اس کا ہاتھ ابھی تک بابا کمبل کے ہاتھ میں تھا اور وہ ہاتھ اسے تیزی سے کھینچتا ہوا لئے جا رہا تھا۔ تب اچانک اس کے دماغ میں ایک دھماکا سا ہوا اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا ہو۔

صبح ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔

اس نے اپنی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کہاں ہے۔ وہ بیڈ پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس پر ایک اضطراری کیفیت طاری تھی۔ باوجود کوشش کہ وہ نہ یاد کر سکا کہ وہ کون ہے۔ اس کا نام کیا ہے؟ بس ایک خیال اس کے ذہن میں آیا اور وہ تھا۔ ٹیلیفون؟

کہاں ہے ٹیلیفون؟

اس نے بیڈ سے اتر کر کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ اسے کمرے میں کہیں ٹیلیفون نظر نہ آیا۔ وہ ننگے پاؤں کمرے سے باہر نکل آیا۔ ثمینہ کی امی کچن میں موجود تھیں۔ انہوں نے اسرار کو باہر آتے دیکھا تو پوچھا۔ ''اٹھ گئے اسرار۔''

اسرار نے ان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ گول گول آنکھیں گھما کر انہیں دیکھتا رہا۔ پھر ایک بے ہنگم قہقہہ لگایا اور تالی بجا کر بولا ''ٹیلیفون؟......ٹیلیفون؟''

''وہ ڈرائنگ روم میں ہے۔'' ثمینہ کی امی نے کہا۔

''اور ڈرائنگ روم کہاں ہے؟'' اسرار منہ ٹیڑھا کر کے بولا۔

''وہ سامنے۔'' ثمینہ کی امی نے سہم کر کہا۔ اب انہیں کچھ کچھ اندازہ ہو گیا تھا کہ اسرار کی حالت نارمل نہیں رہی ہے۔

اسرار ڈرائنگ روم کے دروازے میں داخل ہوا تو ثمینہ کی امی بھاگ کر اپنے کمرے میں پہنچیں اور سوئے ہوئے اپنے شوہر کو اٹھا دیا۔

''کیا ہوا بھئی؟'' انہوں نے ناگواری سے پوچھا۔

''وہ اسرار اٹھ گئے ہیں؟'' ثمینہ کی امی نے اپنی گھبراہٹ چھپاتے ہوئے کہا۔

''اٹھ گئے ہیں تو اس کیلئے ناشتہ واشتہ بناؤ۔ میں آتا ہوں۔''

''اجی...... مجھے تو اس کی حالت ٹھیک نظر نہیں آرہی۔ بالکل پاگلوں والی حرکتیں کر رہا ہے۔''

''کہاں ہے؟'' ثمینہ کے باپ نے پوچھا۔

''ڈرائنگ روم میں گیا ہے۔ ٹیلیفون کا پوچھ رہا تھا۔'' انہوں نے بتایا۔

''اچھا چلو۔ میں دیکھتا ہوں۔''

جب ثمینہ کے ابو کمرے سے باہر نکلے تو اسرار ڈرائنگ روم کے دروازے سے نکل رہا تھا اور اس کی حالت یہ تھی کہ ٹیلیفون اس کے گلے میں پڑا ہوا تھا۔ ایک طرف ریسیور تھا، ایک طرف ٹیلیفون سیٹ تھا اور تار گلے میں اور وہ ریسیور سے سیٹ کو بجاتا باہر نکل رہا تھا۔

وہ ثمینہ کے ابا اور اماں کو دیکھ کر ان کی طرف بڑھا اور ٹیلیفون بجاتا ہوا بولا۔ ''آگیا......آگیا۔ ٹیلیفون والا آگیا۔ آؤ بات کر لو۔ آپ ٹیلیفون کریں گے؟''

ثمینہ کے ابا کی اس کی شکل دیکھتے ہی سٹی گم ہو گئی۔ اس کے چہرے پر مکمل اجنبیت تھی۔ انہوں نے اسرار کو غور سے دیکھتے ہوئے بہت نرمی سے کہا۔ ''نہیں بیٹے۔ مجھے ٹیلیفون نہیں کرنا۔''

''تو نہ کریں۔'' یہ کہہ کر اسرار ایک جھٹکے سے مڑا اور پھر اس گھر کے دروازے پر پہنچ کر تیزی سے کنڈی کھولی اور گھر سے باہر نکل گیا۔

وہ ٹیلیفون گلے میں ڈالے، گلی میں آوازیں لگاتا جا رہا تھا۔

''آگیا......آگیا......ٹیلیفون والا آگیا۔ آؤ بات کرو، جس سے چاہے بات کر لو۔''

ساتھ میں ریسیور کو ٹیلیفون سیٹ پر مارتا جا رہا تھا، جس سے ٹھک ٹھک کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

ثمینہ کے والد دوڑ کر اس کے قریب پہنچے اور اسے روک کر بولے۔ ''اسرار...... کہاں جا رہے ہو۔ بیٹے گھر چلو۔''

''بابا...... ٹیلیفون کرو گے؟'' اسرار نے مسکین صورت بنا کر ان سے پوچھا۔

''ہاں کروں گا...... لیکن پہلے میرے ساتھ گھر چلو۔''

اسرار نے ٹیلیفون سیٹ سیدھا کر کے اس پر جلدی جلدی کوئی نمبر ملایا۔ ریسیور کان سے لگایا اور پھر اس نے بولنا شروع کیا۔ ''ہاں...... کون؟ اچھا۔ فائر بریگیڈ والے۔ ارے جلدی آؤ۔ سمندر میں آگ لگی ہے۔ سمندر کی آگ بجھانے کے لئے ہوا لاؤ۔ ہاں جلدی کرو...... ٹھہرو۔ ذرا ایک منٹ۔ یہ میرے سامنے ایک شخص کھڑا ہے۔ یہ مجھے کوئی کفن چور معلوم ہوتا ہے۔ ذرا اس سے بات کر لوں۔ چلو ٹھیک ہے تم سمندر پر چلو میں وہیں آتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے ریسیور کان سے ہٹایا اور اسے سیٹ پر رکھنے کی کوشش کی۔ ریسیور سیٹ پر نہیں ٹکا تو اسے چھوڑ دیا اور پھر وہ ثمینہ کے باپ سے مخاطب ہوا۔

"جی سر...... آپ کفن چور ہیں۔ پر آپ غلط قبر پر آ گئے ہیں۔ میں تو ابھی مرا نہیں اور مروں گا بھی تو کفن نہیں پہنوں گا۔ آہا...... پھر تم کیا چراؤ گے۔ آہا...... آ گیا...... آ گیا...... ٹیلیفون والا آ گیا۔ آؤ...... ٹیلیفون کرلو۔ اپنے پیاروں سے بات کرلو۔ اپنے راج دلاروں سے بات کرلو۔ آ گیا...... آ گیا...... ٹیلیفون والا آ گیا۔" یہ کہہ کر وہ ثمینہ کے والد سے بے نیاز گلی میں آگے بڑھ گیا۔

ثمینہ کے والد نے پھر آگے بڑھ کر اسے روکنے کی کوشش کی۔ "اسرار...... اسرار۔ بیٹے گھر چلو"

"گھر چلوں......" اسرار نے گول گول آنکھیں گھما کر کہا۔ "سمجھ گیا۔ ڈاکو بھائی میں سمجھ گیا۔ مجھے گھر لے جا کر لوٹنا چاہتے ہو۔ میں اب گھر نہیں جاؤں گا۔ میرا کوئی گھر نہیں۔ میرا گھر سمندر میں تھا۔ سمندر میں آگ لگ گئی۔ میرا گھر جل گیا۔ آ گیا...... آ گیا...... ٹیلیفون والا آ گیا۔"

پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ اس دن وہ یونہی محلے کی گلیوں میں گھومتا رہتا۔ اس نے اپنے جلے ہوئے گھر کے بھی ایک دو چکر لگائے، لیکن اندر نہیں گیا۔

گلی محلے کے لوگوں میں وہ تماشا بن گیا۔ محلے کے لڑکوں کے ہاتھ ایک تفریح آ گئی۔ آگے آگے اسرار، پیچھے پیچھے محلے کے شرارتی لڑکے۔ "بابا ٹیلیفون...... بابا ٹیلیفون" کے نعرے۔

بس اسی وقت سے اس کا نام "بابا ٹیلیفون" پڑ گیا۔ بابا کمبل نے صحیح کہا تھا کہ تیرا نام بدل دوں گا۔ اس نے واقعی اسرار کا نام بدل دیا تھا۔ وہ پی سی او والے بابا سے بابا ٹیلیفون ہو گیا تھا۔ اس نے اسے سسکا سسکا کر مارنے کی روح فرسا خبر بھی سنائی تھی...... نتیجے میں وہ زندگی اور موت کے درمیان معلق ہو گیا تھا۔ وہ اب جینے والوں میں تھا، نہ مرنے والوں میں۔ بابا کمبل کی بدروح نے اس سے بڑا بھیانک انتقام لیا تھا۔

☆......☆......☆

ایک انتقام بابا کمبل کی بدروح نے اسرار سے لیا تھا تو ایک انتقام صارم سے اس شری مخلوق نے لیا تھا۔ اس نے اپنا راستہ کھولنے کے لئے ایک معصوم کی زندگی اجاڑ دی تھی۔

شاہ صاحب کے پڑھے ہوئے پانی سے اتنا ضرور فائدہ ہوا تھا کہ سارہ کو صبر آ گیا تھا، لیکن دل کی ویرانی نہیں گئی تھی اور جب سے صارم پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ اس کا بچہ اسی شری مخلوق نے چھینا ہے تب سے اس کے دل میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اس نے عہد کر لیا تھا کہ چاہے کچھ ہو جائے، وہ اس عیار مخلوق کو اس گھر سے نکال کر رہے گا۔

شاہ صاحب نے اسے تین روز کے بعد بلایا تھا۔ اسے شاہ صاحب سے بہت امید تھی۔ اسے یقین تھا کہ شاہ صاحب اس مخلوق سے نجات کے لئے ہر ممکن مدد کریں گے۔

تیسرے روز وہ صبح صبح آستانے پر پہنچ گیا۔ آج گھر کا دروازہ بند تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے گھر میں کوئی نہ ہو۔ اس نے سیڑھیاں چڑھنے سے پہلے دروازے کو غور سے دیکھا۔ دروازے پر کوئی تالا نہ تھا۔ اس نے سیڑھیاں چڑھ کر دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔

فوراً ہی دروازہ کھلا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی دروازے کے پیچھے اس کی دستک کا منتظر ہو۔ دروازہ کھلا ضرور لیکن کوئی باہر نہ آیا۔

تب اچانک صارم کی نظر اس ہاتھ پر پڑی جو دروازے سے باہر آ رہا تھا۔ یہ ایک زنانہ خوبصورت ہاتھ تھا۔ سرخ سفید سڈول ہاتھ۔ مخروطی لمبی انگلیاں۔ گوری کلائی میں کالی چوڑیاں۔ یہ ہاتھ کلائی تک باہر آیا۔ انگلیوں میں ایک پرچہ دبا تھا۔ صارم نے وہ پرچہ لے لیا۔ ہاتھ فوراً اندر چلا گیا۔

"یہ شاہ صاحب دے گئے ہیں۔ وہ کچھ دن کے لئے باہر گئے ہیں۔" اندر سے آواز آئی اور پھر کھٹ سے دروازہ بند ہو گیا۔

صارم بھونچکا کھڑا رہ گیا۔ یہ ایک غیر متوقع بات تھی۔ وہ یہاں کئی بار آ چکا تھا لیکن کبھی اس نے کسی عورت کو نہیں دیکھا تھا۔ یوں تو وہ جانتا تھا کہ اس آستانے پر مرد، عورت سبھی آتے ہیں۔ ایک مرتبہ اس نے بہت سے مرد، عورتوں کو ہال نما کمرے میں بیٹھے دیکھا بھی تھا، لیکن گھر کی کسی عورت کو نہ دیکھا تھا۔

اس کا خیال تھا کہ شاہ صاحب نے تین دن کے بعد بلایا ہے تو اس مسئلے کا اچھی طرح جائزہ لے کر کوئی حل بتائیں گے۔ کوئی تفصیل سے بات کریں گے، لیکن یہاں تو ایک پرچی تھما کر دروازہ بند کر لیا گیا تھا۔

تب اُس نے سیڑھیاں اترتے ہوئے اس پرچے کو کھولا۔ اس پر محض دو لفظ لکھے ہوئے تھے۔

حسن علی...... زیارت۔

اس نے اس پرچے کو بہت احتیاط سے جیب میں رکھ لیا۔ گاڑی میں بیٹھ کر اس نے ایک نظر دروازے کو دیکھا۔ دروازہ بند تھا اور یہ احساس کہ گھر میں کوئی نہیں ہے، اس کے دل میں جڑ پکڑتا جا رہا تھا۔

گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے اس نے جیب سے پرچہ نکالا...... اسے کھول کر دیکھا۔ اس نام اور مقام کو دوبارہ پڑھا۔ کچھ دیر غور سے اس نام کو دیکھتا رہا۔

یہ حسن علی کون ہیں؟

کیا اسے زیارت جانا ہو گا؟

اس نے پرچہ تہہ کر کے احتیاط سے جیب میں رکھ لیا اور سوچنے لگا۔ اگر شاہ صاحب ذرا سی تفصیل اس پرچے میں لکھ دیتے تو اسے سہولت ہو جاتی۔ خیر کوئی بات نہیں۔ اس پرچے سے اتنا ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ کوئی حسن علی ہیں، زیارت میں، انہیں ڈھونڈنا ہو گا۔

اس نے سوچ لیا کہ وہ سفر کرے گا، زیارت جائے گا۔ حسن علی کو تلاش کرے گا۔

گھر پہنچا تو سارہ اس کی بے چینی سے منتظر تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی سارہ نے پوچھا۔ "کیا کہا شاہ صاحب نے؟"

"سارہ...... شاہ صاحب تو گھر پر ملے نہیں۔ وہ کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔ ایک خاتون نے

یہ اطلاع اور ایک پرچہ دے کر دروازہ بند کرلیا۔'' صارم نے اپنی جیب سے پرچہ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

سارہ نے پرچہ کھول کر دیکھا۔ ''حسن علی۔ زیارت۔'' اس نے پڑھ کر صارم کی طرف دیکھا۔ ''یہ کیا بھئی۔''

''یہ ایک معمہ ہے۔ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔'' صارم نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

''بس اور کوئی بات نہیں ہوئی۔''

''نہیں۔'' صارم نے کہا۔ ''بس میرے دروازے پر دستک دیتے ہی ایک خوبصورت ہاتھ باہر آیا۔ پرچہ اور پیغام دیا اور کھٹاک سے دروازہ بند کرلیا۔ میں کوئی سوال کر ہی نہ سکا۔''

''ایک بات بتاؤ...... صارم۔ کیا ان خاتون نے تمہارا نام بھی نہیں پوچھا۔''

''نہیں...... کچھ نہیں۔ بتا تو رہا ہوں۔ میرے دستک دینے پر دروازہ کھلا۔ پرچہ اور میسج دیا اور دروازہ بند۔'' صارم نے کسی قدر حیران لہجے میں کہا۔

جو بات سارہ نے پوچھی تھی وہ بات اس کے ذہن میں نہ آئی تھی کہ صرف بغیر نام پوچھے ان خاتون نے اسے پرچہ کیسے دے دیا۔

''ہاں سارہ...... یہ بات تو قابل غور ہے۔ میرا نام پوچھے بغیر انہوں نے پرچہ مجھے کیوں کر دے دیا۔''

''میرا خیال ہے کہ شاہ صاحب نے تمہاری شکل وصورت کے بارے میں کچھ بتا دیا ہوگا اور انہوں نے دروازے کی کسی جھری سے تمہیں دیکھ لیا ہوگا۔'' سارہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''اللہ بہتر جانتا ہے۔'' صارم نے کہا۔ ''مسئلہ یہ ہے کہ یہ حسن علی کون ہیں؟''

''یہ تو ان سے ملاقات کر کے ہی پتہ چل سکتا ہے۔'' سارہ بولی۔

''سوال یہ ہے کہ میں انہیں کہاں ڈھونڈوں گا۔ زیارت اگرچہ چھوٹی جگہ ہے لیکن اتنی چھوٹی بھی نہیں کہ میں زیارت پہنچ کر کسی سے پوچھوں حسن علی صاحب کہاں رہتے ہیں اور وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ساتھ لے جائے اور ان کے در پر لے جا کر کھڑا کر دے۔'' صارم نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''صارم...... کیا پتہ ایسا ہی ہو۔'' سارہ بولی۔

''نہیں...... سارہ۔ ایسا ہونا ممکن نہیں۔ شاہ صاحب اگر اس پرچے پر ذرا سی تفصیل لکھ دیتے تو کتنا اچھا ہوتا۔''

''پھر صارم...... ایسا کرو۔ ان کے آنے کا انتظار کرلو۔ مل کر تفصیل معلوم کر لینا۔''

''وہ...... کچھ دن کے لئے باہر گئے ہیں۔ اب مجھے نہیں معلوم یہ کچھ دن کتنے دن پر محیط ہیں۔ خاتون نے کچھ جاننے کا موقع ہی نہ دیا۔''

''ہوسکتا ہے...... شاہ صاحب نے اتنی ہی بات کرنے کی ہدایت کی ہو۔ تم یوں کرو، ایک ہفتے کے

بعد دوبارہ ان کے گھر چلے جانا۔ جو بھی صورتحال ہوگی، سامنے آجائے گی۔'' سارہ نے تجویز پیش کی۔

''ہاں...... یہ ٹھیک ہے۔'' صارم کو اس کی تجویز پسند آئی۔

''صارم...... اوپر کا کمرہ کافی عرصے سے بند ہے۔ پتہ نہیں اوپر کیا حشر ہو رہا ہوگا۔ اگر کہو تو اوپر صفائی وغیرہ کروادوں۔'' سارہ نے اجازت چاہی۔

''اب ان منحوسوں کا گھر میں داخلہ کھل گیا ہے۔ اب اوپر کا پورشن بند کرنے کا کیا فائدہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ اوپر کے کمرے کی صفائی وغیرہ ہونا چاہئے...... کروالینا لیکن اس کمرے میں اٹھنا بیٹھنا مت۔'' صارم نے اسے تنبیہ کی۔

''نہیں صارم...... جب سے میں اس کمرے میں بند ہوئی ہوں اندر جاتے ہوئے بھی خوف آتا ہے۔ میں صفائی وغیرہ کروا کے اسے دوبارہ بند کردوں گی۔'' سارہ نے وضاحت کی۔

''چلو ٹھیک ہے...... ایسا کرلینا۔'' صارم نے کہا۔ پھر اسے کچھ خیال آیا تو بولا۔ ''لیکن تم کچھ نہیں کروگی۔ یہ صفائی میں خود اپنی نگرانی میں کراؤں گا۔''

''او کے۔'' سارہ نے کہا۔

پھر صارم نے خالہ بجو کو بلا کر اوپر کی صفائی کرنے کا حکم دیا۔ ''خالہ اوپر کی صفائی کرنا ہے۔''

''جی اچھا صاحب۔'' خالہ بجو نے کہا۔

صارم نے لاؤنج میں کھلنے والے زینے کے دروازے کا تالا کھولا۔ دروازہ کھولتے ہی شدید بدبو کا بھبکا آیا۔ صارم نے فوراً ناک پر رومال رکھ لیا اور تیزی سے اوپر چڑھتا چلا گیا۔ اس نے جلدی سے اوپر کا دروازہ کھولا اور چھت پر پہنچ گیا۔ خالہ بجو اور سارہ بھی اپنی ناکوں پر دوپٹے باندھے اوپر آگئیں۔

اوپر کا برا حال تھا۔ جابجا پلاسٹک کی تھیلیاں اور کاغذ پڑے تھے۔ صحن کے بیچ میں سیاہی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ کسی کی سمجھ میں نہ آیا، یہ سیاہی جو بڑے سے دائرے کی شکل میں تھی، آخر کیا چیز تھی؟

دراصل یہ وہ جگہ تھی جہاں بابا کمبل پر پانی سے بھری بالٹی الٹی تھی اور یہ پانی جہاں جہاں گرا تھا وہاں سیاہی کی شکل اختیار کر گیا تھا۔

کمرے کا برا حال تھا۔ بیڈ کے گدے کی چادر غائب تھی، تکیے اِدھر اُدھر پڑے ہوئے تھے۔ قالین پر جابجا دھبے پڑے ہوئے تھے۔

بابا کمبل چھ سات دن یہاں رہا تھا۔ وہ دل کھول کر گند مچا گیا تھا۔ اس گند کو صاف کرنا خالہ بجو کے بس کی بات نہ تھی۔ پھر بھی وہ جو کچھ کرسکتی تھی، وہ فوراً کام میں لگ گئی۔ باقی کام صارم نے باہر سے بلا کر کروایا۔ اس طرح شام تک اوپر کا پورشن بالکل صاف ستھرا اور سیٹ ہوگیا۔

صارم کو اوپر کا حصہ صاف کروا کر کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے سر سے کوئی بوجھ اتر گیا ہو۔ وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔ وہ نہیں چاہتا تھا، اوپر کا پورشن مستقل بند رہے اور اس طرح سے شریر مخلوق اوپر کے پورشن کو اپنے ابا کی جاگیر سمجھ لے۔ وہ یہ تو نہیں چاہتا تھا کہ سارہ اوپر آئے جائے، لیکن وہ یہ

ضرور چاہتا تھا کہ اوپر صفائی ستھرائی کے بہانے ہی سہی آمد ورفت ضرور رکھی جائے، تاکہ وہ شری مخلوق اوپر اپنا قبضہ پکا نہ کر سکے۔ یہ صارم کی سوچ تھی جب کہ وہ مخلوق ان حدود اور قیود سے ماورا تھی۔

سارہ کا دل اب اس گھر میں نہیں لگتا تھا۔ وہ گھر میں بے قرار، بے چین سی گھوما کرتی تھی۔ جب اس کے ساتھ یہ دلخراش سانحہ ہوا تھا، اس کے دل کا قرار لٹ چکا تھا۔ وہ اس حادثے کو کسی طور بھول نہ پائی تھی۔ سات سال کے بعد قدرت نے اس کا دامن خوشیوں سے بھرنے کی نوید مسرت دی اور پھر یہ خوشی، سانحہ المناک میں تبدیل ہوگئی۔ بچے کی موت کو اس کا دل قبول ہی نہ کرتا تھا۔

وہ تصور میں اپنے بچے کو فیڈ کراتی، نہلاتی دھلاتی، اس سے باتیں کرتی، اسے والہانہ انداز میں چومتی۔ وہ روتا تو اسے بہلاتی۔ اسے گود میں لے کر ہلاتی۔ وہ سو جاتا تو اسے اپنے پہلو میں لٹا لیتی اور خود بھی آسودگی سے سو جاتی۔

ایک دن شام کو جب وہ سو کر اٹھی تو اس نے کروٹ لے کر بیٹھنا چاہا تو اس نے اپنے پہلو میں ایک خوبصورت بچہ لیٹا ہوا دیکھا جو اپنے پیر کے انگوٹھے کو بڑے مزے سے چوس رہا تھا۔

اس منظر کو دیکھ کر اس کا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ یہ منظر بس چند لمحوں کا تھا۔

اس نے جلدی سے اپنی آنکھوں کو مل کر دوبارہ دیکھا تو وہاں خالی بستر کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ اس منظر کو بھول نہ سکی۔ کیسا حسین بچہ تھا، کس خوبصورت انداز میں پاؤں کا انگوٹھا چوس رہا تھا۔ دوبارہ اس نے پھر اس جگہ دیکھا شاید پھر وہ منظر دکھائی دے لیکن وہ آنکھوں کو سکون پہنچانے والا منظر دکھائی نہ دیا۔

اس کا بچہ جیسے ہر وقت اس کے ساتھ رہتا تھا، وہ آنکھیں بند کرتی تو وہ فوراً اس کے سامنے آجاتا۔ یہ بات اس نے کسی کو نہ بتائی تھی، صارم کو بھی نہیں...... اسے شبہ تھا کہ صارم اس بات کو غلط انداز میں نہ لے، کہیں وہ اسے پاگل نہ سمجھنے لگے۔ اس نے تو اس بچے کا نام بھی رکھ دیا تھا...... حسن!

وہ جب بھی تنہا ہوتی، اپنے بچے کو حسن کہہ کر پکارتی، اس سے ہنس ہنس کر بات کرتی، اب تو وہ اسے دیکھ کر مسکرانے لگا تھا، اس کی باتوں کے جواب میں کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا۔ یہ سب کچھ بند آنکھوں سے دیکھتی لیکن آج تو اس نے کھلی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھا تھا، اگرچہ یہ منظر چند لمحوں کا تھا لیکن اس منظر کو جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا، اب اسے پکا یقین ہوگیا تھا کہ اس کا بچہ اس کے ساتھ ہے، اس کا حسن اس کے پاس ہے۔

آج اس نے طے کر لیا کہ وہ صارم کو اپنی اس خوشی میں ضرور شریک کرے گی چاہے وہ کچھ بھی کہے، یہ خوشی تو دونوں کی مشترکہ تھی۔

شام کو جب صارم دفتر سے گھر واپس آیا تو اس نے سارہ کے چہرے پر ایک خوشی کی سی جھلک دیکھی، آج وہ خود مین گیٹ پر آئی تھی، اس نے دروازہ کھول کر صارم کو خوش آمدید کہا تھا، صارم کو اسے دروازے پر دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ آج وہ کافی عرصے کے بعد بذاتِ خود گیٹ کھولنے آئی تھی، اسے

لگا کہ وہ اب نارمل زندگی کی طرف لوٹ رہی ہے، اس کے چہرے پر جو ہر وقت افسردگی چھائی رہتی تھی، آج وہاں ہلکا سا خوشی کا احساس تھا۔

چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر جب صارم کچھ دیر آرام کی خاطر بیڈ روم میں داخل ہوا تو سارہ بھی اس کے ساتھ آگئی، صارم بیڈ پر نیم دراز ہوگیا اور سارہ اس کے قریب بیٹھ گئی، صارم نے دھیرے سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''آج تمہارے چہرے پر میں خوشی دیکھ رہا ہوں؟'' صارم نے کہا۔ وہ خود بھی خوش ہوگیا تھا۔

''ہاں...... صارم! جو تم دیکھ رہے ہو، وہ سچ ہے، میں واقعی خوش ہوں، میں نے آج حسن کو دیکھا، یہاں اس جگہ لیٹے ہوئے۔'' سارہ نے بستر کی طرف اشارہ کیا۔

سارہ کی بات سن کر صارم کے جسم میں ایک سناٹا سا اتر گیا، یہ خوشی کہ وہ بچے کے غم سے باہر آئی ہے، ایک دم کافور ہوگئی۔ یہ کیا کہہ رہی ہے، اس نے کس کو دیکھ لیا...... کون حسن؟

''سارہ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' وہ پریشان ہو کر بولا۔

''میں اپنے بچے کی بات کر رہی ہوں...... حسن کی۔'' سارہ نے انتہائی سنجیدگی سے اپنی بات دہرائی۔

تب صارم کا دل دکھ سے بھر گیا، اس نے سارہ کو اپنے قریب کر لیا اور بولا ''سارہ...... ! خدا کے واسطے اس حادثے کو بھول جاؤ...... صبر کرو...... جو ہونا تھا، ہوگیا...... جانے والا کبھی پلٹ کر نہیں آتا۔''

''نہیں صارم...... ! کوئی کہیں نہیں گیا...... وہ میرے پاس ہے...... میرا حسن...... !''

''یہ نام تم نے شاہ صاحب والا پرچہ دیکھ کر رکھا ہے۔'' صارم نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

''نہیں صارم...... ! یہ نام تو ہم نے شروع میں ہی طے کر لیا تھا شاید تم بھول گئے۔'' اس نے یاد دلایا۔

''اوہ...... ہاں!'' تب صارم کو اچانک یاد آیا۔

سارہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ یہ نام تو ان دونوں نے بہت پہلے منتخب کر لیا تھا، دونوں کو ہی یہ نام پسند آیا تھا۔

''یاد آیا۔'' سارہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''ہاں...... یاد آگیا۔'' صارم فوراً بولا۔

''میں بتاؤں...... میں نے اپنے حسن کو کس طرح دیکھا؟'' وہ پرجوش لہجے میں بولی۔ دل میں ایک خوف بھی تھا کہ کہیں صارم سننے سے انکار نہ کردے۔

''ہاں...... بتاؤ۔'' صارم دل پر پتھر رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''صارم! وہ یہاں لیٹا ہوا بڑے مزے سے اپنے پاؤں کا انگوٹھا چوس رہا تھا، اس کی حسین

آنکھیں چھت پر مرکوز تھیں اور وہ بے دھیانی میں پاؤں کا انگوٹھا چوس رہا تھا، بس وہ مجھے چند لمحوں کیلئے نظر آیا اس کے بعد وہ غائب ہو گیا، میں نے بہت چاہا کہ اسے دوبارہ دیکھوں مگر وہ پھر نظر نہ آیا۔'' سارہ نے بتایا۔

صارم اس کا یہ بیان سن کر اندر ہی اندر پریشان ہو گیا، وہ تو سمجھا تھا کہ چلو بچے کی موت کے غم سے اسے نجات مل گئی لیکن یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور نکلا تھا، بچے کا غم اس کے اندر ہی اندر پل رہا تھا اور وہ ایک بھیانک صورت اختیار کرتا جا رہا تھا لیکن یہ خطرناک صورتحال اچانک ہی اس کے سامنے آئی تھی، اس سے پہلے تو سارہ نے اس قسم کا کوئی ذکر نہ کیا تھا۔

''سارہ......! وہ بچہ تمہیں آج ہی نظر آیا...... یا......؟''

''صارم......! اسے بچہ نہ کہو...... اسے حسن کہو۔'' سارہ نے فوراً اسے ٹوک دیا۔

''ہاں...... میں حسن ہی کی بات کر رہا ہوں۔'' صارم نے الجھنے سے بچنا چاہا۔

''نہیں صارم......! حسن تو شروع دن ہی سے میرے ساتھ ہے...... میں آنکھیں بند کر کے جب چاہتی ہوں دیکھ لیتی ہوں...... میں تو اس کے سارے کام کرتی ہوں یہاں تک فیڈ بھی کراتی ہوں۔''

''کیا......؟'' صارم اٹھ کر بیٹھ گیا اور سارہ کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا پھر بولا۔'' سارہ......! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

''کیوں نہیں ہو سکتا...... سب مائیں اپنے بچوں کو فیڈ کراتی ہیں، میں کوئی انوکھی ہوں؟'' سارہ نے یہ بات کچھ اس طرح کہی جیسے صارم نے کوئی عجوبہ بات کہہ دی ہو۔

اب صارم کو پکا یقین ہو گیا کہ بچے کی موت نے سارہ کے دماغ پر بہت برا اثر ڈالا ہے، اس نے طے کر لیا کہ پہلی فرصت میں شہر کے کسی بڑے سائیکاٹرسٹ سے رجوع کرے گا۔

ایک خیال اس کے ذہن میں یہ بھی آیا کہ وہ اس سلسلے میں پہلے شاہ صاحب سے بات کرے، شاہ صاحب کے گھر گئے ہوئے ایک ہفتے سے زائد ہو گیا تھا، اب تو وہ واپس آ گئے ہوں گے۔

اسے اس پرچے کے بارے میں بھی کچھ پوچھنا تھا، بہت سے سوال تھے جو اس کے ذہن میں اٹھ رہے تھے، وہ حسن علی کے بارے میں تفصیل جاننا چاہتا تھا، اگر اس نے ان سے ملاقات کرنا تھی تو یہ ان کا نامکمل پتہ تھا اس طرح تو زیارت میں کسی حسن علی کو نہیں ڈھونڈا جا سکتا تھا۔

پھر سارہ نے عجیب و غریب باتیں کر کے اسے الجھا دیا تھا، اس سلسلے میں بھی ان سے وضاحت طلب کرنا تھی، ممکن ہے یہ کسی قسم کا اثر ہو، نفسیاتی مسئلہ نہ ہو، شاہ صاحب سے بات کر کے یہ معاملہ واضح ہو جائے گا، اگر یہ کسی اثر کا شاخسانہ نہ ہوا تو وہ پھر سائیکاٹرسٹ سے رجوع کرے گا۔

انہی خیالات میں غلطاں پیچاں وہ چلا جا رہا تھا کہ اسے احساس ہوا وہ آگے نکل آیا ہے، ٹرننگ خاصی آگے تھی بہر حال وہ واپس آیا اور پھر اس نے کچی سڑک پر اپنی گاڑی اتاری اور شاہ صاحب کے گھر کے سامنے پہنچ گیا۔

وہ جلدی سے گاڑی بند کر کے باہر آیا اور تیزی سے گیٹ کی طرف بڑھا۔

جب وہ سیڑھیوں کے نزدیک پہنچا اور اس نے گیٹ پر نظر ڈالی تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔

گیٹ پر ایک بڑا سا تالا جھول رہا تھا۔

اس نے تالے کو ہلا جلا کر دیکھا اور پھر چھوڑ دیا، ایک مایوسی کی لہر اس کے دل پر چھا گئی۔ ایک ہفتے پہلے پتہ چلا تھا کہ کچھ دنوں کیلئے شاہ صاحب باہر گئے ہیں، یہاں تو تالا پڑا ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہ آ کر چلے گئے، اب وہ کس سے پوچھے......؟

صارم نے سیڑھیاں اتر کر ایک مرتبہ مقفل دروازے کو دیکھا اور پھر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا گاڑی میں آ بیٹھا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں جائے...... کیا کرے؟

☆......☆......☆

ڈاکٹر مجید اختر ایک نفسیاتی کلینک کے سربراہ تھے، ان کا شمار شہر کے بڑے سائیکاٹرسٹ میں ہوتا تھا، صارم ان سے وقت لے کر سارہ کو دکھانے آیا تھا۔

صارم نے ہر بات پوری تفصیل سے ڈاکٹر مجید کے گوش گزار کر دی تھی، سارہ بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھی تھی، ڈاکٹر مجید نے ساری بات اچھی طرح سن لینے کے بعد دو چار سوالات صارم اور سارہ سے کیے، اس کے بعد اس نے ایک لیڈی ڈاکٹر کو اپنے کمرے میں بلایا۔ سفید کوٹ، سفید اسکارف، کتابی چہرہ، سرخ سفید رنگت، ایک معصوم صورت ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوئی۔

''جی ڈاکٹر......!'' اس نے ڈاکٹر مجید کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ڈاکٹر سعدیہ......! یہ سارہ ہیں، انہیں کچھ پرابلمز ہیں، آئیے بیٹھیے، ان سے ہم دونوں بات کریں گے۔'' ڈاکٹر مجید نے کہا...... پھر کچھ توقف کے بعد وہ صارم سے مخاطب ہوا۔'' صارم صاحب......! ہمیں بات کرنے کی اجازت ہے؟''

''جی...... ڈاکٹر صاحب ضرور...... کیا میں باہر چلا جاؤں؟'' صارم نے پوچھا۔

''جی۔'' ڈاکٹر مجید نے مسکرا کر کہا۔'' آپ سٹنگ روم میں تشریف رکھیے۔''

صارم بغیر کوئی جواب دیئے ڈاکٹر مجید کے کمرے سے باہر آ گیا، کمرے سے ملحق ایک آرام دہ سٹنگ روم تھا، وہ ایک صوفے پر پورے اطمینان سے بیٹھ گیا۔

صارم کے باہر جانے کے بعد ڈاکٹر مجید نے ڈاکٹر سعدیہ کو بریف کیا، ڈاکٹر سعدیہ نے اس کی گفتگو کو پوری توجہ سے سنا اور بیچ بیچ میں وہ نوٹس لیتی رہی۔

بریفنگ کے بعد دونوں نے ڈائیلاگ تھراپی شروع کی، بات چیت کے ذریعے انہوں نے سارہ کی پوری شخصیت کو کھنگال ڈالا، بچپن سے لے کر جوانی، شادی، بچے کی پیدائش تک کے واقعات کو سارہ کی زبانی سنا گیا، اس سے سوالات کیے گئے، اس سانحے کے بعد اس کے محسوسات پر بڑی باریک بینی سے گفتگو کی گئی۔

سارہ نے بچے سے متعلق حادثے کی جو وجہ بتائی، وہ اور گھر میں جس قسم کے حالات تھے وہ..... ان واقعات سے ڈاکٹر مجید نے اتفاق نہیں کیا۔

ڈاکٹر سعدیہ نے سارہ کی کیس ہسٹری تیار کر دی، اس کیس ہسٹری کے ساتھ اپنی رائے بھی لکھ دی، ڈاکٹر مجید نے اس کیس ہسٹری کو اپنے سامنے رکھ کر دو تین نشستیں سارہ کے ساتھ اور کیں اور اس کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ بچے کی موت کا غم بہت گہرا ہے، اس غم کو بھلانے کیلئے دماغ نے ایک تصوری بچے کو جنم دیا اور اس طرح سارہ تقسیم شخصیت کا شکار ہوگئی، یہ شیزوفرینا کی ابتداء تھی۔

ڈاکٹر مجید نے کچھ دوائیں لکھ دیں جو زیادہ تر سکون بخش اور اعصاب کو مضبوط کرنے والی تھیں۔

ڈاکٹر مجید نے کہا کہ فکر کی کوئی بات نہیں...... یہ چند ہفتوں میں ٹھیک ہو جائیں گی۔ صارم کو بطور خاص ہدایت کی وہ سارہ کا بہت خیال رکھے کیونکہ وہ ایک بے حد حساس اور نازک اعصاب کی مالک خاتون ہے۔

اور رہ گئی جن بھوت اور آسیب کی بات تو اس قسم کی احمقانہ باتوں سے احتراز کریں، پڑھے لکھے ہیں تو پڑھے لکھے ہونے کا ثبوت بھی دیں، جنات کا وجود ضرور قرآن شریف سے تو ثابت ہے لیکن وہ اس طرح انسانوں کے درمیان نہیں آتے، یہ جو جن کے سائے کا ذکر اکثر خواتین کرتی ہیں، یہ سب نفسیاتی مرض ہوتے ہیں اور ان سارے ''سایوں'' کے علاج موجود ہیں۔

صارم، ڈاکٹر مجید کی بھاری فیس ادا کر کے دواؤں کا بھاری نسخہ لے کر گھر آ گیا پھر اس نے یہ دوائیں خرید کر سارہ کو دینا شروع کر دیں، ان دواؤں کا فوری اثر یہ ہوا کہ وہ ایک طرح سے غنودگی میں رہنے لگی، اس کا زیادہ تر وقت سوتے ہوئے گزرتا۔

صارم نے ڈاکٹر مجید کو فون پر سارہ کی کیفیت بتائی تو انہوں نے کہا کہ وہ ہدایت کے مطابق دوا دیتا رہے، چند دنوں کے بعد اس کی غنودگی کم ہونا شروع ہو جائے گی۔

بہر حال صارم، ڈاکٹر مجید کی ہدایت کے مطابق اسے دوائیں کھلاتا رہا، لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا، غنودگی کی حالت میں وہ خواب دیکھتی اور ان خوابوں میں اسے حسن کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا۔

صارم شام کو گھر آتا تو سارہ اسے سوتی ہوئی ملتی، وہ خالہ سجو سے اس کے بارے میں پوچھتا۔ ''خالہ سجو! آج سارہ دن بھر کیا کرتی رہیں؟''

''صاحب جی...... !زیادہ تر سوتی رہیں۔'' خالہ سجو رپورٹ دیتی۔

''انہوں نے آج دوا وغیرہ لی؟''

''جی صاحب...... !دوا تو میں نے کھلا دی تھی۔''

''کھانا کھایا؟'' صارم پوچھتا۔ ''یا بس دوا ہی کھائی؟''

''نہیں صاحب جی...... !میں نے کھانا کھلا دیا تھا۔''

''بس خالہ...... !تم سارہ کا خیال رکھو...... یہ حادثے سے ابھی باہر نکلی نہیں ہے۔''

''میں جانتی ہوں صاحب...... !سارہ بی بی کو سمجھاتی رہتی ہوں۔''

آج شام کو صارم دفتر سے گھر واپس آیا تو سارہ نے گیٹ کھولا۔ خلاف توقع اسے گیٹ پر پا کر صارم کو خوشی ہوئی وہ مسکراتا ہوا بولا۔ ''اوہو...... آج تو مجھ غریب کی قسمت جاگ گئی۔''

''کیوں......؟ کوئی پرائز بانڈ نکل آیا؟'' سارہ نے اپنی خوابناک آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''ارے جناب...... !ہماری بیگم آج بہ نفس نفیس دروازے پر آ گئی ہیں، یہ کیا کوئی کم پرائز ہے۔'' صارم نے پلٹ کر گیٹ بند کیا اور وہ دونوں ساتھ ساتھ گھر کی طرف بڑھنے لگے۔

''صارم صاحب...... !مسئلہ یہ ہے کہ یہ جو آپ کی خالہ سجو ہیں نا...... بس کمال کی چیز ہیں، جانے آپ انہیں کیا کیا پٹی پڑھا جاتے ہیں، مجال ہے جو وہ ٹس سے مس ہو جائیں...... کتنی بار کہا ہے کہ شام کو اگر میں سو جاؤں تو اٹھا دیا کریں...... دروازہ میں خود کھولوں گی...... اچھا بی بی کل آپ کو ضرور اٹھا دوں گی، یہ کہہ کر مجھے بہلا دیتی ہیں، آج میں نے بڑی سختی سے تاکید کی تھی کہ اگر خالہ سجو تم نے مجھے نہ اٹھایا تو میں ضرور تمہیں اٹھا دوں گی، بس صارم صاحب! یہ دھمکی کام آ گئی۔''

''اچھا تو دہشت گردی چل رہی ہے؟'' صارم ہنس کر بولا۔ ''ذرا خیال رکھنا اگر امریکا کو معلوم ہو گیا کہ ادھر کوئی دہشت گرد خاتون رہتی ہے تو وہ کہیں تمہیں نہ اٹھوا لے۔''

سارہ نے کوئی جواب نہ دیا، وہ مسکرا کر چپ ہو گئی۔ وہ دونوں بیڈروم میں داخل ہوئے۔

''صارم...... !میں تنگ آ گئی ہوں۔'' سارہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''خالہ سجو سے؟'' صارم نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''اللہ نہ کرے۔'' سارہ نے فوراً کہا۔ ''خالہ سجو جیسی خاتون ملنا آج کے زمانے میں بہت مشکل ہے، اتنا خیال رکھتی ہیں میرا کہ کیا بتاؤں...... اگر میری ماں زندہ ہوتیں تو شاید وہ بھی نہ رکھتیں۔''

''چلو...... یہ تو اچھی بات ہے۔'' صارم نے کہا۔ ''پھر تم کس چیز سے تنگ آ گئی ہو؟''

''بھئی...... اس نیند سے، ایسا لگتا ہے جیسے میں نشہ کرنے لگی ہوں۔'' سارہ نے کہا۔

''یار...... !میں نے ڈاکٹر سے بات تو کی تھی وہ کہہ رہے تھے کہ نیند آہستہ آہستہ کم ہو جائے گی۔''

''نہیں صارم...... !یہ دوا مجھے نیند کی گولی معلوم ہوتی ہے، بھئی میرا سو سو کر دماغ سن ہو گیا ہے۔'' سارہ کے لہجے میں برہمی تھی۔

''اچھا...... میں پھر بات کروں گا ڈاکٹر سے یا تمہیں ساتھ لے چلوں گا۔''

''میں نہیں جا رہی۔'' سارہ نے بیزاری سے کہا۔ ''ویسے صارم! تم کس چکر میں پڑ گئے، کیا تم مجھے نفسیاتی مریض سمجھنے لگے ہو؟''

''ارے نہیں سارہ...... !کیا بات کر رہی ہو۔'' صارم نے اسے یقین دلانے والے انداز میں کہا۔ ''تم کیونکہ کچھ الجھنوں کا شکار ہو گئی تھیں اسی لئے میں نے سوچا کہ تمہیں کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھا لوں بس۔''

"دکھالیا...... تسلی ہوگئی۔" سارہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"ہاں...... تسلی تو ہوگئی۔" صارم نے جواب دیا۔ "یہ اندازہ تو ہوگیا کہ کوئی سیریس مسئلہ نہیں...... لیکن یہ سیریس ہو بھی سکتا ہے اس کا انحصار تم پر ہے، تمہارے رویئے پر ہے۔"

"میں کیا کر رہی ہوں؟" سارہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تم کچھ نہیں کر رہیں...... بس سوچ رہی ہو۔" صارم نے گھما کر بات کی۔

"سوچنا کیسے چھوڑوں صارم......؟" سارہ بے بسی سے بولی۔

"سوچنا مت چھوڑو...... بس غلط سوچنا چھوڑ دو۔" صارم نے راستہ دکھایا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ان خواب آور دواؤں سے میری سوچ بدل جائے گی؟"

"یہ خواب آور دوائیں نہیں ہیں...... سکون بخش دوائیں ہیں، ان سے تمہارا ڈپریشن کم ہوگا۔"

"صارم......! یہ دوائیں میں صرف تمہاری وجہ سے اور تمہاری تسلی کیلئے کھا رہی ہوں ورنہ ان دواؤں سے مجھے کوئی فائدہ نہیں...... سو سو کر میرا دماغ سن ہوا جا رہا ہے، ایسا لگتا ہے جیسے میرے دماغ میں کچھ ہے ہی نہیں۔" سارہ نے حالِ دل بیان کیا۔

"یہ احساس تمہیں کچھ دیر سے نہیں ہوا؟" صارم نے شریر نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیسا احساس......؟" سارہ اگرچہ بہت ذہین تھی، بات کی تہہ تک بڑی تیزی سے پہنچتی تھی لیکن کیونکہ اس وقت وہ الجھی ہوئی تھی اس لئے فوراً اس کی بات نہ سمجھ سکی اسی لئے وضاحت چاہی۔

"یہی کہ تمہارے دماغ میں کچھ نہیں ہے۔" صارم نے ہنس کر کہا۔

"صارم......!" وہ غصے سے بولی۔ "میرا دماغ بہت بڑا ہے۔"

"سنا ہے بھینس کا بھیجا سب سے بڑا ہوتا ہے، تم نے وہ لطیفہ نہیں سنا۔"

"خبردار جو مجھے کوئی لطیفہ سنایا...... میں ہرگز تمہارے گھسے پٹے لطیفے نہیں سنوں گی۔"

"چلو کوئی بات نہیں...... میں خالہ سجو کو سنا دوں گا۔"

"ہاں جاؤ سناؤ خالہ سجو کو...... اگر تمہارا لطیفہ سن کر خالہ سجو نے یہ نہ کہا کہ صاحب جی کیا آپ نے کوئی ہنسانے والی بات کہی ہے تو میرا نام بدل دینا۔"

"نہیں جناب......! میں اتنا پیارا نام بدلنے کیلئے ہرگز تیار نہیں، لہٰذا خالہ سجو کو لطیفہ سنانے کا پروگرام ملتوی۔" صارم نے اس کی ناک پکڑ کر ہلائی۔ "چلیں اب اٹھیں، کچھ کھانے پینے کا بندوبست کریں، میں جب تک واش روم کی سیر کر آؤں۔"

صارم جب تک گھر میں رہتا، اس کی کوشش یہی ہوتی کہ وہ سارہ کو باتوں میں لگا کر اس کا ڈپریشن دور کرنے کی سعی کرے، سارہ کی بھی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ صارم کے ساتھ گفتگو جاری رکھے چاہے یہ بات چیت کتنی ہی بے معنی کیوں نہ ہو۔

صارم اپنے دل کی آگ دبا کر سارہ کے دل کو گلزار کرنے کی کوشش کرتا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس

کے دل میں لگی آگ کی تپش اس تک پہنچے، وہ اوپر سے ٹھنڈا دکھائی دیتا لیکن اندر سے اس کا وجود جلتا رہتا، اس منحوس مخلوق نے اس کا بچہ مار دیا تھا، وہ اس بات کو بھلا کیسے بھول جاتا۔

اگر یہ مخلوق اس کے سامنے ہوتی، اس کی گرفت میں آسکتی تو وہ کب کا اس مخلوق سے انتقام لے کر اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کر لیتا لیکن اس کے ہاتھ میں تو کچھ بھی نہ تھا، جن کے ہاتھ میں تھا، وہ ایک پرچہ پکڑا کر گم ہوگئے تھے۔

اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ زیارت جائے گا۔ ابھی وہ عازم سفر ہونے والا تھا کہ سارہ نے کچھ ایسی باتیں شروع کر دیں کہ وہ پریشان ہوگیا، سارہ کو کسی ماہر نفسیات کو دکھانا ضروری ہوگیا، علاج کے بعد سے اگرچہ سارہ نے بچے سے متعلق کوئی گفتگو نہ کی تھی لیکن ان دواؤں کے جو اثرات مرتب ہوئے تھے، وہ بظاہر منفی تھے۔

اور یہ خیال کہ سارہ کسی تصوراتی بچے جسے وہ حسن کہتی تھی، غافل ہوگئی تھی، یہ صارم کا خیال خام تھا، سارہ اس خیال سے بالکل غافل نہ ہوئی تھی بس اس نے اس موضوع پر بات کرنا چھوڑ دیا تھا، وہ اپنے حسن کو اب سب سے چھپا کر رکھنا چاہتی تھی کیونکہ اس نے بتانے کا نتیجہ دیکھ لیا تھا کہ صارم نے اسے شہر کے ایک بڑے سائیکاٹرسٹ کے روبرو جا بٹھایا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ ان دواؤں سے کچھ فرق نہ پڑے گا سوائے اس کے وہ غنودگی میں مبتلا رہے، اسے اچھی طرح احساس تھا کہ وہ نفسیاتی مریض نہیں ہے اور جو کچھ وہ دیکھتی اور محسوس کرتی ہے، وہ محض تصور نہیں بلکہ حقیقت ہے، اس کا حسن اس کے ساتھ ہے، جیتا جاگتا، ہنستا بولتا۔

اگر کوئی اسے نفسیاتی مریض سمجھتا ہے تو سمجھتا رہے، اس کی بلا سے۔

تب ایک دن اس نے یہ دوائیں کھانے سے انکار کر دیا۔

"میں نہیں کھاؤں گی...... یہ ہیروئن بھرے کیپسول۔" سارہ نے غصے سے کہا۔

"سارہ......! کیا ہوگیا ہے تمہیں...... یہ ڈپریشن کی دوا ہے۔"

"بھاڑ میں جائے یہ ڈپریشن کی دوا...... میرا دماغ سن ہو کر رہ گیا ہے۔"

"اچھا چلو...... کسی اور ڈاکٹر کو دکھا لیتے ہیں۔"

"کیوں آخر......؟" سارہ نے تنک کر کہا۔ "تم نہیں جانتے صارم......! ان ڈاکٹروں کے پاس خواب آور دواؤں کے علاوہ کچھ نہیں، یہ بندے پر مستقل نیند طاری کر دیتے ہیں، نہ آنکھ کھلے گی نہ کچھ سوچے گا۔"

"نہیں سارہ......! ایسا نہیں ہے۔" صارم نے اسے سمجھانا چاہا۔

"اچھا...... ایسا ہے یا نہیں...... میں نہیں کھاؤں گی یہ دوا......! سن لیا تم نے۔" سارہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"اچھا مت کھانا۔" صارم نے اس سے بحث کرنا مناسب نہ سمجھی۔

یوں بھی اس نے جب سے ڈاکٹر مجید کو دکھایا تھا سارہ نے بچے سے متعلق کوئی بات نہ کی تھی۔ صارم نے سوچا اگر سارہ دوا نہیں بھی کھاتی تو نہ کھائے، اس کے ذہن سے بچے کا تصور تو کم از کم نکل گیا ہے۔

اس دن کے بعد سے صارم نے دوا کے سلسلے میں کوئی اصرار نہ کیا، دوا چھوڑتے ہی اس کی غنودگی ختم ہوگئی اور دماغ پر چھایا غبار آہستہ آہستہ چھٹ گیا۔

دواؤں کے اثر سے نکلتے ہی اس میں ایک تبدیلی اور آئی...... اس تبدیلی کے بارے میں کئی دن تک خالہ بجو نے صارم سے تذکرہ نہیں کیا، لیکن پھر اس سے مزید رہا نہ گیا، وہ نہیں چاہتی تھی کہ انجانے میں سارہ کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔

سارہ ایک دن واش روم میں گئی ہوئی تھی، خالہ بجو کو معلوم تھا کہ وہ نہانے گئی ہے دیر سے نکلے گی، صارم دفتر جانے کی تیاری کر رہا تھا، خالہ بجو نے موقع غنیمت جانا، وہ صارم کے بیڈ روم کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

کچھ دیر کے بعد صارم کی نظر دروازے پر پڑی تو اس نے خالہ بجو کو دروازے پر کھڑا پایا۔

''جی خالہ...... خیریت؟'' صارم نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''صاحب جی ایک بات ہے؟'' خالہ بجو نے جھجکتے ہوئے کہا۔

خالہ بجو اس گھر میں کافی عرصے سے رہ رہی تھی، اس عرصے میں کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ وہ براہِ راست صارم سے مخاطب ہوئی ہو، صارم کی سمجھ میں نہ آیا کہ خالہ بجو کے ذہن میں ایسی کیا بات ہے جو وہ سارہ سے کرنے کے بجائے اس سے کرنا چاہ رہی ہے، ہوسکتا ہے کوئی پیسے ویسے کا معاملہ ہو، ممکن ہے سارہ نے منع کر دیا ہو بس یہی بات فوری طور پر اس کی سمجھ میں آئی۔

''جی خالہ بولیں؟'' صارم نے نرم لہجے میں کہا۔

''پتہ نہیں صاحب مجھے یہ بات کرنے کا حق بھی ہے کہ نہیں...... کہیں آپ میری بات سن کر ناراض نہ ہو جائیں۔'' خالہ بجو نے بڑے مؤدبانہ انداز میں اپنی بات شروع کی۔ ''لیکن آپ کو یہ بات بتانی بھی ضروری ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ سارہ بی بی کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔''

''اوہ......!'' صارم کو اندازہ ہوا کہ معاملہ کوئی خاص ہے، یہ رقم کا مسئلہ نہیں ہے۔ وہ اپنے بیڈ روم سے باہر نکل آیا اور ڈائننگ ٹیبل کی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا پھر اس نے خالہ بجو کو ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ''بیٹھیں۔''

خالہ بجو جھجکتی ہوئی بیٹھ گئی اور صارم کی طرف غور سے دیکھا۔

''خالہ بجو......! جو بھی بات ہے، وہ بلا جھجکے کہہ دیں، سارہ کے معاملے میں، میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں برداشت کر سکتا۔'' صارم نے اسے حوصلہ دلانے والے لہجے میں کہا۔

''صاحب جی......! کئی دن سے سارہ بی بی اوپر جا رہی ہیں؟'' خالہ بجو نے انکشاف کیا۔

''اوپر......!'' صارم، خالہ بجو کی بات سن کر چونکا۔ ''اوپر جا کر کیا کرتی ہیں؟''

''مجھے نہیں معلوم۔''

''خالہ بجو......! کیا وہ اکیلی جاتی ہیں؟''

''جی صاحب......! اکیلی جاتی ہیں اور اوپر جا کر زینے کے دروازے کی کنڈی بند کر لیتی ہیں۔''

''اوپر کتنی دیر رہتی ہیں؟''

''کوئی ڈیڑھ گھنٹہ ضرور رہتی ہیں۔''

''تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ اوپر جا کر زینے کا دروازہ لاک کر لیتی ہیں؟''

''میں ایک بار اوپر گئی تھی...... میں نے دروازہ کھول کر اندر جانا چاہا تو پتہ چلا کہ دروازہ اندر سے بند ہے۔''

''تم نے دروازہ کھٹکھٹایا نہیں......؟''

''جی...... صاحب......! میں نے ڈرتے ڈرتے دروازہ کھٹکھٹایا تھا، انہوں نے کافی دیر بعد دروازہ کھولا، وہ اس بات پر ناراض ہوئیں کہ میں نے دروازہ کیوں کھٹکھٹایا۔''

''اچھا......!'' صارم کو خالہ بجو کے اس انکشاف پر بڑا تعجب ہوا۔ ''سارہ اوپر کب سے جا رہی ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''چار دن تو ہو گئے۔''

''اوپر کیوں جانے لگی ہیں؟'' صارم نے جیسے خود سے سوال کیا۔

''کچھ کہہ نہیں سکتی۔''

''خیر تم نے مجھے بتا کر بہت اچھا کیا...... اب مسئلہ یہ ہے کہ میں ان سے کس طرح پوچھوں؟''

''صاحب جی......! میرا نام ہرگز مت لیجئے گا، وہ مجھے جان سے مار دیں گی۔''

''نہیں خالہ بجو! تم بے فکر رہو...... تمہارا نام نہیں آئے گا'' صارم نے کہا۔ پھر کچھ سوچ کر بولا۔ ''اوپر جانے کا کوئی خاص وقت ہے؟''

''نہیں صاحب......! کوئی خاص وقت نہیں، جب ان کا جی چاہتا ہے، چلی جاتی ہیں۔''

''اچھا میں تو ابھی سارہ کے واش روم سے نکلتے ہی دفتر چلا جاؤں گا، تم ایسا کرنا کہ سارہ بی بی جیسے ہی اوپر جائیں، مجھے فون کر دینا۔''

''جی اچھا۔'' خالہ بجو نے کہا۔

پھر صارم نے ایک کاغذ پر اپنا موبائل نمبر لکھ کر دے دیا۔ خالہ بجو وہ پرچہ اپنے ہاتھ میں دبا کر اٹھ گئی اور کچن میں جا کر اس نے ایک محفوظ جگہ پر وہ سیلولر نمبر رکھ دیا۔ اس پرچے کو رکھتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

کچھ دیر بعد سارہ واش ردم سے نہا کر باہر نکل آئی، اس نے اپنے گیلے بال تولیہ میں لپیٹے ہوئے

تھے، صارم ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اپنے بالوں میں برش پھیر رہا تھا۔

سارہ اس کے برابر آ کر کھڑی ہوگئی، دونوں کی نظریں آئینے کے ذریعے ایک دوسرے سے ملیں، صارم نے بڑے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ صارم کو اس کے چہرے پر کافی دن کے بعد نکھار سا نظر آیا یا یہ بات تھی کہ وہ ابھی نہا کر نکلی تھی اس لئے اس کا چہرہ فریش دکھائی دے رہا تھا۔

''صارم......! کیا بات ہے؟'' سارہ نے اس کے کندھے پر اپنی تھوڑی رکھتے ہوئے آئینے میں صارم کو دیکھا۔

''کچھ نہیں۔'' صارم نے مسکرا کر کہا۔ ''تمہارا حسن دیکھ رہا تھا۔''

''نہیں صارم......! جھوٹ نہیں...... تمہاری آنکھوں میں تحسین نہیں تجسس تھا۔'' سارہ نے اس کا رخ اپنی طرف پھیر لیا اور اس کی آنکھوں میں براہِ راست دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''بولو کیا بات ہے؟''

''کوئی بات نہیں ہے سارہ!'' صارم نے کہا۔ ''کیا بات ہوتی بھلا...... کیا اپنی بیوی کو دیکھنا گناہ ہے؟''

''نہیں ہرگز نہیں...... میں تمہاری ہوں، تمہارے لئے ہوں۔'' سارہ نے اپنے شیریں لب وا کئے۔

صارم نے بہت دھیرے سے اس کے بھرے لبوں کا امرت چرا لیا، پھر وہ اپنا بریف کیس اٹھا کر بولا۔ ''اچھا سارہ......! میں چلتا ہوں۔''

سارہ اسے مین گیٹ تک چھوڑنے آئی، اسے خدا حافظ کہہ کر واپس پلٹی تو اس کی نظر اوپر کمرے کی طرف گئی اور پھر جانے کیا سوچ کر وہ مسکرادی۔

☆......☆......☆

صارم اس وقت اپنے پروڈکشن ہاؤس کے کوآرڈینیٹر ندیم شریف سے بات کر رہا تھا کہ اس کے موبائل پر کال موصول ہوئی۔ کال اس کے گھر سے تھی، اسے یقین تھا کہ یہ کال خالہ سجو کی ہے، اس نے موبائل کان سے لگانے سے پہلے گھڑی دیکھی، دو بج رہے تھے۔

''ہیلو۔'' صارم نے موبائل کان سے لگا کر کہا۔

''صاحب...... جی......! میں بول رہی ہوں سجو...... خالہ سجو۔'' ادھر سے سہمی ہوئی سی آواز آئی۔

''ہاں...... خالہ بولیں۔''

''سارہ بی بی ابھی ابھی اوپر گئی ہیں۔'' خالہ سجو نے اطلاع دی۔

''ٹھیک ہے...... میں آتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے موبائل آف کر دیا، پھر وہ ندیم شریف سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''ندیم شریف......! میں ذرا ایک کام سے جا رہا ہوں، ہوسکتا ہے دفتر واپس نہ آؤں، آپ ذرا یہاں کے معاملات سنبھال لینا، کوئی مسئلہ ہو تو مجھے کال کر لینا۔''

''جی سر......! ٹھیک ہے۔'' ندیم شریف اٹھ گیا۔

صارم اپنی گاڑی نکال کر گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ جب تھوڑے فاصلے پر رہ گیا تو اس نے اپنے سیلولر سے گھر کا نمبر ملایا۔

''ہیلو۔'' دوسری گھنٹی بجنے پر فون اٹھایا گیا، فون پر بھاری آواز سنائی دی، یہ خالہ سجو کی آواز تھی۔ ویسے صارم نے سوچ لیا تھا کہ اگر اتفاق سے سارہ نے فون اٹھایا تو وہ اس سے کیا بات کرے گا۔

''خالہ سجو......! میں صارم بول رہا ہوں...... سارہ اوپر ہی ہیں ابھی؟''

''جی صاحب...... اوپر ہیں۔''

''اچھا...... تم ایسا کرو چھوٹا گیٹ کھول دو، میں خاموشی سے اندر آ جاؤں گا۔''

''جی اچھا صاحب......!'' خالہ سجو نے یہ کہہ کر فون رکھ دیا۔

صارم نے اپنی گاڑی گھر سے کافی پہلے روک دی، اس نے ایک مناسب جگہ دیکھ کر گاڑی کھڑی کر دی اور وہاں سے پیدل گھر کی طرف بڑھا۔

وہ گاڑی دروازے پر لانا نہیں چاہتا تھا، جانتا تھا کہ اگر اوپر کے کمرے کا پردہ ہٹا کر دیکھا جائے تو مین گیٹ پر کھڑی گاڑی بآسانی دیکھی جاسکتی ہے، دروازہ کھلا رکھنے کی تاکید بھی اس نے اسی لئے کی تھی کہ وہ دروازے پر زیادہ دیر کھڑا نہ رہے تاکہ اس کے دیکھے جانے کا چانس کم سے کم ہو جائے۔

وہ دیوار کے سائے میں گھر کے دروازے پر پہنچا اور بڑی پھرتی مگر آہستگی سے چھوٹا گیٹ کھولا اور تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف داخل ہونے کے بجائے لاؤنج کی طرف بڑھا تاکہ سارہ اسے اوپر سے دیکھ نہ سکے۔

خالہ سجو لاؤنج میں موجود تھی، وہ صارم کے چہرے پر گہری سنجیدگی دیکھ کر پریشان ہوگئی، یکلخت اسے احساس ہوا کہ اس سے غلطی ہوگئی ہے سارہ کے بارے میں بتا کر، اب جانے کیوں وہ احساس جرم میں مبتلا ہوگئی تھی، جانے سارہ بی بی اوپر کس حالت میں ہوں، اگر انہیں دیکھ کر صاحب کو غصہ آ گیا یا وہ سارہ بی بی سے برگشتہ ہو گئے تو بہت برا ہوگا، اگرچہ اسے اس بات کا یقین تھا کہ صاحب، سارہ بی بی کو یہ ہرگز نہ بتائیں گے کہ اوپر جانے کی اطلاع اس نے فراہم کی تھی لیکن دونوں میاں، بیوی کے تعلقات خراب ہو گئے یا دل میں بال آ گیا تو وہ خود کو زندگی بھر معاف نہ کر سکے گی، بہرحال اب تو جو ہونا تھا، ہو چکا تھا، یہ اطلاع اس نے کسی بدنیتی کی بنیاد پر فراہم نہیں کی تھی، وہ چاہتی تھی کہ اس کی مالکن کسی عذاب میں مبتلا نہ ہو جائے۔

''اوپر جانے سے پہلے کیا سارہ کچھ ہدایت دے کر گئی ہیں؟'' صارم نے خالہ سجو سے پوچھا۔

''نہیں صاحب......! بس وہ خاموشی سے اوپر چلی گئیں۔''

''اچھا...... میں دیکھتا ہوں۔'' صارم زینے کے دروازے کی طرف بڑھا۔

''صاحب جی......! آپ کہیں تو میں انہیں بلا لاؤں۔'' خالہ سجو نے کہا۔

''نہیں...... خالہ......! میں خود اوپر جاؤں گا۔''

"جیسی آپ کی مرضی۔"

صارم لاؤنج میں کھلنے والے زینے کے دروازے سے اوپر چڑھتا چلا گیا، اوپر کا دروازہ بند تھا، اس نے دروازے کا ہینڈل پکڑ کر گھمایا تو اندازہ ہوا کہ دروازہ لاک ہے۔

اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ دروازے پر دستک دے۔ جانے اس کے دل میں سوچ کی کیا لہر اٹھی کہ اس نے اچانک زور سے دروازہ پیٹ ڈالا۔

"خالہ بجو...... ! کیا مصیبت ہے۔" دوسری طرف سے فوراً ہی سارہ کی غصے میں بھری آواز آئی۔ "میں نے منع نہیں کیا تھا کہ میں اوپر آؤں تو میرے پیچھے مت آیا کرو۔"

"سارہ...... ! دروازہ کھولو...... یہ میں ہوں صارم!" صارم نے زور سے کہا۔

صارم کی غیر متوقع آواز سن کر سارہ کو جیسے سانپ سونگھ گیا، وہ سکتے میں آ گئی، اس کی زبان گنگ ہوگئی پھر وہ اپنے حواس بحال کر کے بولی۔ "صارم...... ! تم...... اچھا ٹھہرو، میں کھولتی ہوں دروازہ۔"

اس کے ساتھ صارم کو اس کے دوڑتے قدموں کی آواز آئی، شاید وہ کمرے میں واپس گئی تھی، پھر چند لمحوں بعد ہی اسے تالے میں چابی گھومنے کی آواز آئی اور دروازہ کھل گیا۔

صارم نے ایک نظر سارہ کو دیکھا، اس کے چہرے پر گھبراہٹ تھی، صارم دروازہ کھول کر چھت پر آیا، اس نے چھت پر ایک نظر ڈالی، چھت خالی پڑی تھی پھر وہ اس سے کچھ پوچھے بغیر کمرے میں داخل ہوا، اس نے کمرے کا بغور جائزہ لیا...... ہر چیز اپنے ٹھکانے پر موجود تھی، اسے کمرے میں کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی۔

اس کی سمجھ میں فوری طور پر یہ بات نہیں آئی کہ سارہ دروازہ بند کر کے یہاں کیا کر رہی تھی۔ وہ کسی خیال کے تحت بیڈ پر بیٹھ گیا۔

سارہ دروازے پر سہمی ہوئی کھڑی تھی، وہ خود کو نارمل کرنے کیلئے مسکرائی اور پھر سادگی سے بولی۔

"صارم...... ! تم کب آئے؟"

"بس ابھی آیا ہوں۔" صارم نے کہا۔ "تم یہاں کیا کر رہی تھیں؟"

سارہ، صارم کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی اور مسکرا کر بولی، جیسے اپنی مسکراہٹ کی آڑ میں کچھ چھپانا چاہتی ہو۔ "کچھ نہیں...... بس ایسے ہی اوپر آ گئی تھی۔"

"سارہ...... ! تم یہ بات اچھی طرح جانتی ہو کہ اوپر آنا کتنا خطرناک ہے۔" صارم نے کہا۔

"ارے کچھ نہیں ہوتا صارم...... !"

"اللہ نہ کرے کہ ابھی اور کچھ ہو...... بہر حال تمہیں اس طرح اوپر نہیں آنا چاہئے تھا اور اگر آئی تھیں تو دروازہ بند نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

"صارم...... ! میں یہاں سکون کی خاطر آئی تھی، دروازہ اس لئے بند کیا تھا کہ خالہ بجو مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔"

"سارہ...... ! یہاں کہاں سکون...... ؟ تم جانتی ہو کہ ایک بار تم اس کمرے میں بند ہو چکی ہو۔"

"اچھا...... صارم...... ! اب نہیں آؤں گی، آؤ نیچے چلیں۔"

"ہاں چلو...... لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ تمہیں یہاں آ کر کس قسم کا سکون ملتا ہے؟"

"صارم...... ! کبھی کبھی میرا جی چاہتا ہے کہ میرے پاس کوئی نہ ہو...... میں تنہا بیڈ پر لیٹی رہوں۔"

"یہ تنہائی تو تمہیں اپنے بیڈ روم میں بھی میسر آ سکتی ہے، وہاں دروازہ بند کر کے لیٹ جایا کرو۔"

"اچھا...... صارم! جیسے تم کہہ رہے ہو، ویسے ہی کروں گی، آئندہ میں اپنے بیڈ روم کا دروازہ بند کر کے لیٹ جایا کروں گی۔" سارہ نے اس سے بحث کرنا مناسب نہ سمجھی پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولی۔ "آؤ صارم...... ! نیچے چلیں...... ویسے صارم ایک بات بتاؤ تم مجھے اوپر دیکھ کر ناراض تو نہیں ہوئے؟"

"ناراض تو نہیں ہوا لیکن الجھن کا شکار ضرور ہو گیا۔" صارم اٹھتے ہوئے بولا۔

"کیسی الجھن...... ؟" وہ سیڑھیاں اترتے ہوئے بولی۔

"جب میں نے تمہیں نیچے نہ پایا تو میں پریشان ہو گیا، اوپر آ کر میں نے زینے کا دروازہ بند دیکھا تو یہ پریشانی اور بڑھ گئی، سارہ...... ! اب میں تمہیں مزید کسی مشکل میں گرفتار نہیں دیکھ سکتا۔" صارم نے کہا۔

"نہیں...... تم جو بات سمجھ رہے ہو، ایسا کچھ نہیں۔"

"کیا تم آج ہی اوپر گئی ہو؟" صارم نے سوال کیا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ سارہ اس سوال کا کیا جواب دیتی ہے، جھوٹ بولتی ہے یا سچ......

"نہیں...... تین چار دن سے اوپر جا رہی ہوں، بس بیٹھے بیٹھے میرا جی گھبراتا ہے تو جی چاہتا ہے اوپر چلی جاؤں...... تنہائی میں۔" سارہ نے سچ بولا۔

"سارہ...... ! تم نے مجھ سے اس بات کا ذکر نہیں کیا۔" صارم نے اپنے بیڈ روم میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"اس لئے صارم کہ میں تمہیں پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی...... تمہارے اوپر ویسے ہی کیا کم بوجھ ہے کہ اپنا مسئلہ بھی تم پر لاد دوں۔" سارہ بیڈ پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"تمہاری یہ بات سن کر مجھے ایسا لگا جیسے تم مجھ سے دور ہو رہی ہو۔"

"ارے نہیں صارم...... ! ایسا کبھی سوچنا بھی نہیں، ایک تم ہی تو ہو جس کی وجہ سے میری زندگی میں اجالا ہے۔"

"سارہ...... ! تمہیں اپنی پریشانی شیئر تو کرنا چاہئے تھی۔"

"مجھے کوئی پریشانی نہیں۔" سارہ نے بڑے یقین سے کہا لیکن اس کا لہجہ یقین سے خالی تھا۔

"سارہ بی بی...... ! صاحب کیلئے کھانا لگاؤں؟" خالہ بجو نے دروازے پر آ کر پوچھا۔

''نہیں خالہ......! میں نے کھانا دفتر میں کھالیا تھا۔'' صارم نے کہا پھر وہ سارہ سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''تم نے کھالیا کھانا؟''

''جی۔'' سارہ نے مختصر سا جواب دیا۔

''اچھا سارہ......! میں دفتر چلتا ہوں۔''

''تم آئے کیوں تھے؟''

''کچھ کاغذات بھول گیا تھا۔''

''لے لئے......؟''

''ہاں لے لئے......اچھا او کے، میں چلتا ہوں۔''

سارہ اسے دروازے تک چھوڑنے آنا چاہتی تھی لیکن صارم نے منع کر دیا۔ ''سارہ......! باہر دھوپ ہے۔''

سارہ وہیں دروازے پر رک گئی۔ صارم اپنا بریف کیس اٹھا کر تیز تیز قدموں سے مین گیٹ کی طرف بڑھتا گیا۔

ابھی اسے دفتر آئے بمشکل پانچ منٹ ہوئے ہوں گے کہ گھر سے کال آئی، اس نے سوچا سارہ نے فون کیا ہوگا، وہ بے تکلفی سے بولا۔ ''ہاں سارہ......؟''

''صاحب جی......! میں سجو بول رہی ہوں، وہ صاحب...... وہ سارہ بی بی پھر اوپر چلی گئی ہیں۔'' خالہ سجو نے دھماکا خیز خبر سنائی۔

''ہیں......!'' صارم کیلئے یہ خبر واقعی کسی دھماکے سے کم نہیں تھی۔ چند لمحوں کے توقف سے وہ پھر بولا۔ ''خالہ سجو اوپر جا کر خاموشی سے چیک کرو کیا دروازہ لاک ہے؟''

''جی اچھا۔'' خالہ سجو کے ریسیور رکھنے کی آواز آئی۔ دو منٹ کے بعد خالہ کی پھر آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''صاحب......! اوپر کا دروازہ لاک ہے۔''

''اچھا......اوپر کے دروازے کی دو چابیاں ہیں نا...... دوسری چابی ڈھونڈ کر رکھو، میں ابھی واپس آ رہا ہوں۔'' صارم موبائل آف کر کے فوراً ہی واپس چل پڑا۔

جب وہ گھر میں داخل ہوا تو خالہ سجو اسے باہر ہی مل گئی، اس کے ہاتھ میں چابی تھی۔

صارم نے بغیر کچھ کہے اس کے ہاتھ سے چابی لی اور دبے قدموں زینہ چڑھنے لگا، اوپر جا کر اس نے تصدیق کی۔ دروازہ اندر سے لاک تھا۔

صارم نے بہت آہستگی سے تالے میں چابی گھمائی...... ہینڈل کو اپنی طرف دھیرے سے کھینچا، دروازہ بے آواز کھل گیا۔

صارم نے دروازے میں داخل ہو کر کھلی چھت پر نظر ڈالی، چھت پر کوئی نہ تھا پھر وہ کمرے کی طرف بڑھا، کمرے کا دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا، صارم نے ایک جھٹکے سے پورا دروازہ کھول دیا۔

سارہ دروازے کے سامنے ہی کھڑی تھی۔

اور اس کی بانہوں میں......؟؟

سارہ کی بانہوں میں اس وقت جو کچھ تھا، اسے دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا۔

پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ سارہ کے ہاتھوں میں دراصل کچھ نہ تھا لیکن یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بچے کو اپنی بانہوں میں بھرے ٹہل ٹہل کر اسے سلا رہی ہو ساتھ ہی وہ کچھ گنگنا بھی رہی تھی۔

صارم کو دیکھتے ہی وہ ایک دم حواس باختہ ہو گئی۔ یہ بات اس کے تصور میں بھی نہ تھی کہ صارم اتنی جلد پلٹ کر آ جائے گا اور یہ بات صارم کے تصور سے بعید تھی کہ سارہ اسے کسی خیالی بچے کو سلاتی ملے گی۔

دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھ کر پریشان ہوئے تھے۔

سارہ نے فوراً ہی اپنے ہاتھ کھول دیئے اور اسے یاس بھری نظروں سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں س وقت ایسی ویرانی تھی کہ صارم کانپ کر رہ گیا۔

سارہ نے گردن جھکائی اور اس کے برابر سے نکلتی ہوئی زینہ اتر گئی۔

صارم اس کے جانے کے بعد کمرے میں داخل ہوا، اس نے کمرے کی ایک ایک چیز کو غور سے یکھا لیکن اسے وہاں کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جس سے سارہ کے اوپر آنے کی وجہ پر روشنی پڑتی۔

اس نے کمرے کی اچھی طرح تلاشی کے بعد کمرے کا دروازہ بند کیا اور نیچے اتر آیا، لاؤنج میں مالہ سجو پریشان کھڑی تھی، اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''سارہ کہاں ہیں؟'' صارم نے پوچھا۔

''جی......! وہ اپنے کمرے میں ہیں۔'' خالہ سجو نے بتایا۔

''خالہ سجو......! تم سے کوئی بات نہیں ہوئی؟'' صارم بولا۔

''نہیں صاحب......! بس وہ اوپر سے آ کر سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئیں، میں نے ان سے ت کرنے کی کوشش بھی کی لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی، تیزی سے اپنے کمرے میں چلی گئیں ردروازہ بند کر لیا۔'' خالہ سجو نے بتایا۔

صارم اپنے بیڈروم کی طرف بڑھا، اس نے دروازے کو کھولنا چاہا تو اسے اندر سے بند پایا، اس نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔

اندر سے کوئی جواب آیا، نہ دروازہ کھلا۔

صارم نے کچھ توقف کے بعد دوبارہ دستک دی اور ساتھ ہی پکارا۔ ''سارہ......سارہ......!''

لیکن دروازہ پھر بھی نہ کھلا تب صارم نے قدرے زور سے دروازہ تھپتھپایا اور آواز لگائی۔ ''سارہ......! دروازہ کھولو۔''

کچھ لمحوں بعد دروازے کی چٹخنی کھلنے کی آواز آئی اور پھر تھوڑا سا دروازہ وا ہوا، صارم اس تھوڑے

سے کھلے دروازے سے اندر داخل ہوگیا اور دروازے کو پیچھے دھکا دے دیا، دروازہ کٹ کی آواز کے ساتھ بند ہوگیا، اس نے سامنے نظر ڈالی۔

سارہ بیڈ پر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپائے اوندھی پڑی تھی، صارم چند لمحے کھڑا اسے دیکھتا رہا، اس کے جسم کی لرزش بتا رہی تھی کہ وہ رو رہی ہے۔

صارم نے بیڈ پر بیٹھ کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا، اس کا چہرہ آنسوؤں میں بھیگا ہوا تھا، صارم کا قرب پا کر وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکی، آنسوؤں کا بند ٹوٹ گیا اور وہ سسکیوں سے رونے لگی۔

''کیوں رو رہی ہو سارہ.....؟'' صارم نے اپنی انگلیوں سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''صارم.....! وہ اوپر رہتا ہے۔''

''کون.....؟'' صارم حیران ہوا۔

''میرا حسن.....!'' سارہ نے بڑے یقین سے کہا۔

''تمہیں کیا ہوگیا ہے سارہ.....! میرا خیال تھا کہ تم ٹھیک ہوگئی ہو لیکن تم تو ویسی کی ویسی ہو۔''

''مجھے کچھ نہیں ہوا صارم.....! تمہارے جانے کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا حسن رو رہا ہے، میرے کانوں میں اس کے رونے کی آواز گونج رہی تھی، میں تڑپ کر اوپر پہنچی تو وہ واقعی بیڈ پر لیٹا رو رہا تھا۔'' سارہ نے بڑے کھوئے ہوئے انداز میں اسے روداد سنائی۔

''سارہ.....! کیوں سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہو؟''

''یہ سراب نہیں یقین ہے۔'' سارہ نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

''کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ وہ بچہ جس کا نام تم نے حسن رکھا ہے، وہ تصوراتی نہیں حقیقی ہے؟'' صارم نے اس کے ذہن کو سمیٹنے کیلئے بات چھیڑی۔

''جس بچے کو میں کھلاتی پلاتی ہوں، اٹھاتی بٹھاتی ہوں، وہ تخیلی کیسے ہوسکتا ہے۔'' سارہ نے اسے اپنے طور پر سمجھانے کی کوشش کی۔

''ابھی جب میں اوپر گیا تو میں نے دیکھا کہ تم کسی بچے کو ہاتھوں میں اٹھائے زور زور سے ہلا رہی ہو، کھیل رہی ہو اور کچھ بول رہی ہو۔'' صارم نے بتایا۔

''کیا تم نے میری گود میں حسن کو نہیں دیکھا؟''

''ہاں..... یہی بات میں تمہیں بتانے جا رہا تھا کہ میں نے تمہارے ہاتھوں میں کسی بچے کو نہیں دیکھا، تم کہتی ہو کہ حسن کا وجود حقیقی ہے..... اگر حقیقی ہے تو وہ مجھے کیوں نظر نہیں آیا۔'' صارم نے جرح کی۔

''معلوم نہیں۔'' سارہ نے فوراً ہتھیار ڈال دیئے۔ وہ اس مسئلے پر کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''سارہ.....! مان لو کہ یہ سب تمہارا وہم ہے..... پلیز خود کو سنبھالو، بچے کے اس فوبیا سے نکلو..... وہ تو چلا گیا کبھی واپس نہ آنے کیلئے۔'' صارم نے اسے بہت پیار سے سمجھایا۔ ''سارہ! تم ایسا کرو کچھ

دن کیلئے کہیں چلی جاؤ، اکیلی رہتی ہو، ہر وقت تمہارا دھیان بچے کی طرف رہتا ہے، بچے کے سوا تم کچھ اور سوچتی ہی نہیں، کہیں جاؤ گی تو تمہارا دھیان بٹے گا۔''

''نہیں..... میں کہیں نہیں جاؤں گی، اپنے حسن کو چھوڑ کر میں کیسے کہیں جا سکتی ہوں۔'' سارہ نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

''اپنے حسن کو ساتھ لے جانا۔'' صارم نے یہ بات کہہ تو دی لیکن اسے بات کے ہلکے ہونے کا احساس ہوا۔

''نہیں.....! وہ کسی کے گھر جا کر پریشان ہو جائے گا، میں اسے پریشان نہیں کرنا چاہتی۔''

''سارہ.....! تمہیں کیا ہوگیا ہے، میں تو تمہاری ذہانت کی مثال دیتا تھا، اب تم اتنی ہی غیر دانشمندانہ گفتگو کرنے لگی ہو۔'' صارم کے لہجے میں خفیف سا شکوہ تھا۔

''صارم! ایک بات بتا دوں..... تم مجھے جو چاہے کہہ لو، میں تمہاری ہر بات سن لوں گی لیکن ایک بات یاد رکھنا اگر اب تم مجھے کسی سائیکاٹرسٹ کے پاس لے کر گئے تو میں ہرگز نہیں جاؤں گی اور نہ ہی کوئی دوا کھاؤں گی، یہ نیند کی گولیاں، ہیروئن بھرے کیپسول میں قطعاً نہیں کھاؤں گی۔'' سارہ نے تنبیہ کی۔

''سارہ.....! میری بات بہت غور سے سن لو..... اب اوپر جاؤ تو زینے کا دروازہ بند نہ کرنا، ویسے میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ تم زینے کا دروازہ کیوں بند کر لیتی ہو۔''

''صارم.....! میں نہیں چاہتی کہ خالہ جو مجھے دیکھیں اور دیکھ کر پریشان ہو جائیں، ویسے بھی میں یہ نہیں چاہتی کہ میرے اور حسن کے درمیان کوئی تیسرا آئے۔'' سارہ نے سچی بات کہی۔

''بہتر ہوگا کہ تم اوپر نہ جاؤ، اگر جانا ضروری سمجھو تو دروازہ ہرگز مت بند کرنا، امید ہے تم میری بات مان لوگی۔'' صارم نے بہت نرم لہجے میں کہا۔ ''ہمیں اس شری مخلوق سے ہوشیار رہنا ہے۔''

''اچھا صارم.....'' سارہ نے بڑی فرمانبرداری سے گردن ہلائی۔ وہ خوش تھی کہ اسے اوپر جانے کی اجازت مل گئی تھی، ورنہ اس بات کا امکان زیادہ تھا کہ صارم اوپر جانے کا راستہ مقفل کر دیتا۔

صارم بڑی الجھن کا شکار ہوگیا تھا، وہ انتقام کی آگ میں جل رہا تھا، اس شری مخلوق کے سردار کا کور نے وہ خوشی چھینی تھی جو سات سال کے بعد اس کا مقدر ہونے کو تھی، وہ چاہتا تھا کہ اس کا کور کو تباہ و برباد کر دے، جلا کر خاک کر دے..... ایسا کرنے کیلئے اسے حسن علی کی ضرورت تھی اور حسن علی کو پانے کیلئے اسے زیارت جانا تھا۔

وہ زیارت جانے کی تیاری میں تھا کہ سارہ کی ذہنی حالت دوبارہ خراب ہوگئی، وہ اسے اس حالت میں چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ سارہ کے سلسلے میں کیا کرے.....؟ اس نے سوچا کہ اس سلسلے میں جبار ناصر سے بات کرنا چاہئے۔

اس نے ڈرائنگ روم میں آ کر اپنے موبائل فون سے جبار ناصر سے رابطہ قائم کیا، وہ گھر پر موجود تھا

اور اتفاق سے آج اس کا آف تھا۔

''یار جبار......! میں بہت پریشان ہوں۔'' صارم بولا۔

''میرے ہوتے ہوئے پریشانی کیسی......؟ بتا کیا معاملہ ہے؟'' جبار ناصر نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ اس کے اپنائیت بھرے لہجے سے صارم کو بڑا حوصلہ ہوا۔

''یار......! آج تیرا آف ہے تو بھابی کو لے کر میرے گھر آجا۔'' صارم نے کہا۔

''ٹھیک ہے، آجاتا ہوں۔'' جبار ناصر نے ذرہ بھر بھی حیل وحجت نہ کی۔

وہ شام کو اپنی بیوی مہ ناز کو لے کر آ پہنچا۔ یوں تو جبار ناصر سے صارم کی بات ہوتی رہتی تھی، ملاقاتیں بھی جاری تھیں، کبھی صارم اس کے گھر چلا جاتا، کبھی جبار ناصر اس کے گھر آجاتا، کبھی کسی ہوٹل میں رات کا کھانا اکٹھے کھا لیتے۔

جب سے سارہ کے ساتھ یہ حادثہ ہوا تو ان کا آنا جانا مزید بڑھ گیا تھا۔ مہ ناز، سارہ کا بہت خیال رکھتی تھی، اس کی دلجوئی کیلئے فون کرتی یا آتی رہتی، بچے کے ضائع ہونے کے بعد سارہ کے ذہن پر ہونے والے اثر نے مہ ناز کو اور اس سے قریب کر دیا تھا۔

گھر آنے کے بعد صارم، جبار ناصر کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا جبکہ مہ ناز، سارہ کے ساتھ بیڈروم میں چلی گئی، مہ ناز کو دیکھ کر سارہ خوش ہوگئی تھی۔

صارم نے سارہ کے سلسلے میں ہونے والی نئی الجھن کے بارے میں تفصیل سے بتایا اور پھر بولا۔

''اب بتا یار......کیا کروں؟''

''میرا خیال تھا کہ بھابی نفسیاتی علاج سے ٹھیک ہوگئی ہیں لیکن یہ مرض تو اندر ہی اندر اور بڑھ گیا ہے۔''

''ہاں......نہ صرف بڑھ گیا ہے بلکہ خطرناک صورت اختیار کر گیا ہے، یار......! وہ تو بالکل پاگلوں والی باتیں کرنے لگی ہے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں سچ مچ پاگل ہی نہ ہو جائے۔'' صارم بڑا فکرمند تھا۔

''اللہ نہ کرے یار......!'' جبار ناصر ایک دم بولا۔ پھر چند لمحے توقف کر کے کہا۔ ''ایسا کرتے ہیں کہ بھابی کو نفسیاتی اسپتال میں داخل کروا دیتے ہیں، چوبیس گھنٹے ڈاکٹروں کی نگرانی میں رہیں گی تو جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔'' جبار ناصر نے مشورہ دیا۔

''تم اسپتال میں داخلے کی بات کر رہے ہو......وہ کسی سائیکاٹرسٹ سے بھی رجوع کرنے کیلئے تیار نہیں......کہیں معاملہ مزید خراب نہ ہو جائے۔'' صارم نے کہا۔

''ویسے میری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی، یہ معاملہ بڑھ کس طرح گیا؟''

''یار......! یہ معاملہ ختم ہی نہیں ہوا تھا، سارہ نے یہ سوچ کر کہ ہم اس کے پیچھے نہ پڑیں، اس نے اس معاملے کو چھپا لیا اور یہ معاملہ اب بھی میری نظروں سے پوشیدہ ہی رہتا، وہ تو بھلا ہو خالہ بجو کا کہ انہوں نے ہمت سے کام لیتے ہوئے مجھے بتا دیا ورنہ آگے جا کر یہ معاملہ جانے کیا رخ اختیار

کر جاتا۔''

''ہاں......صحیح کہہ رہے ہو......خالہ بجو نے واقعی عقلمندی کا ثبوت دیا۔'' جبار ناصر بولا۔

''ابھی ابھی ایک خیال میرے ذہن میں آیا ہے۔'' صارم نے چونک کر کہا۔

''ہاں......بولو۔'' جبار ناصر بولا۔

''اسپتال میں داخل کرنے سے پہلے روحانی علاج کروا کے نہ دیکھ لیا جائے؟''

''بشرطیکہ کوئی اچھا بندہ مل جائے۔''

''یار......میرا کوآرڈینیٹر ندیم شریف چند روز پہلے ایک روحانی معالج کا ذکر کر رہا تھا، بتا رہا تھا کہ بہت اچھے آدمی ہیں۔'' صارم نے کہا۔

''پھر اس سے بات کر کے دیکھ لو......اگر کوئی اچھے بزرگ ہیں تو علاج کرانے میں کوئی حرج نہیں۔'' جبار ناصر نے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے......میں ابھی اس سے بات کرتا ہوں، ابھی وہ دفتر میں ہوگا۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنے پروڈکشن ہاؤس کا نمبر ملایا۔

''ندیم صاحب دفتر میں ہیں؟'' آپریٹر کے ریسیور اٹھانے پر صارم نے پوچھا۔

''سر......! چیک کرتی ہوں۔'' آپریٹر نے اس کی آواز پہچان کر کہا۔

''ایسا کرو ندیم صاحب اگر دفتر میں نہ ہوں تو ان کے موبائل پر کال کر کے کہو کہ مجھ سے فوراً بات کریں۔'' صارم نے حکم دیا۔

''جی سر......! ٹھیک ہے۔'' آپریٹر نے کہا۔

صارم نے اپنا موبائل آف کر کے صوفے پر ڈال دیا۔

''یار جبار......! بڑی جان عذاب میں ہے۔''

''پریشان کیوں ہوتے ہو، اللہ چاہے گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' جبار ناصر نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

ابھی وہ بات کر ہی رہے تھے کہ موبائل فون کی بیل ہوئی، صارم نے موبائل اٹھا کر نمبر دیکھا پھر جبار ناصر سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''ندیم کا فون ہے۔''

''اچھا۔'' جبار ناصر نے گردن اثبات میں ہلائی۔

صارم نے موبائل کان سے لگایا اور بولا۔ ''ندیم صاحب......! کہاں ہیں اس وقت؟''

''سر......! دفتر سے باہر ہوں، آدھے گھنٹے تک دفتر پہنچ جاؤں گا......آپ حکم فرمائیں۔'' ندیم شریف بولا۔ ''آپ نے یاد کیا؟''

''بھئی آپ نے کسی بزرگ کا ذکر کیا تھا جو روحانی علاج کرتے ہیں۔'' صارم نے کہا۔

''جی سر......!'' ندیم شریف بولا۔ ''ان کا نام شمیم احمد ہے سر......!''

"بھئی مجھے اپنی مسز کو دکھانا تھا۔" صارم نے بتایا۔

"سر کوئی مسئلہ نہیں...... دکھا دیں گے آپ جب کہیں۔" ندیم شریف نے خوشدلی سے کہا۔

"ندیم! میں چاہ رہا تھا کہ وہ میرے گھر تشریف لے آئیں تاکہ وہ سارہ کے ساتھ اس گھر کو بھی دیکھ لیں، وہ تشریف لے آئیں گے نا......؟"

"یس سر...... انہیں گھر لے آؤں گا، آپ فرمائیں کب لے آؤں؟" ندیم نے صارم کی بات کاٹ کر کہا۔

"کل لے آؤ...... ان سے بات کر کے ٹائم لے لینا، وہ ٹائم مجھے بتا دینا تاکہ میں گھر پر موجود رہوں۔"

"ٹھیک ہے سر......! میں ان سے وقت لے کر بتا دوں گا۔" ندیم شریف نے جواب دیا۔

صارم نے "اللہ حافظ" کہہ کر موبائل آف کر دیا۔

دوسرے دن صبح نو بجے ندیم ان بزرگ کو اپنے ساتھ لے آیا۔ ندیم نے رات کو فون کر کے صارم کو آنے کا وقت بتا دیا تھا۔ ٹھیک نو بجے گھر کی کال بیل بجی، صارم بذات خود مین گیٹ پر پہنچا، جب اس نے گیٹ کھول کر ندیم کے ساتھ آنے والے شخص پر نظر ڈالی تو اسے وہاں کسی بزرگ کے بجائے ایک جوان شخص نظر آیا۔

مکلّف سفید شلوار قمیض، سانولی رنگت، بڑی بڑی حیران آنکھیں، کشادہ اور روشن پیشانی، کالر لگے چھوٹے بال، عمر چالیس پینتالیس سال، کلین شیو، سر پر ٹوپی، نہ ہاتھ میں تسبیح...... صارم نے ان "بزرگ" کو سرتاپا دیکھا۔ صارم نے اپنے طور پر اندازہ لگایا کہ روحانی بزرگ نے اپنی جگہ کسی مرید یا بیٹے کو بھیج دیا ہے لیکن جب ندیم نے اپنے برابر کھڑے صاحب کا تعارف کرایا۔

"سر......! شمیم بھائی۔"

تو صارم کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ یہ شمیم احمد روحانی بزرگ...... بہرحال یہ وقت حیرت ظاہر کرنے کا نہ تھا، اس نے ان "جوان بزرگ" سے جن کا اصل نام تو شمیم احمد تھا لیکن زیادہ تر وہ شمیم بھائی کے نام سے پکارے جاتے تھے، گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ ہاتھ ملا کر گیٹ میں داخل ہونے کا راستہ چھوڑا اور بولا۔ "آئیے...... تشریف لائیے۔"

وہ دونوں اندر داخل ہوئے، صارم نے پلٹ کر گیٹ بند کیا۔

اتنے میں شمیم احمد نے گھر کے گارڈن پر نظر ڈالی اور ندیم سے مخاطب ہو کر بولے۔ "اوہ...... اس گھر کا گارڈن تو خوب ہرا بھرا ہے...... خوب پھل، پھول......!" آگے کچھ کہتے کہتے رک گئے، اچانک گھر پر نظر پڑی تو اتنا کہہ کر چپ ہو گئے۔ "ہیں...... اچھا......!"

صارم نے ان دونوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور خود سارہ کو لینے جانے لگا تو ندیم نے اسے روکا۔

"سر......! ایک منٹ...... شمیم بھائی کچھ کہنا چاہتے ہیں۔"

صارم فوراً واپس پلٹ آیا اور بولا۔ "جی شمیم صاحب!"

"جناب بات یہ ہے کہ میں آپ کی مسز کی ہتھیلی پر اپنا ہاتھ پھیروں گا، اس کی مجھے اجازت ہے؟" شمیم احمد نے کہا۔ انہوں نے اپنی ہتھیلی پر دوسرا ہاتھ رگڑ کر دکھایا۔ "اس طرح۔"

"ٹھیک ہے، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" صارم نے خوشدلی سے کہا۔

"دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت آپ کی مسز جہاں موجود ہیں، ہم وہاں جائیں گے، آپ انہیں یہاں نہ لائیں۔" شمیم احمد بولے۔

"اچھا۔" صارم یہ کہہ کر ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔ خالہ سجو سامنے کھڑی تھیں، اس نے پوچھا۔

"سارہ کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں ہیں۔" خالہ سجو نے بتایا۔

صارم بیڈ روم میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ سارہ نرم گداز تکیوں کے سہارے بیڈ پر نیم دراز ہے۔

"سارہ......! شمیم صاحب آ گئے ہیں، تم انہیں دیکھ کر حیران مت ہونا، وہ کوئی بڑی عمر کے شخص نہیں ہیں، جوان آدمی ہیں اور کلین شیو ہیں، بالکل صفاچٹ...... ان کی تو مونچھیں بھی نہیں، وہ کہہ رہے ہیں کہ تمہاری ہتھیلی پر ہلکا سا ہاتھ رگڑیں گے، میں انہیں بلاتا ہوں۔" صارم نے اسے بتایا۔

"جی اچھا......!" سارہ فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور اس نے دوپٹہ اچھی طرح اوڑھ لیا۔ صارم باہر نکل گیا۔

صارم چند لمحوں بعد شمیم احمد کو اپنے ساتھ لئے کمرے میں داخل ہوا۔

"ذرا اپنا ہاتھ پھیلائیے۔" شمیم احمد نے سارہ سے کہا۔

سارہ نے اپنا سیدھا ہاتھ ان کے آگے کر دیا، شمیم احمد نے اپنا ہاتھ تین بار بہت آہستگی سے سارہ کی ہتھیلی پر رگڑا اور بیڈ روم سے نکل کر ڈرائنگ روم میں واپس آ کر بیٹھ گئے۔

شمیم احمد کے کمرے سے نکلتے ہی سارہ کو یوں لگا جیسے اس کے چاروں طرف اندھیرے کی چادر تن گئی ہو، اس نے اندازے سے اپنا ہاتھ صارم کی طرف بڑھایا، صارم نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ہاں......!" صارم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "کیا ہوا؟"

سارہ کچھ نہیں بولی۔ یہ اندھیرے کی کیفیت کچھ دیر رہی پھر اسے یوں لگا جیسے بہت سے پرندے یکے بعد دیگرے اس کے سر پر سے گزر رہے ہیں، وہ ان کے پروں کی آواز سن رہی تھی اور اپنے سر پر ہوا بھی محسوس کر رہی تھی لیکن اسے نظر کچھ نہیں آ رہا تھا۔ یہ کیفیت زیادہ دیر نہ رہی پھر اسے ایک دم کمزوری کا احساس ہوا۔

اس نے پانی مانگا اور بیڈ پر لیٹ گئی۔

وہ خالہ سجو سے پانی پلانے کا کہہ کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔

”کیا محسوس ہوا؟“ شمیم احمد نے صارم کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی پوچھا۔

”پانی مانگا ہے اور لیٹ گئی ہیں۔“ صارم نے بتایا۔

”ابھی انہیں پانی مت دیجئے گا..... پانی میں پڑھ کر دوں گا، وہ پلائیے گا فی الحال آپ ان سے کیفیت پوچھ کر آئیں کہ میرا ہاتھ رگڑنے کے بعد انہوں نے کیا محسوس کیا۔“

”اچھا..... میں پوچھ کر آتا ہوں۔“ صارم ڈرائنگ روم سے نکلا تو خالہ بجو پانی سے بھرا گلاس لے کر بیڈروم کی طرف جا رہی تھی۔

”خالہ..... !ابھی پانی مت دینا۔“ صارم نے اسے روکا۔

خالہ بجو بیڈروم میں جاتے جاتے رک گئی اور پانی سے بھرا گلاس ڈائننگ ٹیبل پر ڈھک کر رکھ دیا۔

صارم بیڈروم میں داخل ہوا تو سارہ نے اسے دیکھ کر کہا۔ ”پانی۔“

”سارہ..... ! کچھ دیر ٹھہر جاؤ، وہ شمیم صاحب کہہ رہے ہیں کہ تمہیں پڑھا ہوا پانی دینا ہے۔“ صارم نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ بتاؤ شمیم صاحب کے ہاتھ رگڑنے کے بعد تم نے کیا محسوس کیا؟“

”ان کے ہاتھ رگڑتے ہی میری آنکھوں کے سامنے بہت گہرا اندھیرا چھا گیا، کچھ لمحوں بعد اندھیرا چھٹا تو میں نے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ اور اپنے سر پر پروں کی ہوا محسوس کی، کچھ دیر یہ کیفیت رہنے کے بعد مجھے شدید کمزوری کا احساس ہوا اور پیاس لگی۔“ سارہ نے اپنی کیفیت بیان کی۔

صارم نے یہ کیفیت بلا کم و کاست شمیم احمد کے سامنے گوش گزار کر دی۔

سارہ کی کیفیت سن کر شمیم احمد کی حیران آنکھیں مزید حیران ہو گئیں، چند لمحے کچھ سوچتے رہے پھر بولے۔ ”پانی۔“

صارم ڈائننگ ٹیبل پر رکھا پانی سے بھرا گلاس اٹھا لایا اور ان کے سامنے میز پر رکھ دیا۔

شمیم احمد نے سگریٹ ایش ٹرے میں بجھائی اور صارم سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”کلی کرنا چاہتا ہوں، مجھے پڑھنا ہے۔“

صارم نے اسے واش بیسن تک پہنچایا۔ شمیم احمد کلی کر کے صوفے پر آ بیٹھے اور بولے۔ ”مجھے دو تین منٹ لگیں گے، پڑھ کر پانی دم کروں گا، وہ آپ اپنی مسز کو پلا دیجئے گا۔“

تین چار منٹ انہوں نے کچھ پڑھا، پھر پانی پر تین پھونکیں ماریں اور کہا۔ ”یہ پانی پلا دیں۔“

صارم پانی سے بھرا گلاس لے کر ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔

”ندیم صاحب..... ! یہ پانی مسز صارم پئیں گی نہیں..... برا بھلا ہمیں الگ کہیں گی۔“ شمیم احمد نے صارم کے جانے کے بعد ہنستے ہوئے کہا۔

اور ہوا بھی ایسا ہی..... صارم جب دم کیا ہوا پانی سارہ کے پاس لے کر پہنچا تو سارہ نے بڑے غور سے گلاس کو دیکھا اور کسی قدر ناراضی سے بولی۔ ”کیا ہے یہ.....؟“

”سارہ..... ! پانی ہے..... تمہیں پیاس لگ رہی تھی نا..... لو پی لو، شمیم صاحب نے دم کر کے دیا ہے۔“ صارم نے بتایا۔

”ارے نہیں صارم..... ! ہٹاؤ اسے، مجھے اب پیاس نہیں لگ رہی۔“ سارہ نے منہ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”صارم! یہ کون صاحب ہیں..... یہ تو کہیں سے بھی بزرگ نہیں لگتے بلکہ کامیڈین لگتے ہیں۔“

”نہیں سارہ..... ! ایسا مت کہو، بہت اچھے عامل ہیں۔“ صارم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”لو یہ پانی پی لو۔“

”میں نہیں پیوں گی یہ پانی..... ہٹاؤ اسے میرے سامنے سے۔“ سارہ نے یہ بات کچھ اس لہجے میں کہی کہ صارم کو لگا یہ سارہ نہیں کوئی اور ہے۔

صارم نے اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا، اسے لگا کہ اگر مزید اصرار کیا تو کہیں وہ گلاس پر ہاتھ نہ مار دے۔ وہ کمرے سے نکل آیا اور شمیم احمد کو ساری بات بتا دی۔

شمیم احمد نے پانی پینے سے انکار کا سن کر ندیم شریف کی طرف دیکھا۔

”آپ کے پانی لے جانے کے بعد شمیم بھائی نے کہا تھا کہ مسز صارم یہ پانی پئیں گی نہیں۔“ ندیم شریف نے کہا۔ ”کیا انہوں نے کچھ شمیم بھائی کے بارے میں بھی کہا ہے؟“

”ہاں..... ان کے خیال میں یہ کوئی بزرگ نہیں لگتے۔“ صارم نے کہا۔

”اب کیا کریں ہم سے غلطی ہو گئی..... آپ کے پروڈکشن ہاؤس سے داڑھی، مونچھ لگا کر آ جاتے، سر پر ٹوپی ہوتی، کمر جھکا کر چلتے اور بوڑھوں جیسی آواز نکال کر کہتے ہاں بیٹا کیسی ہو؟“ شمیم احمد نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

صارم نے چاہا کہ وہ انہیں بتا دے کہ سارہ نے انہیں کامیڈین بھی کہا ہے لیکن وہ کہتے کہتے رک گیا کہیں برا نہ مان جائیں۔

شمیم احمد نے میز پر رکھے گلاس کو جھک کر دیکھا، کچھ دیر پانی کو غور سے دیکھتے رہے پھر خود کلامی کے انداز میں بولے۔ ”ہم شکل سے جو چاہے لگتے ہوں لیکن آپ کو یہ پانی تو پینا ہو گا۔“

پھر انہوں نے گلاس اٹھا کر صارم کو دیا اور کہا۔ ”جائیں لے جائیں۔“

صارم نے جب دوبارہ سارہ کو پانی لے جا کر دیا تو اس نے حیرت انگیز طور پر خاموشی سے گلاس اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور بہت تیزی سے سارا پانی غٹا غٹ پی گئی جیسے بہت پیاسی ہو۔

صارم واپس ڈرائنگ روم میں آیا اور بولا۔ ”پانی پی لیا۔“

شمیم احمد نے کوئی جواب نہ دیا۔ چند لمحے چھت کی طرف دیکھتے رہے پھر بولے۔ ”اوپر کون رہتا ہے؟“

”کوئی نہیں۔“ صارم نے جواب دیا۔

"مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے یہ چھت ٹوٹ کر مجھ پر آ گرے گی، جناب! بہت وزن ہے چھت پر...... آئیں ذرا اوپر چل کر دیکھیں۔" شمیم احمد اٹھتے ہوئے بولے۔

"جی آیئے۔" صارم، شمیم احمد کو لاؤنج میں لے آیا۔ سامنے اوپر جانے کا دروازہ تھا، اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "اوپر جانے کا راستہ۔"

صارم نے آگے بڑھ کر زینے کا دروازہ کھولا۔ شمیم احمد کچھ پڑھتے ہوئے سیڑھیاں چڑھنے لگے، ان کے پیچھے صارم تھا...... چھت پر پہنچ کر شمیم احمد نے ایک نظر چاروں طرف دوڑائی پھر بیڈ روم کا دروازہ کھول کر دیکھا۔

"یہاں کون رہتا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"کوئی نہیں...... خالی پڑا ہے۔"

"خالی تو نہیں ہے۔" یہ کہہ کر شمیم احمد باہر آ گئے اور چھت کے درمیان کھڑے ہو کر انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں بابا کمبل نے بیٹھ کر جاپ کیا تھا اور اسرار نے بابا کمبل کے بدن کی آگ جو اس کے باپ نے لگائی تھی، بجھانے کیلئے پانی سے بھری بالٹی الٹ دی تھی، اگرچہ فرش بہت اچھی طرح دھویا گیا تھا لیکن ہلکی سی سیاہی اب بھی باقی تھی۔

شمیم احمد نے آسمان سے نظر ہٹا کر ایک دم نیچے دیکھا تو انہیں یوں محسوس ہوا جیسے چھت میں چار فٹ گول سوراخ ہو گیا ہو اور یہ سوراخ بہت اندر تک چلا گیا ہو جیسے کوئی گہرا کنواں......!

شمیم احمد فوراً پیچھے ہٹ گئے ورنہ وہ اس کنویں نما سوراخ میں جا پڑتے۔ ان کے پیچھے ہٹتے ہی وہ کنواں بند ہو گیا اور چھت اپنی اصلی حالت میں آ گئی۔

"بڑا پکا قبضہ ہے۔" شمیم احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی......؟" صارم سوالیہ انداز میں بولا۔ لیکن شمیم احمد نے کوئی جواب نہ دیا اور واپس جانے کیلئے دروازے کی طرف بڑھے۔ نیچے لاؤنج میں آ کر اس جگہ کھڑے ہو گئے جہاں ایک مرتبہ شاہ صاحب کرسی پر بیٹھے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کے بہت سے ہمشکل پیدا ہو گئے تھے۔

شمیم احمد نے لاؤنج میں کھڑے ہو کر کچھ پڑھا پھر پلٹ کر صارم پر نظر ڈالی تو وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔

وہاں اب صارم نہ تھا، صارم کی جگہ کوئی اور کھڑا تھا، کالا بھجنگ، موٹا تازہ، سرخ رنگ کا، چھوٹا تہبند باندھے، سفید چمکتے دانت سرخ، انگارہ آنکھیں...... اس نے ہاتھ ملانے کیلئے شمیم احمد کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔

"تم سے ہاتھ ملا کر میں نے اپنی عاقبت خراب نہیں کرنی...... اپنا ہاتھ پیچھے کرو۔" شمیم احمد نے بہت غصے سے کہا۔

شمیم احمد کے اتنا کہتے ہی وہ فوراً غائب ہو گیا، اس کی جگہ صارم نے لے لی۔ اچانک صارم کو

احساس ہوا کہ اس کا ہاتھ پھیلا ہوا ہے، اس نے جھجک کر فوراً اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ اس نے آخر شمیم احمد کی طرف اپنا ہاتھ کیوں بڑھایا تھا۔

شمیم احمد نے صارم کو مسکرا کر دیکھا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ڈرائنگ روم کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔ "ابھی اگر ہم آپ سے ہاتھ ملا لیتے تو ہمارے اندر کی روشنی، سیاہی میں بدل جاتی، وہ سمجھ رہا تھا کہ ہم آپ کے دھوکے میں اس سے ہاتھ ملائیں گے اسے شاید یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ، ہم سے چھپ نہیں سکے گا، جناب! وہ آپ کے اندر چھپ کر ہم سے ہاتھ ملانا چاہتا تھا۔"

اب صارم کی سمجھ میں آیا کہ وہ شمیم احمد کی طرف کیوں ہاتھ بڑھائے ہوئے تھا۔ وہ شری مخلوق اس کے روپ میں شمیم احمد کے سامنے آ گئی تھی لیکن وہ خود کو چھپانے سے قاصر رہی۔

"صارم صاحب......! اس گھر میں تو بڑی آبادی ہے، جدھر دیکھتا ہوں ادھر کالے بھجنگ، سفید دانتوں اور لال تہبند والے نظر آتے ہیں۔" شمیم احمد نے اطمینان سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"شمیم صاحب......! اس وحشی مخلوق نے مجھے بہت نقصان پہنچایا ہے، انہوں نے میرا لخت جگر چھین لیا ہے، میری بیوی کو بیمار ڈال دیا ہے، میرا بس چلے تو میں انہیں کچا چبا جاؤں ان منحوسوں کو۔" صارم نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"مجھے ذرا تفصیل سے بتایئے۔" شمیم احمد نے پیکٹ سے سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے کہا۔

صارم نے اس گھر کو خریدنے سے لے کر آج تک کی روداد پوری جزئیات کے ساتھ سنا دی۔

ساری تفصیل سن کر شمیم احمد کچھ پریشان سے ہو گئے، چند لمحے آنکھیں بند کر کے سوچتے رہے پھر بولے۔ "صارم صاحب......! آپ اگر مناسب سمجھیں تو ہمیں اپنی بیگم کی تصویر دے دیں، تصویر سراپا ہو اور بڑے سائز میں ہو۔"

"ٹھیک ہے، آپ کی مطلوبہ تصویر میں ندیم کے ہاتھ بھجوا دوں گا۔" صارم نے کہا۔ "تصویر کا آپ کیا کریں گے؟"

"اصل میں ہم فوٹو اپنے سامنے رکھ کر پڑھتے ہیں، آپ پریشان نہ ہوں، انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا، پہلے ہم آپ کی مسز کا علاج شروع کرتے ہیں پھر دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے۔" شمیم احمد نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

شمیم احمد اٹھنے لگے تو صارم نے ندیم شریف کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ صارم ڈرائنگ روم کے دروازے پر جا کر کھڑا ہو گیا، جب وہ قریب آ گیا تو صارم نے پوچھا۔ "ندیم صاحب......! ان کی خدمت میں کچھ پیش تو نہیں کرنا؟"

یہ بات اگرچہ صارم نے بہت آہستہ سے پوچھی تھی لیکن شمیم احمد کے کان میں اس کی بھنک پڑ گئی۔ ندیم کے جواب دینے سے پہلے ہی انہوں نے ہنستے ہوئے اونچے لہجے میں کہا۔ "جی صارم صاحب......! پیش تو کرنا ہے۔"

''جی فرمائیں۔'' صارم نے کہا۔ ندیم شریف نے انہیں حیرت سے دیکھا۔

''دیکھئے جناب! بات یہ ہے کہ آپ کوئی چھوٹے موٹے آدمی تو ہیں نہیں لہٰذا آپ سے کوئی چھوٹی موٹی چیز نہیں مانگی جائے گی، بڑی چیز مانگی جائے گی تو جناب ہمیں رانی چاہیے۔''

''رانی......؟'' صارم نے حیرت سے کہا اور پھر ندیم کی طرف دیکھا شاید وہ ان کی بات سمجھا ہو لیکن ندیم شریف کے چہرے پر بھی سوالیہ نشان تھا۔

''شمیم بھائی......! کون رانی؟'' ندیم نے وضاحت چاہی۔

''ارے آپ رانی کو نہیں جانتے، بھئی وہ ہمارے چڑیا گھر کی مشہور چیز ہے، ارے جناب! ہم ہتھنی کی بات کر رہے ہیں جس کا نام رانی ہے۔'' شمیم احمد نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''شمیم بھائی......! کچھ خدا کا خوف کریں۔'' ندیم شریف ان کے قریب بیٹھتا ہوا بولا۔

''جناب! بات یہ ہے کہ عامل حضرات عام طور سے کالا بکرا، کالا مرغا، الو اور اسی طرح کی بے شمار چیزیں مانگتے ہیں، ہم ذرا عامل اور قسم کے ہیں، ہمیں اپنے عمل کیلئے یہ ہتھنی چاہیے، ہم اس کا بھیجا نکال کر نیٹی جیٹی کے پل پر چلہ کشی کریں گے۔'' شمیم احمد شگفتہ انداز میں بولے۔

''جناب......! چڑیا گھر کی ہتھنی پیش کرنا تو میرے لئے ممکن نہیں۔'' صارم نے سنجیدگی سے کہا۔

''ارے سر......! آپ بھی سیریس ہوگئے، شمیم بھائی مذاق کر رہے ہیں۔'' ندیم بولا۔

''کوئی بات نہیں جناب! اگر ہتھنی ممکن نہیں ہے تو پھر کچھ اور سوچیں گے۔'' شمیم احمد ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے۔ ''اچھا جناب اجازت......!''

صارم ان دونوں کو مین گیٹ تک چھوڑنے آیا۔ شمیم احمد نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے میری کسی بات کا برا تو نہیں مانا......بس ذرا ہنسی مذاق کی عادت ہے۔''

''نہیں......کوئی بات نہیں۔'' صارم نے خوشدلی سے کہا۔ ''آپ آئے، بڑی مہربانی۔''

''سر......! میں شمیم بھائی کو گھر چھوڑ کر دفتر چلا جاؤں گا، آپ آ رہے ہیں؟'' ندیم شریف نے پوچھا۔

''ہاں۔'' صارم نے کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ایک ڈیڑھ گھنٹے میں پہنچ جاؤں گا۔''

''اوکے سر......! پھر اجازت۔'' ندیم شریف نے کہا۔

ان کے جانے کے بعد صارم نے مین گیٹ بند کیا اور شمیم احمد کے بارے میں سوچتا ہوا گھر کی طرف بڑھا، بڑی عجیب و غریب شخصیت تھی ان کی......ایک تو شکل صورت عاملوں والی نہیں اوپر سے یہ ہنسی مذاق......! سارہ نے ان کے بارے میں ٹھیک ہی کہا تھا کہ یہ عامل سے زیادہ کامیڈین لگتے ہیں۔

لیکن ایسا تھا نہیں......جو اوپر سے نظر آتے تھے، وہ اندر سے کچھ اور تھے، بندے کے اندر کا حال

اللہ کے سوا کون جانتا ہے۔

اللہ نے جو علم انہیں بخشا تھا، اس سے وہ دکھی لوگوں کی خدمت کرتے تھے، وہ ظالم مخلوق سے برسرپیکار تھے، وہ یوپی موڑ کے نزدیک مقیم تھے، دو کمرے کا چھوٹا سا فلیٹ تھا، شادی کی نہیں تھی، اپنی والدہ کے ساتھ رہتے تھے، والدہ، دوست احباب سب یہی چاہتے تھے کہ شادی کر لیں لیکن وہ شادی کے شدید مخالف تھے، ان کا خیال تھا کہ اگر شادی کی تو خدمت خلق میں رکاوٹ پیدا ہوگی، وہ جو کام کر رہے تھے، اس کیلئے بہت وقت درکار تھا، دن، رات انہیں پڑھائی سے کام تھا۔

وہ دن، رات دکھی بندوں میں گھرے رہتے تھے، جادو ٹونے، سفلی، نظر اور آسیب کے ماہر تھے، ہتھیلی پر ہاتھ رگڑتے ہی ''مریض'' کا حال منکشف ہو جاتا تھا۔

ایک بار سات آٹھ سال کی خوبصورت بچی کے علاج کیلئے انہیں لے جایا گیا، اس بچی کی حالت یہ تھی کہ ادھر وہ کپڑے پہنتی تھی ادھر اس کی قمیض کٹتی چلی جاتی تھی، یوں لگتا تھا جیسے کوئی اس کے لباس پر بڑی مہارت سے قینچی چلا رہا ہو......والدین اس بچی کے کپڑے بنا بنا کر تنگ آ گئے تھے۔

شمیم احمد نے اس لڑکی کو دیکھتے ہی اندازہ کر لیا کہ وہ بری طرح چھیٹ میں ہے۔

انہوں نے ایک گلاس پانی مانگا، پانی پڑھ کر اپنے ہاتھ سے اس لڑکی کو دیا اور کہا۔ ''بیٹا......! یہ پانی پی لو۔''

لڑکی نے بمشکل اپنے ہاتھ میں گلاس پکڑا اور جیسے ہی وہ پانی پینے لگی، سارا پانی گلاس کی تلی سے نکل گیا جبکہ گلاس کہیں سے نہیں ٹوٹا تھا۔

شمیم صاحب نے دوبارہ پانی مانگا......اسے پڑھ کر بچی کے ہاتھ میں پینے کیلئے دیا پھر ایسا ہی ہوا، سارا پانی تلی سے نکل گیا لڑکی نے زور سے قہقہہ لگایا اور گلاس قالین پر پھینک دیا۔

''او......ایسی شعبدے بازی میں نے بہت دیکھی ہے۔'' شمیم احمد نے لڑکی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

اب لڑکی کی آنکھوں کا رنگ بدل چکا تھا، وہ ایک دم غرا کر بولی۔ ''تو پاگل ہے کیا؟''

''پاگل میں نہیں......تو پاگل ہے، خواہ مخواہ بچی کی جان عذاب میں کی ہے، اس کا پیچھا چھوڑ دے۔''

''او......جا اپنا کام کر۔''

''تیرا علاج ہے میرے پاس۔'' شمیم احمد نے سخت لہجے میں کہا۔

''ہمارے پاس بھی ہے تیرا علاج۔'' لڑکی نے وحشت بھری آنکھوں سے شمیم احمد کو دیکھا پھر اس نے جھک کر قالین سے گلاس اٹھایا اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ ''لے یہ پی لے، تیرا پاگل پن دور ہو جائے گا......ہر ایک کو پڑھ کر پانی دیتا پھرتا ہے۔''

گلاس پیلے رنگ کی سیال چیز سے بھر گیا تھا جس سے شدید بدبو آ رہی تھی۔ ''لے پی لے۔''

شمیم احمد اس لڑکی کو گھور کر دیکھ رہے تھے۔ ''نہیں پیتا چل پھر نہالے۔'' یہ کہہ کر اس لڑکی نے بھرا ہوا گلاس شمیم احمد کے اوپر پھینک دیا اور قہقہہ لگاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

بس پھر یہ لڑکی شمیم احمد کیلئے چیلنج بن گئی اور پھر وہ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک اس لڑکی کو اس خبیث سے نجات نہ دلا دی۔

ایسے اور اس طرح کے بے شمار افراد تھے جن سے شمیم احمد کا واسطہ تھا۔

آج بھی انہیں ایک عجیب وغریب کیس سے واسطہ پڑا تھا، ندیم شریف انہیں سڑک پر چھوڑ کر چلا گیا، وہ آہستہ آہستہ اپنے زینے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس آسیب زدہ گھر اور سارہ کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ انہوں نے اس گھر میں جو کچھ دیکھا تھا، وہ انہیں پریشان کرنے کیلئے کافی تھا، یہ ایک حوصلہ شکن کیس تھا لیکن وہ حوصلہ ہارنے والوں میں سے نہ تھے۔

اپنے فلیٹ کے دروازے پر پہنچ کر انہوں نے جیب سے چابی نکالی۔ اس فلیٹ کی دو چابیاں تھیں، ایک اماں کے پاس رہتی اور دوسری ان کے پاس...... اماں کو اگر کہیں جانا ہوتا تو وہ تالا بند کر کے چلی جاتیں۔

شمیم احمد نے تالا کھولنے کیلئے ہاتھ میں دبی چابی آگے بڑھائی ہی تھی کہ گھر کا دروازہ خود بخود کھل گیا، دروازے پر اماں نظر آئیں، سر پر دوپٹہ اس طرح ڈالا ہوا تھا کہ چہرہ چھپ گیا تھا۔

''اماں......! تمہیں کیسے پتہ چل گیا کہ میں دروازے پر آ گیا ہوں...... میرے تالا کھولنے سے پہلے ہی دروازہ کھول دیا، اماں تم تو مجھ سے بھی بڑی عامل ہو گئی ہو...... اماں! گھونگھٹ کیوں نکالا ہوا ہے، اب تم مجھ سے بھی پردہ کرنے لگی ہو کیا؟'' شمیم احمد نے شوخ انداز میں کہا۔

تب ایک دم غراہٹ کی آواز آئی، چہرے سے دوپٹہ خود بخود ہٹتا چلا گیا، کالا بھجنگ چہرہ، سرخ آنکھیں اور سفید دانت۔

شمیم احمد اس چہرے کو دیکھتے ہی ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔

''شمیم احمد......! اب ادھر مت جانا۔'' ایک غراہٹ بھری آواز سنائی دی۔

شمیم احمد نے جلدی سے کچھ پڑھا اور اس پر پھونک ماری۔ وہ جو کوئی بھی تھا، ایک لمحے میں غائب ہو گیا، شمیم احمد کا ہاتھ ابھی تک تالے کی طرف بڑھا ہوا تھا، دروازہ جوں کا توں بند تھا۔

انہوں نے مسکراتے ہوئے چابی تالے میں لگائی اور دروازہ کھول دیا۔

دوسرے دن شام کو ندیم شریف، سارہ کی تصویر لے آیا۔ یہ دس بائی بارہ سائز کی تصویر تھی اور اس میں سارہ سرتاپا نظر آ رہی تھی۔

''شمیم بھائی......! تصویر ٹھیک ہے؟''

''ہاں...... یار تصویر ٹھیک ہے۔'' شمیم احمد تصویر کو دیکھتے ہوئے بولے۔ ''وہ کل میرے گھر آ گیا تھا، مجھے تنبیہہ کر گیا ہے کہ اب ادھر مت جانا۔''

''اوہ...... پھر؟'' ندیم گھبرا کر بولا۔

''پھر کیا؟'' شمیم احمد پرسکون انداز میں بولے۔ ''اس طرح دھمکیوں میں آتے رہے تو کر لیا کام۔''

''صارم صاحب کی بیگم ٹھیک ہو جائیں گی؟''

''اپنی کوشش تو یہی ہوگی...... آگے اللہ مالک ہے۔'' شمیم احمد نے کہا۔

شمیم احمد کا دو کمرے کا فلیٹ تھا، ایک ڈرائنگ روم جس میں ایک صوفہ اور سامنے فرشی نشست اس ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر وہ پڑھائی کرتے، ڈرائنگ روم کے برابر ایک بیڈ روم جو شمیم احمد کے سونے کے کام آتا، اماں لاؤنج میں رہتیں۔

رات کو شمیم احمد نے پڑھنے کی نشست جمائی، جانماز بچھا کر اس کے اوپر کلپ بورڈ میز کے سہارے کھڑا کیا، کلپ بورڈ پر سارہ کی تصویر لگائی اور دوزانو ہو کر بیٹھ گئے، میز کے اوپر دیوار پر خانہ کعبہ کی تصویر لگی تھی اور جانماز پر بھی خانہ کعبہ بنا ہوا تھا۔

تصویر پر نظر ڈال کر شمیم احمد نے پڑھنا شروع کیا۔

ابھی پڑھتے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی ہوگی کہ ان کی زبان سے اچانک کلمۂ حیرت نکلا۔ ''ارے...... یہ کیا ہوا؟''

بات بھی حیرت کی تھی...... سارہ کی تصویر دیکھتے دیکھتے ایک دم نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی اور پریشان کن بات یہ تھی کہ نہ صرف تصویر غائب ہو گئی تھی بلکہ جس کلپ بورڈ پر لگی ہوئی تھی، وہ کلپ بورڈ پورا کا پورا سامنے سے اٹھ گیا تھا۔

شمیم احمد نے یہ سوچ کر اس جگہ ہاتھ بڑھایا کہ یہ محض فریب نظر ہے، کلپ بورڈ اپنی جگہ موجود ہوگا لیکن ایسا نہ تھا، انہوں نے اچھی طرح ہاتھ سے ٹٹول لیا لیکن کلپ بورڈ ہاتھ کو محسوس نہ ہوا، ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے پورا کلپ بورڈ ان کے سامنے سے اٹھا لیا ہو...... یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا، ایسا کبھی نہ ہوا تھا، کسی غیر انسانی مخلوق میں اتنی جرأت نہ ہوئی تھی کہ اس طرح ان کے سامنے سے نہ صرف تصویر بلکہ پورا کلپ بورڈ ہی غائب کر دے۔

وہ اپنا کام شروع کر چکے تھے، تصویر کی غیر موجودگی سے کچھ فرق نہیں پڑتا، وہ اپنے سامنے تصویر محض اس لئے رکھتے تھے تاکہ ذہن یکسو رہے، ارتکاز کی کیفیت برقرار رہے، انہیں صارم کی بیگم کا نام معلوم تھا، وہ اس کا نام ذہن میں رکھ کر پڑھتے رہے۔

ایک گھنٹہ پڑھنے کے بعد انہوں نے پانی کی بوتل پر پھونک ماری اور بوتل بند کر کے سامنے میز پر رکھی اور جیسے ہی جانماز اٹھانے کیلئے پیچھے ہوئے تو ان کا پیر کسی چیز سے ٹکرایا، مڑ کر دیکھا تو ان کے پیچھے کلپ بورڈ پڑا ہوا تھا لیکن خالی کلپ بورڈ...... اس میں تصویر نہ تھی۔

خالی کلپ بورڈ دیکھ کر ان کی روشن پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

صبح کو ندیم شریف پڑھا ہوا پانی لینے آیا تو شمیم احمد نے اسے پانی کی بوتل تھماتے ہوئے ہدایت کی۔ ''صارم صاحب سے کہنا اس پانی کو اپنی نگرانی میں پلائیں ورنہ وہ پییں گی نہیں۔''

☆......☆......☆

صارم دفتر سے نکلنے کی تیاری کر رہا تھا کہ اس کے موبائل پر ندیم شریف کی کال موصول ہوئی کہ وہ راستے میں ہے، دس پندرہ منٹ میں گھر پہنچ جائے گا، پڑھا ہوا پانی لا رہا ہے۔

پندرہ منٹ بعد ندیم شریف، صارم کے گھر پہنچ گیا، اس وقت وہ ٹیلیفون پر جبار ناصر سے بات کر رہا تھا، بیل بجنے پر اس نے خالہ سجو کو آواز دے کر کہا۔ ''خالہ سجو......! اگر گیٹ پر ندیم صاحب ہوں تو انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ، میں بات کر کے آتا ہوں۔''

''جی اچھا......!'' باہر سے خالہ سجو کی آواز آئی۔

''ہاں جی! شاید دروازے پر ندیم شریف ہے، وہ پانی پڑھوا کر لایا ہے۔'' صارم نے جبار ناصر سے اپنی گفتگو کا سلسلہ جوڑتے ہوئے کہا۔

خالہ سجو نے مین گیٹ کھولا تو دروازے پر ندیم شریف ہی تھا۔

''صارم صاحب ہیں؟'' ندیم شریف نے پوچھا۔

''آپ ندیم صاحب ہیں؟'' خالہ سجو نے تصدیق چاہی۔

''جی۔'' ندیم شریف بولا۔

''آپ اندر آجائیں......صاحب کسی سے فون پر بات کر رہے ہیں۔'' خالہ سجو نے بتایا اور اسے ڈرائنگ روم کے دروازے تک پہنچا دیا۔

ندیم شریف نے اپنے کندھے پر لٹکے بیگ سے پانی کی بوتل نکالی اور خالہ سجو کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''یہ صارم صاحب کو دیدیں۔''

خالہ سجو نے بوتل لے لی، ندیم ڈرائنگ روم کے اندر چلا گیا اور خالہ سجو بوتل لئے بیڈروم کے دروازے پر آ گئی۔ صارم فون پر محو گفتگو تھا، خالہ سجو نے وہ بوتل سارہ کے ہاتھ میں تھما دی جو بیڈ پر نیم دراز تھی۔

''ندیم صاحب نے دی ہے۔'' خالہ سجو نے آہستہ سے بتایا اور بیڈروم سے باہر نکل گئی۔

''اچھا یار......! میں ذرا ندیم سے بات کر لوں پھر دفتر پہنچ کر تم سے بات کروں گا، او کے......خدا حافظ۔'' صارم نے ریسیور زور سے کریڈل پر رکھا اور پھر فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔ ''سارہ! میں آتا ہوں۔''

صارم کے باہر نکلتے ہی اس کے اندر بجلی سی دوڑ گئی، وہ بڑی پھرتی سے اٹھی، اس نے بڑی تیزی سے بوتل کا ڈھکن کھولا......کھڑکی کا شیشہ ہٹایا اور بوتل کا پانی کیاری میں گرا دیا۔

پھر وہ خالی بوتل لے کر واش روم میں گھس گئی، وہاں اس نے نلکا پورا کھول کر بوتل بھری اور اس کا ڈھکن بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی اور پورے اطمینان سے بیڈ پر لیٹ گئی۔

بیڈ پر لیٹتے ہی اس کے جسم میں ایک جھٹکا سا لگا، اس نے پانی سے بھری بوتل کو بغور دیکھا اور پھر ایک طرف گردن ڈال کر آنکھیں بند کر لیں۔

کچھ دیر بعد صارم، ندیم شریف کو رخصت کر کے بیڈروم میں آیا تو سارہ کو آنکھیں بند کئے بیڈ پر لیٹا پایا۔

صارم نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی بوتل اٹھائی، اسے غور سے دیکھا پھر خالہ سجو کو آواز لگائی۔ ''خالہ! ایک گلاس لانا......اچھی طرح دھو کر۔''

''جی اچھا۔'' خالہ سجو کی کچن سے آواز آئی۔

صارم کی آواز سن کر سارہ نے آنکھیں کھول دیں، سارہ کی آنکھیں دیکھ کر صارم کو دھچکا سا لگا، اس کی حسین آنکھوں میں بڑی دل ہلا دینے والی ویرانی تھی۔

''اوہ......! سارہ کیا ہوا؟'' صارم نے بڑے پیار سے پوچھا۔

''کچھ نہیں......کچھ بھی تو نہیں۔'' سارہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اتنے میں خالہ سجو گلاس لے آئی۔ ''صاحب جی! گلاس۔''

صارم نے اس کے ہاتھ سے گلاس لے لیا اور بوتل سے ایک انداز سے پانی نکال کر سارہ کی طرف بڑھایا اور بولا۔ ''سارہ......! یہ پانی پی لو، شمیم صاحب نے پڑھ کر بھیجا ہے......انشاء اللہ تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔''

''مجھے کیا ہوا ہے؟'' سارہ نے بہت سادگی سے سوال کیا اور ساتھ ہی گلاس اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

صارم نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اس سے کیسے کہتا کہ تم جو تصور میں ایک بچہ پال رہی ہو، اس سے نجات مل جائے گی۔

''یہ پانی پی لو۔'' صارم نے بس اتنا کہا۔

''اچھا۔'' سارہ نے بڑی سعادت مندی سے گلاس اپنے منہ سے لگا لیا۔

جب وہ پانی پی چکی تو صارم کو بڑی خوشی ہوئی کیونکہ شمیم احمد نے ندیم کو ہدایت دے کر بھیجا تھا کہ پانی وہ خود پلائے ورنہ پییں گی نہیں۔

''سارہ......! یہ بوتل میں فریج میں رکھوا رہا ہوں، میں شام کو آ کر خود اپنے ہاتھوں سے تمہیں یہ پانی پلاؤں گا۔'' صارم نے اسے بتایا۔

''جی اچھا۔'' سارہ نے کہا۔ ''یہ پانی کب تک پینا ہے، مجھے بتائیں میں خود پی لوں گی۔''

''اچھا......پھر ایسا کرنا تم دوپہر کو یہ پانی پی لینا باقی میں خود آ کر پلاؤں گا۔'' صارم خوش ہو کر بولا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ سارہ اتنی سعادت مندی سے یہ پانی پی لے گی۔

اسے کیا معلوم کہ سارہ پڑھا ہوا پانی پہلے ہی کیاری کی نذر کر چکی ہے۔ ویسے یہ بات خود سارہ کو بھی معلوم نہیں تھی کہ اس نے پڑھا ہوا پانی کیاری میں ڈال دیا ہے۔

☆......☆......☆

دفتر پہنچ کر صارم نے شمیم احمد کو فون کیا۔

''شمیم صاحب......! میں صارم بات کر رہا ہوں۔'' ریسیور اٹھائے جانے پر صارم بولا۔

''جی صارم صاحب! آپ کی بیگم کا کیا حال ہے، آپ نے انہیں پانی پلا دیا تھا؟''

''جی......! پلا دیا لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ انہوں نے پانی پینے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ نہیں دکھائی، بڑی خوشی سے پی لیا...... نہ صرف پانی پی لیا بلکہ دوپہر کو پینے کا بھی وعدہ کر لیا۔'' صارم نے خوش ہو کر بتایا۔

''حیرت ہے۔'' شمیم احمد نے کہا۔ ''ذرا یہ بتائیں پانی پینے کے بعد ان کی حالت کیا ہوئی؟''

''کچھ نہیں...... نارمل رہیں۔'' صارم نے کہا۔

''پھر صارم صاحب ......! پانی انہوں نے پیا ہی نہیں۔'' شمیم احمد نے بڑے یقین سے کہا۔

''پانی میں نے خود اپنے ہاتھ سے پلایا ہے۔'' صارم کے لہجے میں بھی یقین تھا۔

''اصل میں صارم صاحب......! پانی پیتے ہی ان کی طبیعت خراب ہونا لازمی تھی، وہ نڈھال ہو جاتیں، ایک غنودگی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی، ایسا ہونا یقینی تھا۔'' شمیم احمد نے کہا۔

''ایسا تو کچھ نہیں ہوا۔'' صارم نے تذبذب کے عالم میں کہا۔

''آپ ایسا کریں وہ پانی کی بوتل مجھے بھجوا دیں...... میں پانی کی شکل دیکھ کر بتا دوں گا کہ یہ کون سا پانی ہے، مجھے یقین ہے کہ اس بوتل میں وہ پانی ہی نہیں جو میں نے پڑھ کر دیا تھا، ضرور اس شری مخلوق نے کوئی ہاتھ دکھایا ہے، یہاں اس نے میرے گھر میں بھی تماشا کیا ہے۔'' شمیم احمد نے بتایا۔

''اچھا...... وہ کیا؟'' صارم نے پوچھا۔

''مجھے دھمکی دی گئی کہ اب ادھر مت جانا...... پھر کوشش کی گئی کہ میں پانی نہ پڑھ سکوں، آپ کی بیگم کی تصویر میرے سامنے سے غائب کر دی گئی...... پانی میں نے پھر بھی پڑھ کر بھیج دیا، مجھے ڈر تھا کہ آپ کی بیگم یہ پانی نہیں پئیں گی اس لئے ندیم صاحب کو ہدایت دے کر بھیجا تھا کہ صارم صاحب خود پانی پلائیں، اب مجھے اپنا خدشہ صحیح ثابت ہوتا محسوس ہو رہا ہے، پانی میں ضرور کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔'' شمیم احمد نے تفصیل سے بات کی۔

''آپ ابھی گھر پر ہیں؟'' صارم نے پوچھا۔

''جی!'' شمیم احمد نے جواب دیا۔

''میں ابھی ندیم کو لے کر گھر جاتا ہوں، پانی کی بوتل ان کے ہاتھ آپ کو بھجواتا ہوں، آپ چیک کریں اگر کوئی گڑبڑ ہے تو مجھے بتا دیں اور پانی ٹھیک ہے تو میں خود دوپہر کا پانی اپنے ہاتھ سے پلا دوں گا۔'' صارم نے کہا۔

پھر وہ ندیم کو اپنے ساتھ لے کر گھر چلا گیا، گھر پہنچ کر اس نے وہ پانی کی بوتل خالہ بجو سے فریج سے

نکلوائی اور دروازے پر کھڑے ہوئے ندیم کے حوالے کر دی۔ وہ پانی کی بوتل لے کر شمیم احمد کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

پانی کی بوتل دیکھتے ہی شمیم احمد نے کہا۔ ''یہ میرا دیا ہوا پانی نہیں۔'' پھر مزید تصدیق کیلئے بوتل کا ڈھکن کھول کر اسے سونگھا اور کچھ پڑھ کر اس پر پھونک ماری۔

دیکھتے ہی دیکھتے پانی کی رنگت بدل گئی، وہ سفید سے سرخ ہو گیا، یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بوتل میں پانی نہ ہو تازہ خون ہو...... ندیم نے یوں پانی کا رنگ بدلتے دیکھا تو خوف زدہ ہو گیا۔

''اب مجھے کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں رہا۔'' شمیم احمد نے کہا۔ ''اس شری مخلوق نے پانی بدل دیا ہے۔''

''اوہ......! یہ تو بہت برا ہوا۔'' ندیم بولا۔

''اس سے زیادہ برا یہ ہوگا کہ اگر یہ بوتل سمندر برد نہ کی گئی تو بارہ گھنٹے بعد خود بخود پھٹ جائے گی، بڑی تباہی پھیلے گی، آپ فوری طور پر ایک کام کریں اسے نیٹی جیٹی کے پل سے سمندر میں پھینک دیں، یہ بہت ضروری ہے۔'' شمیم احمد نے ہدایت کی۔

ندیم شریف نے خون بھری بوتل ڈرتے ڈرتے شمیم احمد کے ہاتھ سے لے لی، اس کا ڈھکن کس کر بند کیا، شمیم احمد نے اسے ایک شاپر دیا، اس نے وہ بوتل شاپر میں ڈال لی اور بولا۔ ''ایک آدھ گھنٹے میں تو یہ نہیں پھٹے گی؟''

''بارہ گھنٹے تک یہ جوں کی توں رہے گی۔'' شمیم احمد نے یقین دلایا۔

''بس ٹھیک ہے...... پھر میں یہاں سے سیدھا نیٹی جیٹی کے پل کی طرف جا رہا ہوں۔'' ندیم شریف نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''آپ فون پر صارم صاحب کو صورتحال بتا دیجئے گا۔''

''ٹھیک ہے آپ جائیں، میں صارم صاحب کو یہ نیا ڈرامہ بتائے دیتا ہوں۔'' شمیم احمد نے اسے تسلی دی۔ ''آپ پریشان نہ ہوں، آرام سے جائیں۔''

''جی اچھا۔'' ندیم شریف نے کہا اور شمیم احمد کے گھر سے نکل آیا۔

یہ بوتل اس نے اپنے بیگ میں رکھنے کے بجائے موٹر سائیکل کے ہینڈل سے لٹکا لی اور گاڑی تیزی سے نیٹی جیٹی کے پل کی طرف دوڑا دی۔

اس کی کوشش تھی کہ وہ جلد از جلد اس مصیبت سے نجات پا لے اگرچہ اس ''ٹائم بم'' کے پھٹنے میں بارہ گھنٹے باقی تھے لیکن ندیم شریف کو خدشہ تھا کہ کہیں یہ ''بوتل بم'' وقت سے پہلے نہ پھٹ جائے، اسے نہیں معلوم تھا کہ بوتل پھٹنے کی صورت میں کیا ہوگا لیکن اسے یہ ضرور معلوم تھا کہ جو کچھ بھی ہوگا، اس کے ساتھ ہی ہوگا کیونکہ بوتل اس کے ساتھ تھی۔

وہ ٹریفک کے درمیان سے اپنا راستہ نکالتا نیٹی جیٹی کے پل کی طرف اڑا جا رہا تھا، جیسے جیسے وہ سمندر کے نزدیک ہوتا جا رہا تھا، اس کے کندھوں پر بوجھ بڑھتا جا رہا تھا، اسے یوں محسوس ہو رہا تھا

جیسے کوئی اس کے کندھوں پر سوار ہو گیا ہو، ہاتھوں میں بھی درد شروع ہو گیا تھا۔

بالآخر وہ نیٹی جیٹی کے پل پر پہنچ ہی گیا۔

اس نے فٹ پاتھ پر چڑھا کر اپنی موٹر سائیکل کھڑی کی، ہینڈل سے شاپر الگ کیا، شاپر ہاتھ میں آتے ہی وہ بوتل اسے خاصی وزنی معلوم ہوئی، وہ جلدی سے دیوار کے نزدیک آیا اور ایک لمحہ دیر کیے بغیر وہ خون سے بھری بوتل مع شاپر فضا میں اچھال دی۔

اس بوتل کا وزن دگنا ہو چکا تھا لیکن جب وہ سمندر میں گری تو یوں محسوس ہوا جیسے کوئی خاصی وزنی اور خاصی بڑی چیز پانی میں گری ہو، ایک زور کا چھپا کا ہوا، سمندر کا پانی اچھلا اور وہ بوتل پانی پر گرتے ہی غائب ہو گئی، چند لمحوں بعد ہی سطح آب برابر ہو گئی۔

بوتل کے غائب ہوتے ہی ندیم شریف کے بازوؤں میں تکلیف بڑھ گئی، کندھوں پر بوجھ پہلے ہی تھا، اس نے جلدی سے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور واپس چل دیا۔

کچھ دور جا کر اسے احساس ہوا کہ وہ غلط سمت جا رہا ہے، اسے بڑی حیرت ہوئی کہ وہ راستہ کیسے بھٹک گیا بہر حال وہ گھوم کر صحیح راستے پر آیا ٹاور کے پاس پہنچا تو اس کے ہاتھوں میں درد اتنا بڑھ گیا کہ موٹر سائیکل چلانا مشکل ہو گیا، اس نے فوراً موٹر سائیکل سڑک کے کنارے روک دی اور موٹر سائیکل پر بیٹھے بیٹھے اپنے بازو دبانے لگا۔

اتنے میں موبائل کی گھنٹی بجی، ندیم نے جیب سے موبائل نکال کر نمبر دیکھا، یہ صارم کی کال تھی۔

''جی سر......!'' ندیم نے موبائل کان سے لگا کر کہا۔

''ندیم صاحب......! آپ کہاں ہیں؟'' صارم نے پوچھا۔

''سر......! اس وقت میں ٹاور پر ہوں اور موٹر سائیکل سڑک کے کنارے کھڑی کر کے اس پر بیٹھا ہوا ہوں۔'' ندیم نے صورتحال بتائی۔

''خیریت......؟'' صارم نے پوچھا۔

''سر......! آپ کی شمیم صاحب سے بات ہو گئی؟'' ندیم نے کہا۔

''ہاں......انہوں نے بتایا کہ آپ خون سے بھری بوتل سمندر میں پھینکنے گئے ہیں۔'' صارم نے کہا۔ ''کیا ہوا وہ بوتل پھینک دی؟''

''جی سر......! بوتل تو میں نے سمندر میں پھینک دی لیکن اس بوتل کے پھینکتے ہی مجھ پر مصیبت نازل ہو گئی، کندھوں پر بوجھ تو سمندر کی طرف جاتے ہوئے ہی بڑھ گیا تھا، بوتل پھینکنے کے بعد جب واپسی کا راستہ پکڑا تو راستہ بھول گیا، کافی آگے جا کر محسوس ہوا کہ غلط راستے پر جا رہا ہوں، واپس آیا ابھی ٹاور تک ہی پہنچا تھا کہ موٹر سائیکل چلانا مشکل ہو گیا، کندھوں پر بوجھ، بازوؤں میں شدید تکلیف......مجبوراً موٹر سائیکل روک کر کھڑا ہو گیا ورنہ ایکسیڈنٹ یقینی تھا۔'' ندیم نے بتایا۔

''اوہ......مائی گاڈ......! یہ میں نے آپ کو کس مصیبت میں پھنسا دیا۔'' صارم شرمندہ ہو کر بولا۔

''ارے نہیں......! اس میں آپ کا کیا قصور۔'' ندیم نے صارم کی شرمندگی دور کرنے کی کوشش کی۔

''اچھا آپ ایسا کریں شمیم صاحب کو فون کر لیں، انہیں اپنی کیفیت بتائیں، میرے خیال میں وہ اس سلسلے میں ضرور کچھ کریں گے۔'' صارم نے مشورہ دیا۔

''جی سر......! ٹھیک ہے میں ابھی فون کر کے انہیں ساری بات بتاتا ہوں۔'' ندیم بولا۔

''جو بھی بات ہو، پھر مجھے بتانا۔'' صارم نے ہدایت کی۔

''او کے......سر۔'' ندیم شریف نے موبائل آف کر کے شمیم احمد کا فون نمبر پنچ کیا اور پھر کان سے لگا لیا۔ دو تین گھنٹیوں کے بعد ادھر سے ریسیور اٹھا لیا گیا۔

''ہیلو۔'' شمیم احمد کی آواز سنائی دی۔

''ہاں......شمیم بھائی......! میں ندیم بول رہا ہوں۔'' ندیم نے کہا۔

''کہاں ہو بھئی......کیا سمندر میں نہانے بیٹھ گئے؟'' شمیم احمد شگفتہ لہجے میں بولے۔

''شمیم بھائی......! مجھے کس مصیبت میں پھنسا دیا۔'' ندیم نے احتجاج کیا۔

''کیوں کیا ہوا......نیٹی جیٹی کے پل سے کوئی جل پری نظر آ گئی؟'' شمیم احمد شگوفہ چھوڑنے سے باز نہ آئے۔

''شمیم بھائی......! آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے، میں یہاں ٹاور پر پریشان کھڑا ہوں۔''

''اچھا......! بتائیں کیا معاملہ ہے؟'' بالآخر وہ سنجیدہ ہوئے۔

ندیم شریف نے جلدی جلدی ساری بات بتائی۔

''ندیم صاحب! پریشان نہ ہوں، آپ دو منٹ میں ٹھیک ہو جائیں گے، ذرا موبائل کان سے لگا کر رکھیں۔'' شمیم احمد نے کہا۔

ندیم نے ان کی ہدایت کے مطابق موبائل کان سے لگا کر رکھا، اس کے کان میں شمیم احمد کی آواز سنائی دے رہی تھی، وہ کچھ پڑھ رہے تھے۔ جیسے جیسے وہ پڑھتے جاتے تھے، ندیم کے کندھوں کا بوجھ اور بازوؤں کی تکلیف ہلکی ہوتی جاتی تھی، دو تین منٹ تک یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ ندیم بالکل ہشاش بشاش ہو گیا۔

''ہاں ندیم صاحب......! اب بتائیں؟'' شمیم احمد نے پوچھا۔

''اللہ کے فضل سے میں بالکل فریش ہو گیا ہوں۔'' ندیم شریف نے دو چار باتیں کر کے گفتگو کا سلسلہ منقطع کیا اور صارم کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆......☆......☆

صارم کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ شمیم احمد کا بھیجا ہوا پانی تبدیل کس طرح ہوا۔ اس نے جب اس سلسلے میں سارہ سے بات کی تو اس نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ سارہ کے لہجے میں بڑا یقین

تھا۔ ویسے بھی صارم کو امید نہ تھی کہ وہ اس سے جھوٹ بولے گی۔ اگر یہ کام سارہ نے نہیں کیا تھا تو پھر کس نے کیا۔ جب شمیم احمد نے فون پر اسے بتایا کہ پانی تبدیل ہو چکا ہے تو اس نے شمیم احمد سے سوال کیا۔ ''آخر کیسے......؟''

''یہ شری مخلوق کی کارستانی ہے، میرا خیال تھا کہ میرا پڑھا ہوا پانی وہ آپ کو پینے نہ دے گی، آپ کی بیگم پانی پینے سے انکار کریں گی اس لئے میں نے پانی خود پلانے کی ہدایت کی تھی لیکن شری مخلوق نے کھیل ہی الٹ دیا، اس نے آپ کی بیگم پر اثر انداز ہونے کے بجائے پانی تبدیل کر دیا اور یہ کام بیگم صاحبہ نے ہی کیا لیکن انجانے میں۔'' شمیم احمد نے بتایا۔

''اوہ...... اچھا!'' صارم نے بات سمجھتے ہوئے کہا۔ ''اب آپ کیا کریں گے، پانی دوبارہ پڑھیں گے؟''

''نہیں...... میں مغرب کے بعد آپ کے گھر آنا چاہوں گا۔'' شمیم احمد نے غیر متوقع بات کی۔

''ٹھیک ہے...... میں پھر ندیم صاحب کو آپ کو لینے کیلئے بھیج دوں گا۔'' صارم نے کہا۔

''نہیں...... اس کی ضرورت نہیں...... میں خود ٹیکسی کے ذریعے آ جاؤں گا، گھر تو میں نے آپ کا دیکھ لیا ہے۔'' شمیم احمد بولے۔

''جی...... ٹھیک ہے، آپ تشریف لائیے، میں آپ کا شکر گزار رہوں گا۔'' صارم نے کہا پھر اسے سارہ کی تصویر کا خیال آیا۔ اس نے پوچھا۔ ''تصویر کا کیا ہوا؟''

''وہ نہیں ملی۔'' شمیم احمد نے بتایا۔ ''غائب تو خیر پورا کلپ بورڈ ہی ہوا تھا لیکن کلپ بورڈ تو مجھے اپنے پیچھے رکھا مل گیا تھا لیکن تصویر نہیں ملی، میں نے پورے گھر میں ڈھونڈ مارا، کہیں بھی نہیں ہے۔''

شمیم احمد ٹھیک کہہ رہے تھے۔ سارہ کی تصویر واقعی ان کے گھر پر موجود نہ تھی، شاید شری مخلوق نہیں چاہتی تھی کہ سارہ کی تصویر گھر سے باہر جائے لہٰذا اس نے تصویر واپس بھیجنے کا انتظام کر دیا تھا۔

ندیم جب خون سے بھری بوتل سمندر برد کر کے صارم کی ہدایت کے مطابق اس کے گھر پہنچا اور روداد سناتے سناتے موبائل کی گھنٹی بجی تو اس نے بیگ کھول کر موبائل نکالا، بیگ کھولتے ہی اسے سارہ کی تصویر نظر آئی، اس نے فوراً نکال لی۔

''ارے...... سر! یہ تصویر میرے بیگ میں...... لیکن سوال یہ ہے کہ یہ تصویر میرے بیگ میں کیسے پہنچی۔'' ندیم نے تصویر صارم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ موبائل کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی، اس نے نمبر دیکھ کر موبائل آف کر دیا۔

صارم نے تصویر پلٹ کر دیکھی، یہ وہی تصویر تھی جو شمیم احمد کو بھجوائی گئی تھی، اس تصویر کے پیچھے سارہ اور اس کی ماں کا نام خود صارم نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔

صارم نے ندیم کا موبائل فون لے کر شمیم احمد کا نمبر ملایا، ادھر سے شمیم احمد کی آواز سنائی دینے کے بعد صارم بولا۔ ''شمیم صاحب...... ! سارہ کی تصویر مل گئی ہے۔''

''کہاں سے......؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ ندیم صاحب کے بیگ سے نکلی ہے...... بالکل اوپر ہی رکھی تھی۔''

''ٹھیک ہے، آپ تصویر اپنے پاس سنبھال کر رکھئے۔'' شمیم احمد نے کہا۔ پھر بولے۔ ''ندیم صاحب خیریت سے پہنچ گئے؟''

''جی...... شمیم صاحب...... ! خیریت سے پہنچ گئے، آپ فرمائیں تو آپ کی بات کراؤں؟'' صارم نے پوچھا۔

''نہیں۔'' شمیم احمد نے کہا۔ ''ان سے شام کو ملاقات ہو گی۔''

''انہیں روک لوں؟'' صارم نے دریافت کیا۔

''جی بالکل...... ! واپسی میری انہی کے ساتھ ہو گی۔'' شمیم احمد نے بتایا۔

''چلیں ٹھیک ہے...... آپ تشریف لائیں...... میں آپ کا منتظر ہوں۔'' صارم نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

مغرب کے بعد شمیم احمد وعدے کے مطابق آ گئے۔ ندیم نے صارم کی ہدایت کے مطابق ٹیکسی کا کرایہ ادا کر دیا اور انہیں ڈرائنگ روم میں لے آیا۔

شمیم احمد نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''ذرا وہ تصویر تو دکھائیے۔''

صارم نے وہ تصویر البم میں رکھ دی تھی، اندر جا کر جب اس نے البم میں رکھی تصویر تلاش کی تو وہ وہاں سے غائب تھی، اس نے خالہ سجو اور سارہ سے تصویر کے بارے میں معلوم کیا لیکن دونوں نے ہی اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔

''تصویر البم سے غائب ہے جناب......!'' صارم نے ڈرائنگ روم میں آ کر اطلاع دی۔

''مجھے معلوم تھا ایسا ہو گا...... اسی لئے میں نے تصویر مانگی تھی۔'' شمیم احمد بولے۔

''یہ کیا تماشا ہے آخر......؟'' صارم الجھن کا شکار ہوا۔

''بس یہی معلوم کرنے یہاں آیا ہوں۔'' شمیم احمد نے کہا۔

''میں سارہ کے سلسلے میں بہت پریشان ہوں۔'' صارم بولا۔

''آپ کی بیگم کو یہ مخلوق اپنی گرفت میں لیتی جا رہی ہے، بچے کا تصور محض فریب ہے اور یہ فریب انہیں شری مخلوق دے رہی ہے، اس شری مخلوق نے یہ بات ان کے دماغ میں اچھی طرح بٹھا دی ہے کہ ان کا بچہ اوپر رہتا ہے۔'' شمیم احمد نے بتایا۔ پھر کچھ لمحے توقف کے بعد بولے۔ ''آپ اس سلسلے میں اپنی بیگم سے الجھیں نہیں، جتنا آپ انہیں جھٹلانے کی کوششیں کریں گے، اتنا ہی بچے کا تصور پختہ ہوتا جائے گا، اصل فساد کی جڑ ان کا اوپر جانا ہے، اگر وہ پڑھا ہوا پانی پی لیتیں تو آہستہ آہستہ ان کا اوپر جانا اور بچے کا تصور ختم ہو جاتا لیکن یہ ہو نہیں سکا۔''

''شمیم احمد صاحب...... ! پلیز آپ اس معاملے میں کچھ کیجئے، مجھے اپنی بیوی جان سے بھی زیادہ

عزیز ہے، اس نے میرے لئے سب کچھ چھوڑا ہے، میں اسے کسی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا، اس مخلوق سے نمٹنے کیلئے میں ہر طریقے سے راضی ہوں بس میں اس مخلوق کو جلتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''اچھا......! آپ پریشان نہ ہوں، میں اس منحوس مخلوق سے مذاکرات کر کے دیکھتا ہوں، ویسے آپ کوشش کیجئے گا کہ آپ کی بیگم کسی طرح اوپر جانے سے باز آ جائیں۔'' شمیم احمد نے کہا۔

''جی بہتر...... میں کوشش کروں گا۔'' صارم نے وعدہ کیا۔

''اچھا...... اب آپ مجھے جانماز دے دیں، میں اپنا کام شروع کرتا ہوں، کچھ دیر پڑھ کر میں اوپر جاؤں گا، وہاں دس پندرہ منٹ رہوں گا، اوپر سے واپس آ کر بتاؤں گا کہ اب کیا لائحہ عمل اختیار کرنا ہے۔'' شمیم احمد نے کہا۔

صارم نے انہیں جانماز لا کر دے دی، جانماز پر بیٹھ کر انہوں نے کرتے کی جیب سے تسبیح نکالی اور آنکھیں بند کر کے پڑھنا شروع کر دیا۔

پندرہ بیس منٹ پڑھنے کے بعد انہوں نے آنکھیں کھولیں اور اشارے سے اوپر جانے کی اجازت چاہی۔

''جی...... ضرور جائیں۔'' صارم نے خوشدلی سے کہا اور وہ لاؤنج میں کھلنے والے زینے کے دروازے تک ان کے ساتھ آیا۔ جب وہ زینے پر چڑھ گئے تو صارم واپس ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

''یہ معاملہ روز بروز الجھتا ہی جا رہا ہے۔'' صارم نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہو جائے گا سر......! فکرمند نہ ہوں۔'' ندیم نے دلاسا دیا۔

''مجھے ٹھیک ہوتا نظر نہیں آ رہا۔'' صارم کے لہجے میں مایوسی تھی۔

''ارے نہیں سر......! شمیم بھائی بڑے زبردست عامل ہیں، آپ دیکھئے گا وہ اس مخلوق کو قابو کر لیں گے۔'' ندیم نے صارم کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

''اوپر گئے تو ہیں دیکھیں کیا ہوتا ہے۔'' صارم نے کہا۔

صارم اور ندیم دونوں بیٹھے اس موضوع پر بات کرتے رہے، تب اچانک انہیں احساس ہوا کہ شمیم احمد کو اوپر گئے آدھا گھنٹہ ہو گیا ہے۔

''ندیم صاحب......! انہیں گئے ہوئے آدھے گھنٹے کے قریب ہو گیا، وہ کہہ کر گئے تھے کہ دس پندرہ منٹ اوپر رہوں گا۔'' صارم نے فکرمند لہجے میں کہا۔

''سر......! ہو سکتا ہے مذاکرات طویل ہو گئے ہوں۔'' ندیم نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کہیں شمیم صاحب کسی مشکل میں تو نہیں پڑ گئے؟'' صارم نے خدشہ ظاہر کیا۔

''اگر ایسی بات ہوتی تو وہ اوپر سے واپس آ جاتے۔'' ندیم نے کہا۔

''چلیں...... کچھ دیر اور انتظار کر لیتے ہیں، ویسے میرا دل کہہ رہا ہے کوئی گڑبڑ ہے۔'' صارم نے کہا۔

پھر انہوں نے پروڈکشن ہاؤس کی باتیں شروع کر دیں، آدھا گھنٹہ اور گزر گیا۔

شمیم احمد کو اوپر گئے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا، وہ دس پندرہ منٹ کا کہہ کر گئے تھے، صارم بے چین ہو اٹھا۔ ''بھئی مجھے تو معاملہ گمبھیر نظر آ رہا ہے، ایک گھنٹہ ہو گیا انہیں اوپر گئے ہوئے، اوپر جا کر دیکھنا چاہئے۔''

''ہاں...... دیر تو کافی ہو گئی، اب تک تو انہیں واپس آ جانا چاہئے۔'' ندیم نے کہا۔

''چلیں...... پھر اوپر چل کر دیکھیں؟'' صارم، ندیم کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''جی...... بالکل۔'' ندیم فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم سے نکل کر لاؤنج میں آئے اور پھر زینے کے دروازے سے اوپر چڑھنے لگے۔

چھت پر اندھیرا تھا، صارم نے لائٹ آن کی، روشنی ہوتے ہی صارم نے جو کچھ دیکھا، وہ اس کے ہوش اڑانے کیلئے کافی تھا۔

شمیم احمد چھت پر چاروں خانے چت پڑے تھے، صارم نے آگے بڑھ کر انہیں آواز دی۔ ''شمیم صاحب!''

شمیم احمد کی آنکھیں بند تھیں، ان آوازوں کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا، صارم نے سینے پر ہاتھ رکھ کر ان کے دل کی دھڑکن چیک کی، دل پورے زور و شور سے دھڑک رہا تھا۔

''سر......! شمیم بھائی تو بے ہوش ہیں۔'' ندیم نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔

''جلدی سے ایمبولینس کال کرو...... انہیں اسپتال لے جانا ہو گا۔'' صارم نے ندیم کو ہدایت کی۔

ندیم نے اپنے موبائل فون سے ایمبولینس کیلئے فون کیا۔

ایمبولینس کے آتے ہی دونوں نے انہیں اسٹریچر پر ڈالا اور وہ نزدیکی اسپتال پہنچ گئے۔

اسپتال کا عملہ ان کا اسٹریچر ابھی باہر نکال ہی رہا تھا کہ وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے اور کچھ اس انداز سے اٹھے کہ اسٹریچر اٹھانے والے بھی ایک لمحے کو سہم گئے، انہوں نے اسٹریچر زمین پر رکھ دیا اور انہیں حیرت سے دیکھنے لگے۔ شمیم احمد نے اپنی بڑی بڑی حیران آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا پھر اسٹریچر سے ایک دم اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

''یہ آپ لوگ مجھے کہاں لے آئے ہیں؟'' شمیم احمد نے صارم سے مخاطب ہو کر کہا۔

''ہم آپ کو اسپتال لائے ہیں، آپ چھت پر بے ہوش پڑے تھے۔''

چھت پر بے ہوشی کا ذکر سن کر شمیم احمد کو سانپ سونگھ گیا، وہ گم صم ہو گئے۔

''اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟'' صارم نے پوچھا۔

''جی......! میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' انہوں نے چونک کر کہا۔

''ڈاکٹر سے رجوع کرنے کی تو ضرورت نہیں؟''

"نہیں......! بالکل نہیں۔" شمیم احمد نے بڑے یقین سے کہا۔ "میں اب گھر جاؤں گا۔"

"جی ٹھیک ہے...... یہ ندیم صاحب آپ کو ٹیکسی میں گھر چھوڑ دیں گے۔" صارم نے کہا۔

ندیم جب شمیم احمد کو گھر چھوڑ کر واپس آیا تو صارم اس کا بے چینی سے منتظر تھا، اس نے ندیم کی شکل دیکھتے ہی سوال کیا۔ "ہاں کیا بتایا؟"

"سر......! انہوں نے اوپر کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" ندیم نے بڑی مایوس کن رپورٹ دی۔

"آپ نے پوچھا نہیں؟" صارم نے پوچھا۔

"جی...... میں نے پوچھا تھا لیکن انہوں نے اس بارے میں زبان نہیں کھولی بس اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔" ندیم نے بتایا۔

"یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ بے ہوش کیوں ہوئے؟" صارم نے پوچھا۔

"نہیں......! انہوں نے کچھ نہیں بتایا۔" ندیم نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اس شری مخلوق نے ان کی زبان بند کر دی ہے۔" صارم نے خیال ظاہر کیا۔

"اللہ بہتر جانتا ہے۔" ندیم نے کہا۔ "البتہ انہوں نے اتنا ضرور کہا ہے کہ صارم صاحب سے کہو زیارت چلے جائیں۔"

"ہوں۔" صارم نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ شمیم صاحب اس معاملے سے دستبردار ہو گئے۔"

"یہی سمجھنا چاہئے۔" ندیم نے صارم کے خیال کی تائید کی۔

"ٹھیک ہے پھر میں کام سمیٹ کر عازم سفر ہوتا ہوں۔" صارم نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

لیکن وہ عازم سفر نہ ہو سکا، سارہ نے رنگ دکھانا شروع کر دیا، ابھی تک تو وہ صارم سے چھپ کر اوپر جاتی تھی لیکن اب وہ اس کے سامنے اوپر جانے لگی، وہ گھر میں موجود ہوتا کہ وہ بغیر بتائے اوپر جانے لگتی، صارم پوچھتا۔ "سارہ......! کہاں جا رہی ہو؟"

"اوپر۔" وہ بڑے اطمینان سے جواب دیتی۔

"کیوں......؟" صارم نرم لہجے میں بات کرتا۔

"حسن کو دیکھنے...... کہیں وہ رو نہ رہا ہو۔" سارہ بڑی سنجیدگی سے جواب دیتی۔

"سارہ......! اوپر کچھ نہیں ہے، تم خود کو سنبھالو۔" صارم اسے سمجھاتا۔

"یہ تم کہہ رہے ہو...... میں یہ بات اچھی طرح جانتی ہوں کہ میرا حسن اوپر ہے۔" سارہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

شمیم احمد نے منع کیا تھا کہ اس مسئلے پر وہ بحث نہ کرے۔ صارم یہ بات خود بھی جانتا تھا کہ بحث کا نتیجہ غلط نکلے گا، اس نے اپنے دل پر جبر کر کے کہا۔ "اچھا جاؤ...... جلدی آ جانا۔"

"ہاں...... صارم......! تم فکر نہ کرو، میں ابھی واپس آتی ہوں۔" سارہ خوش ہو کر بولی۔

صارم کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اس معاملے کو کس طرح کنٹرول کرے، اس کا اوپر جانا روز بروز بڑھتا جا رہا تھا، ایک دن تو وہ آدھی رات کو اٹھ کر اوپر چل دی۔

"سارہ......! کیا ہوا؟" صارم کی آنکھ کھل گئی، وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"میں اوپر جا رہی ہوں...... لگتا ہے میرا حسن رو رہا ہے۔" سارہ کے چہرے پر پریشانی تھی۔

"میں تمہارے ساتھ چلوں؟" صارم ہمدردانہ لہجے میں بولا۔

"نہیں...... صارم! تم سو جاؤ آرام سے...... میں اسے دیکھ آتی ہوں، تم اپنی نیند مت خراب کرو۔" سارہ نے کہا اور تیزی سے بیڈروم سے نکل گئی، اس نے اس کا جواب سننے کی زحمت بھی گوارا نہ کی۔

صارم تلملا کر رہ گیا، اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ صبح اٹھتے ہی زینے کا اوپر کا دروازہ لاک کر دے گا اور پھر اس نے ایسا ہی کیا، دروازہ مقفل کر کے چابی اپنے بریف کیس میں رکھ لی اور خالہ جو کو بتا دیا کہ اوپر کا دروازہ لاک کر دیا ہے لیکن یہ نہ بتایا کہ چابی کہاں ہے۔

صارم کے دفتر جانے کے بعد جب سارہ نے اوپر کا رخ کیا تو خالہ جو نے خاموشی اختیار کی۔ اس کی حالت دیکھ کر خالہ جو بھی پریشان تھی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ سارہ اوپر جائے۔

فوراً ہی سارہ واپس آ گئی اور کسی قدر غصے سے بولی۔ "خالہ جو......! زینے کا دروازہ کس نے لاک کیا ہے؟"

"مجھے معلوم نہیں سارہ بی بی......! ممکن ہے صاحب نے لاک کیا ہو۔" خالہ جو نے مسکین شکل بنا کر کہا۔

"آخر دروازہ بند کرنے کی کیا مصیبت آ گئی۔" سارہ نے جھنجلا کر کہا۔ "چابی کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم...... انہوں نے مجھے نہیں دی۔" خالہ جو نے بتایا۔

"ڈھونڈو......!" سارہ نے آنکھیں نکال کر کہا۔ "مجھے پانچ منٹ کے اندر چابی چاہئے۔"

"اچھا بی بی......! میں گھر میں اِدھر اُدھر دیکھتی ہوں...... اگر مل گئی تو آپ کو دے دوں گی۔"

خالہ جو نے گھر میں چابی ملنے کے جہاں جہاں امکانات تھے، چابی تلاش کی لیکن چابی نہیں ملی۔

خالہ جو جب منہ لٹکا کے اس کے سامنے آئی تو وہ سختی سے بولی۔ "لاؤ چابی......!"

"سارہ بی بی......! چابی تو نہیں ملی۔" خالہ جو نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "صاحب سے پوچھ لیں ممکن ہے انہوں نے کہیں رکھی ہو۔"

"اچھا۔" سارہ، خالہ جو کو گھورتی ہوئی اٹھی۔ "پوچھتی ہوں صارم سے۔"

اس نے بیڈروم میں آ کر صارم کے دفتر فون ملایا۔ صارم نے اپنے موبائل پر اس کا نام دیکھتے ہی کہا۔ "ہاں...... سارہ......! خیریت؟"

"صارم......! آپ نے اوپر کا دروازہ لاک کیا ہے؟"

"ہاں......سارہ......! میں چاہتا......!"

سارہ نے اس کی بات فوراً کاٹ دی اور بے چینی سے بولی۔ "صارم......! چابی کہاں ہے؟"

"میرے پاس ہے۔" صارم نے پورے اطمینان سے کہا۔

"صارم......! تم جانتے ہو کہ میرا حسن اوپر ہوتا ہے، مجھے اس کیلئے بار بار اوپر جانا پڑتا ہے اس کے باوجود تم نے اوپر کا دروازہ لاک کر دیا...... آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"میں چاہتا ہوں کہ تم حقیقت کی دنیا میں آ جاؤ۔" صارم بولا۔

"صارم......! میں حقیقت کی دنیا میں ہی ہوں۔" سارہ نے دوٹوک لہجے میں کہا۔ "تم کسی کے ہاتھ فوراً چابی بھیج دو۔"

"اچھا......تم انتظار کرو...... میں بھجواتا ہوں چابی۔" صارم نے اس سے بحث میں الجھنے کے بجائے اسے ٹالنا بہتر سمجھا۔

لیکن وہ ٹلنے والوں میں سے نہ تھی...... سارہ نے ایک گھنٹہ انتظار کر کے پھر ٹیلیفون کر دیا لیکن صارم نے پہلے ہی اپنا موبائل فون بند کر دیا تھا، مجبور ہو کر اس نے پروڈکشن ہاؤس والے نمبر پر رنگ کیا۔

"صارم صاحب سے بات کرائیں۔" ادھر سے فون اٹھائے جانے پر سارہ نے کہا۔ "میں ان کی بیگم بول رہی ہوں۔"

"جی بہتر......!" آپریٹر نے بڑے مؤدبانہ انداز میں کہا۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے جواب دیا۔

"صاحب دفتر میں نہیں ہیں۔"

"کہاں گئے ہیں؟"

"شاید گھر گئے ہیں۔"

"اچھا......چلو ٹھیک ہے۔" سارہ کو صارم پر بہت غصہ تھا، ایک تو اس نے اوپر کا زینہ لاک کر دیا، دوسرے چابی اپنے ساتھ لے گیا تھا، تیسرے چابی واپس بھجوانے کا وعدہ کر کے ابھی تک نہیں بھیجی تھی، اب وہ خود گھر آ رہا تھا تو یہ ایک اچھی خبر تھی۔ سارہ اس کے انتظار میں بیٹھ گئی۔

وہ اس کا انتظار کرتی رہی...... صارم نے گھر آنا تھا نہ وہ آیا۔

اس نے بڑے غصے سے پھر اس کا موبائل نمبر ملایا۔

صارم نے فون اٹھایا۔ "ہیلو......سارہ......!"

"صارم تم مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو؟"

"سارہ......! میں راستے میں ہوں، ایک آرٹسٹ سے ملتا ہوا گھر پہنچ رہا ہوں۔"

سارہ نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا بس زور سے ریسیور پٹخ کر فون بند کر دیا۔

اور غصے میں بھری زینہ چڑھتی چلی گئی۔

وہ اب تک کئی مرتبہ اوپر کے چکر لگا چکی تھی، اوپر جا کر دروازے کے ہینڈل کو اوپر نیچے کرتی اور پھر مایوس ہو کر واپس آ جاتی۔ اس بار اس نے بڑے غصے میں ہینڈل جھنجھوڑ دیا۔

تب اسے ایک خوشگوار حیرت ہوئی، تالا "کڑک" کی آواز کے ساتھ کھل گیا تھا، اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے چابی گھما کر تالا کھول دیا ہو...... وہ بڑی بے قراری سے دروازہ کھول کر چھت پر چلی گئی۔

صارم مزید دو ڈھائی گھنٹے کے بعد اطمینان سے شام کو گھر پہنچا، وہ بڑا خوش تھا کہ سارہ نے پھر اسے فون نہیں کیا تھا، اس کا مطلب ہے کہ اسے قرار آ گیا تھا، اس کی یہ ترکیب کامیاب ثابت ہوئی تھی، اسی طرح وہ اس کو ٹالتا اور بہلاتا رہا تو ممکن ہے وہ اس فوبیا سے نکل آئے۔

دروازہ خالہ بجو نے کھولا، گیٹ کے اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے خالہ بجو سے پوچھا۔ "خالہ بجو......! سب خیریت ہے؟"

"جی صاحب......! خیریت ہے۔" خالہ بجو نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"سارہ کیا کر رہی ہیں؟"

"جی......وہ اوپر ہیں۔" خالہ بجو نے پریشان کن خبر سنائی۔

"اوپر ہیں......؟" صارم بڑا حیران ہوا۔ "تالا کیسے کھلا؟"

"جی...... مجھے نہیں معلوم۔"

"خالہ بجو......! مجھے سچ سچ بتا دو تالا کیسے کھلا......؟ کیا تم تالا کھولنے والے کو بلا کر لائی تھیں؟"

"نہیں......صاحب جی......! آپ یقین کریں میں کہیں گئی نہ سارہ بی بی کہیں گئیں اور نہ ہی اس گھر میں کوئی باہر کا آدمی داخل ہوا۔" خالہ بجو نے بڑے یقین سے کہا۔ صارم نے محسوس کیا کہ اس کا لہجہ سچا ہے، جو کہہ رہی ہے، سچ کہہ رہی ہے۔

صارم گھر میں داخل ہو چکا تھا، اس نے اپنا بریف کیس ڈائننگ ٹیبل پر رکھا پھر اس نے اپنے بیڈ روم میں جھانکا، وہاں سارہ نہیں تھی۔

پھر وہ فوراً ہی زینہ چڑھتا چلا گیا، دروازے کا تالا صحیح سلامت تھا، اس نے ہینڈل دبا کر دروازہ اپنی طرف کھینچا، وہ فوراً کھل گیا۔

وہ دبے پاؤں چھت پر نظر ڈالتا کمرے کی طرف بڑھا، کمرے کا دروازہ چوپٹ کھلا تھا لیکن سارہ کمرے میں نہ تھی......؟

یہ ایک حیران کن بات تھی، صارم اسے نیچے دیکھ آیا تھا، وہ وہاں نہ تھی، چھت بھی خالی پڑی تھی، وہ کمرے میں بھی نہ تھی تو پھر آخر وہ کہاں گئی......؟

صارم کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔ یہ ایک پریشان کن صورتحال تھی۔

تب اچانک اسے خیال آیا کہ کہیں وہ واش روم میں تو نہیں...... وہ تیزی سے ملحقہ غسل خانے کی طرف بڑھا، ہاتھ بڑھا کر اس نے دروازہ کھولا تو وہ فوراً کھل گیا۔

دروازہ کھلتے ہی صارم کی نظر سارہ پر پڑی، وہ واش بیسن پر کھڑی اپنا دوپٹہ دھو رہی تھی، دوپٹے پر صابن لگا ہوا تھا۔

صارم کا خیال تھا کہ وہ اسے دیکھتے ہی سہم جائے گی لیکن ایسا نہ ہوا، اس نے ایک نظر صارم کو دیکھا ضرور لیکن کسی ردعمل کا اظہار نہ کیا، ایسی بن گئی جیسے اس نے صارم کو دیکھا ہی نہ ہو، وہ پورے اطمینان سے اپنا دوپٹہ دھوتی رہی۔

''سارہ...... یہ کیا کر رہی ہو؟'' صارم نے پریشانی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں صارم...... ذرا حسن کے کپڑے دھو رہی تھی۔'' وہ بڑے اطمینان سے بولی۔

''حسن کے کپڑے......؟'' صارم حیرت زدہ ہوا۔ ''کہاں ہیں حسن کے کپڑے...... یہ تو تمہارا دوپٹہ ہے۔''

''ہیں......!'' سارہ نے اپنے ہاتھوں میں موجود دوپٹے کو دیکھا پھر ''اچھا'' کہہ کر اس نے جلدی جلدی دوپٹہ دھویا اور واش بیسن میں نچوڑ کر باہر نکل آئی۔ پھر اس نے چھت پر بندھی ڈوری پر دوپٹہ پھیلا دیا۔

صارم اسے بڑی افسوس بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔ یہ اچھی بھلی سارہ کو کیا ہو گیا ہے، دوپٹے کو حسن کے کپڑے سمجھ کر دھو رہی ہے اور حسن کہاں ہے......؟ اس نے بیڈ پر نظر ڈالی، وہاں کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جس پر حسن ہونے کا گمان ہوتا۔

''آؤ...... سارہ نیچے چلیں۔'' صارم نے اس کا نرم نازک ہاتھ پکڑا۔ ''تم کس فریب میں مبتلا ہو گئیں، یہاں حسن ہے اور نہ حسن کے کپڑے......! خدارا...... اس فریب خیال سے نکلو، سارہ! میرا خیال کرو، میں تمہارے بغیر کہیں کا نہ رہوں گا، کیا تم چاہتی ہو کہ میں برباد ہو جاؤں؟''

''اللہ نہ کرے صارم......! کیسی بات کرتے ہو۔'' سارہ نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑتے ہوئے شکوہ بھرے لہجے میں کہا۔

''پھر ہوش میں آؤ۔'' صارم نے اسے امید بھری نظروں سے دیکھا۔

''میں پوری طرح ہوش میں ہوں۔'' وہ یقین سے بولی۔

''ہوش میں ہو تو اپنے دوپٹے کو حسن کے کپڑے سمجھ کر کیوں دھو رہی تھیں؟'' صارم نے پوچھا۔

''پتہ نہیں صارم......! یہ دوپٹہ میرے ہاتھ میں کہاں سے آ گیا، میں تو حسن کے کپڑے ہی دھو رہی تھی۔'' سارہ نے یہ بات کچھ اس یقین سے کہی کہ صارم کا دل کٹ کر رہ گیا۔

''سارہ......! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم اوپر آنا چھوڑ دو؟'' اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

''صارم......! تم جانتے تو ہو کہ میں اوپر کیوں آتی ہوں...... میں یہاں اپنے حسن کیلئے آتی ہوں،

اں میرا حسن رہتا ہے۔'' سارہ نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

''کہاں ہے حسن......؟ مجھے تو کہیں نظر نہیں آ رہا۔''

تب سارہ نے بیڈ پر نظر ڈالی اور دھیرے سے بولی۔ ''ابھی یہیں تو تھا۔''

''سارہ......! نہ ابھی یہاں کچھ تھا اور نہ آئندہ یہاں کچھ ہو گا، سارہ......! تم نے جس بیٹے کو جنم دیا وہ مر چکا ہے...... وہ......!''

سارہ نے ایک دم اپنا ہاتھ چھڑا کر اس کے منہ پر رکھ دیا۔ ''ایسا نہ کہو...... میرا بیٹا زندہ ہے، میرا ن زندہ ہے۔'' وہ یہ کہتی ہوئی زینہ اتر گئی، اس نے صارم کے ساتھ آنے کا بھی انتظار نہ کیا۔

صارم پر گہری اداسی چھا گئی، وہ دل پر بوجھ لئے بوجھل قدموں سے سیڑھیاں اترنے لگا۔

دوسرے دن اس نے اوپر والے دروازے کا نہ صرف تالا تبدیل کروا دیا بلکہ ایک موٹی زنجیر لگوا کر میں بھی ایک مضبوط تالا ڈال دیا، اگر نیچے کا تالا کسی طرح کھل بھی جاتا تو زنجیر کاٹنا آسان کام نہ تھا ن صارم کی یہ ترکیب بھی دھری کی دھری رہ گئی، وہ سارہ کو اوپر جانے سے روک نہ سکا۔

خالہ بجو نے اسے فون کر کے بتایا کہ سارہ بی بی اوپر ہیں تو وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

''لیکن خالہ بجو یہ کیسے ہوا...... میں نے تو کل ہی دروازے میں دو تالے لگوائے ہیں۔''

''مجھے نہیں معلوم صاحب جی......! میں اوپر نہیں گئی۔''

''پھر تمہیں کیسے پتہ چلا کہ وہ اوپر ہیں؟'' صارم نے پوچھا۔

''صاحب جی......! میں نے انہیں اوپر جاتے ہوئے دیکھا ہے اور انہیں گئے ہوئے بھی پندرہ ٹ ہو چکے ہیں...... اب سیڑھیوں میں تو نہ بیٹھی ہوں گی۔'' خالہ بجو نے خیال ظاہر کیا۔

''خالہ......! ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ اوپر والے دروازے کے ساتھ بیٹھی ہوں، تم ذرا اوپر جا کر یکھو۔''

''ٹھیک ہے صاحب......! آپ ہولڈ کریں، میں ابھی دیکھ کر آتی ہوں۔'' خالہ بجو نے کہا۔

وہ ریسیور رکھ کر تیزی سے اوپر گئی، چند سیڑھیاں رہ گئیں تو اس نے سر اوپر اٹھا کر دیکھا، دروازہ بند یکن سارہ سیڑھیوں میں نہیں تھی۔

خالہ بجو نے نیچے آ کر بتایا۔ ''صاحب......! دروازہ تو بند ہے لیکن سارہ بی بی وہاں نہیں ہیں۔''

''خالہ......! ہو سکتا ہے وہ واش روم میں ہوں اور تم نے دیکھا نہ ہو؟''

''صاحب......! میں نے پورا گھر چھان کر آپ کو فون کیا ہے...... وہ نیچے کہیں بھی نہیں ہیں حتیٰ کہ رکے باہر بھی نہیں۔'' خالہ بجو نے پر یقین انداز میں کہا۔

''اچھا......! میں آتا ہوں، میں خود آ کر دیکھتا ہوں کہ کیا معاملہ ہے۔'' صارم نے کہا۔

''جی اچھا......!'' خالہ بجو نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

ایک گھنٹے کے بعد صارم گھر پہنچ گیا، اس نے اچھی طرح نیچے کا گھر کھنگال ڈالا، جب اسے یقین

ہو گیا کہ سارہ نیچے کے پورشن میں کہیں نہیں ہے تو وہ اوپر پہنچا۔

اوپر پہنچ کر جب اس نے دروازے پر نظر ڈالی تو وہ اسے جوں کا توں بند نظر آیا، ہنوز تالا بند تھا، زنجیر والا تالا بھی کھلا ہوا نہ تھا، نہ ہی زنجیر کٹی ہوئی تھی۔

سوال یہ تھا کہ پھر سارہ اس بند دروازے سے کیسے اندر چلی گئی۔

بہت غور سے دروازے کو دیکھنے کے بعد پتہ چلا کہ دروازہ اوپر سے نیچے تک بڑی صفائی سے کٹا ہوا ہے، جب اس نے نیچے کی کھلی درز میں اپنی دو انگلیاں ڈال کر کھینچا تو دروازے کا آدھے سے زیادہ حصہ کھل گیا جبکہ دروازے کا وہ حصہ جس میں دو تالے پڑے تھے، جوں کا توں رہا، کھلے دروازے سے ایک آدمی بآسانی اوپر جا سکتا تھا۔

صارم اوپر نہیں گیا، وہ اپنے دل کو مزید دکھی نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن یہ صورتحال اس کیلئے چیلنج کی صورت اختیار کر گئی تھی...... اسی وقت اس نے ایک فیصلہ کر لیا۔

اب اس گھر میں سارہ کا رہنا ٹھیک نہ تھا، صارم نے اسے اوپر جانے سے روکنے کی اپنی سی کوششیں کر لی تھیں لیکن اس کی ہر کوشش ناکام بنا دی گئی تھی، کوئی تھا جو سارہ کی اوپر جانے میں مدد کر رہا تھا، وہ اس کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو بڑی آسانی سے دور کر دیتا تھا۔

سارہ اوپر جا کر برباد ہو رہی تھی، اس کی ذہنی حالت روز بروز خراب ہوتی جا رہی تھی، وہ ایک ایسے فریب خیال میں مبتلا ہو گئی تھی جس کا کوئی وجود نہ تھا، اب سارہ کو اس گھر سے ہٹانا بہت ضروری ہو گیا تھا۔

صارم نے نیچے آکر ظفر مراد کو فون کیا، اسے ساری صورتحال تفصیل سے بتائی۔ یوں تو وہ سارہ کے حال سے واقف تھا، وہ اپنی بیوی زمرد کے ساتھ سارہ کی خیریت معلوم کرنے آتا رہتا تھا، اگر مصروفیت کی وجہ سے آنہ سکتا تو فون پر صارم سے بات کر لیا کرتا۔

صارم نے آج جو کچھ سارہ کے بارے میں بتایا، وہ ظفر مراد کیلئے بڑا حیران کن اور تشویشناک تھا، وہ سمجھ رہا تھا کہ سارہ سائیکاٹرسٹ کے علاج سے بھلی چنگی ہو گئی ہے لیکن اس کی حالت تو پہلے سے بھی ابتر ہو گئی تھی۔

''لیکن صارم بھائی......! جب سارہ باجی اس معاملے میں اس قدر انوالو ہو گئی ہیں تو وہ گھر چھوڑنے پر کس طرح راضی ہوں گی؟'' ظفر مراد نے ساری بات سن کر کہا۔

''ظفر! کچھ بھی ہو...... کچھ بھی کرنا پڑے...... اب سارہ کو اس گھر سے دور کرنا ہو گا ورنہ اس کی حالت دن بدن خراب ہوتی جائے گی۔''

''ٹھیک ہے...... میں شام کو زمرد کے ساتھ آجاتا ہوں، ہم دونوں ان سے درخواست کریں گے کہ وہ ہمارے ساتھ چل کر ہمارے گھر میں رہیں۔'' ظفر مراد نے کہا۔

''اگر سارہ انکار کرے اور وہ ضرور انکار کرے گی مگر تم اس کے پیچھے پڑ جانا، اسے یہاں سے لے

کر ہی ٹلنا۔'' صارم نے اسے راستہ دکھایا۔

''ٹھیک ہے صارم بھائی......! آپ بے فکر ہو جائیں، میں آتا ہوں۔''

شام کو جب ظفر مراد اپنی بیوی زمرد کے ساتھ گھر آیا اور اس نے بڑی محبت سے اپنے گھر رہنے کی درخواست کی تو سارہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

''اس قدر حیرت سے مجھے کیوں دیکھ رہی ہیں...... میں نے کوئی انوکھی بات تو نہیں کی، بہنیں، بھائیوں کے گھر رہتی نہیں ہیں کیا؟'' ظفر مراد نے پوچھا۔

''رہتی ہیں۔'' سارہ نے سادگی سے کہا۔ ''ضرور رہتی ہیں لیکن میں اپنے گھر کے علاوہ کہیں رہنا نہیں چاہتی۔'' سارہ کا لہجہ بڑا دوٹوک تھا۔

''سارہ......! بات یہ ہے کہ میں کچھ عرصے کیلئے زیارت جانا چاہتا ہوں، تم پھر اکیلی اس گھر میں کس طرح رہو گی۔'' صارم نے جواز پیش کرنے کی کوشش کی۔

''میں رہ لوں گی...... صارم! مجھے ڈر تھوڑے ہی لگتا ہے۔'' سارہ نے بڑی لاپروائی سے کہا۔

''سارہ باجی......! آپ کا اکیلے گھر میں رہنا ٹھیک نہیں ہے، آپ ہمارے ساتھ چلیں۔'' زمرد بولی۔

''ہاں باجی......! یہ گھر آسیب زدہ ہے، یہاں تنہا رہنا کسی طور مناسب نہ ہو گا۔'' ظفر مراد نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا، میں کسی قیمت پر آپ کو تنہا نہیں چھوڑوں گا۔''

''صارم......! آپ کو زیارت میں کتنے دن لگیں گے؟'' سارہ نے پوچھا۔

''کچھ کہہ نہیں سکتا...... بہرحال میری کوشش ہو گی کہ جلد از جلد واپس آؤں۔'' صارم نے بتایا۔

''پھر ظفر تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہو گا۔'' سارہ کے لہجے سے نیم رضامندی کا اظہار ہوتا تھا۔

''جی باجی......! بولیں؟'' ظفر مراد فوراً بولا۔

''میں جب یہاں آنا چاہوں، تمہیں لانا ہو گا۔'' سارہ نے شرط رکھی۔

یہ شرط سن کر ظفر مراد نے صارم کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھا، صارم نے ابرو کے اشارے سے اس شرط کو ماننے کیلئے کہا۔

''چلیں ٹھیک ہے باجی......!'' ظفر مراد نے جواب دیا۔ ''آپ جب کہیں گی، میں آپ کو یہاں لاؤں گا لیکن باجی......! آپ اکیلے گھر میں آکر کیا کریں گی؟''

''یہ بات میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔'' سارہ نے کہا۔

''کوئی بات نہیں...... نہ بتائیں، میں اصرار نہیں کروں گا۔'' ظفر مراد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں پھر ہمارے ساتھ جانے کی تیاری کر لیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' سارہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''خالہ بجو بھی میرے ساتھ جائیں گی۔''

''ہاں......! ظاہر ہے، وہ یہاں اکیلی رہ کر کیا کریں گی۔'' ظفر مراد بولا۔

صارم نے سارہ کے اٹھنے کے بعد ظفر مراد کو دیکھ کر اپنا انگوٹھا ہلایا...... یہ ایک ایسا سنگین مسئلہ تھا جس کے اس قدر آسانی سے حل ہونے کی توقع نہ تھی لیکن یہ مسئلہ حل ہو گیا تھا۔

صارم نے سارہ کی بات مطمئنا مان لی تھی، فی الحال اس کا مقصد سارہ کو اس گھر کے ماحول سے دور کرنا تھا، ایک بار اس گھر سے نکل جائے پھر اسے یہاں آنے سے روکنے کے سو راستے تلاش کیے جا سکتے تھے۔

صارم، سارہ اور خالہ بجو اسی دن ظفر مراد کے بنگلے میں منتقل ہو گئے، صارم نے سکون کا سانس لیا لیکن صارم کا یہ سکون زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکا۔

پہلی ہی رات سارہ سوتے سوتے چونک کر اٹھ بیٹھی اور اس نے صارم کو بھی ہلا کر اٹھا دیا۔

''کیا ہوا......؟'' صارم نے اٹھ کر اسے پریشان نظروں سے دیکھا۔

''صارم......! میں اپنے گھر جاؤں گی...... میرا حسن وہاں اکیلا ہے، وہ رو رہا ہے۔'' سارہ نے اس کی طرف پر تشویش انداز میں دیکھا۔

''سارہ......! اللہ کے واسطے خود کو سنبھالو...... ورنہ تم پاگل ہو جاؤ گی۔'' صارم نے کہا۔

''صارم......! پلیز مجھے گھر لے چلو۔'' سارہ نے التجا کی۔

''تمہیں معلوم ہے اس وقت کیا بجا ہے؟'' صارم نے کسی قدر خفگی سے کہا۔

''ہاں......! دو بجے ہیں۔'' سارہ نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی گھڑی میں ٹائم دیکھا۔

''تو پھر......!'' صارم نے کہا۔ ''یہ وقت گھر سے نکلنے کا ہے؟''

''پھر میں کیا کروں؟'' سارہ بے بسی سے بولی۔ ''میں اپنے حسن کو روتا ہوا کیسے چھوڑ دوں؟''

''ایسا کرو...... اکیلی چلی جاؤ...... میں تو اتنی رات کو وہاں جانے سے رہا۔'' صارم نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ اس کے لہجے میں غصہ تھا۔

''اچھا چھوڑو...... وہ خود ہی رو کر سو جائے گا۔'' سارہ نے اسے غصے میں دیکھ کر اپنے دل پر پتھر رکھ لیا اور کروٹ لے کر لیٹ گئی۔

صارم نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اسے خوشی تھی کہ سارہ نے اپنے گھر چلنے کی ضد نہیں کی...... وہ بھی کروٹ لے کر لیٹ گیا اور جلد ہی سو گیا جبکہ سارہ بہت دیر تک جاگتی رہی...... وہ چپکے چپکے حسن کی یاد میں آنسو بہاتی رہی بالآخر اسے بھی نیند آ گئی۔

صارم کی خواہش کے مطابق ظفر مراد نے سارہ کی نگرانی کا بھرپور انتظام کر دیا تھا، خدشہ تھا کہ وہ گھر سے تنہا نہ نکل جائے ساتھ ہی صارم نے خالہ بجو کو بھی ہدایت کر دی تھی کہ وہ سارہ کے ساتھ سائے کی طرح رہے، اگر وہ گھر سے جانے کی کوشش کرے تو فوراً گھر کے کسی فرد کو مطلع کرے۔

☆......☆......☆

صارم دوسرے دن دفتر پہنچا تو ندیم شریف اس کا شدت سے منتظر تھا، وہ صارم کو دیکھتے ہی اس

کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہو گیا، صارم نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر بولا۔ ''ندیم صاحب......! خیریت؟''

''جی سر......! بالکل خیریت ہے، آپ سے ایک بات کرنا تھی۔'' ندیم بولا۔

''ہاں بولیں۔'' صارم نے پر سکون لہجے میں کہا۔

''سر......! ہماری سیریل میں ایک ہیجڑا کام کر رہا ہے، شاہدہ نام ہے اس کا اور وہ گھریلو ملازم کا رول کر رہا ہے، اس کے سامنے آپ کے گھر کا ذکر ہوا تو اس نے ایک عامل کا پتہ بتایا۔'' ندیم بولا۔

''اچھا......! کہاں ہے وہ عامل؟'' صارم نے دلچسپی سے پوچھا۔

''سر......! عامل اس کا اپنا گرو ہے...... اس کا نام بھی بڑا عجیب سا ہے دعا رانی!'' ندیم نے ہنس کر کہا۔

''ہیجڑوں کا گرو بھی عامل ہو سکتا ہے...... کبھی سنا نہیں۔'' صارم تذبذب کے عالم میں بولا۔

''سر......! مجھے بھی حیرت ہوئی لیکن شاہدہ نے کئی واقعات سنائے...... اس نے کئی آسیب زدہ گھروں سے آسیب نکالے ہیں، اگر آپ اجازت دیں تو آپ کا گھر دکھا دوں۔'' ندیم نے اجازت چاہی۔

''دکھا دیں۔'' صارم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''ایک شرط ہے اس کی۔'' ندیم بولا۔

''پیسے......؟'' صارم نے شرط کا اندازہ لگایا۔

''نہیں پیسے نہیں...... وہ پیسے نہیں مانگتا، آپ کی مرضی ہے کام ہونے پر جو چاہے دے دیں۔''

''پھر کیا شرط ہے؟'' صارم نے پوچھا۔

''دعا رانی تیرہ دن گھر میں رہے گا، اپنے شاگردوں کے ساتھ...... شرط یہ ہے کہ گھر میں گھر کا کوئی فرد نہ ہو...... وہ گھر بالکل خالی چاہتا ہے۔''

''گھر تو ویسے ہی خالی ہے...... میں نے اپنی مسز کو ڈیفنس منتقل کر دیا ہے، ظفر مراد کے گھر۔'' صارم نے بتایا۔

''بس تو پھر مسئلہ حل۔'' ندیم شریف نے خوش ہو کر کہا۔ ''میں شاہدہ سے بات کر لیتا ہوں کہ وہ اپنے گرو دعا رانی کو لے آئے۔''

☆......☆......☆

صارم مقررہ وقت پر اپنے گھر پہنچ گیا، کچھ دیر بعد ندیم، دعا رانی کو لے کر آ گیا، دعا رانی کے ساتھ تین نوجوان ہیجڑے تھے۔

صارم نے جب دعا رانی کو دیکھا تو اس کے دل میں ایک خیال ابھرا کہ یہ یہاں رہ کر کوئی عمل کرے نہ کرے، اس کی شکل دیکھ کر ہی وہ شری مخلوق پاگل ہو جائے گی۔

دعا رانی چھوٹے قد، بھاری بدن، عمر پچاس سے اوپر، چکن کا کرتا شلوار، گلے میں چکن کا بھاری دوپٹہ...... شکل پر پھٹکار برستی ہوئی...... مانگ چوٹی کئے، آنکھوں میں گہرا کاجل...... وہ مٹکتا چٹکتا گھر میں داخل ہوا۔

”لو ہم آ گئے۔“ یہ کہہ کر اس نے تالی بجائی۔

اس کے پیچھے تین شاگرد تھے، ایک تو شاہدہ ہی تھا، ایک زیبا اور دوسرا پروین تھا۔

دعا رانی، صارم کو سلام کر کے لاؤنج کے قالین پر بیٹھ گیا اور اپنی بھاری اور کرخت آواز میں بولا۔ ”اے جا...... توا، چمٹا لا۔“

یہ سن کر شاہدہ نامی ہیجڑا فوراً کچن میں گیا اور اس نے توا، چمٹا لا کر اپنے گرو دعا رانی کے سامنے رکھ دیا۔ ”لو گرو......!“

”اے...... پھر شروع کریں لکن سکائی؟“

”ہاں گرو......! کرو شروع۔“ شاہدہ نے اس کے پیچھے بیٹھتے ہوئے کہا۔

دعا رانی کے تینوں چیلے اس کے پیچھے بیٹھ گئے، دعا رانی نے چمٹا، توا اپنے آگے رکھا، آسن جمایا اور پھر زور سے تالی بجا کر بولا۔ ”آ جا لکن سکائی...... آ جا لکن سکائی۔“

دعا رانی بولتا جاتا تو اس کے پیچھے پیچھے نوجوان ہیجڑے تالیاں بجا بجا کر اس جملے کو دہراتے جاتے۔

صارم اور ندیم ڈرائنگ روم کے دروازے پر کرسیاں ڈالے اس تماشے کو دیکھ رہے تھے، گھر میں تالیوں کی آواز بے تحاشا گونج رہی تھی۔

دس پندرہ منٹ تک دعا رانی اسی طرح کے اوٹ پٹانگ جملے بولتا رہا پھر اچانک اس کے چہرے پر مزید وحشت دکھائی دی اور اس نے زور سے چمٹا، توے پر مارا اور بولا۔ ”اے کون ہے تو؟“

پیچھے سے اس کے چیلوں نے اس جملے کو دہرایا۔ ”اے کون ہے تو؟“

ایک ساتھ تالیاں بجتیں، توے پر چمٹا پڑتا اور آواز آتی۔ ”اے کون ہے تو؟“

کچھ دیر تک یہی عمل چلتا رہا لیکن کوئی نتیجہ ظاہر نہ ہوا تو دعا رانی نے فوراً اپنا ہاتھ روک لیا۔

”اے زیبا......!“ وہ پھٹے بانس جیسی آواز میں بولا۔

”ہاں...... گرو!“ زیبا نے کہا۔

”اے یہ تو سامنے نہ آوے...... کوئی بڑا ہی خبیث مردوا ہے۔“ دعا رانی نے پریشان ہو کر کہا۔

”گرو......! کھنڈ پڑھو۔“ زیبا نے مشورہ دیا۔

”چل پھر شروع ہو جا۔“ وہ بولا۔

اس کے بعد جو کھنڈ شروع ہوئے تو صارم کا سر چکرانے لگا، عجیب و غریب الفاظ، پھٹے بانسوں جیسی آواز، ہتھوڑے برساتی تالیاں...... توے اور چمٹے کا بے ہنگم شور...... اس مضحکہ خیز صورت سے صارم جان چھڑا کر اٹھنے والا ہی تھا کہ ایک دم خاموشی چھا گئی۔

تب صارم نے ڈائننگ ٹیبل پر ایک بڑا سا گدھ دیکھا جس کے پنجے سرخ تھے، وہ گدھ اچانک ہی نمودار ہوا تھا، وہ چند لمحے ڈائننگ ٹیبل پر نظر آیا اور پھر فوراً ہی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

غائب ہونے سے پہلے اس نے اپنی گردن ٹیڑھی کر کے دعا رانی کو دیکھا تھا۔

اس گدھ کو نمودار ہوتے سب نے دیکھا تھا شاید اسی لئے دعا رانی نے اپنے بے ہنگم شور کو روک دیا اور اپنی کاجل بھری آنکھوں سے وحشت زدہ ہو کر گدھ پر نظر ڈالی تھی۔

اس سرخ پنجوں والے گدھ کو دیکھتے ہی اپنی بھدی آواز میں پکارا تھا۔ ”اے......! یہ مردوا تو کاکور ہے۔“

دعا رانی کے منہ سے کاکور کا نام سن کر صارم حیرت زدہ رہ گیا۔ وہ دعا رانی کو کھیل تماشے سے زیادہ اہمیت نہیں دے رہا تھا، دراصل اسے دعا رانی کے عامل ہونے کا یقین نہیں آ رہا تھا لیکن ڈائننگ ٹیبل پر سرخ پنجوں والے گدھ کا ظہور اور دعا رانی کی زبان سے کاکور نام کا اظہار صارم کو متاثر کر گیا...... اس گھر میں کس قسم کا آسیب تھا اور اس آسیب کا نام جان لینا اس بات پر دلالت کرتا تھا کہ دعا رانی واقعی اس راستے کا کھلاڑی ہے۔

ندیم شریف نے اس کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ اپنی نوجوانی میں ایک جادوگر کا گھریلو ملازم تھا، اسی جادوگر نے اس کی خدمت سے متاثر ہو کر اسے چند گر سکھا دیئے تھے، دعا رانی کو اس کام سے دلچسپی تھی لہٰذا وہ اس لائن پر چلتا گیا اور خاصی مہارت حاصل کر لی، کسی گھر میں اگر کسی غیر انسانی مخلوق نے قبضہ جما رکھا ہوتو دعا رانی اس گھر سے اس مخلوق کا بسیرا اجاڑ دیتا تھا، گھر کو غیر انسانی مخلوق سے پاک کرنے کیلئے وہ زیادہ سے زیادہ تیرہ دن لیتا تھا بعض اوقات یہ بھی ہوتا کہ وہ مخلوق دعا رانی کی شکل دیکھ کر تین دن میں ہی گھر چھوڑ بھاگ جاتی تھی۔ صارم کا دعا رانی کے بارے میں یہ خیال تھا کہ اگر وہ کوئی عمل نہ بھی کرے محض تیرہ دن اپنے شاگردوں کے ساتھ رہ کر خوب ہنگامہ کرے تو وہ مخلوق تنگ آ کر خود ہی گھر چھوڑ جائے گی۔

صارم کا گھر میں ٹھہرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا، وہ گھر دعا رانی اور اس کے چیلوں کے حوالے کر کے نکل جانا چاہتا تھا لیکن ندیم نے اسے روک لیا تھا۔ شاہدہ نے ندیم کو بتا دیا تھا کہ دعا رانی پہلے دن ہی آسیب کا حسب نسب معلوم کر لیتا ہے، ندیم نے اس سے گھر میں ٹھہرنے کی اجازت چاہی تھی، شاہدہ نے اپنے گرو سے بات کر کے اسے وہاں ٹھہرنے کی اجازت دلوا دی تھی اسی اجازت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ندیم نے صارم کو روک لیا تھا تاکہ وہ دعا رانی کے کام کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

دعا رانی نے واقعی کمال کر دکھایا تھا، اس نے اپنے بے ہنگم عمل سے کاکور کو کھینچ بلایا تھا اور اس کا نام بھی معلوم کر لیا تھا۔

”اے...... یہ مردوا کاکور ہے۔“ گرو دعا رانی نے اپنے چیلوں کی طرف دیکھتے ہوئے انکشاف کیا۔

''ہائے......! گرو کتنے جھٹکے کا ہے؟'' زیبا نے پوچھا۔

''جھٹکے تو پورے تیرہ ہی لے گا...... بڑی کتی شے نظر آتا ہے۔'' دعارانی نے بتایا۔

صارم اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ کاکور کس قسم کی شے ہے، وہ ایک عرصے سے اسے بھگت رہا تھا، اس خبیث نے اس کے بچے کی جان لے لی تھی اور بڑے بڑے عاملوں اور بزرگوں کو ناکام بنا دیا تھا، جانے کیوں صارم کو لگا کہ کاکور کے مقابل اس بار اس کی ٹکر کا بندہ آیا ہے، اسے تو دونوں ہی ''کتی شے'' دکھائی دیتے تھے۔

صارم نے وہاں مزید ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا، اس نے چلتے ہوئے جیب سے پانچ ہزار روپے نکال کر دعارانی کے ہاتھ پر رکھے اور بولا۔ ''فی الحال یہ پیسے کھانے پینے کیلئے رکھ لیں...... اگر آپ نے اس خبیث کاکور سے میرے گھر کو نجات دلا دی تو میں آپ پر انعام کی بارش کر دوں گا، آپ نہیں جانتے کہ اس منحوس کاکور نے مجھے کس قدر نقصان پہنچایا ہے۔''

''اے صاحب......! یہ پیسے رکھ لو...... جب کام ہو جائے تو دے دینا، یہ ہمارا اصول ہے کام کے بعد پیسے لیتے ہیں پھر جو چاہے دے دینا، ہم خوشی سے لے لیں گے۔'' دعارانی نے کہا۔

صارم کو اس کی یہ بات اچھی لگی، اس نے پانچ ہزار روپے واپس اپنی جیب میں رکھ لئے اور اپنے گھر سے نکل آیا، ندیم اس کے ساتھ تھا۔

''اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' صارم نے پوچھا۔

''سر......! میں ابھی یہاں رکوں گا...... ذرا دیکھتا ہوں یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔'' ندیم نے کہا۔

''ان لوگوں کو اعتراض تو نہ ہوگا؟'' صارم نے اسے یاد دلایا۔

''بس اس وقت تک بیٹھوں گا جب تک یہ میرے بیٹھنے پر اعتراض نہ کریں گے۔'' ندیم نے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے۔'' صارم نے اس سے ہاتھ ملایا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

صارم، ظفر مراد کے گھر کی طرف جاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ وہ زیارت جانے کا پروگرام فی الحال ملتوی کر دے، دعارانی کا عمل تیرہ دن کا تھا، تیرہ دن مزید انتظار کر لے...... کیا عجب کہ دعارانی اس شری مخلوق کو گھر سے نکالنے میں کامیاب ہو جائے پھر زیارت جانے کی کیا ضرورت باقی رہے گی۔ اس نے تو زیارت جانے کا پروگرام پکا کر لیا تھا، بیچ میں یہ پروگرام آ گیا، اگرچہ اس نے گرو کی آمد کو محض تفریح طبع سے زیادہ اہمیت نہ دی تھی لیکن اب جانے کیوں اسے یہ یقین ہو چلا تھا کہ دعارانی اس مخلوق سے اچھی طرح نمٹنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

گھر پہنچ کر اس نے ظفر مراد کو اپنے گھر کا سارا حال بتایا تھا، ظفر مراد اس روداد سے بڑا محظوظ ہوا تھا، ابھی وہ لوگ کھانا کھانے میں مصروف تھے کہ صارم کا موبائل بج اٹھا، اس نے موبائل اٹھا کر نمبر چیک کیا، یہ ندیم کی کال تھی۔

کسی اور کا فون ہوتا تو شاید وہ فون کاٹ دیتا کیونکہ کھانے کے دوران فون پر بات کرنا اسے پسند

نہ تھا لیکن اس وقت مجبوری تھی، ندیم کا فون سننا ضروری تھا مبادا کوئی فوری اور اہم مسئلہ ہو۔

اور جب صارم نے کال اٹینڈ کی تو واقعی اہم مسئلہ نکلا۔

''سر......! غضب ہو گیا۔'' صارم کے ہیلو کہتے ہی ندیم بولا۔ اس کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔

''کیا ہوا بھئی......؟'' صارم نے پرسکون رہنے کی کوشش کی۔

''سر......! آپ کے جاتے ہی ان لوگوں نے اپنا کام دوبارہ شروع کر دیا تھا، دعارانی عجیب عجیب لفظ منہ سے نکال رہا تھا اور اس کے تینوں چیلے ان الفاظ کو دہرا رہے تھے، تالیاں بجا رہے تھے اور دعارانی توا، چمٹے کو کسی ساز کی طرح بجا رہا تھا، بس سر! گھر میں اس قدر شور ہنگامہ تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔''

''اس طرح کا ہنگامہ تو میں دیکھ آیا ہوں۔'' صارم نے اسے اپنی بات مختصر کرنے کا اشارہ دیا۔

''سر......! آپ کے سامنے تو کچھ بھی ہنگامہ نہیں تھا، آپ یہاں ہوتے تو دو منٹ بھی اس شور میں نہ بیٹھ پاتے خیر......! بیٹھے بیٹھے اچانک دعارانی اٹھا، اس کے ہاتھ میں چمٹا تھا، اس نے اچھل کر چمٹا لہرایا یوں لگا جیسے اس نے کسی کا نشانہ لے کر چمٹا مارا ہو تب ہی قالین پر ایک گدھ گرا اور پھر فوراً ہی اڑتا ہوا ہوا میں تحلیل ہو گیا، گدھ کے گرتے ہی ان چاروں نے وہ شور ہنگامہ کیا کہ توبہ بھلی۔''

''غضب کیا ہوا؟'' صارم نے پھر اسے لائن پر لانا چاہا۔ ''بتاؤ۔''

''سر......! وہی بتانے جا رہا ہوں...... بس سر! پھر یہ ہوا کہ شور اچانک رک گیا، ایسا سناٹا چھا گیا کہ پن گرے تو اس کی آواز محسوس ہو، یہی نہیں وہ چاروں جہاں جس حالت میں تھے، وہاں کھڑے رہ گئے بس یوں سمجھئے جیسے منظر منجمد ہو گیا ہو، چند لمحوں بعد جب وہ لوگ حرکت میں آئے تو معلوم ہوا کیا غضب ہوا ہے سر......! ان کے دونوں ہاتھ اور زبان مفلوج ہو گئی، وہ سارے کے سارے تالیاں بجانے سے معذور اور بولنے سے محروم ہو گئے، وہ بولنے کی کوشش کرتے تو حلق سے انتہائی بھیانک آواز نکلتی اور اگر تالی بجانے کی کوشش کرتے تو ہاتھ ہی نہ اٹھتا، یہ صورتحال دیکھ کر چاروں کے چھکے چھوٹ گئے، انہوں نے توا، چمٹا ایک طرف پھینکا، اپنا سامان سمیٹا اور گھر سے تیزی سے نکل گئے، میں نے انہیں اسپتال لے جانے کی پیشکش بھی کی تھی لیکن انہوں نے پیچھے مڑ کر ہی نہ دیکھا، میری پیشکش پر غور کرنے کیلئے ان کے پاس جیسے وقت ہی نہ تھا، لگ رہا تھا کہ اگر وہ کچھ دیر مزید رکے تو ان پر جانے کیا بیت جائے۔''

''اوہ......! یہ تو بہت برا ہوا، میں تو وہاں سے بڑی توقعات لے کر اٹھا تھا۔'' صارم نے ساری روداد سن کر کہا۔

''جی...... میرا بھی یہی خیال تھا کہ دعارانی اس خبیث مخلوق پر قابو پا لے گا لیکن سر! یہ تو کوئی بہت ہی طاقتور مخلوق ہے، اچھے اچھوں کو الٹا کر دیتی ہے۔''

''آپ نے گھر کا کیا کیا...... کھلا تو نہیں چھوڑ دیا؟'' صارم نے پوچھا۔

''سر......! سچی بات تو یہ ہے کہ ان لوگوں کے گھر سے بھاگتے ہی مجھے بے حد ڈر لگا تھا لیکن میں نے ہمت کر کے پورا گھر جلدی جلدی بند کیا اور اب گھر سے کچھ فاصلے پر کھڑا آپ سے بات کر رہا ہوں۔'' ندیم نے بتایا۔ اس کی آواز میں اب بھی لرزش تھی۔

''آپ گھر کی چابیاں اپنے ساتھ لے جائیں، کل دفتر لیتے آیئے گا باقی باتیں پھر کل ہوں گی۔'' صارم نے کہا۔

''او کے سر......!'' ندیم شریف نے جلدی سے کہا اور موبائل آف کر دیا۔

صارم کو دعارانی کی ناکامی کا بڑا افسوس ہوا، وہ تیرہ دن اس گھر میں گزارنا چاہتا تھا، شری مخلوق نے اسے تین گھنٹے بھی وہاں ٹکنے نہ دیا، ان لوگوں کو مفلوج الگ کر دیا، اللہ جانے اب وہ لوگ ٹھیک ہوں گے بھی کہ نہیں...... بہر حال وہ ندیم کے ذریعے ان کی خبر گیری کروائے گا اور ضرورت ہوئی تو ان کا علاج بھی کروائے گا۔

ایک باب جو اچانک کھلا تھا، وہ اتنی ہی تیزی سے بند بھی ہو گیا تھا، صارم کے دل میں امید کی کرن چمکی تھی اسی لئے اس نے زیارت جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا تھا، اب تو یہ آس بھی ٹوٹ گئی تھی، اسے ہر صورت زیارت کیلئے عازم سفر ہونا تھا۔

دوسرے دن وہ پروڈکشن ہاؤس پہنچا تو ندیم کو شاہدہ سے محو گفتگو پایا، شاہدہ کو دیکھ کر صارم کو اطمینان ہوا، وہ سیدھا اپنے کمرے میں پہنچا، ابھی وہ کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ ندیم اجازت لے کر کمرے میں آ گیا۔

''ہاں......! ندیم صاحب کیا خبر ہے؟'' صارم نے پوچھا۔

''سر......! خبر تو اچھی ہے، شاہدہ آ گیا ہے، وہ بتا رہا تھا کہ گھر پہنچ کر دعارانی نے کوئی عمل کیا تھا جس کے نتیجے میں ان کے ہاتھ اور زبان کھل گئے۔'' ندیم نے بتایا۔

''چلو...... یہ اچھا ہوا...... میں ان لوگوں کی طرف سے پریشان ہو گیا تھا۔'' صارم نے مطمئن لہجے میں کہا۔ ''اب دعارانی کے کیا عزائم ہیں؟''

''سر......! وہ تو ٹھنڈا پڑ گیا ہے۔'' ندیم نے مسکرا کر کہا۔ ''شاہدہ بتا رہا تھا کہ بڑا سخت حملہ ہوا تھا، وہ تو خیر ہو گئی ورنہ چاروں کی زندگی خطرے میں آ گئی تھی، گرو اگر اس حملے کو نہ روکتے تو اس گھر میں چاروں کی لاشیں پڑی ہوتیں...... حملہ روکتے روکتے پھر بھی جھپیٹ میں آ ہی گئے...... اب تو گرو نے اس گھر کا رخ کرنے سے توبہ کر لی ہے۔''

''اب مجھے زیارت جانا ہی ہوگا۔'' صارم نے کہا۔

''سر......! چلے جائیں، مجھے تو نجات کا یہی آخری راستہ نظر آتا ہے...... شمیم بھائی نے بھی یہی مشورہ دیا تھا۔''

''چلیں...... پھر میٹنگ کال کریں، مجھے نہیں معلوم کہ زیارت میں کتنا عرصہ لگے گا، میں چاہتا

ہوں کہ میری غیر موجودگی میں کام نہ رکے۔'' صارم نے کہا۔

''جی بہتر......! میں صمد صاحب سے بات کرتا ہوں۔'' ندیم یہ کہہ کر اٹھ گیا۔

صارم کو یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ وہ لوگ چند گھنٹوں بعد ہی روبصحت ہو گئے تھے، مفلوج ہونے کی صورت میں ان کی زندگی اجیرن ہو جاتی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں تالی بجانے کے علاوہ کچھ نہیں آتا، بیروزگاری سے مجبور ہو کر اب تو یہ لوگ بھیک مانگتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ریت رواج تبدیل ہو گئے ہیں ورنہ ایک زمانہ تھا کہ شادی، بیاہ اور خصوصی طور پر بچے کی پیدائش پر ان کا گانا بجانا ضرور ہوتا تھا، اب ایسے موقعوں پر کوئی انہیں نزدیک نہیں پھٹکنے دیتا، ویسے درمیان کی یہ مخلوق اپنے اندر بڑے اسرار رکھتی ہے۔

صارم کو اپنے پروڈکشن ہاؤس کی زیادہ فکر نہ تھی، اس کے پاس بہت اچھا اسٹاف تھا پھر اس نے دفتر کا سیٹ اپ اس طرح بنایا تھا کہ کام خود بخود ہوتا رہے۔ بہر حال تھوڑی بہت جو رکاوٹیں تھیں، اس نے میٹنگ میں وہ دور کر دیں اور مطمئن ہو کر گھر آ گیا۔

صارم کیلئے کوئٹہ اور زیارت کوئی نئی جگہ نہیں تھی، وہ کئی بار وہاں جا چکا تھا، صارم کو زیارت کا گہرا سناٹا، صنوبر کے سرسبز درخت اور بے انتہا اونچے پہاڑ بہت پسند تھے، زیارت کی وادی چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھری تھی، یہ ایک پیالہ نما وادی تھی، جا بجا قدرتی مناظر بکھرے ہوئے تھے، سرسبز شاداب جنگلات، پتھریلے راستے...... زیارت کے حسن میں عجب سادگی تھی...... جیسے کوئی پہاڑی دوشیزہ اپنے سنہری بال کھولے کسی کو معصومیت سے دیکھتی ہو۔

صارم کا جی چاہتا تھا کہ وہ اکیلا سفر پر نہ جائے، اپنے ساتھ اپنی شریک زندگی سارہ کو بھی ساتھ لے جائے کہ اس کے بغیر وہ خود کو ادھورا سمجھتا تھا لیکن زیارت وہ جس مشن پر جا رہا تھا، اس کے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہاں کیا صورت حال پیش آئے گی، سارہ کا ساتھ جانا کسی طور مناسب نہ تھا۔

سارہ کو اپنے گھر سے الگ ہوئے کئی دن ہو گئے تھے، اس نے ظفر مراد کے گھر شفٹ ہوتے ہی اپنی بے قراری کا اظہار کیا تھا، وہ آدھی رات کو اپنے گھر جانا چاہتی تھی اور جب صارم نے غصے میں اسے تنہا جانے کی اجازت دیدی تھی تو وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گئی تھی۔

اس رات کے بعد اس نے صارم، خالہ بجو یا ظفر مراد سے اپنے گھر جانے کا مطالبہ نہیں کیا تھا، اس کی نگرانی جاری تھی، وہ چھپ کر بھی گھر سے نہیں نکلی تھی۔

صارم خوش تھا کہ سارہ کو اپنے گھر سے دور کرنے کی وجہ سے فائدہ ہوا تھا، اس میں مثبت تبدیلی آ گئی تھی، اب اس نے حسن کا تذکرہ چھوڑ دیا تھا، خالہ بجو اور ظفر مراد بھی اس تبدیلی سے بہت خوش تھے لیکن کسی کو اصل حقیقت کا پتہ نہ تھا۔

سارہ اس رات جب صارم نے اس پر غصہ کیا تھا، حسن کو یاد کر کے روتی رہی تھی، کہیں صبح جا کر

اسے نیند آئی تھی پھر اس دن وہ دن چڑھنے تک سوتی رہی تھی۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو دن کے بارہ بج رہے تھے، کمرے میں کوئی نہ تھا، دروازہ بھی بند تھا، صارم اسے گہری نیند میں دیکھ کر آہستہ سے اٹھ گیا تھا پھر اس نے آہستگی سے دروازہ بند کر دیا تھا تا کہ سارہ پورے اطمینان سے سوتی رہے۔

سارہ کی آنکھ کھلتے ہی اسے حسن کی یاد نے گھیر لیا، اسے پھر یوں لگا جیسے اس کا حسن رو رہا ہو، اپنی ننھی منی بانہیں پھیلا کر اسے پکار رہا ہو، ایک ٹیس سی اس کے دل میں اٹھی، ہائے کیا کروں......؟

فون پر نظر پڑی تو ایک عجیب وغریب خیال اس کے دماغ میں آیا۔

گھر پر فون کروں......دیکھوں کوئی اٹھاتا ہے کہ نہیں......!

اگرچہ وہ جانتی تھی کہ اس وقت گھر میں کوئی نہیں ہے، وہاں تالا پڑا ہے، کسی کے فون اٹھانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، یہ جاننے کے باوجود اس نے فون کرنے کیلئے ریسیور اٹھا لیا، یہ شاید حسن سے ملنے کی لاشعوری کوشش تھی۔

اس نے جلدی جلدی نمبر ملایا، چند سیکنڈ بعد ادھر گھنٹی بجنے لگی، اس کا دل بڑی بے تابی سے حسن کو پکار رہا تھا، اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اڑ کر اپنے گھر میں پہنچ جائے۔

پھر یہ ہوا کہ ادھر سے کسی نے ریسیور اٹھا لیا، ریسیور اٹھتے ہی اسے ذرا فاصلے سے حسن کے رونے کی آواز آئی، سارہ تڑپ اٹھی، وہ شدت جذبات سے مغلوب ہو کر بولی۔''میرے بچے میں آ رہی ہوں۔''

وہ بے اختیار ہو کر اٹھی اور اگلے لمحے اس نے خود کو اپنے گھر میں اوپر والے کمرے میں پایا جہاں اس کے خیال کے مطابق حسن رہتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا حسن بیڈ پر بیٹھا بری طرح رو رہا ہے، اس نے والہانہ انداز میں بڑھ کر حسن کو اپنی گود میں بھر لیا، حسن نے فوراً رونا بند کر دیا، کچھ دیر وہ اسے گلے سے لگائے ٹہلاتی رہی یہاں تک کہ وہ اس کے کندھے سے لگا لگا سو گیا، اس نے اسے بیڈ پر لٹایا اور بڑی پیار بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر اس نے اس کی پیشانی چومی اور مطمئن ہو کر اٹھی۔

اسی وقت اردگرد کا ماحول بدل گیا، اب اس نے خود کو ظفر کے گھر میں پایا، اس کے ہاتھ میں ریسیور تھا اور یہ ریسیور اس نے اپنے گھر فون کرنے کیلئے اٹھایا تھا۔

اس نے مسکرا کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور بڑے مطمئن انداز میں کمرے سے باہر نکل آئی۔

اس کے ذہن نے حسن سے ملنے کا ایک نیا راستہ تراش لیا تھا۔

گھر میں سب لوگ سمجھ رہے تھے کہ ماحول کی تبدیلی نے سارہ کی ذہنی حالت پر خوشگوار اثر ڈالا ہے کہ یہاں آنے کے بعد اس نے حسن کا تذکرہ چھوڑ دیا تھا اور اپنے گھر جانے کی ضد بھی نہیں کی تھی، وہ اپنے بھائی کے گھر میں ہنسی خوشی رہ رہی تھی۔ لیکن اصل حقیقت سے کوئی واقف نہ تھا۔

صارم اس کی طرف سے مطمئن تھا، وہ اب پورے اطمینان سے عازم سفر ہو سکتا تھا۔

اس کے دل میں سلگتی آگ اب پوری طرح بھڑک اٹھی تھی، انتقام کی یہ آگ اس کے وجود کو جلائے دے رہی تھی، اپنے گھر کو صارم نے مجبوراً چھوڑا تھا، اگر سارہ کا مسئلہ نہ ہوتا تو وہ کسی قیمت پر اپنا گھر نہ چھوڑتا، وہ اس شری مخلوق سے بالکل خوف زدہ نہ تھا، خوف کی بجائے اس کے دل میں شدید غصہ تھا، اس خبیث کالور نے اس کے جگر کا گوشہ چھین لیا تھا، اس شری مخلوق نے اس گھر کے اصل مکینوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ جب سے صارم نے یہ گھر خریدا تھا، وہ پریشان ہی رہا تھا، اس شری مخلوق سے نجات کیلئے کیسے کیسے لوگ آئے تھے لیکن ان سب کو اس منحوس کالور نے ناکام بنا دیا تھا۔

سب سے پہلے تو اس نے شاہ صاحب کے ساتھ ہاتھ دکھایا تھا، اس نے شاہ صاحب کے ہم شکلوں سے پورا گھر بھر دیا تھا، ان کے عمل کو برباد کرنے کیلئے اسرار، بابا کمبل کو لے آیا تھا، بابا کمبل کے اپنے عزائم تھے لیکن عیار کالور نے اسے بھی کامیاب نہ ہونے دیا، اس کا ایک ہاتھ چھین لیا پھر ایک عامل شمیم احمد نے اپنی سی کوشش کی لیکن وہ چھت پر بے ہوش پائے گئے، جانے ان کے ساتھ اس خبیث کالور نے کیا کیا تھا کہ انہوں نے اس مسئلے پر لب سی لئے، یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ ان کے ساتھ کالور نے کیا ہاتھ دکھایا۔ بہر حال وہ بھی ناکام ہو گئے، اس کے بعد عارانی نے تیرہ دن کے عمل کیلئے گھر میں ڈیرا ڈالا لیکن وہ بے چارہ تیرہ دن تو دور کی بات ہے، تین گھنٹے بھی اس گھر میں نہ گزار سکا، ہاتھ مفلوج ہو گئے، قوت گویائی سے محروم کر دیا گیا۔

ایک عذاب تھا جس سے صارم گزر رہا تھا، اب زیارت جائے بنا چارہ نہ تھا، شاہ صاحب نے اگرچہ محض ایک پرچی اسے دی تھی جس پر ''حسن علی......زیارت'' لکھا تھا، پرچی کے بعد وہ غائب ہو گئے تھے، یہ حسن علی کون تھے اور ان سے زیارت میں کس طرح رابطہ ممکن تھا، اس بارے میں شاہ صاحب نے کوئی رہنمائی نہ کی تھی لیکن جانے کیوں صارم کو یقین تھا کہ یہی وہ شخصیت ہے جس سے اس شری مخلوق سے نجات حاصل ہو گی......اگرچہ اسے حسن علی کی نشاندہی ہوتے ہی زیارت چلے جانا چاہئے تھا اور صارم نے جانے کی کوشش بھی کی تھی لیکن سارہ کی بدلی ہوئی ذہنی حالت نے اسے گھر سے نکلنے نہ دیا، اب وہ سارہ کی طرف سے بڑی حد تک مطمئن تھا، سارہ اپنے بھائی کے گھر محفوظ تھی اور اپنا گھر چھوڑنے کے بعد اس کی ذہنی کیفیت بھی بدل گئی تھی، اب اس نے اپنے تصوراتی بچے کے بارے میں خاموشی اختیار کر لی تھی......زیارت جانے کا اس سے اچھا وقت کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔

کوئٹہ جانے والی رات کی آخری کوچ سے اس نے بکنگ کروالی، سارہ اور ظفر مراد اسے کوچ تک چھوڑنے آئے، سارہ اس کی طرف سے بڑی فکرمند تھی، وہ چاہتی تھی کہ صارم اکیلا نہ جائے، وہ بھی اس کے ساتھ جائے لیکن صارم نے سختی سے اسے ساتھ لے جانے سے منع کر دیا تھا، ویسے سارہ نے اس کے ساتھ جانے کیلئے بہت زیادہ اصرار بھی نہ کیا تھا، اس کے لاشعور میں حسن موجود تھا، کراچی چھوڑنے کی صورت میں اس کے حسن کا کیا بنتا......وہ اسے کس کے سہارے چھوڑتی۔

صارم اور سارہ اپنے اپنے خیالات میں گم تھے۔ صارم، ظفر مراد کے ساتھ گاڑی میں آگے بیٹھا ہوا تھا جبکہ سارہ گاڑی کی پچھلی نشست پر تھی، گاڑی ظفر مراد ڈرائیو کررہا تھا، گاڑی سبک رفتار سے کوچ کے اڈے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

گاڑی ایک سگنل پر رکی، اچانک ایک ہاتھ اندر آیا اور ساتھ ہی ایک چہرہ کھڑکی میں نمودار ہوا، صارم اس چہرے کو دیکھ کر پریشان ہوگیا۔

جو ہاتھ اندر آیا، اس ہاتھ میں ایک سرخ رنگ کا ٹیلیفون سیٹ تھا اور گاڑی کی کھڑکی میں جو چہرہ نمایاں ہوا وہ اسرار ناصر کا تھا۔

''بابا...... ٹیلیفون کروگے۔'' اسرار ناصر نے صارم کی طرف سیٹ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''صارم...... یہ تو اسرار ہیں۔'' پیچھے بیٹھی سارہ یکدم پریشان ہوکر چیخی۔

اتنے میں سگنل گرین ہوگیا۔

''ٹیلیفون کرلو بابا...... اپنے پیاروں سے باتیں کرلو بابا۔'' اسرار ناصر کی آنکھوں میں کوئی پہچان نہ تھی۔

پیچھے سے گاڑیوں کے ہارن کی آوازیں آنے لگیں، ظفر مراد نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اسرار ناصر نے فوراً اپنا ٹیلیفون باہر کھینچ لیا۔ سارہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اسرار ناصر نے اپنے گلے میں ٹیلیفون لٹکا لیا تھا۔ اس کا عجیب حلیہ تھا، بکھرے ہوئے بال، گریبان چاک، میلے کچیلے کپڑے ننگے پیر۔

''صارم کو اسرار کے بارے میں اتنا تو معلوم تھا کہ وہ لاپتہ ہے لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کی حالت پاگلوں جیسی ہوگئی ہے۔ صارم نے ظفر سے سگنل کراس کرنے کے بعد گاڑی روکنے کو کہا۔

گاڑی جیسے ہی رکی، وہ اتر کر پیچھے کی طرف لپکا۔ جب وہ سڑک کراس کرکے اس جگہ پہنچا جہاں اسرار اسے نظر آیا تھا لیکن اب وہ وہاں موجود نہ تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دور تک نظریں دوڑائیں لیکن وہ اسے کہیں نظر نہ آیا۔ جانے اتنی دیر میں وہ کہاں غائب ہوگیا تھا۔

وہ مایوس ہوکر گاڑی کی طرف واپس آیا۔ ظفر مراد اور سارہ گاڑی سے باہر کھڑے تھے۔

''چلیں۔'' صارم نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کیا ہوا؟'' سارہ نے اپنی نشست سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

''وہ ایک دم کہیں غائب ہوگیا۔'' صارم نے بتایا۔

''اسرار کی یہ کیا حالت ہوگئی؟'' سارہ نے فکرمند لہجے میں پوچھا۔

''اللہ جانے۔'' صارم نے کہا اور جیب سے موبائل فون نکال کر جبار ناصر کا نمبر ملایا۔

''ہیلو۔'' ادھر سے جبار ناصر نے کال ریسیو کی۔

''جبار...... تم اس وقت کہاں ہو۔'' صارم نے پوچھا۔

''اپنے دفتر میں۔'' جبار ناصر نے جواب دیا۔

''یار...... ابھی میں نے سڑک پر اسرار کو دیکھا ہے۔''

''کہاں؟'' وہ بے اختیار چونک کر بولا۔

صارم نے اسے جگہ اور مقام بتایا...... پھر بولا۔ ''یار، وہ تو بالکل پاگل ہوچکا ہے۔ گلے میں ٹیلیفون لٹکائے گھوم رہا ہے۔ میری گاڑی سگنل پر رکی تو اس نے ٹیلیفون میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ بابا ٹیلیفون کروگے؟ میں تو اس کی شکل دیکھ کر پریشان ہوگیا۔ سگنل کھلتے ہی میں نے گاڑی رکوائی اور تیزی سے واپس آیا لیکن وہ مجھے کہیں نظر نہ آیا۔ جانے کدھر نکل گیا۔''

''اوہ...... یار میں اس کی طرف سے بڑا پریشان ہوں۔ اسے مسلسل ڈھونڈ رہا ہوں۔ کئی لوگوں نے اسے اسی حلئے میں دیکھا ہے جب میں نے وہاں جاکر تلاش کیا تو وہ مجھے نہیں ملا، میں ابھی دفتر سے نکلتا ہوں۔ تمہاری بتائی ہوئی جگہ پر اسے تلاش کرتا ہوں۔ ہوسکتا ہے وہ مجھ مل جائے۔'' جبار ناصر نے افسردہ لہجے میں کہا۔

صارم نے پہلی بار جبار کے لہجے میں افسردگی محسوس کی، ورنہ وہ اسرار کے سلسلے میں بڑی بے نیازی اور بے اعتنائی سے بات کرنے کا عادی تھا۔ آخر بڑا بھائی تھا، اپنے چھوٹے بھائی کیلئے کب تک نہ پریشان ہوتا۔

''میں یار، زیارت جارہا ہوں ورنہ میں یہاں رک کر تمہارا انتظار کرتا۔'' صارم نے کہا۔

''نہیں...... تم جاؤ...... میں اسے تلاش کرونگا۔ اگر مل گیا تو پکڑ کرلے جاؤں گا۔'' جبار ناصر نے کہا۔

''اچھا...... یار میرے لئے دعا کرنا کہ مجھے حسن علی مل جائیں اور میں اس عذاب سے نجات پاؤں۔'' صارم نے التجا آمیز لہجے میں کہا۔

''اللہ بہتر کرے گا۔'' جبار ناصر نے دعائیہ انداز میں کہا۔ ''یار، تم بھی دعا کرنا کہ اسرار مجھے ل جائے۔''

''یار...... میری تو دل سے دعا ہے...... میں سگنل پر تھا ورنہ اس سے ضرور بات کرتا۔'' صارم نے کہا۔ ''جب واپس لوٹ کر گیا تو وہ نکل چکا تھا۔''

''چلو...... میں چیک کرتا ہوں...... او کے۔'' جبار ناصر نے فون بند کردیا۔

صارم نے اپنا موبائل آف کرکے جیب میں ڈالا اور گہرا سانس لیا۔ ''پتہ نہیں اسرار پر کیا بیتی؟''

''صارم اس کی بیوی اچانک چل بسی۔ اس کا گھر جل گیا۔ وہ پاگل نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔'' سارہ نے کہا۔

''نہیں سارہ...... بیوی کا مرنا اور مکان جلنا...... یہ سب زندگی کا حصہ ہیں۔ آدمی اس طرح وڑے ہی پاگل ہوجاتا ہے۔ اس کے ساتھ کچھ اور ہوا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ شاہ صاحب نے اسرار کو

واضح طور پر تنبیہ کی تھی کہ جادو ٹونے کا چکر چھوڑ دو۔ ورنہ تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ سارہ شاہ صاحب نے سچی پیش گوئی کی، دیکھ لو اس کا کیا حال ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں تو پہچان بھی نہیں رہی۔ وہ تو سب کچھ فراموش کر بیٹھا۔ اب گلے میں ٹیلیفون لٹکائے گھومتا ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس نے ٹیلیفون گلے میں کیوں لٹکا لیا۔'' صارم نے کہا۔

''صارم...... اسرار نے پی سی او کھول رکھا تھا۔ لگتا ہے ہوش و حواس سے بیگانہ ہوتے ہوئے ذہن میں پی سی او ہی رہا۔'' سارہ نے اپنی رائے دی۔

''شاید...... یہی بات ہو۔'' صارم نے سارہ کی تائید کی۔

ظفر مراد خاموشی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ اسے ان معاملات کا پتہ نہ تھا لہٰذا اس نے گفتگو میں مداخلت نہ کی۔ کچھ دیر بعد صارم نے مختصراً اس کا تعارف کرایا۔

ظفر مراد کو اسرار کے بارے میں تفصیل جان کر افسوس ہوا۔ لیکن حقائق کا کسی کو علم نہ تھا۔ اب تو وہ بھی جس کے ساتھ یہ سب بیتا تھا کچھ بتانے سے قاصر تھا۔

جب وہ بس کے اڈے پہنچے تو کوئٹہ جانے والی کوچ تیار تھی۔ آدھی سے زیادہ بس بھر چکی تھی۔ مسافر مسلسل آ رہے تھے، بیٹھ رہے تھے، اپنا سامان رکھوا رہے تھے۔

صارم نے اپنی سیٹ دیکھ کر اپنا بیگ سیٹ کے اوپر سامان رکھنے والی جگہ میں رکھا اور پھر نیچے واپس آ گیا۔

ظفر مراد نے قریب ہی اپنی گاڑی پارک کی تھی۔ وہ گاڑی کی طرف بڑھا۔ سارہ اور ظفر گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ ''بیگ رکھ دیا۔''

''ہاں۔'' صارم نے کہا۔ پھر بولا۔ ''بس اب تم لوگ جاؤ۔ میں چلا جاؤں گا۔''

''ارے نہیں...... صارم بھائی۔'' ظفر مراد اپنائیت سے بولا۔ ''ہم آپ کو رخصت کر کے جائیں گے۔''

''صارم جانے کیوں مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' سارہ نے کہا۔

''اب چلتے ہوئے ایسی باتیں نہ کرو۔''

''سچ کہہ رہی ہوں صارم...... میرا دل گھبرا رہا ہے، تم مت جاؤ۔'' سارہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں ابھی آیا۔'' یہ کہہ کر ظفر مراد آگے بڑھ گیا۔ شاید وہ دونوں میاں بیوی کو تنہائی میں گفتگو کرنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔

''سارہ...... جائے بنا چارہ نہیں...... تم جانتی ہو کہ میں نے کتنی مشکل سے جانے کا پروگرام بنایا۔ اب جاتے ہوئے میری حوصلہ شکنی نہ کرو۔ میرا حوصلہ بڑھاؤ کہ میں جس مقصد سے جا رہا ہوں۔ وہ مقصد حاصل کر کے میں کامیاب واپس لوٹوں۔'' صارم نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر کہا۔ ''تم اپنا

خیال رکھنا۔''

''ہاں...... صارم، تم میری فکر مت کرو...... میں اپنا پورا خیال رکھوں گی۔'' اس نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

''سچ کہہ رہی ہو نا۔'' صارم نے یقین دہانی چاہی۔

''ہاں، صارم سچ کہہ رہی ہوں...... پر تم جلدی آنا۔'' سارہ بولی۔

''میں جلدی آؤں گا...... کام ہوتے ہی نکل آؤں گا۔'' صارم نے کہا۔

''فون کرتے رہنا۔'' سارہ نے تلقین کی۔

اتنے میں گاڑی نے تیز اور بھاری سا ہارن بجایا۔ جو مسافر باہر کھڑے تھے جلدی جلدی بس میں سوار ہونے لگے۔

''صارم بھائی...... آپ کی گاڑی ہارن بجا رہی ہے۔'' ظفر مراد نے پیچھے سے آ کر کہا۔

''اچھا یار۔'' صارم نے ظفر مراد سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

''صارم اپنا خیال رکھنا۔'' سارہ بے تابی سے بولی۔

صارم نے اسے اپنے قریب کیا اور سرگوشی میں بولا۔ ''ہاں ضرور...... بس ملنے کی دعا کرنا۔''

''اچھا...... اللہ حافظ۔'' یہ کہتے ہوئے سارہ کی حسین آنکھیں بے اختیار چھلک آئیں۔

''نہیں...... تم روگی نہیں۔'' صارم نے اپنی انگلیوں سے اس کی آنکھیں پونچھیں اور پھر فوراً ہی پلٹ کر بس کی طرف چل دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ سارہ اس کی آنکھ میں آئے آنسوؤں کو دیکھے۔

گاڑی نے اسٹارٹ لیا۔ ظفر مراد اور سارہ نے باہر سے ہاتھ ہلایا۔ صارم نے بند شیشے کے اس طرف سے اپنا ہاتھ ہلا کر الوداع کہا۔ سارہ اور صارم کی آنکھیں ملیں اور پھر دونوں نے ہی اپنے چہروں کا رخ بدل لیا۔

بس پھر چشم زدن میں باہر کا منظر بدل گیا۔ گاڑی سڑک پر آ کر رواں دواں ہو گئی۔

صارم نے گہرا سانس لیکر اپنی نشست پر پاؤں پھیلا دیئے۔ یکبارگی اس پر اداسی چھا گئی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں جو بھیگ رہی تھیں۔

کوئی ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد اس کی جیب میں پڑے موبائل میں وائبریشن کا احساس ہوا، صارم نے موبائل جیب سے نکال کر دیکھا، یہ جبار ناصر کی کال تھی۔

''ہاں...... جبار۔'' صارم نے کہا۔

''صارم مبارک ہو...... یار۔ اسرار مل گیا۔'' جبار ناصر کی آواز میں بے پناہ خوشی تھی۔

''ارے واہ۔'' صارم بھی خوش ہو گیا۔ ''زبردست...... یار کہاں ملا۔''

''اس سگنل سے کافی آگے۔ یار، وہ بیچ سڑک پر اپنی دھن میں مگن چلا جا رہا تھا۔ بس اللہ نے ہی سے کسی حادثے سے محفوظ رکھا۔ میں نے اپنی گاڑی سڑک کے کنارے روک کر اسے بیچ سڑک پر ج

پکڑا۔ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر سڑک کے کنارے لایا۔ یار، اس کی حالت دیکھ کر میرا دل کٹ کر رہ گیا، میں نے اسے بے اختیار گلے لگالیا۔''

''کیااس نے تمہیں پہچان لیا۔'' صارم نے امید بھرے لہجے میں پوچھا۔

''کہاں یار...... جو شخص خود کو بھول چکا ہو۔ وہ مجھے کیسے پہچانے گا۔ میں نے اسے گلے لگایا تو وہ مجھے دھکا دیتے ہوئے بولا۔ تم مجھے جیب کترے معلوم ہوتے ہو۔ پیچھے ہٹو، میری جیب میں ٹائم بم ہے۔ پھٹ گیا تو تم فوراً مر جاؤ گے۔ میں نے کہا...... اسرار مجھے پہچانو...... میں تمہارا بڑا بھائی ہوں۔ جبار...... اورتم اسرار ہو میرے چھوٹے بھائی...... وہ قہقہہ لگا کر بولا، میں پُر اسرار ہوں اور تم غبار ہو، بادلوں کی طرح اڑ جاؤ گے۔ اچھا ٹیلیفون تو کرلو۔ کہاں کرو گے چوتھے آسمان پر...... پھر اس نے اوٹ پٹانگ باتیں شروع کر دیں، میں نے اسے بہلا پھسلا کر گاڑی میں بٹھایا اور گھر لے آیا۔ بس ابھی ابھی گھر پہنچا ہوں۔ پہنچتے ہی سوچا تمہیں یہ خبر سنادوں۔ جبار ناصر نے کہا۔

''بہت اچھی خبر ہے یار...... اب تم ایسا کرنا...... اسرار کو فوراً ہی کسی نفسیاتی اسپتال میں داخل کروا دینا۔ اگر تم نے گھر میں رکھا تو وہ بھاگ جائے گا۔'' صارم نے مشورہ دیا۔

''نہیں...... میں صبح ہی اسے اسپتال میں داخل کراتا ہوں۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ اسپتال میں ہی محفوظ رہے گا۔'' جبار ناصر نے کہا۔ ''اچھا...... یار...... میں پھر بات کرونگا۔'' ''تم اس وقت کہاں ہو؟''

''یار...... میں کوچ میں ہوں۔'' صارم نے جواب دیا۔

''فون کرتے رہنا...... جو بھی صورتحال ہو بتاتے رہنا۔'' جبار ناصر نے کہا۔

''ہاں تم فکر نہ کرو۔ یار...... میں سارہ کو بہت اداس چھوڑ کر آیا ہوں۔ بھابھی سے کہنا اس سے ٹیلیفون پر بات کرلیں۔'' صارم نے ہدایت کی۔

''تم پریشان مت ہو۔ میں مہ ناز کو لیکر خود بھابھی سے مل آؤں گا۔'' جبار ناصر نے پرخلوص لہجے میں کہا۔

''چلو ٹھیک ہے...... اسرار کو اسپتال میں ضرور داخل کرادینا۔ اللہ چاہے گا تو علاج سے ٹھیک ہو جائے گا۔''

''اچھا...... اوکے۔'' جبار ناصر نے فون آف کر دیا۔

صارم نے اپنا موبائل فون جیب میں ڈالا اور شیشے سے باہر دیکھنے لگا۔ باہر تاریکی کے سوا کچھ نہ تھا۔

کوئی آٹھ بجے کے قریب کوچ کوئٹہ پہنچ گئی۔ اگرچہ ابھی صبح کے آٹھ بجے تھے لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے پورا کوئٹہ جاگ اٹھا ہو۔ سڑکوں پر خاصی رونق تھی، دکانیں کھلی ہوئی تھیں، لوگ اپنی کاروباری مصروفیت میں مصروف تھے۔ کوئٹہ میں صبح جلدی اور شام دیر میں ہوتی ہے۔

صارم کوچ سے باہر اتر کر سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کرے؟ وہ بارہ گھنٹے کا سفر کر کے آیا تھا۔ تھکن طاری تھی۔ پھر بھوک بھی زوروں کی لگ رہی تھی۔ ایک صورت تو یہ تھی کہ کسی بڑے ہوٹل میں جا کر فریش ہو، خوب ڈٹ کر ناشتہ کرے۔ تھوڑا آرام کر کے زیارت کی گاڑی پکڑ لے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ کسی دکان سے کچھ الا بلا کھا کر زیارت کیلئے نکل کھڑا ہو۔ زیارت تین گھنٹے کا سفر تھا، یہ سفر کاٹ کر پھر اکٹھا ہی آرام کرے۔

ابھی وہ اپنا بیگ ہاتھ میں پکڑے سوچ ہی رہا تھا کہ کون سا راستہ اختیار کرے کہ ایک صاحب غور سے دیکھتے ہوئے اس کی طرف بڑھے۔ وہ نزدیک آ کر کھڑے ہو گئے اور صارم کو گھور کر دیکھنے لگے۔ نداز ایسا جیسے صارم کو پہچاننے کی کوشش کر رہے ہوں۔

ان صاحب کے اس طرح دیکھنے پر صارم بھی متوجہ ہو گیا۔ اس نے سر سے پاؤں تک اس شخص کو یکھا۔ آسمانی رنگ کی شلوار قمیض، گہری نیلی ویسٹ کوٹ، پاؤں میں سیاہ سینڈل، سانولا رنگ، کسی در لمبا قد، چہرے پر جھجک آمیز مسکراہٹ۔

''جی فرمائیے۔'' صارم نے براہ راست اس شخص سے سوال کیا۔ ''مجھ سے کوئی کام۔''

''سر آپ کراچی سے آئے ہیں؟'' اجنبی نے سوال کیا۔

''جی ہاں۔'' صارم نے بلا تامل جواب دیا۔

''سر...... آپ صارم علی صاحب ہیں۔'' اس شخص نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

اپنا نام سن کر صارم چونکا۔ وہ اس شخص کو نہیں جانتا تھا۔ صارم کا کوئٹہ میں کوئی جاننے والا نہ تھا۔ پھر ہ ابھی بس سے اترا تھا اور اس سفر کے بارے میں کراچی میں محض چند لوگوں کو معلوم تھا۔ پھر اس شخص ے اسے کیسے پہچان لیا۔

''آپ کون ہیں؟'' صارم نے اپنے نام کی تصدیق سے گریز کیا۔

''میں جناب، نواز ہوں۔'' اس نے اپنا تعارف کرایا۔ ''اگر میں نے پہچاننے میں غلطی کی ہے، پ صارم صاحب نہیں ہیں تو میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔''

''نواز صاحب...... آپ کو یہ نام کس نے بتایا۔'' صارم نے اب بھی صاف بات نہ کی۔

''ندیم شریف نے۔'' نواز نے بلا تامل جواب دیا۔ ''وہ میرا دوست ہے۔''

''اوہ اچھا، اچھا...... اب میں سمجھا۔'' ندیم نے چلتے چلتے مجھ سے اصرار کیا تھا کہ میں اپنے دوست ز کو فون کر دیتا ہوں۔ وہ آپ کو اڈے سے لے لے گا۔ لیکن میں نے سختی سے انہیں منع کر دیا تھا میں اصل آپ کو زحمت دینا نہیں چاہتا تھا۔'' صارم نے صورتحال سمجھتے ہوئے وضاحت کی۔

''سر...... زحمت کس بات کی۔ دیکھیں صارم صاحب انکار مت کیجئے گا۔ میں آپ کو لینے آیا ں۔ میرے ساتھ گھر چلیں۔ ناشتہ کر کے آرام کریں۔ پھر آپ جہاں جانا چاہیں گے میں آپ کو یں سوار کرادونگا۔'' یہ کہہ کر نواز نے صارم کے جواب کا بھی انتظار نہ کیا، اس کے ہاتھ سے بیگ

لے لیا بلکہ چھین لیا اور آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ''آئیے۔ گاڑی ادھر کھڑی ہے۔''

ندیم کا حوالہ سن کر صارم کو اطمینان ہو گیا تھا، لیکن اسے یہ حیرت ضرور تھی کہ نواز نے اسے پہچان کیسے لیا۔ بس کے بارے میں معلوم کرنا تو کچھ مشکل نہ تھا کیونکہ اس کی سیٹ ہی ندیم نے ریزرو کروائی تھی۔ بس سے متعلق معلومات اس نے نواز کو منتقل کر دی ہوگی اور نواز نے بس کوئٹہ پہنچنے کا ٹائم معلوم کر لیا ہوگا۔ بس تک تو چلو وہ پہنچ گیا لیکن اس نے اسے پہچانا کیسے؟

''نواز صاحب...... آپ نے مجھے پہچانا کیسے؟'' صارم نے اس کی گاڑی میں بیٹھ کر پوچھا۔

''سر...... ندیم نے مجھے خاصی تفصیل سے آپ کا حلیہ بتا دیا تھا اور آپ کے چہرے کی ایک خاص پہچان بتا دی تھی۔'' نواز بولا۔

''وہ کیا؟'' صارم نے اسے چونک کر دیکھا۔

''سر...... آپ کی ناک کے پاس جو مسّہ ہے اس کے ذریعے آپ کو بہت آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے۔'' نواز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ کیا کرتے ہیں نواز صاحب۔'' صارم نے اس سے پوچھا۔

''سر...... یہاں میرا گیراج ہے۔'' اس نے بتایا۔

پندرہ بیس منٹ کی مسافت کے بعد نواز کا گھر آ گیا۔ صارم نے اپنے کپڑے بیگ سے نکالے اور واش روم کا رخ کیا۔ نواز نے اس کے ہاتھ سے کپڑے لے لئے۔ ''آپ نہا لیں...... میں آپ کو کپڑے دیتا ہوں۔''

پانچ منٹ کے بعد نواز نے واش روم کا دروازہ بجا کر اس کے کپڑے دیدیئے۔ یہ کپڑے اب شکنوں سے پاک تھے۔ اس کی بیوی نے کپڑے پریس کر دیئے تھے۔

صارم نہا دھو کر باہر آیا۔ ڈائننگ ٹیبل پر پُرتکلف ناشتہ سجا ہوا تھا۔

''نواز صاحب...... آپ نے تو بڑا تکلف کر لیا۔''

''تکلف کیسا...... اسے آپ اپنا گھر سمجھئے۔'' نواز نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

صارم کو خوب بھوک لگی تھی اس نے تکلف برطرف، خوب ڈٹ کر ناشتہ کیا۔ ناشتے کے بعد ایک گھنٹے اس نے آرام کیا۔ اس کے بعد اس نے سفر کی تیاری باندھ لی۔

صارم نے گھر سے نکلتے ہوئے نواز کے اکلوتے بچے کے ہاتھ پر پانچ سو روپے کا نوٹ رکھا۔ نواز نے بہت منع کیا لیکن صارم کسی طرح وہ نوٹ واپس لینے کیلئے راضی نہ ہوا۔

اتنی دیر میں ندیم کا کراچی سے فون آ گیا۔ نواز نے کچھ دیر اس سے بات کی صارم کے بارے میں اس نے بتایا اس کے بعد موبائل فون صارم کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''سر...... ندیم۔''

صارم نے موبائل کان سے لگایا اور ہنس کر بولا۔ ''آخر آپ باز نہیں آئے۔''

''سر...... آپ کو کوئی زحمت تو نہیں ہوئی۔'' ندیم نے استفسار کیا۔

''مجھے تو زحمت نہیں ہوئی۔ بھئی آپ کے دوست نے مہمانی کا حق ادا کر دیا۔'' صارم نے تعریفی لہجے میں کہا۔

''ارے...... کیوں شرمندہ کر رہے ہیں سر۔'' نواز فوراً زور سے بولا۔

''سر...... میں چاہتا تھا کہ کوئٹہ میں آپ کو کوئی پریشانی نہ ہو۔'' ندیم نے کہا۔ ''سر آپ مناسب سمجھیں تو آج نواز کے گھر آرام کر لیں۔ کل زیارت چلے جائیں۔''

''نہیں...... بھئی...... نواز صاحب کی اتنی نوازش بہت ہے۔ میں زیارت کیلئے فوراً نکل رہا ہوں۔ بلکہ نکل چکا ہوں۔ یہ مجھے ویگن تک چھوڑنے جا رہے ہیں۔'' صارم نے وضاحت کی۔

''چلیں...... ٹھیک ہے...... اللہ آپ کا سفر کامیاب کرے۔'' ندیم نے پرخلوص انداز میں کہا۔

صارم نے ''اللہ حافظ'' کہہ کر موبائل فون نواز کو واپس کر دیا۔ نواز نے کچھ دیر اس سے بات کی پھر موبائل آف کر کے گاڑی میں آ بیٹھا۔

گیارہ بجے کے قریب ویگن نے زیارت کیلئے اپنا سفر شروع کیا۔ نواز نے چلتے چلتے صارم سے درخواست کی کہ وہ واپسی میں اپنی آمد سے ضرور مطلع کر دے۔ وہ اسے ویگن کے اڈے سے لے جائے گا۔

صارم نے اخلاقاً حامی بھر لی۔ ویگن چل پڑی۔

صارم اگلی نشست پر بیٹھا تھا۔ ویگن تیز رفتاری سے سفر کر رہی تھی۔ صارم کو دونوں طرف پہاڑ ہی پہاڑ نظر آ رہے تھے۔ خشک پہاڑ...... بعض پہاڑ ایسے لگتے تھے جیسے مٹی کے گارے کے بنے ہوں۔ بعض خالص پتھروں کے دکھائی دیتے۔ کہیں سے پہاڑ سرخ پتھر کے تھے کہیں یہ کالے پتھر کے تھے۔ دور سے ایسے لگتے جیسے یہ جلے ہوئے ہیں۔ ان پہاڑوں کی ایک خاص بات یہ تھی کہ یہ بہت اونچے تھے بہت ہی اونچے۔

سڑک بالکل خالی تھی، کبھی باہر مخالف سمت سے کوئی بھوسہ بھرا ٹرک گزر جاتا...... کوئی بس گزر جاتی، کوئی ویگن دکھائی دے جاتی...... اس کے بعد پھر سناٹا چھا جاتا۔

کبھی ٹھنڈی ہوا لگتی...... کچھ لمحوں بعد گرم ہوا کا تھپیڑا آتا۔ دھوپ میں اچھی خاصی تمازت تھی۔

راستے میں کہیں کہیں سیب اور چیری کے باغ دکھائی دے جاتے۔

اس کے بعد پھر خشک پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

ویگن ابھی زیارت سے آدھے گھنٹے کی مسافت پر تھی کہ ڈرائیور کو اچانک زور سے بریک مارنے پڑے کیونکہ وہ شخص اچانک ہی سڑک پر نمودار ہوا تھا۔ اگر ویگن ڈرائیور فل بریک نہ مارتا تو اس بات کا امکان تھا کہ وہ شخص گاڑی کے نیچے آ جاتا۔

''اوہ...... یارا...... تم کس قسم کا آدمی ہے...... سڑک کے بیچ کھڑا ہو گیا۔'' ڈرائیور نے کھڑکی سے سر باہر کر کے غصے سے کہا۔

اس شخص پر ڈرائیور کے غصے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ پورے اطمینان سے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ڈرائیور کی طرف آیا۔

''اوہ...... یارا کیا بات ہے۔ بولتا کیوں نہیں۔'' ڈرائیور بدستور مشتعل تھا۔

وہ شخص ڈرائیور کے بالکل قریب آ گیا اور اس نے جھک کر اس کے کان میں کچھ کہا۔

''اچھا۔'' ڈرائیور کا غصہ یکدم کافور ہو گیا۔ اس نے ایک نظر پیچھے بیٹھے مسافروں پر ڈالی۔ پھر مڑ کر اس شخص کو دیکھا، جس نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ اس کے بعد وہ پھر مسافروں کی طرف گردن موڑ کر بولا۔ ''اوہ یارا...... ایدر صارم کون ہے؟''

''میں ہوں۔'' صارم فوراً بولا۔

''یارا...... تم ایدر اترو...... یہ تم کو لینے آیا ہے۔'' ڈرائیور نے اس اجنبی شخص کی طرف دیکھ کر کہا۔

صارم نے غور سے اس اجنبی شخص کو دیکھا۔ اس شخص کو صارم نے پہلی بار دیکھا تھا۔ سرخ سفید رنگت، کالی ترشی ہوئی داڑھی، سفید لباس، سرمئی واسکٹ، سر پر گول ٹوپی شیشے لگی، وہ شخص ڈرائیور کی کھڑکی چھوڑ کر گھوم کر صارم کی طرف آیا، اس نے ویگن کا دروازہ کھولا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کسی حد تک گھسیٹتا ہوا بولا۔ ''آؤ جناب جلدی کرو۔''

صارم نے اترنے سے پہلے ایک نظر سوالیہ نظروں سے ڈرائیور کو دیکھا۔ ڈرائیور فوراً بولا۔ ''یارا...... اتر جاؤ۔ یہ تمہارا میزبان ہے میزبان۔''

صارم بلا سوچے سمجھے ویگن سے اتر گیا۔ صارم کو اترتے دیکھ کر اس اجنبی نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور اس کے ہاتھ سے بیگ لے لیا۔

صارم کے اترتے ہی ڈرائیور نے ایک لمحہ ضائع نہ کیا، اس نے گاڑی اسپیڈ سے بڑھا دی۔

ویگن کے آنکھ سے اوجھل ہوتے ہی صارم کو یکایک احساس ہوا کہ اس سے غلطی ہو گئی ہے۔

☆......☆......☆

اسرار کی آنکھوں میں کوئی پہچان نہ تھی۔ اس نے مہ ناز کو پہچانا، نہ جبار کو جانا، نہ جبار کے بچوں کو شناسائی کی نظر سے دیکھا، وہ بس گلے میں ٹیلیفون ڈالے گھر میں ادھر سے ادھر گھوم رہا تھا۔ کبھی وہ لاؤنج میں بڑے صوفے پر خاموشی سے بیٹھ جاتا اور گھر کے لوگوں کو پلکیں جھپکائے بغیر دیکھے جاتا۔

''اسرار چلو کھانا کھا لو۔'' مہ ناز نے ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگا کر اسے آواز دی۔

''کھانا آیا کھانا...... چل پڑا اسرار کھانا کھا۔'' اتنا کہہ کر اس نے گلے سے ٹیلیفون اتار کر صوفے پر رکھا۔ پھر اسے بڑے غور سے دیکھتا رہا، جیسے کسی کی کال کا منتظر ہو۔ چند لمحے انتظار کے بعد ٹیلیفون کو انگلی دکھا کر بولا۔ ''دیکھو، خاموش بیٹھے رہنا، میں کھانا کھانے جا رہا ہوں۔''

''اسرار...... ہاتھ دھو لو۔'' جبار نے اسے ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھتے دیکھ کر کہا۔

''پیٹرول لاؤ...... میرے ہاتھ پیٹرول سے صاف ہوتے ہیں۔''

''یہاں نلکے میں پیٹرول ہی آتا ہے۔ تم ہاتھ دھو کر تو دیکھو۔''

اسرار نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے واش بیسن کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں اس نے پورے سلیقے سے صابن سے ہاتھ دھوئے اور جبار کے پاس بیٹھتا ہوا بولا۔ ''پیٹرول تو بالکل اصلی معلوم دیتا ہے۔ دیکھو میرے ہاتھ کیسے صاف ہو گئے۔''

جبار نے اس کی پلیٹ میں سالن نکال دیا۔ مہ ناز نے اس کے ہاتھ میں روٹی تھما دی۔ اسرار نے بغیر حیل وحجت کے کھانا شروع کر دیا اور جب تک وہ کھانا کھاتا رہا، ایک لفظ نہ بولا۔ البتہ کھانا کھاتے ہوئے گردن ہلا ہلا کر سب کو دیوانوں کی طرح آنکھیں پھاڑ کر دیکھتا رہا۔

اسرار کے سر اور داڑھی کے بال بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے۔ جبار نے گھر آتے ہی اس کے کپڑے تو تبدیل کروا دیئے تھے۔ بالوں کی کٹنگ اور نہلانا باقی تھا کہ وہ انسانوں والی حالت میں آ جائے۔

کھانا کھا کر وہ بغیر کسی کی تاکید کے واش بیسن پر گیا وہاں اس نے ''پیٹرول'' سے ہاتھ دھوئے۔ اپنے ہاتھوں سے چھینٹے اڑاتا لاؤنج میں چلا گیا۔ وہاں اس کا ٹیلیفون رکھا تھا۔

''شاباش...... تم بہت اچھے ہو...... کچھ نہیں بولے...... اب بولو...... خوب بولو...... ٹرن...... ٹرن...... ٹر...... ٹر۔'' اسرار نے ٹیلیفون اٹھا کر گلے میں ڈالنا چاہا۔

''ٹھہرو...... ٹھہرو......'' جبار جلدی سے اس کے نزدیک آیا۔ ''ابھی اس ٹیلیفون کو یہاں ہی رکھا رہنے دو۔ دیکھو میں نے ٹیلیفون کرنا ہے۔''

''ضرور...... ضرور...... تم ٹیلیفون کرو...... میں ہوں بابا ٹیلیفون...... میں ہوں بابا ٹیلیفون......'' وہ لہک لہک کر گانے لگا۔

''جبار نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور بولا۔ آؤ چلو اسرار۔''

''آؤ چلو اسرار...... او کے پر اسرار...... او کیا سو گیا تو۔'' یہ کہتے ہی اس کی آنکھوں میں خوف اتر آیا۔ وہ بے اختیار جبار سے لپٹ گیا۔ ''مجھے بچا لو...... مجھے بچا لو۔''

جبار نے اسے اپنے گلے سے لگا کر بھینچ لیا اور بولا۔ ''ڈرو مت...... میرے ہوتے ہوئے تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

اسرار اس کے گلے لگا، اس کی گردن میں منہ چھپائے کافی دیر کھڑا رہا۔

تب جبار نے اسے الگ کیا اور اس کے گلے میں ہاتھ ڈال کر بولا۔ ''آؤ...... باہر چلیں۔''

اسرار کچھ نہیں بولا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ ہو لیا۔

گھر سے تھوڑے سے فاصلے پر مارکیٹ تھی۔ جبار اسے باربر شاپ پر لے آیا۔ ''اسرار تمہارے بال بہت بڑھ گئے ہیں...... آؤ کٹوا لو۔''

اسرار نے گھور کر جبار کو دیکھا اور بولا۔ ''تم کون ہو؟''

”میں جبار ناصر ہوں ...... تمہارا بڑا بھائی۔“

”اور میں بابا ٹیلیفون ہوں...... تم ٹیلیفون کرو گے۔“ یہ کہہ کر اس نے اپنے گلے کو دیکھا۔

جبار کو خطرہ ہوا کہ اسرار کی ذہنی رو بہک گئی ہے۔ کہیں وہ ٹیلیفون کی تلاش میں بھاگ کھڑا نہ ہو۔ اس نے فوراً ناصر کا ہاتھ تھام لیا۔

”ہاتھ کیوں پکڑا؟“ اسرار نے غصے سے کہا۔

”ہم یہاں بال کٹوانے آئے ہیں؟“ جبار نے بڑے ملائم لہجے میں کہا۔

”تو اندر چلو۔“ اسرار کا یکدم موڈ بدل گیا۔

جبار نے شکر ادا کیا۔ وہ ہاتھ پکڑے پکڑے اسے دکان میں لے آیا اور ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ جبار کو خدشہ تھا کہ وہ بال کٹواتے ہوئے خاصا پریشان کرے گا۔ لہٰذا متوقع ہنگامے کیلئے ذہنی طور پر تیار تھا ...... لیکن اسرار نے ذرہ بھر بھی پریشان نہ کیا۔ حیرت انگیز طور پر اس نے بڑی فرمانبرداری سے بال کٹوائے ...... بال کٹوانے اور شیو بنوانے کے بعد اس کی شکل ہی بدل گئی۔

گھر آ کر اس نے اسرار کو واش روم کا راستہ دکھایا ...... اسرار کوئی ایک گھنٹے کے بعد واش روم سے نکلا۔ جبار وقفے وقفے سے دروازہ بجاتا رہا۔ اسے فکر تھی کہ وہ نہا بھی رہا ہے یا اندر کوئی اور کارروائی کر رہا ہے۔ اندر سے مسلسل پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی، اسے اطمینان ہوا کہ وہ اندر نہا رہا ہے۔

جب وہ ایک گھنٹے کے بعد واش روم سے نکلا تو وہ بالکل سوکھا تھا۔ جبار نے اندر داخل ہو کر دیکھا تو اسے واش روم کا ہر نلکا کھلا نظر آیا۔ پانی بری طرح بہہ رہا تھا البتہ شاور بند تھا۔

”ارے ...... اسرار تم نہائے نہیں۔“ جبار نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

”نہایا تو ہوں۔ میں تو سارے نلکے کھول کر نہایا ہوں۔“ اسرار نے بڑی معصومیت سے کہا۔

”تم نے بس نلکے ہی کھولے ہیں ...... نہائے نہیں۔“ جبار نے بتایا۔

”نہیں۔“ اس نے حیرت سے اپنے کپڑوں کو دیکھا۔ ”اوئے، یہ تو بالکل سوکھے ہیں۔“ پھر وہ جلدی سے واش روم میں گھس گیا۔ ”میں ابھی نہا کر آتا ہوں۔“

اس نے واش روم کا دروازہ کھلا چھوڑا ...... اور پھر شاور کھول کر اس کے نیچے کپڑوں سمیت کھڑا ہو گیا۔

”نہاؤ بھئی ...... نہاؤ بھئی۔“ ساتھ اس نے نعرے بازی شروع کر دی۔

جبار نے اندر آ کر شاور بند کر دیا اور بولا ”ارے ایسے نہاتے ہیں۔ تمہیں نہانا نہیں آتا کیا؟“

”کیوں نہیں آتا ...... آتا ہے۔“ وہ بڑے یقین سے بولا۔

”آتا ہے تو کپڑے اتار کر نہاؤ۔“ جبار بولا۔

”اوہ ...... اچھا۔“ جیسے اچانک اسے یاد آ گیا ہو۔ کیسے نہاتے ہیں۔ اس نے جبار کی طرف دیکھ کر بڑے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔ ”میں سمجھ گیا ...... میں سمجھ گیا ...... چلو تم باہر نکلو۔“ یہ کہہ کر اس نے

دروازہ اندر سے بند کر لیا اور پھر مشکل سے اسے دس منٹ لگے۔ وہ دس منٹ بعد واش روم سے باہر آ گیا۔ اس نے واش روم میں ٹنگے کپڑے بھی تبدیل کر لئے تھے۔

جبار نے اسے غور سے اوپر سے نیچے تک دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ اس مرتبہ وہ واقعی بڑے سلیقے سے نہا کر آیا ہے ...... تب جبار نے اسے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا کر دیا اور اس کے ہاتھ میں کنگھا تھما دیا۔ پھر وہ پیچھے ہٹ کر انتظار کرنے لگا کہ اسرار کیا کرتا ہے۔

اسرار ناصر کی آئینے پر نظر پڑی تو اس نے اپنے آپ کو بڑی حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔ پھر کچھ دیر تک خود کو آگے پیچھے ہو کر دیکھتا رہا۔ پھر آئینے کی طرف انگلی کر کے بولا۔ ”تم کون ہو؟“

جبار ناصر جو نزدیک ہی کھڑا تھا۔ وہ دھیرے سے بولا۔ ”میں اسرار ناصر ہوں۔“

”اور میں کون ہوں؟“ اسرار ناصر پھر اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

”تم بھی اسرار ناصر ہو۔“ جبار نے پھر دھیرے سے کہا۔

”نہیں ...... ہم میں ایک اسرار ہے اور دوسرا پُر اسرار ہے ...... پُر اسرار۔“ اسرار نے اپنی آنکھیں گول کر کے کہا۔

”اچھا ...... بال تو بنا لو“ جبار ناصر نے اس کو توجہ دلائی۔

”بال۔“ اسرار نے اپنے بال پکڑے جو اب بہت چھوٹے ہو چکے تھے۔ تب ہی اس پر جانے کیا دورہ پڑا وہ زور زور سے چلانے لگا۔ ”ارے ...... میرے بال کہاں ہیں۔“

پھر تو اس نے گھر میں ہنگامہ کر دیا۔ پورے گھر میں ناچا ناچا پھرا۔ ”میرے بال ...... میرے بال لاؤ ...... میرے بال کہاں ہیں؟“

جب اسے ہنگامہ کرتے ہوئے کافی دیر ہو گئی اور وہ کسی طرح خاموش ہو کر نہ دیا تو جبار نے اس کی توجہ مبذول کرنے کے بارے میں سوچا۔ ”ارے ...... اسرار، تمہارا ٹیلیفون کہاں ہے؟“

ٹیلیفون کا سنتے ہی اسرار کو یکدم بریک لگ گیا۔ وہ کچھ دیر بڑی سنجیدگی سے سوچتا رہا اور پھر یکدم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ”کہاں ہے میرا ٹیلیفون؟“

ٹیلیفون لاؤنج میں صوفے پر رکھا ہوا تھا۔ اس نے جھپٹا مار کر ٹیلیفون اٹھایا اور گلے میں ڈال لیا اور گانے کے انداز میں بولا۔ ”یہ ہے میرا ٹیلیفون ...... میں ہوں بابا ٹیلیفون۔“

اس نے گھر کے کونے کونے کا چکر لگایا۔ بیرونی دروازے کی طرف بڑھا لیکن اس میں تالا لگا ہوا تھا۔ وہ واپس آ گیا اور پھر لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گیا۔ پھر ٹیلیفون گلے سے اتارا، کان سے ریسیور لگایا، کوئی نمبر ملایا اور شروع ہو گیا۔

”ہاں ...... کون؟ اچھا ...... کہاں سے بول رہے ہو۔ چوتھے آسمان سے؟ میں ...... میں تو چاند سے بات کر رہا ہوں ...... بے وقوف چاند نہیں معلوم ......“ اسرار نے زور سے اپنے سر پر ہاتھ مار کر بتایا ...... ”یہ چاند ...... میں ...... اچھا ...... میرا نام؟ ...... میرا نام ہے انتقام بدر پوری ...... میں شاعر ہوں ...... قتل کرتا ہوں ...... ہاں ...... بتاؤ ...... کس کو مارنا ہے ...... میں تو کھانا کھلا کر مارتا ہوں ...... ہاں۔“

اسرار اسی طرح کوئی دس منٹ تک بے تکان بولتا رہا۔ اس کی گفتگو کا کوئی سر پیر نہ تھا۔ جبار اس کے سامنے آ بیٹھا تھا۔ مہ ناز بھی آ گئی تھی، پھر بچے بھی آ گئے تھے، جبار اسے یک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔ وہ اس کی حرکتیں اور باتیں سن سن کر اندر ہی اندر سرد ہوتا جا رہا تھا، اس پر اداسی کا دورہ پڑا تھا، اسرار کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ جبار نے بڑی افسردگی سے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ مہ ناز بھی افسردہ بیٹھی تھی۔ جبار نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھیں نم ہونے لگی ہیں۔

اسی وقت جانے کیا ہوا کہ جبار کو اچانک غصہ آ گیا۔ وہ دھاڑ کر بولا ''او...... اسرار چپ ہو جا۔''

''ہاں...... گھر میں کوئی پاگل آ گیا ہے، وہ چیخ رہا ہے کہہ رہا ہے کہ چپ ہو جا...... اس پاگل کو پتہ ہی نہیں کہ میں تو کئی دن سے خاموش بیٹھا ہوں۔ ہاں یار پاگل ہے۔ پاگل نہ ہوتا تو مجھے چپ کیوں کراتا۔ اچھا ڈاکو بھائی پھر باتیں کریں گے۔'' اسرار نے بڑے اطمینان سے ریسیور ٹیلی فون پر رکھ دیا...... اور سر جھکا کر بیٹھ گیا، بالکل خاموش۔

''دیکھو...... اسرار...... رات کے دو بجے گئے ہیں...... چلو اب سو جاؤ......'' جبار نے بہت نرمی سے کہا۔

''ہاں...... سو جاتے ہیں...... کیوں نہیں سوئیں گے...... لو دیکھو ہم سو گئے۔'' اتنا کہہ کر اسرار نے ٹیلیفون صوفے پر آگے سرکایا۔ لیٹ کر اس پر سر رکھا۔ ہاتھ پاؤں سکیڑ لئے اور آنکھیں بند کر لیں۔

اور پھر جبار ناصر اور مہ ناز کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ پانچ منٹ کے اندر اس کے خراٹے گونجنے لگے۔ وہ واقعی گہری نیند سو گیا تھا۔

جبار ناصر اسے دکھ بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔

جانے اسرار پر کیا بیتی تھی۔ اسے اس کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔ بس اتنا ہی معلوم ہوا تھا اور وہ بھی کافی عرصے کے بعد کہ وہ رات کو اچھا خاصا سویا تھا۔ صبح کو اٹھا تو اپنے ہوش و حواس گنوا بیٹھا تھا اور اپنی سسرال سے گلے میں ٹیلیفون ڈال کر باہر نکل آیا تھا۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنی بیوی کی موت کا صدمہ برداشت نہ کر سکا۔ بیوی کی موت سے پہلے اس کا گھر جل گیا تھا۔ لیکن یہ دونوں صدمے ایسے تو نہ تھے کہ آدمی پاگل ہو جائے۔ جبار اپنے بھائی کے مزاج کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ حساس طبیعت نہ تھا۔ وہ ایک انتہائی لاپروا اور لاابالی قسم کا نوجوان تھا۔ پھر ایسی کیا بات ہوئی جو اس کے پاگل ہونے کا سبب بنی۔

یہ بات تو صرف اسرار کو معلوم تھی...... لیکن وہ کیسے بتاتا۔ وہ اپنے حواسوں میں کب تھا؟

اسرار صبح ہی صبح اٹھ گیا۔ اس نے پورے گھر کا چکر لگایا۔ سب ابھی سو رہے تھے وہ لاؤنج میں بڑے صوفے پر بیٹھ گیا اور ٹیلیفون ملا کر سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگا، جیسے اسے اس بات کا خیال ہو کہ اگر اس نے زور سے بات کی تو گھر والے سوتے سے نہ اٹھ جائیں۔

سب سے پہلے مہ ناز اٹھی۔ اس نے اس کو آ کر دیکھا اسے ٹیلیفون کے ساتھ مصروف پایا تو وہ خاموشی سے پلٹ گئی، پھر اس نے بچوں کو اسکول کیلئے تیار کیا۔ بچوں کو اسکول بھیجنے کے بعد وہ لاؤنج

میں آ گئی اور اس کے برابر کے صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔

کچھ دیر اسرار دھیرے دھیرے اوٹ پٹانگ باتیں کرتا رہا۔ پھر اچانک اس کی نظر مہ ناز پر پڑی اس نے اپنی آنکھیں گول گول گھمائیں اور ریسیور میں بولا ''یار...... ادھر پولیس والی آ کر بیٹھ گئی ہے میں تم سے پھر بات کروں گا۔''

اس کے بعد اس نے ٹیلیفون گلے میں لٹکا لیا اور مہ ناز سے بولا ''فون کرو گی...... کر لو...... اپنے پیاروں سے باتیں کر لو...... راج دلاروں سے باتیں کر لو۔''

مہ ناز اسے خاموشی سے دیکھتی رہی۔ اسے خاموش دیکھ کر اسرار بھی غیر متوقع طور پر خاموش ہو گیا اور اسے یک ٹک دیکھنے لگا۔

''اسرار...... مجھے پہچانتے ہو۔'' مہ ناز نے پوچھا۔

''کیوں نہیں پہچانتا...... تم پولیس والی ہو۔ مجھے گرفتار کرنے آئی ہو۔ میں قاتل ہوں نا...... لیکن وہ بڑا ظالم تھا۔ میں چھوڑوں گا اسے پھر بھی نہیں...... میں اسے ضرور قتل کروں گا اور تم نے مجھے گرفتار کیا تو چھوڑوں گا میں تمہیں بھی نہیں...... پولیس والی۔'' اسرار نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔

''او...... اسرار تو اٹھ گیا۔'' جبار اپنے کمرے سے نکل کر سیدھا لاؤنج میں آیا۔

''میں سوتا کب ہوں...... مجھے نیند نہیں آتی۔ میں تو صدیوں سے نہیں سویا۔ میں جانتا ہوں۔ ادھر میں سویا...... ادھر اس نے مجھے مارا۔'' اسرار نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''اسرار...... میرے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا سمجھے۔'' جبار نے اس کا خوف دور کرنے کیلئے اسے دلاسہ دیا۔

اسرار نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ صوفے پر دونوں پاؤں رکھ کر سکڑ سمٹ کر بیٹھ گیا، جیسے اسے سردی لگ رہی ہو یا کسی سے خوفزدہ ہو۔

جبار نے اسپتال فون کیا۔ انہیں مریض کی کیفیت کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔

کوئی گیارہ بجے کے قریب اسپتال کی ایمبولینس سے دو باوردی گارڈ اسرار کو لینے آ گئے۔

''آؤ...... اسرار۔'' جبار ناصر نے کہا۔

''چلو پڑ اسرار...... چلو بھئی چلو...... جہاں چاہے چلو۔'' وہ ٹیلیفون گلے میں ڈال کر جبار کے پیچھے ہو لیا۔

دروازہ کھلتے ہی اس نے سڑک پر ایمبولینس دیکھی جس کے ساتھ باوردی گارڈ کھڑے تھے۔ تو وہ دروازے سے باہر نکلتے نکلتے رک گیا۔ ''آخر تو نہیں مانی پولیس والی۔'' وہ مہ ناز سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''تو فکر نہ کر...... میں پھانسی پا کر جب جیل سے واپس آؤں گا تو تجھے قتل کر دوں گا۔ چھوڑوں گا نہیں تجھے۔''

جبار نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے باہر کی طرف کھینچتا ہوا بولا ''آ جاؤ...... اسپتال چلیں۔''

لیکن وہ اڑ کر کھڑا ہو گیا۔ تب دونوں گارڈ آگے بڑھے۔ انہوں نے اسے سنبھال لیا۔ انہوں نے

اسے گاڑی میں سوار کرایا اور خود بھی ساتھ بیٹھ گئے۔

جبار ناصر نے ایمبولینس کی اگلی سیٹ سنبھال لی۔

مہ ناز دروازے پر کھڑی ایمبولینس کو جاتا دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ دوسری سڑک پر مڑ گئی، وہ واپس پلٹی تو اس نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی ہیں۔

☆......☆......☆

صارم کو یہ احساس کہ اس سے غلطی ہوگئی ہے، اس شخص کے ہاتھ دیکھ کر ہوا۔

اس اجنبی شخص کے ہاتھوں کا رنگ گہرا سرخ اور ناخن بالکل کالے تھے۔

لیکن وہ کیا کرتا۔ اسے سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ ملا۔ وہ ویگن میں بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ آدھے گھنٹے بعد وہ زیارت پہنچ جائے گا، وہاں پہنچ کر حسن علی کی تلاش کہاں سے شروع کریگا۔ ابھی وہ انہی تانوں بانوں میں الجھا ہوا تھا کہ اچانک ویگن رک گئی۔ ڈرائیور نے اس کا نام پکارا اور اس اجنبی کو میزبان بتا کر اسے اترنے کو کہا۔ اس نے اس اجنبی کی آمد کو غیبی امداد سمجھا اور وہ اس اجنبی کو واقعی اپنا میزبان سمجھ کر ویگن سے اتر گیا۔

ویگن جا چکی تھی۔ اس کا بیگ اجنبی کے ہاتھ میں تھا اور وہ بڑے پراسرار انداز میں صارم کو دیکھ رہا تھا۔

اسی اثناء میں ایک جیپ بہت تیزی سے مخالف سمت سے آندھی طوفان کی طرح آتی نظر آئی۔

جیپ کی قیامت خیز رفتار دیکھ کر صارم نے سڑک کے ایک طرف ہونا چاہا، اسی وقت اس اجنبی نے اس کا ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیا اور یہ گرفت سخت ہوتی چلی گئی۔

اگلے چند لمحات کی ہلاکت خیزی کا اندازہ کر کے صارم کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

اس کا خیال تھا کہ جیپ اسے کچلتی ہوئی نکل جائے گی...... موت اور زندگی کے درمیان محض چند لمحوں کا فاصلہ تھا۔ آخری کوشش کے طور پر اس نے اپنا ہاتھ جھٹکا دے کر اس اجنبی سے چھڑانا چاہا لیکن اس کی گرفت بہت مضبوط تھی، اس جھٹکے کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا، وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔

پھر جیسے ہی جیپ سر پر آئی، وہ اضطراری طور پر گھوم کر اس اجنبی کے پیچھے ہوگیا، وہ جیپ ایک جھٹکے سے رک گئی، فوراً ہی اس کا اگلا دروازہ کھلا۔

اجنبی اسے لئے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا اور گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ صارم کا یہ خدشہ کہ وہ جیپ اسے کچلنے کیلئے آرہی ہے، دور ہو چکا تھا، وہ تو اسے لینے آئی تھی، وہ گاڑی میں بیٹھ گیا اور وہ اجنبی اس کا بیگ لے کر پیچھے بیٹھ گیا۔

صارم کی نظر اسٹیئرنگ پکڑے ڈرائیور کے ہاتھ پر پڑی تو اس کا دل کانپ اٹھا، وہ بے حد سرخ ہاتھ تھے اور ہاتھوں کے ناخن کالے تھے، جانے وہ کن لوگوں میں گھر گیا تھا۔ اس کی چھٹی حس پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ اسے غلط لوگوں نے اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ ان لوگوں کو اس کا نام کیسے معلوم ہوا پھر انہیں یہ کیونکر معلوم ہوا کہ وہ اس ویگن میں سوار ہے، وہ تو حسن علی کی تلاش

میں زیارت جا رہا تھا، اسے معلوم تھا کہ وہ آدھے گھنٹے بعد زیارت پہنچ جائے گا لیکن اسے تو زیارت آنے سے پہلے ہی اتار لیا گیا، یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ حسن علی کے ہی آدمی ہوں۔ بہرحال یہ جو بھی ہوں، آگے چل کر ہی پتہ چلے گا کہ کن لوگوں نے اسے اپنی گرفت میں لیا ہے۔

گاڑی چلی تو اچانک اس میں گھپ اندھیرا چھا گیا، ونڈ اسکرین اور دائیں بائیں کھڑکیوں کے شیشے، پچھلے شیشے سب کے سب تاریک ہوگئے تھے یہاں تک کہ ڈرائیور بھی اسے نظر نہیں آرہا تھا، البتہ اسے گاڑی چلنے کا احساس ضرور تھا اور وہ بھی بہت برق رفتاری سے......

پھر گاڑی میں اچانک بریک لگے، صارم اگر اندازے سے ڈیش بورڈ پر ہاتھ نہ جماتا تو یقیناً اس کا سر ونڈ اسکرین سے ٹکراتا، وہ اپنی نشست پر سنبھل کر بیٹھا، اتنے میں اس کی طرف کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور آواز آئی۔ ''نیچے اترو۔''

صارم کو باہر وہ اجنبی نظر آیا، اس کے ہاتھ میں بیگ تھا، وہ فوراً جیپ سے اتر گیا، اس اجنبی نے اس کا بیگ اس کے ہاتھ میں دیا، اتنے میں جیپ چل پڑی، وہ اجنبی اچھل کر جیپ میں سوار ہوگیا، ایک زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند ہوا اور جیپ زناٹے بھرتی ہوئی اس کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئی، اس جیپ پر کالے شیشے چڑھے ہوئے تھے، گاڑی کے اندر کا منظر تاریک تھا۔

گاڑی کے جانے کے بعد وہ تنہا رہ گیا تھا، اونچے پہاڑوں کے درمیان سے چھوٹی سی کچی سڑک بل کھاتی گزر رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جیپ آناً فاناً اس کی آنکھوں کے سامنے سے اوجھل ہوگئی تھی، آس پاس کوئی آدم تھا، نہ آدم زاد...... چاروں طرف گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا، کسی قسم کی کوئی آواز نہیں تھی۔

اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ اونچے پہاڑوں کے درمیان سے گزرتی ایک چھوٹی سی کچی سڑک پر وہ لاوارثوں کی طرح کھڑا تھا، آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے، ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کے ساتھ یہ کس قسم کا مذاق کیا گیا ہے بہرحال جس نے بھی کیا تھا، انتہائی سنگین مذاق تھا، اب وہ کیا کرے...... کہاں جائے......؟

وہ سڑک کے کنارے پڑے بڑے سے پتھر پر بیٹھ گیا، شاید کوئی گاڑی آجائے، شاید اسے کوئی بندہ نظر آجائے، اچانک اسے خیال آیا کہ گھڑی میں وقت تو دیکھے...... اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی تو حیرت کا جھٹکا لگا، اس وقت پانچ بج رہے تھے۔

کوئٹہ سے اس کی ویگن گیارہ بجے چلی تھی، کوئٹہ سے زیارت کا سفر تین گھنٹے کا تھا، اگر اسے ویگن سے اتارا نہ جاتا تو وہ دو بجے کے قریب زیارت پہنچ چکا ہوتا لیکن اس وقت تو پانچ بج رہے تھے، تین گھنٹے مزید ہوگئے تھے، تو کیا وہ زیارت کو کہیں پیچھے چھوڑ آیا تھا، وہ کس سے دریافت کرے کہ یہ کون سی جگہ ہے۔

آخر وہ کب تک اس پتھر پر بیٹھا رہے گا، کہیں وہ پتھر پر بیٹھا بیٹھا پتھر کا ہی نہ ہو جائے۔

وہ کھڑا ہوگیا، اس نے سڑک کے دونوں جانب آگے بڑھ کر دیکھا لیکن اسے پہاڑوں، پتھروں اور سڑک کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا، وہ گھوم پھر کر اسی پتھر پر آ بیٹھا۔

پھر ایک افتاد اور پڑی، اچانک ہی بارش شروع ہوگئی، جلدی سے اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، سامنے اسے ایک چٹان نظر آئی جس کے سائے میں کھڑے ہوکر کسی حد تک بارش سے بچا جاسکتا تھا، وہ چھوٹے بڑے پتھروں پر چلتا اس چٹان کے نیچے پہنچ گیا اور اس سے چپک کر کھڑا ہوگیا لیکن بارش بہت تیز تھی اور ترچھی تھی، چٹان کے سائے میں کھڑے ہونے کے باوجود اس کا نیچے کا دھڑ بارش میں بھیگ رہا تھا۔

اس نے بارش سے بچنے کیلئے دوبارہ کوئی محفوظ جگہ تلاش کرنے کیلئے اِدھر اُدھر نظریں ڈالیں تب اسے تھوڑی سی اونچائی پر ایک غار سا نظر آیا لیکن اس تیز بارش میں پتھروں پر چڑھ کر وہاں تک پہنچنا کوئی آسان کام نہ تھا، بارش کی وجہ سے پتھروں پر ویسے ہی پھسلن ہو جاتی ہے۔

دس منٹ کے بعد بارش جس طرح اچانک شروع ہوئی تھی، ویسے ہی اچانک بند ہوگئی، وہ چٹان کے سائے سے باہر نکل آیا، اس کے جوتے اور گھٹنوں تک پینٹ بھیگ گئی تھی، وہ پھر اسی پتھر پر آ بیٹھا اور اپنے کان کسی گاڑی کی آواز پر لگا دیئے لیکن دور تک کہیں کسی گاڑی کی آواز نہیں تھی۔

بھوک اسے الگ لگنا شروع ہوگئی تھی، وہ صبح کا ناشتہ کئے ہوئے تھا اور دوپہر کے کھانے کا وقت نکل چکا تھا، ویسے ایک بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی جب اسے ویگن سے اتارا گیا تھا، اس وقت ڈیڑھ دو بجے تھے، ویگن سے اترتے ہی اسے جیپ میں سوار کرا دیا گیا تھا اور جیپ کا سفر اسے بمشکل دس پندرہ منٹ سے زیادہ کا نہیں لگا تھا، اصولی طور پر تو اب زیادہ سے زیادہ دو بجے کا وقت ہونا چاہئے تھا لیکن یہاں تو پانچ بج رہے تھے۔

یہ آخر کیا گورکھ دھندا تھا، اس تاریک گاڑی میں آخر اتنا وقت کیسے لگ گیا تھا، کیا یہ سفر اس نے کسی اور دنیا میں کیا تھا...... لیکن کس دنیا میں......؟

وہ جتنا اس وقت کے مسئلے کو سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا، اتنا مزید الجھتا جا رہا تھا تب پھر سے بوندا باندی شروع ہوگئی، وہ فوراً کھڑا ہوگیا، بادل ایک بار پھر گہرے ہو رہے تھے، وہ چاہتا تھا کہ بارش تیز ہونے سے پہلے کسی طرح سامنے غار تک پہنچ جائے تاکہ بارش سے خود کو بچا سکے۔

وہ بہت محتاط طریقے سے پتھروں پر پاؤں جما جما کر اوپر چڑھتا گیا بالآخر وہ غار کے دہانے پر پہنچ گیا۔

غار کے اندر داخل ہونے سے پہلے اس کے دل میں ایک خوف کی لہر اٹھی کہیں اس غار میں کوئی بھیڑیا وغیرہ نہ ہو، اتنے میں بارش نے اچانک زور پکڑ لیا، اب اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ غار میں داخل ہو جائے، تب وہ خالق کائنات کا نام لے کر غار میں داخل ہوگیا۔

☆......☆......☆

اسرار ناصر کو اسپتال میں داخل کر لیا گیا۔

ایک ڈاکٹر نے جبار سے اس کی کیس ہسٹری لی، جبار کو اس کے بارے میں جو کچھ معلوم تھا، وہ اس ڈاکٹر کے گوش گزار کر دیا...... ساتھ ہی اس نے یہ ہدایت کر دی کہ مریض کی بطور خاص نگرانی کی جائے، یہ کہیں اسپتال سے باہر نہ چلا جائے۔

اسرار ناصر کو ایک سیمی پرائیویٹ روم میں منتقل کر دیا گیا، اس کمرے میں ایک بے ضرر سا مریض اور تھا۔

دونوں مریضوں نے ایک دوسرے کو بڑے غور سے دیکھا، اسرار کے گلے میں ٹیلیفون پڑا ہوا تھا، اس نے ٹیلیفون اتار کر اس مریض کے گلے میں ڈال دیا اور بڑے زور سے تالی بجائی جیسے اس مریض کے ٹیلیفون نہ ڈالا ہو کوئی ہار ڈالا ہو۔

اس مریض نے اپنے گلے میں پڑے ٹیلیفون کو بڑی دلچسپی سے دیکھا اور پھر بیڈ سے اتر کر کھڑا ہوگیا اور مسکرا کر بولا۔ ''شکریہ، بھائی اس اعزاز کا۔''

''اچھا تو تمہارا نام اعزاز ہے؟'' اسرار نے اپنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر دھیرے سے بولا۔ ''میرا نام انتقام بدر پوری ہے۔''

''اوہو...... تو آپ شاعر ہیں پھر تو خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔'' وہ چہکا۔

''بھائی اعزاز......! تم نے کبھی کسی اسکول کا دروازہ دیکھا ہے؟'' اسرار نے اس سے عجب سوال کیا۔

''ہاں...... ہاں...... کیوں نہیں......! میں نے یونیورسٹی کا مین گیٹ دیکھا ہے۔''

''بھائی اعزاز......! تمہاری گنتی صحیح نہیں ہے، ہم دو نہیں تین ہیں۔'' اسرار نے کہا۔

''اچھا تو تم خاندانی منصوبہ بندی سے آئے ہو...... انہیں گنتی کی بڑی فکر ہوتی ہے۔''

''میں بہت اچھے خاندان کا ہوں...... قاتل ہوں۔'' اسرار اپنی دھن میں بولا۔

''ہیں...... قاتل ہو؟'' اس مریض کو جانے کیا ہوا کہ یکدم چیخنے لگا۔ ''قاتل...... قاتل...... مجھے بچاؤ۔''

چند لمحوں بعد ایک ڈاکٹر وارڈ بوائے کے ساتھ داخل ہوا، اس نے اس مریض کے بازو میں ایک انجکشن لگایا، وہ حیرت انگیز طور پر خاموش ہوکر اپنے بیڈ پر لیٹ گیا۔

تب ڈاکٹر نے اسرار ناصر کی طرف دیکھا اور تحکمانہ انداز میں بولا۔ ''آؤ میرے ساتھ۔''

اسرار ناصر بھیگی بلی بنا اس ڈاکٹر کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

☆......☆......☆

غار کا دہانہ چھوٹا تھا، وہ سر جھکا کر اس میں داخل ہوا، دو چار قدم وہ جھکے جھکے چلا پھر آگے جا کر وہ غار کشادہ ہوگیا، اب وہ سیدھا کھڑا ہوکر غار میں چل سکتا تھا، زمین پر چھوٹے بڑے پتھر پڑے تھے، وہ احتیاط سے ان پر چلتا آگے بڑھنے لگا، ابھی وہ آٹھ دس قدم آگے بڑھا ہوگا کہ اسے روشنی کا احساس ہوا، ایسا لگ رہا تھا جیسے کہیں آگ جل رہی ہو ساتھ ہی ایک خوشبو کا احساس تھا، کھانے کی خوشبو کا......

غار آگے جا کر بند ہو گیا تھا اور آگ کی روشنی دیوار پر پڑ رہی تھی لیکن سامنے کچھ نہ تھا۔

صارم یہ دیکھنے کیلئے آگے بڑھتا گیا کہ اگر غار آگے بند ہو گیا ہے تو پھر یہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے۔ جب وہ دیوار کے نزدیک پہنچا تو اس پر منکشف ہوا کہ غار بند نہیں ہوا بلکہ دائیں جانب مڑ گیا ہے، جیسے ہی اس نے غار کے ساتھ اپنا رخ تبدیل کیا تو موڑ مڑتے ہی اس نے عجب منظر دیکھا۔

سامنے چولہا جل رہا تھا، چولہے پر ایک بڑی کیتلی رکھی تھی، چولہے میں لکڑیاں جل رہی تھیں، چولہے کے سامنے ایک بزرگ بیٹھے تھے، آگ کی روشنی ان کے چہرے کو مزید پر جلال بنا رہی تھی۔

صارم کے سامنے آتے ہی بزرگ نے گردن گھمائی اور اسے اپنی بڑی بڑی روشن آنکھوں سے دیکھا اور بڑے شیریں لہجے میں کہا۔ ''آؤ۔''

صارم ان کے لہجے کی مٹھاس سے بہت متاثر ہوا، وہ تیزی سے آگے بڑھ کر ان کے پاس بیٹھ گیا۔

''بھوکے ہو؟'' انہوں نے پوچھا۔

''جی بابا.....!'' صارم نے فوراً کہا۔

''ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں، پینے کو ہے۔'' بزرگ نے اسے بتایا۔ ''ہو سکتا ہے پینے کے بعد کھانے کی ضرورت محسوس نہ ہو..... پیو گے؟''

''جی بابا.....! دیدیں۔'' صارم نے بلا تکلف کہا۔

تب بزرگ نے قریب رکھا ایک پتھر کا پیالا اٹھایا، گرم کیتلی کے دستے کو بغیر کسی کپڑے کے پکڑا اور اسے اتار کر اس کی ٹونٹی سے قہوہ جیسی چیز اس پتھر کے پیالے میں انڈیل دی، پیالا بھرنے پر کیتلی واپس چولہے پر رکھ دی اور پیالا اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔

صارم نے دونوں ہاتھوں سے پیالا تھام لیا اور ایک چھوٹا سا گھونٹ بہت احتیاط کے ساتھ پیا۔ وہ چاہتا تھا کہ ایک گھونٹ پی کر اس کے ذائقے کا اندازہ کر لے۔ وہ گھونٹ کیا تھا، آب حیات تھا، ایسی لذت، ایسی خوشبو کہ اس کا جی چاہا کہ ایک سانس میں پورا پیالا چڑھا جائے لیکن وہ ایسا کر نہیں سکتا تھا کیونکہ مشروب بے حد گرم تھا، وہ قہوہ نہ تھا اور جو کچھ تھا، اس کے بارے میں اس کا ذہن کوئی نام بتانے سے قاصر تھا۔

جب مشروب سے بھرا پتھر کا پیالا پورا چڑھا لیا تو اسے احساس ہوا کہ اب بھوک رہی ہے نہ پیاس..... جسم میں ایسی توانائی بھر گئی ہے کہ تھکن کا احساس تک جاتا رہا ہے۔

''اور.....؟'' صارم نے جب خالی پیالا زمین پر رکھا تو بزرگ نے پوچھا۔

''نہیں.....! بہت شکریہ..... یہ کیا تھا؟'' وہ بولا۔

''سکون ملا۔'' بزرگ نے اپنی بڑی بڑی چمکیلی آنکھوں سے صارم کو دیکھا۔

''جی بہت..... بھوک، پیاس مٹ گئی۔'' اس نے اقرار کیا۔

''شکر ہے..... ہم شرمندگی سے بچ گئے۔'' بزرگ نے کہا۔

''بابا.....! آپ کون ہیں؟'' صارم نے بڑی جسارت سے کام لے کر سوال کیا۔

''یہ معلوم ہوتا تو پھر اس غار میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔'' بزرگ نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

''بابا.....! میں حسن علی کی تلاش میں بھٹک رہا ہوں بابا.....! کیا آپ انہیں جانتے ہیں؟''

''اسے کون نہیں جانتا..... وہ بادشاہ بھی ہے اور فقیر بھی۔''

''بادشاہ بھی..... فقیر بھی.....؟'' صارم نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''ہاں.....! جب کوئی خوشی سے فقر اختیار کرے تو اسے بادشاہ بننے سے کون روک سکتا ہے۔'' بزرگ نے معرفت کی زبان اختیار کی جو صارم کے سر سے گزر گئی۔

''اچھا بابا.....!'' بات سمجھ میں نہ آنے کے باوجود اس نے سمجھنے کا تاثر دیا۔

''دیکھو بات یہ ہے کہ ہوتا صرف وہ ہے جو مالک کائنات چاہتا ہے، اگر بندہ وہ چاہے جو اللہ چاہتا ہے تو پھر اللہ وہ چاہتا ہے جو بندہ چاہتا ہے، جو اللہ کا ہو جاتا ہے، اللہ اسے سب غموں سے آزاد کر دیتا ہے، اس پوری کائنات میں صرف اللہ کی ذات ایسی ہے جو کبھی دھوکا نہیں دیتی، یہ دنیا کی محبتیں محض فریب ہیں اور ہم ہیں کہ فریب کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں اور خوار ہوتے رہتے ہیں۔'' بزرگ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر بیٹھے چولہے کی آگ کو گھورتے رہے پھر بولے۔ ''تمہیں حسن علی کی تلاش کیوں ہے؟''

''بابا.....! میں بڑے عذاب میں مبتلا ہوں، ایک شری مخلوق نے میری زندگی اجیرن کر دی ہے۔ وہ کسی کے قابو میں نہیں آ رہی ہے، مجھے ایک بزرگ نے حسن علی کا نام بتایا ہے، ہو سکتا ہے حسن علی میرے نجات دہندہ ثابت ہوں۔'' صارم نے اپنے دل کے زخم دکھانے شروع کئے۔

پھر صارم نے اس آسیب زدہ گھر کی پوری کہانی سنا دی، یہ بھی بتا دیا کہ اس مخلوق نے سات سال بعد ہونے والے بچے کو کس طرح اس سے چھین لیا، اب اس کی بیوی کس کرب سے گزر رہی ہے اور اب تک کن کن لوگوں نے اس گھر کو اس شری مخلوق سے نجات دلانے کی کوششیں کیں۔

وہ بزرگ پوری توجہ سے اس کی بات سنتے رہے پھر کچھ سوچ کر بولے۔ ''حسن علی تو زیارت میں ہوتے ہیں اور یہ جگہ زیارت سے بہت دور ہے، تم زیارت چھوڑ کر یہاں کیسے آ گئے؟''

''بابا.....! میں تو زیارت ہی جا رہا تھا لیکن مجھے راستے میں اتار لیا گیا اور یہاں چھوڑ دیا گیا۔'' پھر صارم نے یہاں آنے کی تفصیل بتائی۔

''اچھا.....!'' بزرگ نے تفہیمی انداز میں گردن ہلائی۔ ''یہ سب کام اسی شری مخلوق کا ہے، دیکھو ہر کام میں اللہ کی مصلحت ہوتی ہے، بعض اوقات تخریب میں بھی تعمیر کا پہلو ہوتا ہے، اس مخلوق نے اتنی دور تنہا پہاڑوں میں لا کر چھوڑ دیا کہ تم ان پہاڑوں میں بھوکے پیاسے مر کھپ جاؤ لیکن زندگی موت تو صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، تم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ان پہاڑوں میں مجھ جیسا حقیر فقیر چھپا بیٹھا ہو گا، اب تم بے فکر ہو جاؤ..... حسن علی تک پہنچانا میری ذمے داری۔'' پھر بزرگ نے اپنی نشست کی طرف گردن موڑی اور مسکرا کر بولے۔ ''ایک یہ سواری ہے، دیکھو اگر اس پر سفر کرنا

پسند کرو تو ٹھیک...... !''

یہ کہتے ہی غار کے تاریک گوشے سے وہ سواری نمودار ہوئی، صارم اسے دیکھ کر سانس لینا بھول گیا۔

☆......☆......☆

جبار ناصر دفتر جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ جبار نے جھک کر ٹیلیفون کی اسکرین پر نظر ڈالی، سی ایل آئی پر اسپتال کا نمبر نمودار ہوا تھا، اس نے نمبر دیکھتے ہی ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو......!'' جبار ناصر بولا۔

''جبار ناصر سے بات کرائیے۔'' ادھر سے کہا گیا۔

''جی......! میں بول رہا ہوں۔'' جبار بولا۔

''آپ نے صبح جس مریض کو داخل کرایا تھا، وہ اسپتال میں نہیں ہے، وہ گھر تو نہیں پہنچ گئے؟'' پوچھا گیا۔

''نہیں...... !وہ یہاں تو نہیں آیا۔'' یہ خبر سنتے ہی جبار ناصر کے چھکے چھوٹ گئے، اسے جو خدشہ تھا، وہ بالآخر صحیح ثابت ہو گیا تھا، اسرار ناصر اسپتال سے غائب ہو گیا تھا۔''آخر وہ اسپتال سے کیسے نکلا...... میں نے خاص طور پر تاکید کی تھی کہ اس کی نگرانی کی جائے، یہ نگرانی رکھی ہے آپ لوگوں نے...... آپ نہیں جانتے کہ میرا بھائی کتنے عرصے کے بعد مجھے ملا تھا، میں نے یہ سوچ کر اسپتال میں داخل کرایا تھا کہ وہ وہاں محفوظ بھی رہے گا اور اس کا علاج بھی ہو جائے گا لیکن آپ لوگ اس کی چند گھنٹے بھی نگرانی نہیں کر سکے، اس سے تو اچھا تھا کہ میں اسے اپنے گھر پر ہی رکھتا۔'' جبار ناصر غصے میں بولتا چلا گیا۔ اس نے ادھر کی کوئی بات نہیں سنی پھر یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔''ٹھیک ہے، میں اسپتال آرہا ہوں، وہاں آکر سنتا ہوں آپ کی بات۔''

جبار ناصر اسپتال پہنچا تو وہاں ایک شخص بھی اس بات کا جواب نہ دے سکا کہ وہ مریض اسپتال سے کیسے نکلا، اسپتال کا عملہ اپنی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالتا رہا، جبار ناصر کو اسپتال کے عملے پر شدید غصہ تھا لیکن اب اس غصے کا کوئی فائدہ نہ تھا، جو ہونا تھا، ہو چکا تھا۔

جب وہ لڑ جھگڑ کر اسپتال سے باہر آیا تو شدید دکھ میں مبتلا ہو گیا، اس کا بھائی اتنے عرصے کے بعد ملا تھا، اب وہ اسے کہاں ڈھونڈے، کہاں تلاش کرے......؟

اسپتال سے نکل کر اس نے متعلقہ تھانے میں اسرار ناصر کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی اور پھر اپنے اخبار میں اسپتال کے عملے کی اس لاپروائی کی رپورٹ مع تصویر چھاپ دی، تصویر اسرار ناصر کی دو تین سال پرانی تھی، عوام سے درخواست کی گئی تھی اگر کوئی اس مریض کے بارے میں جانتا ہو تو اخبار کے دفتر فون کر کے اطلاع دے۔

جبار ناصر انتظار ہی کرتا رہا...... کہیں سے کوئی فون نہ آیا، اس کی پریشانی بڑھتی گئی، وہ سوچنے لگا، پتہ نہیں کہاں مارا مارا پھر رہا ہو گا، وہ اپنے ہوش و حواس سے بیگانہ تھا، خدانخواستہ ٹریفک کی زد میں آگیا

تو اسے سڑک سے کوئی اٹھانے والا بھی نہ ہو گا۔ جبار ناصر نے اس رات بھی اسے سڑک سے پکڑا تھا، وہ بیچ سڑک پر ٹریفک کے درمیان مست چلا جا رہا تھا۔

آج بھی اس کی مستی کا کچھ ایسا ہی عالم تھا، وہ ایک رکشہ میں بیٹھ کر پورے شہر کی سیر کرتا پھرا تھا، وہ رکشہ چھوڑنے کو تیار نہ تھا، رکشے والے نے عاجز آکر اس کے پاؤں پکڑ لیئے۔''میرے باپ......! میرا پیچھا چھوڑ دے۔''

ہوا یہ کہ جب وارڈ بوائے اسے کمرے میں چھوڑ کر گیا تو وہ وارڈ بوائے کے جاتے ہی کمرے سے باہر نکل گیا، سامنے سے ایک فیملی گزر رہی تھی، وہ ان کے پیچھے چل دیا، یہ فیملی اپنا کوئی مریض دیکھ کر واپس جا رہی تھی، یہ فیملی دو خواتین اور ایک مرد پر مشتمل تھی، دونوں عورتیں باتیں کرتی جا رہی تھیں جبکہ مرد ان سے تھوڑا سا آگے تھا، اسرار ناصر ان دونوں عورتوں کے ساتھ کچھ اس طرح چل رہا تھا جیسے وہ ان کے ساتھ ہو۔ اسرار ناصر اپنے چہرے مہرے سے بالکل پاگل دکھائی نہیں دیتا تھا، ویسے رات کو ہی اس کی ''اوور ہالنگ'' ہوئی تھی، وہ خاموشی سے اپنی رو میں مگن اس فیملی کے ساتھ اسپتال کے گیٹ سے باہر نکل آیا۔

وہ فیملی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی جبکہ اسرار ناصر سڑک کے کنارے آکر کھڑا ہو گیا، اس نے خالی رکشہ کو ہاتھ دیا اور اس کے رکتے ہی رکشہ پر سوار ہو گیا اور بولا۔''چلو۔''

''کہاں جانا ہے؟'' رکشہ والے نے رکشہ اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''کہاں جانا ہے؟'' اسرار نے اس کا سوال دہرایا اور پھر فوراً ہی اس کے ذہن میں ایک نام آ گیا، وہ جلدی سے بولا۔''پرنس روڈ۔''

جب رکشہ پرنس روڈ پر پہنچا تو رکشہ والے نے پوچھا۔''کدھر اترنا ہے؟''

''یہ کون سی جگہ ہے؟'' اسرار نے پوچھا۔''یہ کیا مقام ہے؟''

''پرنس روڈ۔'' رکشہ والے نے جواب دیا۔

''پرنس روڈ؟'' اسرار نے کہا۔''او بھائی......! مجھے تو بندر روڈ جانا ہے۔''

رکشہ والے نے گھور کر ایک نظر اسرار کو دیکھا پھر اسے خیال آیا کہ ممکن ہے سواری نے بندر روڈ ہی کہا ہو اور اس نے پرنس روڈ سنا ہو۔ خیر کوئی مسئلہ نہ تھا، رکشہ چوک کے نزدیک تھا، اس نے بائیں جانب موڑ لیا۔

رکشہ موڑ کر اس نے پوچھا۔''بندر روڈ پر کہاں اترو گے؟''

''بابا کے مزار پر۔'' اسرار نے فوراً جواب دیا۔

اور جب مزار قائد آ گیا تو رکشہ والے نے کہا۔''مزار آ گیا، کدھر روکوں؟''

اسرار نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور مزار قائد کی طرف دیکھنے لگا۔ اب رکشہ والے کو شبہ ہوا کہ اس نے غلط سواری بٹھا لی ہے، یہ تو کوئی کھسکا ہوا شخص معلوم ہوتا ہے۔ اس نے فوراً رکشہ ایک طرف روکا اور اس سے بولا۔''چلو، اترو۔''

''کیوں اتروں؟'' اسرار نے غصے سے کہا۔

''تم نے قائداعظم کے مزار پر اترنے کو کہا تھا، وہ سامنے مزار ہے چلو اب اترو۔''

''میں تو نہیں اترتا۔'' اسرار اپنی جگہ جم کر بیٹھ گیا۔

اب رکشہ والا اسے اترنے پر اصرار کرے اور اسرار اترنے کیلئے راضی نہ ہو۔ جھگڑا بڑھ گیا، لوگ اکٹھا ہو گئے تب رکشہ والے نے اندازہ کرلیا کہ غصے سے کام نہ چلے گا، اس نے عاجز آ کر اس کے پاؤں پکڑ لئے۔ ''میرے باپ...... میرا پیچھا چھوڑ دے۔'' لیکن اسرار ناصر ٹس سے مس نہ ہوا۔

''ارے یہ ایسے نہیں اترے گا...... فون کرو...... رضا کاروں کو بلاؤ...... یہ کسی پاگل خانے سے بھاگا ہوا معلوم ہو رہا ہے۔'' ایک شخص نے رائے دی۔

''فون کرو۔'' فون کا لفظ سنتے ہی اسرار کی رو بہک گئی، اس نے اپنے سینے کی طرف دیکھا، گلے پر ہاتھ پھیرا اور پھر فوراً ہی رکشہ سے اتر آیا۔ ''او...... میرا ٹیلیفون...... ہائے میرا ٹیلیفون کہاں گیا؟'' یہ کہہ کر اس نے دوڑ لگا دی۔

اسی وقت ایک بس قریب آ کر رکی، وہ جلدی سے اس میں سوار ہو گیا، بس چل دی۔

رکشہ سے اترا تو اس پر بس سوار ہو گئی، بس میں بیٹھتے ہی اس کے ذہن سے ٹیلیفون نکل گیا پھر بس کنڈیکٹروں سے الجھتا مختلف بسوں میں چڑھتا اترتا ریلوے پھاٹک پر پہنچ گیا، یہاں سے اس نے پیدل سفر شروع کیا اور جدھر اس کا منہ اٹھا، چلتا گیا۔

کافی دیر چلنے کے بعد وہ عزیز آباد کے صنعتی علاقے کی گنجان آبادی میں داخل ہو گیا۔

وہ چھوٹی سی سڑک پر اپنی دھن میں مگن چلا جا رہا تھا کہ اچانک اس کے قدم رک گئے، اس کے سامنے ایک چھوٹا سا پی سی او تھا، ایک میز پر دو ٹیلیفون رکھے ہوئے تھے اور میز کے دوسری طرف ایک شخص بیٹھا تھا، اس نے اسرار کو اپنی دکان کے سامنے رکتے ہوئے دیکھ لیا تھا، اس کے اچانک رکنے سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ اسے کہیں ٹیلیفون کرنے کا خیال آیا ہے تب ہی وہ دکان کے سامنے رک گیا ہے، اسے کیا معلوم تھا کہ اسرار کے دماغ میں اس وقت کیا خیال آیا ہے۔

اس خیال کے آتے ہی اسرار نے کسی چیل کی طرح ٹیلیفون پر جھپٹا مارا، پی سی او والا پہلے ہی اس پر نظر رکھے ہوئے تھا، اس نے جیسے ہی ٹیلیفون اٹھا کر بھاگنے کی کوشش کی، اس نے میز کی دوسری طرف سے نکل کر پیچھے سے اس کی قمیض کا کالر پکڑ لیا۔ وہ ایک مضبوط توانا شخص تھا، اس نے ایک جھٹکے سے اسرار سے ٹیلیفون چھین کر میز پر رکھا اور ایک زوردار مکا اس کے منہ پر مارا۔

اسرار کیلئے یہ ایک غیر متوقع صورتحال تھی، وہ گھونسا کھا کر سڑک پر گرا، ادھر سے ایک موٹر سائیکل سوار گزر رہا تھا، اس کا سر موٹر سائیکل کے ہینڈل سے ٹکرایا، اس کا سر پھٹ گیا، پی سی او والے نے اسے زمین سے اٹھا کر دو چار ہاتھ اور رسید کئے اور اپنی دکان پر آ کر بیٹھ گیا۔

اسرار سڑک سے اٹھ کر خوف زدہ انداز میں ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا، جب وہ بھاگتے بھاگتے تھک گیا تو ایک پان کی دکان کے پاس نڈھال ہو کر گر گیا، بالوں سے خون بہتا ہوا اس کی پیشانی پر

آ گیا تھا۔

شاہدہ جب اپنے گرو کیلئے پان بندھوا کر مڑا تو اس کی نظر اسرار ناصر پر پڑی۔

''ہے ہے...... کیا ہوا؟'' وہ جلدی سے اسرار کے پاس آیا۔

''پانی......!'' اسرار نے اسے دیکھ کر کہا۔

''او...... دلدار......! پانی کی بوتل دو جلدی۔'' شاہدہ پان والے سے مخاطب ہوا۔

''لے۔'' دلدار نے پانی کی بوتل اس کی طرف بڑھائی۔ ''یہ کون ہے......؟ ارے اس کے سر سے تو خون نکل رہا ہے۔''

''ہائے...... میں مر جاؤں۔'' اب شاہدہ کی نظر اس کی پیشانی پر پڑی۔ ''ائے...... اسے کس نے مارا ہے؟'' شاہدہ نے جلدی سے زمین پر بیٹھے اسرار کی طرف بوتل بڑھائی۔ ''لو پانی پیو۔''

اسرار نے غٹ غٹ پانی کی چھوٹی بوتل منہ لگا کر آدھی کر دی اور پھر ایک گہرا سانس لے کر بوتل شاہدہ کے حوالے کر دی۔

''تمہیں کسی نے مارا ہے کیا؟''

''پتہ نہیں۔'' اسرار نے معصومیت سے جواب دیا۔

''تمہاری پیشانی پر خون لگا ہے، یہ تمہیں پتہ ہے؟'' شاہدہ نے پوچھا۔

''خون...... اوہ اچھا فون......! کہاں گیا میرا فون؟'' اسرار فوراً کھڑا ہو گیا۔ ''میں ہوں بابا ٹیلیفون...... میں ہوں بابا ٹیلیفون۔''

''اوئی اللہ......! یہ تو کوئی دیوانہ ہے۔'' شاہدہ نے دلدار سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''ائے میں لے جاتی ہوں اسے گرو کے پاس...... زخمی ہے بے چارہ...... اس کی مرہم پٹی کروں گی۔'' شاہدہ نے اسرار ناصر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''آ جاؤ میرے ساتھ بابا ٹیلیفون۔''

''ہاں...... ہاں چلو۔'' اسرار بلا تامل اس کے ساتھ چل دیا پھر دو قدم آگے بڑھ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے اپنا ہاتھ چھڑا کر بولا۔ ''تم کون ہو؟''

''ائے مجھے نہیں جانتا...... میں شاہدہ ہوں، مشہور آرٹسٹ...... ٹی وی کے ڈراموں میں کام کرتی ہوں...... آ جا میرے ساتھ۔'' یہ کہہ کر شاہدہ نے پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اسرار نے بڑے غور سے اس کا چہرہ دیکھا پھر بغیر بولے اس کے ساتھ چل دیا۔

''ائے پہچان لیا شاید۔'' شاہدہ نے ہنستے ہوئے دلدار کی طرف دیکھا اور اسے اپنے ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔

تھوڑی دور آگے جانے کے بعد وہ اسرار کو لے کر ایک چھوٹی گلی میں داخل ہو گیا۔

یہ ایک لمبی گلی تھی لیکن اتنی تنگ کہ بمشکل دو آدمی ایک ساتھ گزر سکتے تھے، اس گلی میں آمنے سامنے مکان بنے ہوئے تھے، آٹھ نو مکان چھوڑنے کے بعد وہ ایک کالے دروازے کے سامنے رک گیا۔

پھر اس نے اس کا ہاتھ چھوڑ کر دروازے میں لگے کنڈے کو زور زور سے بجایا۔

''اِئے.....کون ہے؟'' اوپر سے پھٹے بانس جیسی آواز آئی۔

''اِئے.....میں ہوں.....تیری پھوپی.....!منحوس جلدی کھول دروازہ۔'' شاہدہ نے کہا۔

''اِئے.....آ رہی ہوں کلو بھٹیارن.....!ذرا چھری تلے دم تو لے۔'' اوپر سے جلا کٹا جواب آیا۔

اس کے بعد دھم دھم سیڑھیاں اترنے کی آواز آئی اور دھڑ سے دروازہ کھل گیا، اوپر سے اترنے والا ایک بھاری بھرکم ہیجڑا تھا، اس نے شاہدہ کے ساتھ ایک بندے کو دیکھا تو تالیاں بجا کر بولا۔

''اِئے.....تو گرو کیلئے پان لینے گئی تھی، اپنے ساتھ کس کو لے آئی؟''

''یہ تیرا پھوپھا ہے ہٹ پرے۔'' شاہدہ نے ہاتھ سے راستہ دینے کا اشارہ کیا اور پھر اپنے پیچھے گم صم کھڑے اسرار کا ہاتھ تھاما اور بولا۔ ''آؤ اوپر چلو۔''

اسرار خاموشی سے اس کے ساتھ زینہ چڑھنے لگا۔

یہ ایک کمرے کا مکان تھا، کمرہ بڑا تھا، کمرے میں گرو دعارانی کے ساتھ اس کے چھ سات چیلے رہتے تھے، کمرے کے سامنے ایک چھوٹا سا صحن تھا، صحن میں ایک چارپائی پر دیوار سے ٹیک لگائے گرو حقہ پی رہا تھا اور زیبا اس کے پاؤں دبا رہا تھا۔

گرو نے شاہدہ کے ساتھ کسی مرد کو دیکھا تو زور سے تالی بجائی۔ ''اری شاہدہ تیرا نام تو لیلیٰ ہونا چاہئے تھا تو بغیر کسی مجنوں کے رہ ہی نہیں سکتی.....اب پھر کسی کو اٹھا لائی۔''

''اِئے گرو.....! میں تم پر سو بار واری جاؤں، ذرا اس کی شکل تو دیکھو.....زخمی ہے بے چارہ اور ساتھ ہی چلا ہوا بھی ہے۔'' شاہدہ نے اپنے سر کے گرد انگلی گھمائی۔

''اری تیرا ستیاناس.....! یہ تو کیا چیز اٹھا لائی.....ایک تو زخمی اوپر سے پاگل۔'' گرو نے شاہدہ کو گھور کر دیکھا۔

اتنے میں کمرے میں موجود سارے چیلے نکل کر باہر آ گئے بس پھر تو ایک ہنگامہ شروع ہو گیا۔

''اِئے شاہدہ پھوپی.....! شاید پھوپھا کو ساتھ لائی ہے، اب ہو گی اس کی سگائی۔'' سب نے کورس میں گانا شروع کر دیا۔

''ارے چپ ہو جاؤ منحوس.....جاؤ کمرے میں۔'' گرو نے غصے سے آنکھیں دکھائیں۔

تب سارے چیلے خاموشی سے اندر چلے گئے۔ بس زیبا بیٹھا رہ گیا، وہ گرو کے پاؤں دبا رہا تھا، اس نے گرو کا پاؤں کھینچ کر اپنے آگے کر لیا اور پھر دبانے لگا۔

شاہدہ نے گرو کا دوسرا پاؤں کھینچا اور وہ بھی جلدی جلدی اس کا دوسرا پاؤں دبانے لگا اور دھیرے سے بولا۔ ''گرو.....!اس کی مرہم پٹی کر دو.....ذرا دیکھو تو کیسا زخمی ہے۔''

''جا.....میرا ڈبہ لا۔'' گرو نے شاہدہ کو ایک لات مارتے ہوئے کہا۔ چارپائی کے پاس ایک اسٹول پڑا تھا، گرو نے اسٹول کی طرف اشارہ کیا اور اسرار سے بولا۔ ''بیٹھو۔''

اسرار نے گرو کی بات کا کوئی نوٹس نہ لیا وہ کمرے کی طرف دیکھتا رہا جدھر شاہدہ گیا تھا۔

''زیبا.....! کیا اردو نہیں سمجھتا، اسے انگریزی میں بیٹھنے کو کہو۔'' گرو ہنس کر بولا۔

''سٹ ڈون۔'' زیبا نے اسٹول کی طرف اشارہ کیا۔

اتنے میں شاہدہ ڈبہ لے کر باہر نکل آیا، اسرار فوراً اسٹول پر بیٹھ گیا، اس کے اسٹول پر بیٹھتے ہی زیبا اور گرو نے مل کر زوردار قہقہہ لگایا۔

''اِئے واہ.....بیٹھو نہیں سمجھتا.....سٹ ڈون سمجھتا ہے۔'' زیبا نے ہنس کر بتایا۔

شاہدہ کچھ نہ بولا۔ اس نے ایک نظر اسرار کو دیکھا اور مسکرا کر رہ گیا۔

گرو نے ڈبہ کھولا، اس ڈبے میں مرہم پٹی کے سامان کے علاوہ چھوٹی بڑی شیشیوں میں دوائیں تھیں، گرو نے اس کے بال ہٹا کر زخم دیکھا، زخم زیادہ گہرا نہ تھا اور اب تو خون نکلنا بھی بند ہو گیا تھا، گرو نے ایک کپڑے سے اس کا زخم صاف کر کے ایک ڈبیہ سے سفوف نکال کر زخم میں بھرا اور پھر اس پر مرہم لگا دیا۔

''پٹی کی ضرورت نہیں۔'' گرو نے کہا۔ ''زخم ایک دو دن میں بھر جائے گا.....شاہدہ! تجھے یہ کہاں ملا؟''

''دلدار پنواڑی کی دکان پر نڈھال سا بیٹھا تھا۔'' شاہدہ نے بتایا۔ ''اسی وقت کہیں سے بھاگتا ہوا آیا تھا۔''

''اِئے.....بتاؤ.....تمہارے یہ چوٹ کیسے لگی؟'' گرو نے اسرار سے پوچھا۔

اسرار نے خالی خالی نظروں سے گرو کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں بڑی وحشت تھی۔

''گرو.....! یہ اپنے حواسوں میں نہیں ہے۔'' شاہدہ نے گرو کو متوجہ کیا۔

''اِئے.....بولو.....تم کون ہو؟'' گرو نے پوچھا۔

اسرار نے پھر خالی خالی نظروں سے گرو کی آنکھوں میں دیکھا۔

''یہ تو ڈبل سواری ہے۔'' گرو نے اس کی ویران آنکھیں دیکھ کر کہا۔

''کیا مطلب گرو.....؟'' شاہدہ نے وضاحت چاہی۔

''اری شاہدہ.....! یہ لپیٹ میں ہے، بری طرح لپیٹ میں ہے۔'' گرو نے اسرار کے انگوٹھے کا ناخن دیکھ کر کہا۔

''گرو.....! کس کی لپیٹ میں ہے؟'' شاہدہ نے چونک کر پوچھا۔

''مردار کی۔'' گرو نے پورے یقین سے کہا۔

''گرو.....! جھاڑو لاؤں کیا؟'' زیبا نے چارپائی سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں.....لا۔'' گرو نے کہا۔

''گرو.....!اس پر سایہ ہے؟'' شاہدہ نے وضاحت چاہی۔

''ایسا ویسا۔'' گرو نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''اِئے کون ہے.....وہ منحوس؟'' شاہدہ پرتشویش انداز میں بولا۔

''ابھی پتہ چل جاتا ہے۔'' گرو نے کہا۔

زیبا کمرے سے ایک جھاڑو لے کر آ گیا۔ یہ سینک والی بھاری جھاڑو تھی اور کوڑیوں سے بندھی ہوئی تھی۔ شاہدہ کو معلوم تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے، اس لئے اس نے دبے لفظوں میں آہستہ سے کہا۔ ''گرو......! یہ زخمی ہے۔''

''اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا بلکہ اس حالت میں جلدی بولے گا۔'' گرو نے کہا اور پھر زیبا کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''پروین......! کیا کر رہی ہے، ذرا بلا اسے۔''

''اے پروین......! تو کیا کر رہی ہے جلدی آ...... گرو بلاتے ہیں۔'' زیبا نے آواز لگائی۔

''آئی...... آئی...... گرو بلائیں اور میں نہ آؤں...... لو میں آ گئی۔'' پروین بھاگتا ہوا باہر آیا۔

''ہاں...... گرو!''

''پروین......! جھاڑو پکڑ...... زیبا تو بول پڑھ...... شاہدہ تو اس پر نظر رکھ...... دیکھ دروازہ بند ہے؟''

''ہاں گرو۔'' شاہدہ نے زینے کا دروازہ دیکھ کر کہا۔

زیبا نے ''بول'' پڑھنے شروع کئے۔ یہ عجیب وغریب الفاظ تھے، بے معنی الفاظ...... زیبا ان لفظوں کو ایک خاص ترتیب اور ایک خاص ردھم کے ساتھ دہرا رہا تھا، ان لفظوں کے ساتھ گرو ایک انوکھے انداز میں اپنے ہاتھوں کو گردش دے رہا تھا اور ساتھ ہی کچھ بولتا بھی جا رہا تھا۔

زیبا بولتے بولتے اچانک رک گیا۔

تب گرو دعارانی نے تیز لہجے میں کہا۔ ''پروین......! وار کر۔''

گرو کا کہنا تھا کہ پروین نے جھاڑو کو الٹی طرف سے پکڑا اور پوری قوت سے اسرار کی پیٹھ پر ماری، یہ وار اتنا بھرپور تھا کہ کوڑیوں کا نشان اسرار کی پیٹھ پر اچھل آیا۔

''ہائے......! مر گیا۔'' اسرار ایک دم بری طرح ڈکرایا۔

''کون ہے تو؟'' گرو نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔ ''بول......؟''

''میں تیرا باپ ہوں ہیجڑے۔'' اسرار نے آنکھیں گھما کر عجیب انداز سے کہا۔ شاہدہ خوف کے مارے ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اسرار کی آواز بدل چکی تھی اور وہ خونی نظروں سے گرو کو دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

وہ ایک تندرست توانا شیر تھا جو غار کے اندھیرے گوشے سے نکل کر بزرگ کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

صارم نے اپنا سانس بحال کر کے جلدی سے نفی میں گردن ہلائی۔ ''نہیں بابا......!''

''اچھا۔'' بزرگ نے مسکرا کر کہا اور پھر شیر کی طرف دیکھ کر بولے۔ ''جاؤ بھئی تم پسند نہیں آئے۔''

شیر فوراً پلٹا اور جس طرح نمودار ہوا تھا، ویسے ہی اندھیرے میں گم ہو گیا۔

''اچھا...... پھر یوں کرو کھڑے ہو جاؤ اور اپنا بیگ ہاتھ میں لے لو۔'' بزرگ نے اسے ہدایت کی۔

صارم فوراً کھڑا ہو گیا، اس نے اپنا بیگ ہاتھ میں اٹھا لیا۔

''ایک وعدہ کرو ہم سے...... جب اپنی دنیا میں پہنچ جاؤ تو لوگوں میں ہمارا تذکرہ کر کے ہمارا تماشا نہ بنانا۔'' بزرگ نے کہا۔

''جو حکم بابا......!'' صارم نے بڑی فرمانبرداری سے کہا پھر بولا۔ ''بابا......! کیا میں آپ کا نام جان سکتا ہوں؟''

''ارے...... ہم کیا اور ہمارا نام کیا...... یہ نام بڑی قیامت ڈھاتے ہیں نفس پر...... خیر تم نے نام پوچھا ہے، بتائے دیتے ہیں، ہمارا نام اسد ہے۔'' بزرگ نے کہا اور پھر اس کی طرف اپنا رخ موڑ لیا۔ ''چلو اب ذرا سا گھومو۔''

صارم، بابا کی ہدایت پر کھڑے کھڑے گھوما، ابھی اس نے ایک ہی چکر لیا تھا کہ اسے یکدم یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے پکڑ کر اسے زور سے گھما دیا ہو، ایک لمحے کو اس کی آنکھیں بند ہو گئیں، اسے کچھ نظر نہیں آیا، اس نے گرنے سے بمشکل خود کو سنبھالا اور جب وہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوا اور اس نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا تو منظر ہی بدل چکا تھا۔

اب نہ غار تھا، نہ بابا اسد تھے، پہاڑ ضرور تھے لیکن وہ کھلے علاقے میں کھڑا تھا، ایک کچی سڑک اسے اوپر جاتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی، اس نے اس علاقے کو پہچاننے کی کوشش کی لیکن پہچان میں نہ آیا، اسے کچھ فاصلے پر سڑک سے ہٹ کر کچھ گھر دکھائی دیئے جن کی چھتوں پر چھالیں بچھی ہوئی تھیں، سڑک کے آس پاس کوئی انسان نہ تھا۔

وہ سوچنے لگا کہ کس طرف جائے، بابا اسد نے اسے کہاں پہنچا دیا تھا اور اب تو بابا اسد سے ملاقات اسے ایک خواب وخیال محسوس ہو رہی تھی، لیکن ان سے ملاقات کی ایک ایک تفصیل اس کے ذہن میں محفوظ تھی، بابا اسد نے تو اسے حسن علی تک پہنچانے کی ذمہ داری لی تھی لیکن انہوں نے نہ جانے کہاں پہنچا دیا تھا۔

ابھی وہ انہی خیالوں میں غلطاں تھا کہ کیا کرے، کدھر جائے، اتنے میں ایک گاڑی اوپر سے آتی ہوئی دکھائی دی، اس جیپ میں ڈرائیور کے سوا کوئی اور نہ تھا، صارم نے ہاتھ دے کر اسے روکا اور ڈرائیور سے پوچھا۔ ''خان صاحب......! یہ کون سا علاقہ ہے؟''

''یارا......! تم نے کدر جانا ہے؟'' ڈرائیور نے الٹا سوال کیا۔

''زیارت۔'' صارم نے اسے بتایا۔

''ابھی تو تم بابا خرواری کے مزار کے پاس کھڑا ہے۔'' ڈرائیور نے بتایا۔

''ہیں اچھا...... کدھر ہے مزار......؟'' صارم نے خوشی کا اظہار کیا کیونکہ بابا خرواری کے مزار سے زیارت پہنچنا مشکل نہ تھا۔

''وہ...... اوپر......!'' ڈرائیور نے اوپر جاتی سڑک کی طرف اشارہ کیا۔ ''تم ایسا کرو مزار پر چلو، ام آدھے گھنٹے میں واپس آتا ہے پھر تمہیں زیارت لے جائے گا۔''

"بڑی مہربانی خان صاحب۔" صارم نے خوش اخلاقی سے کہا۔

"او...... مہربانی کس بات کا...... تم چلو...... ام آتا اے۔" ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

جیپ کے جانے کے بعد صارم نے بابا خرواری کے مزار کی طرف چلنا شروع کیا۔ اب اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہے، سڑک اونچائی کی طرف جارہی تھی، وہ پندرہ بیس منٹ کی مسافت کے بعد بابا خرواری کے مزار پر پہنچ گیا۔

مزار پر سناٹا طاری تھا، دو چار مقامی بندوں کے وہاں کوئی زائر نہ تھا، اس وقت شام کے چھ بج رہے تھے، مزار کے احاطے میں مسجد کی تعمیر جاری تھی، اس نے مسجد کے ساتھ لگے نلکے پر منہ ہاتھ دھویا، ایک کرسی پر بیٹھ کر اس نے لنگر کا قہوہ پیا اور تازہ دم ہوکر مزار پر حاضری دی۔

پہاڑوں کے دامن میں بابا خرداری کا مزار بڑے منفرد انداز کا تھا، اگر اس مزار کو زیرو پوائنٹ سے دیکھا جاتا تو دور پہاڑی پر بڑا سا "اللہ" لکھا دکھائی دیتا اور یہ مزار اس پہاڑ کے دامن میں محسوس ہوتا۔

صارم کو بڑی حیرت ہوئی تھی کہ یہ اللہ کا برگزیدہ بندہ کئی سو سال پہلے یہاں کس طرح آباد ہوا، اس وقت تو ذرائع آمدورفت بھی محدود ہوں گے، آج بھی مزار تک پہنچنے کیلئے ایک چھوٹی سی کچی پکی سڑک موجود تھی، مغرب کے بعد یہاں ہو کا عالم ہو جاتا تھا۔

مزار کے اندر صارم نے کچھ تبدیلیاں دیکھیں، ایک تو قالین بچھا دیا گیا تھا۔ دوسرے مزار پر لوہے کا جال رکھ دیا گیا تھا اور اس پر کالی چادر چڑھائی گئی تھی جس پر قرآنی آیات لکھی تھیں جو زائر کے پیروں کے سامنے آتی تھیں۔

قالین پڑنے اور مزار کو جال سے ڈھکنے کی وجہ سے مزار کا حسن سادگی اور وقار مجروح ہو رہا تھا، صارم کا جی چاہا کہ وہ یہاں کے منتظمین کو مشورہ دے کہ اس جال کو ہٹا کر قبر کو اونچا کروا دیں اور چاروں طرف سنگ مرمر کے ٹائلز لگوا دیں اس طرح خوبصورتی بھی دوبالا ہو جائے گی اور کسی قسم کی بے حرمتی اور شرک کا احتمال بھی نہ رہے گا۔

فاتحہ پڑھ کر وہ کچھ دیر کیلئے آنکھیں بند کر کے قالین پر بیٹھ گیا، اسے ایک عجیب طرح کا سکون محسوس ہوا، اس کا جی چاہا کہ وہ بس یہاں بیٹھا ہی رہے۔

تب ہی اسے ایک آواز سنائی دی......؟

"او، یارا...... ! ایدر ایک مہمان آیا تھا، وہ کدر اے؟" یہ جیپ والے کی آواز تھی۔

"بابا...... ! وہ اندر ہے مزار پر۔" کسی نے جواب دیا۔

"اچھا...... ام دیکھتا اے۔"

صارم کو اندازہ ہوگیا کہ جیپ والا اسے لینے آپہنچا ہے، وہ بہت خوش ہوا۔

"او، یارا چلو...... جلدی کرو۔" جیپ والے نے مزار کے دروازے پر آکر کہا۔

"اچھا...... جناب!" صارم فوراً کھڑا ہوگیا اور اپنا بیگ اٹھا کر باہر نکل گیا۔

مزار کے بیرونی گیٹ پر اس کی جیپ کھڑی تھی، وہ جیپ میں بیٹھ گیا اور جیپ والے نے گاڑی چلا دی۔ اب زیرو پوائنٹ تک خاصی چڑھائی تھی، ایک طرف پہاڑ اور ایک طرف کھائی تھی، جیپ اب کچی سڑک سے گزر کر پکی سڑک پر آچکی تھی اور رواں دواں تھی۔

صارم کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے جیپ سڑک پر چل نہ رہی ہو، اڑی جارہی ہو، کچھ ہی دیر بعد اس نے گاڑی کو زیرو پوائنٹ پر پایا۔

"خان صاحب...... ! ایک منٹ۔" صارم نے اسے گاڑی روکنے کا اشارہ کیا۔

"اب ایدر کیا اے؟" خان صاحب نے گاڑی روکتے ہوئے پوچھا۔

"ذرا اللہ کو دیکھتا چلوں۔" صارم نے مسکرا کر کہا۔

"او، یارا...... ! اللہ تو ہر طرف، ہر جگہ اے...... تم کدر دیکھتا ہے۔" اس سادہ لوح جیپ ڈرائیور نے بڑی گہری بات کہی۔

"خان صاحب...... ! آپ کا نام کیا ہے؟" صارم نے اس کی حاضر جوابی سے متاثر ہوکر پوچھا۔

"امارا...... نام لیاقت خان اے۔" اس نے گاڑی زیرو پوائنٹ پر لگاتے ہوئے کہا۔

"لیاقت خان...... ! وہ جو پہاڑ پر "اللہ" لکھا ہے، وہ ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔" صارم نے جیپ سے اترتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... دیکھو یارا دیکھو...... پر جلدی دیکھو، امارے پاس ٹیم کم ہے۔" لیاقت خان نے کہا۔

"بس ایک منٹ...... !" صارم نے اسے یقین دلایا۔

زیرو پوائنٹ پر جہاں گاڑیاں پارک ہوتی ہیں، اس کے بالکل سامنے ایک بہت پرانا درخت ہے، اس کی شاخیں کچھ اس طرح پھیلی ہوئی ہیں کہ غور سے دیکھنے پر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے لفظ "اللہ" بنا ہو۔

اس درخت کے دائیں جانب شیڈ پڑا ہوا ہے، یہاں سے بہت دور تک کا منظر دکھائی دیتا ہے، سامنے پہاڑی سلسلہ ہے جو دور تک چلا گیا ہے اسی پہاڑی سلسلے کے ایک اونچے پہاڑ پر لفظ "اللہ" بہت واضح اور بہت بڑا لکھا دکھائی دیتا ہے۔ اللہ کا الف ایک ترچھے پہاڑ کی اوٹ میں چھپا محسوس ہوتا ہے، پہاڑ سبزے سے ڈھکا ہوا ہے لیکن اللہ کے نام کی جگہ سے وہ سبزہ غائب ہے...... سبحان اللہ......

اسی پہاڑ کے نیچے بہت نیچے بابا خرواری کا مزار درختوں میں چھپا دکھائی دیتا ہے...... زیرو پوائنٹ پر آنے والے سیاح زیادہ تر سامنے پھیلے ہوئے مناظر کو دیکھ کر بابا خرواری کے مزار کی طرف عازم سفر ہو جاتے ہیں، انہیں "اللہ" کے نام کا ادراک نہیں ہوتا۔

صارم نے اس پہاڑی سلسلے کے حسن کو اللہ کے نام کے ساتھ اپنی آنکھوں میں جذب کیا اور جیپ کی طرف لوٹ آیا۔ لیاقت خان جیپ میں پہلے سے ہی تیار بیٹھا تھا، اس نے صارم کو دیکھتے ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

اب پھر صارم کو یہ احساس ہوا کہ گاڑی کی رفتار غیر معمولی ہے، گاڑی سڑک پر چلنے کے بجائے

اڑی جا رہی ہے۔

''لیاقت خان......! تم زیارت میں کسی حسن علی کو جانتا......!'' اس نے پوچھنا چاہا لیکن صارم کی بات ادھوری رہ گئی۔

''او...... کسی نہیں اے...... او زیارت کا تھانیدار ہے...... او یارا......! اُدر اس کا حکم چلتا ہے۔'' لیاقت نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''ام تمہیں ادر پہنچائے گا...... تم آرام سے بیٹو۔''

لیاقت خان کے جواب نے صارم کو چکرا دیا۔ یہ کس حسن علی کی بات کر رہا ہے، خدانخواستہ اس نے اگر کسی تھانیدار کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیا تو کیا ہوگا، کہیں کوئی مشکل نہ کھڑی ہو جائے۔

صارم نے اس سے جان چھڑانے کیلئے کہا۔ ''لیاقت خان......! آپ مجھے اڈے پر چھوڑ دینا۔''

''او یارا......! تم کیسی بات کرتا ہے، ہمیں جو حکم ملا اے، ام وہ کرے گا، ام تمہیں حسن علی کے سامنے لے جا کر کھڑا کرے گا...... یارا تم اس کا مہمان اے۔'' لیاقت خان نے اسے مزید چکرا دیا۔

اب صارم کے حق میں بہتر یہی تھا کہ وہ خاموشی اختیار کرے، مزید گفتگو کرنے سے اسے معاملہ الجھتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ لیاقت خان کی بات اس کی سمجھ میں بالکل نہیں آ رہی تھی، وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے لیاقت خان سے حسن علی کا ذکر کر کے غلطی کی ہے، پتہ نہیں لیاقت خان اسے کیا سمجھ رہا تھا کہیں وہ کوئی اسے مشکوک آدمی تو نہیں سمجھ رہا تھا، وہ اسے ملا بھی مشکوک حالت میں ہی تھا، بابا خرواری کے مزار سے کافی آگے لیاقت خان نے اسے مشکوک حالت میں کھڑا پایا تھا...... تو کیا لیاقت خان اسے پولیس کے حوالے کرنے جا رہا تھا...... کیا لیاقت خان پولیس کے مخبروں میں سے تھا، اب آگے جو بھی ہو، دیکھا جائے گا، وہ کسی طرح زیارت تو پہنچے۔ صارم نے خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

جیپ جینیپر پوائنٹ سے گزر کر نیچے کی طرف جا رہی تھی پھر ریذیڈنسی بھی گزر گئی، اب زیارت کا بازار زیادہ دور نہ تھا...... لیکن لیاقت خان نے گاڑی پہلے ہی روک لی۔

گاڑی اس وقت ایک بند گیٹ کے سامنے رکی تھی، صارم نے گیٹ کی طرف دیکھا، یہ تھانہ ہرگز نہ تھا، گیٹ پر لکھا ہوا تھا ''انوشہ ہاؤس'' صارم نے سکون کا سانس لیا۔

لیاقت کے ہارن بجانے پر فوراً گیٹ کھل گیا، وہ جیپ کو اندر لے گیا۔

''آؤ صاحب......!'' لیاقت خان نے جیپ سے اتر کر کہا۔

صارم نے چاروں طرف ایک نظر دوڑائی، اسے یہ ایک سرسبز شاداب ریسٹ ہاؤس دکھائی دیا، وہ جیپ سے اتر آیا، لیاقت خان نے اس کے ہاتھ سے بیگ لے لیا اور اندر کی طرف چلا، صارم اس کے پیچھے ہو لیا۔

صارم جب درختوں کے درمیان سے ہوتا ہوا آگے پہنچا تو لیاقت خان کو آگے اپنا منتظر پایا۔ ''یہ ہیں حسن علی۔'' لیاقت نے سامنے اشارہ کیا۔

اور جب اس نے سامنے کا منظر دیکھا تو یکلخت اس کی زبان سے نکلا۔ ''نہیں......! یہ حسن علی نہیں ہو سکتے۔''

یہ بات اس نے خود کلامی کے انداز میں کہی تھی، خدا کا شکر تھا کہ لیاقت خان نے اس کی یہ بات نہیں سنی تھی ورنہ ابھی فساد پھیل جاتا۔

☆......☆......☆

فساد تو اس وقت گرو دعارانی کے گھر میں پھیلا ہوا تھا۔ جو بات اسرار کے منہ سے نکلی تھی، اس بات نے گرو کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔

''اچھا تو ہمارا باپ ہے؟'' گرو نے باری باری زیبا، پروین اور شاہدہ کی طرف دیکھ کر استہزائیہ انداز میں دہرایا۔ ''اے......! یہ تم لوگوں کا دادا گرو ہے، اس کی عزت کرو۔''

''لا...... پروین جھاڑو، مجھے دے، میں اسے بتاؤں باپ کیا ہوتا ہے۔'' زیبا نے جھاڑو ہاتھ میں لے لی اور دو چار بے ہنگم الفاظ بول کر جھاڑو کے مٹھ پر تھوکا اور جما کر اسرار کی پیٹھ پر مارن۔

''ہائے......! مر گیا۔'' اسرار ایک دم بلبلا گیا۔

''ہاں...... دادا ابا کیسے ہو؟'' زیبا نے بے ہنگم قہقہہ لگا کر پوچھا۔

اسرار نے کوئی جواب نہ دیا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے شاہدہ کو دیکھنے لگا پھر بڑے کربناک انداز میں بولا۔ ''مجھے مت مارو۔''

شاہدہ سے اسرار کی تکلیف نہ دیکھی گئی، اس نے دعارانی کے پاؤں پکڑ لئے۔ ''گرو......! وہ تو بھاگ گیا، یہ وار تو سیدھا اس کی کمر پر لگا ہے۔''

''اے بھاگا نہیں ہے...... چھپ گیا ہے، کوئی بڑی پھٹا نگ چیز ہے۔'' گرو نے اسرار کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''زیبا رہنے دے...... یہ بے چارہ پہلے ہی زخمی ہے۔''

''اچھا گرو......!'' زیبا نے کہا اور پھر جھاڑو پروین کے ہاتھ میں دیتا ہوا بولا۔ ''جا...... رکھ دے۔''

پروین کمرے میں چلا گیا، گرو دعارانی نے چارپائی پر پیچھے کھسک کر دیوار سے ٹیک لگا لی۔ زیبا نے اس کا پاؤں دبانا شروع کر دیا، شاہدہ نے دوسرا پاؤں پکڑ لیا اور اسرار کو دیکھنے لگا، اسرار سر جھکائے بالکل خاموش بیٹھا تھا۔

گرو نے حقے کی نے آگے کھینچ کر ایک کش لگایا اور پھر اسے پیچھے کر دیا۔ ''اے ٹھنڈا ہو گیا۔''

''گرو......! دوبارہ چلم بھر دوں؟'' شاہدہ نے پوچھا۔

''چل چھوڑ...... تو میرے پان لائی تھی؟'' گرو نے شاہدہ کی طرف دیکھا۔ ''وہ کہاں ہیں؟''

''ہاں گرو......! یہ لو۔'' شاہدہ نے چارپائی کی پٹی میں گھسائی پانوں کی پڑیا نکالی۔

گرو نے پڑیا کھول کر بڑے اطمینان سے ایک پان نکالا اور منہ میں رکھ کر انگلیاں کاغذ سے صاف کیں اور پڑیا ویسے ہی باندھ دی، شاہدہ نے وہ پڑیا لے کر پھر پٹی کے ساتھ بانوں کی خالی جگہ میں اڑس دی۔

گرو نے دو چار بار منہ چلا کر شاہدہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''ہاں شاہدہ! کیا کہتی ہے؟''

''گرو......! دیکھو تو کتنا معصوم ہے؟'' شاہدہ نے براہ راست جواب دینے سے احتراز کیا۔

"معصوم کی اماں......! آخر تو ہوگئی نا اس پر عاشق......اے ہم تو اسے دیکھتے ہی سمجھ گئے تھے کہ شاہدہ گئی کام سے...... پر شاہدہ ہماری مان اب بھی وقت ہے، باز آجا......اسے جہاں سے لائی ہے، وہیں چھوڑ آ......اے شاہدہ......!اس کی ذات دیکھ، یہ مرد ذات ہے،اس سے وفا نہیں۔" گرو نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"نہ گرو......!اب میرے اختیار میں کچھ نہیں، میں تو اسے دل دے چکی،اب یہ وفا کرے یا دغا کرے......اس کی مرضی۔" شاہدہ نے دوٹوک انداز میں اپنا فیصلہ سنایا۔

"تو بھی عجیب چونگھٹ ہے......دیکھتی نہیں یہ اپنے آپ میں نہیں۔"

"گرو......! میں بھی تو اپنے آپ میں نہیں،اگر اپنے آپ میں ہوتی تو اسے ساتھ کیوں لاتی؟" شاہدہ نے بے اختیار کہا۔

"پھر تو ہمیں دو پاگلوں کا علاج کرنا ہوگا۔" گرو نے پان چبا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"گرو......!اس کا علاج کرو...... میں خود بخود ٹھیک ہو جاؤں گی۔" شاہدہ ہنس کر بولا۔

"شاہدہ......! کیا تو نے ابھی اس کا حال دیکھا نہیں،کوئی بڑی پھٹانگ چیز اس پر سوار ہے...... آسانی سے اس کا پیچھا چھوڑے گی نہیں۔" گرو نے بتایا۔

"گرو......!اب جو بھی ہو۔" شاہدہ نے حتمی انداز میں کہا۔"مجھے بتاؤ کہ کیا کرنا ہوگا۔"

"بہت پیسے خرچ ہوں گے۔"

"کروں گی گرو......!میں پیسے خرچ کروں گی۔" وہ بڑے حوصلے سے بولا۔

"اے......شاہدہ تو سچ مچ دیوانی ہوگئی......چل چھوڑ دفع کر۔" گرو نے پھر سمجھایا۔

"گرو......!مجھے بتاؤ کتنے پیسے خرچ ہوں گے؟" وہ اپنی بات پر اڑ گیا۔

"زندہ الو لانا ہوگا اور ایک چمگادڑ۔" گرو نے اس کا اٹل فیصلہ دیکھ کر اپنی بساط کھولی۔

"زندہ الو تو مارکیٹ سے حاصل ہو جائے گا...... جتنے کا بھی ہوگا، لادوں گی مگر چمگادڑ کیا یہ بھی مارکیٹ میں مل جائے گی؟" شاہدہ نے پوچھا۔

"نہیں...... چمگادڑ کھنڈروں میں ملے گی یا قبرستان میں...... پر چاہئے زندہ۔" گرو نے کہا۔

اسرار ابھی تک گردن جھکائے بیٹھا تھا،اچانک اس نے گردن اٹھائی۔اس نے گھور کر گرو کو دیکھا، اس کی آنکھوں کا رنگ بدل گیا تھا،اس کی آنکھیں ایک دم زرد ہوگئی تھیں۔

اسرار کی آنکھوں کی رنگت دیکھ کر گرو جو اطمینان سے دیوار سے ٹیک لگائے دھیرے دھیرے پان کے مزے لے رہا تھا،فوراً سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، زیبا اور شاہدہ بھی ہوشیار ہو گئے۔

"اے...... ہمیں آنکھیں دکھاوے ہے...... یرقان کے مارے...... بکارتا کیوں نہیں تو کون ہے؟" گرو نے سخت لہجے میں کہا۔"بدذات......تو ہماری ذات پہچان تو گیا ہے،ہم وہ ہیں جس کے پیچھے لگ جاتے ہیں پھر اس کا پیچھا آسانی سے نہیں چھوڑتے...... میرے باپ!اپنا نام بتا۔"

لیکن "باپ" نے اپنا نام نہ بتایا،اسرار کی آنکھوں سے زردی فوراً غائب ہوگئی،اس کی آنکھیں اپنی

جگہ پر واپس آ گئیں،اسرار نے گہرا سانس لے کر گرو کو دیکھا۔

"ہاں......کیا ہوا؟" گرو نے بڑی ہمدردی سے پوچھا۔

"مجھے بھوک لگی ہے۔" اسرار جھجکتے ہوئے بولا۔

"ہائے میں مر جاؤں۔" شاہدہ نے اپنا ہاتھ سینے پر رکھا۔"کیسی بھول ہوئی مجھ سے، یہ نہیں سوچا کہ یہ بھوکا ہوگا۔"

"جا اسے باورچی خانے میں لے جا......اسے کھانا کھلا......اگر کھانا نہیں ہے تو بازار سے لے آ۔" گرو نے ہدایت کی۔

"گرو......!تم فکر مت کرو، میں کرلوں گی۔" شاہدہ نے اسرار کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"شاہدہ اسے کھانا کھلا کر اس کا بستر لگا دے،اب صبح کو دیکھیں گے، دروازے میں ڈبل تالا ڈالنا اور ذرا ہوشیار سونا۔" گرو نے مزید ہدایت کی۔

"اچھا گرو......!" شاہدہ بڑی فرمانبرداری سے بولا اور اسرار کا ہاتھ پکڑ کر صحن میں موجود چھوٹے سے کچن میں لے گیا۔

☆......☆......☆

صارم نے حسن علی کا جو امیج اپنے ذہن میں بنایا تھا، وہ یکلخت بکھر گیا تھا۔

سامنے صنوبر کے درخت کے نیچے زمین پر ایک رلی بچھائے حسن علی محو استراحت تھے، سادہ سے کپڑے، سر پر چھوٹا سیاہ صافہ، آنکھیں بند...... صنوبر کے تین درخت تھے، دو سرہانے کی طرف اور ایک پیروں کی جانب......اس مثلث کے درمیان اتنی زمین تھی کہ ایک آدمی بآسانی لیٹ سکتا تھا۔

سرخ چارخانے کی زمین پر رلی بچھی تھی، تنے کے ساتھ تکیہ لگا تھا، حسن علی تکئے پر سر رکھے آنکھیں بند کئے لیٹے تھے،اس تکونی جگہ کے اطراف میں کئی کرسیاں پڑی تھیں۔

یہ ہیں حسن علی......؟ان کے پاس شاہ صاحب نے اتنی دور اسے بھیجا تھا۔اس نے سوچا۔یہ تو اپنی ظاہری حالت میں اس ریسٹ ہاؤس کے مالی یا چوکیدار دکھائی دیتے ہیں۔

بابا اسد نے انہیں بادشاہ کہا تھا، لیاقت خان نے انہیں زیارت کا تھانیدار بتایا تھا، یہ بادشاہ نہ تھے، تھانیدار نہ تھے، بادشاہ اور تھانیدار تو دور کی بات تھی، یہ تو اسے معمولی کانسٹیبل بھی دکھائی نہ دیتے تھے، یہ تو درختوں کے درمیان زمین پر بچھی معمولی رلی پر پڑے ہوئے تھے۔شاید اسی لئے صارم کے ذہن نے انہیں حسن علی ماننے سے انکار کر دیا تھا، وہ ان کی ظاہری حالت دیکھ کر دھوکا کھا گیا تھا۔

صارم کسی اور دنیا کا تھا اور حسن علی کسی اور دنیا کے تھے......ایسی دنیا کے جہاں سونا، مٹی ہو جاتا ہے اور مٹی، سونا ہو جاتی ہے۔

"بابا حسن......! یہ آپ کا مہمان اے......اسے سنبھالو، بابا اسد نے آپ کو سلام کہا تھا، اب ام چلتا اے۔" لیاقت خان نے بہت مؤدبانہ انداز میں کہا۔

بابا حسن فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے، انہوں نے چھوٹی سی کالی پگڑی ٹھیک کی، اب بابا حسن کا پورا چہرہ

صارم کے سامنے آیا، وہ ان کا چہرہ دیکھ کر مبہوت رہ گیا، ایسا حسین چہرہ اس نے آج تک نہ دیکھا تھا، سفید گلابی رنگت، روشن چہرہ، انتہائی خوبصورت کالی چمکیلی آنکھیں، گلابی ہونٹ، سفید ریشمی داڑھی، ستواں ناک، قدرے بڑے سرخ کان، عمر ساٹھ باسٹھ سے کیا کم ہوگی، سیدھی کمر، دراز قامت، تندرست وتوانا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' بابا حسن نے لیاقت خان کو رخصت کیا۔ پھر صارم کی طرف دیکھا اور دھیمے لہجے میں بولے۔''آؤ بیٹھو...... کھڑے کیوں ہو؟''

تب صارم کو یکدم ہوش آیا۔''جی.. جی......!'' پھر وہ فوراً ہی سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ہاں میاں پہنچ گئے؟'' اچانک پیچھے سے آواز آئی۔

جب صارم نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔

☆......☆......☆

شاہدہ، ندیم کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ اخبار پڑھ رہا تھا۔ آج کے اخبار میں ایک اشتہار چھپا تھا، اسرار ناصر سے متعلق...... اس وقت وہ اس اشتہار کو پڑھ رہا تھا۔

ندیم کو اخبار پڑھتا دیکھ کر شاہدہ اس کے سامنے پڑی کرسی پر خاموشی سے بیٹھ گیا۔

اشتہار میں اسرار ناصر کی گمشدگی کی اطلاع تھی اور یہ اشتہار جبار ناصر کی طرف سے دیا گیا تھا۔

اشتہار میں بتایا گیا تھا کہ اسرار ناصر کی ذہنی حالت درست نہیں ہے، وہ ایک مقامی اسپتال سے فرار ہوا ہے، مزید لکھا تھا کہ وہ خود کو بابا ٹیلیفون کہتا ہے، اس کے گلے میں ٹیلیفون پڑا ہوتا ہے، اشتہار کے ساتھ ہی اس کی ایک تصویر تھی اور اس کی عمر اور حلیئے کے بارے میں تفصیل درج تھی۔

ندیم، جبار ناصر کو صارم کے حوالے سے جانتا تھا، اسے معلوم تھا کہ وہ اس کے باس کا قریبی دوست ہے، اس حوالے سے اس اشتہار کو دیکھ کر اسے دکھ ہوا، اسرار ناصر ایک نوجوان اور اچھی شکل صورت کا شخص تھا...... بے چارہ جانے کیسے ذہنی مریض بن گیا، اس کا باس صارم اپنے گھر کے حوالے سے عذاب میں مبتلا تھا تو اس کا دوست اپنے بھائی کی گمشدگی سے پریشان تھا۔

ندیم نے ایک گہرا سانس لے کر اخبار تہہ کر کے میز کے ایک طرف رکھا اور شاہدہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا اور بولا۔''آج تم کیسے آ گئے...... آج تو تمہارا کوئی کام نہیں ہے؟''

''سر......! میں شوٹنگ کیلئے نہیں آئی ہوں میں......!''

''شاہدہ......! کیا تو سیدھے طریقے سے بات نہیں کر سکتا، یہ آئی ہوں کیا ہوتا ہے؟''

''سر جی......! ہم جو ہیں، ویسے ہی تو بات کریں گے...... سر جی! ہمارا مذاق نہ اڑائیں۔'' شاہدہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ اتنی سنجیدگی سے کہ ندیم کو بھی سنجیدہ ہونا پڑا۔

''اچھا......! بتاؤ کیسے آئے؟'' وہ بولا۔

''صاحب جی......! مجھے کچھ پیسے چاہئیں۔'' شاہدہ نے زبان کھولی۔

''میرا تو خیال ہے کہ تم اپنے سارے پیسے لے چکے ہو۔'' ندیم نے کہا۔

یہ سن کر شاہدہ کا چہرہ ایک دم اتر گیا، وہ یہاں بڑی امید لے کر آیا تھا۔

''کتنے پیسے چاہئیں؟'' ندیم نے شاہدہ کو اداس دیکھ کر پوچھا۔

''ایک ہزار روپے۔'' شاہدہ کے چہرے پر ایک کرن سی لہرائی۔

''معاملہ کیا ہے...... اتنے پیسوں کی آخر کیا ضرورت پڑ گئی؟'' ندیم نے پوچھا۔

''گرو...... بیمار ہے اس کے علاج کیلئے پیسے چاہئیں۔'' شاہدہ نے صاف جھوٹ بولا۔

''اچھا......!'' ندیم نے ایک سلپ پر کچھ لکھا اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔''یہ اکاؤنٹینٹ کو دکھا کر پیسے لے لو۔''

شاہدہ نے سلپ لے کر ندیم کی چٹ چٹ بلائیں لیں اور بولا۔''اللہ آپ کو خوش رکھے، آپ کو چاند سا بیٹا دے...... میں آپ کے گھر آ کر ناچوں۔''

''شاہدہ......! تجھے کیسے پتہ چل گیا کہ میرے یہاں کچھ آنے والا ہے؟'' ندیم نے ہنس کر کہا۔

''سر جی......! ہمیں بہت سی باتیں ایسے ہی پتہ چل جاتی ہیں...... اچھا میں چلوں۔'' یہ کہہ کر شاہدہ اس کے کمرے سے نکل گیا۔

اس کے نکلتے ہی ٹیلیفون کی گھنٹی بجی، ندیم نے ریسیور اٹھایا۔''یس......! سارہ پروڈکشنز۔''

''میں جبار ناصر بول رہا ہوں...... صارم صاحب کا کچھ پتہ ہے؟''

''جی جبار صاحب......! وہ زیارت گئے ہوئے ہیں۔'' ندیم نے اطلاع بہم پہنچائی۔

''یہ تو مجھے معلوم ہے لیکن وہ موبائل نہیں اٹھا رہے۔'' جبار نے کہا۔

''سر......! زیارت میں موبائل کام نہیں کرتا...... وہاں ٹاورز نہیں ہیں۔'' ندیم نے بتایا۔

''اوہ...... اچھا۔'' جبار ناصر نے بات سمجھتے ہوئے کہا۔''پھر ان سے بات کیسے ہوگی؟''

''وہ جہاں ٹھہریں گے، وہاں کا نمبر بتائیں گے...... میں خود ان کے فون کا انتظار کر رہا ہوں۔''

''اب تک تو فون آ جانا چاہئے تھا...... وہ کب کا زیارت پہنچ چکا ہوگا۔''

''جی آپ ٹھیک فرما رہے ہیں۔'' ندیم نے کہا۔ پھر اچانک اسے اشتہار یاد آیا۔ وہ فوراً بولا۔''جبار صاحب......! بڑا افسوس ہوا۔''

''کس بات کا افسوس......؟'' جبار چونکا۔

''آج کے اخبار میں اسرار صاحب سے متعلق اشتہار دیکھا ہے۔'' ندیم نے بتایا۔

''اچھا ہاں......! بس دعا کریں کہ وہ مل جائے۔'' جبار ناصر نے کہا۔

''اللہ چاہے گا تو وہ بہت جلد مل جائیں گے۔'' ندیم نے آس دلائی۔

یہ بات جبار کو معلوم تھی اور نہ ندیم کو معلوم تھی کہ اس وقت اسرار کہاں ہے، یہ بات تو صرف شاہدہ کو معلوم تھی کہ اسرار کہاں ہے......؟ لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اسرار کے بارے میں آج اخبار میں کوئی اشتہار چھپا ہے۔

☆......☆......☆

صارم انہیں دیکھ کر فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوگیا۔ ''شاہ صاحب آپ......؟''

''ہاں میاں......!'' شاہ صاحب نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی ایک کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گئے اور بولے۔ ''بہت انتظار کرایا۔''

''شاہ صاحب......! کیا عرض کروں، میں تو آپ کی پرچی ملتے ہی فوراً روانہ ہونا چاہتا تھا لیکن کچھ حالات ایسے ہوگئے کہ کراچی چھوڑ نہ سکا۔'' صارم نے کہا۔

''شاہ صاحب......! یہ ہمارے بارے میں کچھ الجھے ہوئے ہیں، انہیں صاف صاف بتادیں کہ ہم یہاں مالی کی حیثیت سے ملازم ہیں، جب اپنے کام سے فارغ ہوتے ہیں تو اس ریسٹ ہاؤس کی چوکیداری کرتے ہیں۔'' بابا حسن نے شاہ صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''جی میں سمجھادوں گا، آپ بے فکر ہوجائیں۔'' شاہ صاحب نے ہنس کر کہا۔

''پھر آپ انہیں اپنے کمرے میں لے جائیں، انہیں کھانا وانا کھلائیں اور آج رات انہیں آرام کرنے دیں پھر صبح ان کا معاملہ دیکھیں گے۔'' بابا حسن بولے۔

''اتنے میں ایک جوان شخص تیز تیز چلتا ہوا آیا، اس نے شاہ صاحب اور صارم سے ہاتھ ملایا۔

''لو جابر خان بھی آگئے۔'' بابا حسن نے کہا۔ ''جابر خان......! انہیں ایک کمرہ دے دو، اچھا سا۔''

''بابا......! ٹھیک ہے، انہیں جو کمرہ پسند آئے لے لیں، تقریباً سارے ہی کمرے خالی پڑے ہیں۔'' جابر خان نے کہا۔

''جائیں۔'' بابا حسن نے کہا۔

صارم اپنا بیگ اٹھا کر کھڑا ہوگیا۔ جب وہ جابر خان کے ساتھ جانے لگا تو شاہ صاحب بولے۔

''میاں......! آپ کچھ دیر آرام کر کے ہمارے کمرے میں آجائیں، ساتھ ہی کھانا کھالیں گے اور ان دنوں آپ پر جو گزری ہے، وہ بھی سن لیں گے...... ٹھیک ہے۔''

''جی بہتر......!'' صارم نے مؤدبانہ انداز میں کہا اور جابر خان کے ساتھ چل دیا۔

یہ ایک بڑا ریسٹ ہاؤس تھا، خاصے کمرے تھے اور ان کمروں کے سامنے وسیع باغ تھا، اس باغ کے بیچ میں بابا حسن کا ٹھکانہ تھا۔ صارم نے ایک خاص بات نوٹ کی تھی کہ بابا حسن جس رلی پر بیٹھے ہوئے تھے، اس جگہ کو دیکھ کر بے اختیار جی چاہتا تھا کہ وہاں بیٹھا جائے، وہ جگہ بندے کو بے اختیار اپنی طرف کھینچتی تھی، جانے اس جگہ میں ایسی کیا کشش تھی۔

صارم کو جابر خان نے جو پہلا کمرہ دکھایا، وہ اسے پسند آیا، اس نے فوراً قبول کرلیا، اتفاق سے اس کے برابر ہی شاہ صاحب کا کمرہ تھا، اس نے بیگ سے کپڑے نکالے اور واش روم میں گھس گیا، نہا دھو کر اطمینان سے باہر آیا اور کچھ دیر آرام کی غرض سے بیڈ پر لیٹ گیا۔

اگرچہ وہ آج صبح ہی کوئٹہ سے زیارت کیلئے روانہ ہوا تھا اور شام ہونے تک اس نے بابا حسن علی کو پا لیا تھا اور وہ زیارت پہنچ گیا تھا لیکن اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے یہاں پہنچنے میں کئی دن لگ گئے ہوں۔

یہاں آکر اسے بار بار حیرت کے جھٹکے لگ رہے تھے، شاہ صاحب نے اسے جس کی تلاش میں روانہ کیا تھا، وہ ایک ریسٹ ہاؤس کے مالی اور چوکیدار نکلے تھے پھر دلچسپ بات شاہ صاحب خود بھی یہاں موجود تھے اور نہ جانے کب سے اس کا انتظار کر رہے تھے، اگر شاہ صاحب نے یہاں آنا تھا تو کیا وہ اس کے ساتھ نہیں آسکتے تھے...... وہ ان کے آستانے پر کئی بار گیا تھا، اسے یہ تو معلوم ہوا تھا کہ وہ کہیں باہر گئے ہیں لیکن یہ کسی نے نہ بتایا تھا کہ وہ زیارت گئے ہیں، پتہ نہیں یہ سب کچھ انہوں نے راز میں کیوں رکھا تھا۔

پھر اسے راستے سے اغواء کرلیا گیا، وہ کون لوگ تھے......؟ اور انہیں اس کی آمد کا کیسے پتہ چلا، انہیں تو اس کا نام تک معلوم تھا، اغواء کر کے اسے پتہ نہیں کہاں چھوڑا گیا۔ بقول بابا اسد وہ وہاں بھوکا پیاسا مر کھپ جاتا، وہ تو اس کی کوئی نیکی کام آگئی کہ اس کے قدم غار کی طرف اٹھ گئے اور ان کی مدد اسے حاصل ہوگئی، ورنہ جانے اس کا کیا حشر ہوتا، کسی پتھر کے نیچے اس کی لاش دبا دی جاتی پھر کبھی کوئی اسے ڈھونڈ نہ پاتا، پھر اسے بابا اسد کا گرما گرم مشروب یاد آیا...... واہ کیا لذت تھی اس میں، کیا طاقت تھی، بابا اسد سے ملاقات جانے کیوں اب اسے محض خواب و خیال لگتی تھی لیکن انہوں نے اپنی ذمے داری خوب نبھائی، انہوں نے اسے بابا حسن علی کے ٹھکانے تک پہنچا کر ہی دم لیا۔ یہ لیاقت خان خوب شخص تھا، یہ تو اسے بالکل آخری لمحے میں معلوم ہوا کہ وہ بابا اسد کا بندہ تھا، اس وقت کچھ ایسی صورتحال ہوئی کہ وہ اس کا شکریہ بھی ادا نہ کرپایا، اس نے خواہ مخواہ اس پر شبہ کیا، وہ اسے پولیس کا مخبر سمجھ بیٹھا۔

اچانک اس کی نظر میز پر رکھے ہوئے موبائل فون پر پڑی، اس کے خیالات کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اوہ......! ابھی تک اس نے کراچی بات نہیں کی، اپنے زیارت پہنچنے کی اطلاع نہیں دی۔ اس نے موبائل اٹھا کر کراچی کا نمبر ملانے کی کوشش کی لیکن نمبر نہیں ملا، سگنلز ہی نہیں جارہے تھے تب اسے خیال آیا کہ یہاں ابھی موبائل کا نیٹ ورک نہیں پہنچا پھر رابطہ کیسے ممکن ہے۔

تب وہ فوراً کھڑا ہوگیا، اسے کراچی فون کرنا تھا، سارہ سے بات کرنا تھی، ظفر مراد سے سارہ کا احوال پوچھنا تھا، اس کے پاس کالنگ کارڈ موجود تھا، وہ اس نے بیگ سے نکال لیا، اب مسئلہ تھا کہ فون کہاں سے کرے؟

تب اسے جابر خان کا خیال آیا، ریسٹ ہاؤس میں یقیناً فون ہوگا، جابر خان کے کمرے میں فون موجود تھا، اس نے کارڈ کے ذریعے کراچی فون ملایا۔

فون اتفاق سے ظفر مراد نے اٹھایا، صارم اس سے مخاطب ہوا۔ ''ہاں بھئی ظفر کیسے ہو؟''

''ہاں صارم بھائی! آپ خیریت سے پہنچ گئے؟'' ظفر مراد نے پوچھا۔

''بس، کچھ نہ پوچھو کیسے پہنچا، آکر بتاؤں گا، سارہ کہاں ہیں؟'' صارم نے استفسار کیا۔

''باجی اپنے کمرے میں ہوں گی۔'' ظفر مراد بولا۔

''سب خیریت تو ہے؟'' صارم نے پوچھا۔

"جی بالکل خیریت ہے...... سارہ باجی پرسکون ہیں۔" ظفر نے بتایا۔

"میں یہاں ایک ریسٹ ہاؤس میں ہوں، یہاں کا نمبر نوٹ کرلو۔"

"جی بتائیں۔" ظفر بولا۔

صارم نے نمبر بتایا اور پھر بولا۔ "اچھا میں رات کو سارہ سے بات کروں گا، اسے بتا دینا میں خیریت سے پہنچ گیا ہوں، او کے......!" ریسیور رکھ کر اس نے جابر خان سے اِدھر اُدھر کی بات کی اور کمرے سے نکل آیا۔

پھر اس نے شاہ صاحب کے ساتھ کھانا کھایا، کھانے کے بعد جابر خان نے زبردست قہوہ بھجوایا، قہوہ پی کر وہ شاہ صاحب سے گفتگو میں مصروف ہوگیا، اس نے اپنے گھر کی ساری روداد بیان کی، سارہ کا احوال سنایا، شاہ صاحب نے پوری توجہ سے ساری بات سنی اور ساری بات سن کر صرف اتنا کہا۔ "سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس کے بعد اس نے زیارت کے سفر کے دوران جو عجیب وغریب واقعات رونما ہوئے، ان کے بارے میں بتایا، اس ساری داستان کے جواب میں بھی شاہ صاحب نے ایک جملہ کہا۔ "بس میاں......! اپنی کائنات کے راز وہی جانتا ہے، ہماری بساط کیا کہ کچھ بولیں۔"

صارم کو سارہ کو فون کرنا تھا، وہ اجازت لے کر ان کے کمرے سے نکل آیا۔

☆......☆......☆

شاہدہ نے بہت کوشش کی کہ کہیں سے زندہ چمگادڑ مل جائے لیکن زندہ تو دور کی بات ہے، مردہ بھی نہیں ملی، اس نے کئی ویران کھنڈروں کی خاک چھانی، قبرستان میں مارا مارا پھرا پر چمگادڑ کا حصول ممکن نہیں ہوا، البتہ زندہ الو کے حصول میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔

"گرو......! چمگادڑ نہیں مل کے دے رہی۔" شاہدہ نے گرو کے سامنے اپنی مشکل پیش کی۔

"پھر ایسا کر مسان اور قبر کی تازہ مٹی لے آ...... یہ تو لے آئے گی؟" گرو نے اپنی کاجل بھری آنکھوں سے شاہدہ کو دیکھا۔

"ہاں گرو......! یہ تو لے آؤں گی۔" شاہدہ نے فوراً ہامی بھرلی۔

جب تینوں چیزیں گرو کے سامنے اکٹھا ہوگئیں تو گرو نے چھری مانگی۔ اس وقت گھر میں شاہدہ، اسرار اور گرو کے علاوہ کوئی نہ تھا...... زیبا، پروین اور دیگر چیلے کام پر نکلے ہوئے تھے، دوپہر کا وقت تھا، صحن میں دھوپ بھری تھی، اسرار ناصر کمرے کے دروازے کی دہلیز پر خاموش بیٹھا تھا...... جب سے اس کی جھاڑو سے پٹائی ہوئی تھی، اسے چپ لگ گئی تھی بس وہ خاموشی سے بیٹھا سب کی شکلیں دیکھتا رہتا، اگر اس کو کھانے کو دیدیا جاتا، تو کھا لیتا...... کسی سے کچھ مانگتا نہ تھا اور نہ ہی اس نے گھر سے باہر جانے کی کوشش کی تھی، اس وقت بھی وہ پنجرے میں بند الو کو بغور دیکھ رہا تھا۔

شاہدہ چھری لے کر آ گیا تو گرو نے پنجرے میں ہاتھ ڈال کر الو کو مرغی کی طرح پکڑ کر باہر نکال لیا اور دبوچ کر اسے شاہدہ کے سامنے ڈالا اور بڑے پرسکون انداز میں بولا۔ "چل ری شاہدہ!

چھری پھیر۔"

"ابھی لو گرو!" شاہدہ حکم سنتے ہی فوراً ایکشن میں آ گیا۔

چھری چلتے ہی گرو نے کچھ نامانوس الفاظ کی گردان شروع کی اور پھر گردن کٹے الو کو تسلے میں ڈال دیا، الو پھڑ پھڑا کر ٹھنڈا ہوگیا، سارا خون تسلے میں جمع ہوگیا، گرو نے وہ خون منرل واٹر کی دو چھوٹی خالی بوتلوں میں منتقل کیا پھر ایک بوتل میں اس نے مسان اور قبر کی تازہ مٹی ڈال کر اسے زور سے ہلایا پھر اس پر کوئی منتر پڑھ کر اس پر ایک پھونک ماری، دیکھتے ہی دیکھتے خون کا رنگ ایک دم سیاہ ہوگیا، خون کا رنگ بدلتے دیکھ کر گرو کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔

"اے شاہدہ......! اس کی تو بن گئی چٹنی۔" گرو چہکا۔

"ہیں گرو......!" شاہدہ بھی اس کی خوشی میں شامل ہوگیا۔ اسے بالکل پتہ نہ تھا کہ چٹنی کس کی بنی ہے۔

"اے شاہدہ......! اپنے بانگڑو کو ادھر بلا۔" گرو نے اسرار کی طرف اشارہ کیا۔

"آجاؤ جی۔" شاہدہ نے بڑے پیار سے اسرار کو آواز دی۔

اسرار اس کی آواز پر آگے بڑھ آیا اور گرو کے مقابل بیٹھ گیا۔

"بابا ٹیلیفون......! ذرا ہاتھ آگے کرو۔" گرو نے ہنس کر کہا۔

اسرار نے اپنا ایک ہاتھ آگے کردیا، گرو نے اس بوتل سے تھوڑا سا سیاہ خون اپنی ہتھیلی پر نکالا اور اس میں انگلی ڈبو کر اسرار کے ناخنوں پر لگادیا، یہی عمل اس نے دوسرے ہاتھ کے ناخنوں پر کیا۔

ناخنوں پر لگتے ہی خون کا رنگ تبدیل ہونے لگا، چند لمحوں میں وہ سیاہ خون ایک دم سرخ ہوگیا، خون کا رنگ بدلتے دیکھ کر گرو نے ایک زوردار نعرہ مارا۔ "ہوگیا کام ستیاناسی کا۔"

خون کا رنگ بدلنے کے ساتھ ہی ایک کام اور ہوا، اسرار پر بے ہوشی طاری ہوگئی اور وہ وہیں زمین پر لڑھک گیا، اسرار کو زمین پر لڑھکتے دیکھ کر شاہدہ نے اپنا کلیجہ تھام لیا اور زور سے چیخا۔ "ہائے گرو......!"

"اے...... کچھ نہیں ہوا، آرام سے بیٹھ۔" پھر گرو نے زمین پر پڑے اسرار کی بند آنکھیں کھول کر دیکھیں، ان آنکھوں میں جانے اسے کیا نظر آیا کہ اس نے سیاہ بوتل کا ڈھکن فوراً بند کیا اور شاہدہ سے مخاطب ہوا۔ "اے شاہدہ......! فوراً کھڑی ہوجا۔"

شاہدہ حکم سنتے ہی فوراً کھڑا ہوگیا، اس نے سیاہ بوتل شاہدہ کے ہاتھ میں دی اور بولا۔ "جا بھاگ...... فوراً قبرستان جا اور اس بوتل کو کسی ٹوٹی قبر کے اندر پھینک کر آجا۔"

"ٹھیک ہے گرو......! میں جاتی ہوں۔" شاہدہ نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھا پھر دروازے سے باہر نکلتے ہوئے بولا۔ "گرو......! اس کا خیال رکھنا۔"

"اے تو جا...... تیرے اس کو کچھ نہیں ہوگا۔" گرو نے اسے گھور کر دیکھا۔ "جا جلدی کام کرکے آ۔"

''اۓ گرو......! کیا میرے آنے تک دھوپ میں ہی پڑا رہے گا؟'' شاہدہ فکرمند لہجے میں بولا۔

''پھر کیا کروں......اس کے اوپر شامیانہ لگوادوں۔'' گرو نے اسے غصے سے دیکھا۔

''گرو......! آپ بولو تو اسے کمرے میں لٹادوں؟'' شاہدہ نے اس کے غصے کو نظر انداز کر کے اپنی بات کہی۔

''اۓ تو جاتی ہے کہ نہیں یا برساؤں تیرے پے جھاڑو...... منحوس کو اس کا بڑا خیال ہے اور ہم جو دھوپ میں بیٹھے ہیں،؟'' گرو نے غصے سے اسے آنکھیں دکھائیں۔

اب شاہدہ نے کان دبا کر گھر سے نکلنا ہی مناسب سمجھا ورنہ گرو سے کوئی بعید نہیں تھا کہ وہ جھاڑو لے کر اس پر پل پڑتا۔

''اۓ گرو......! میں تم پرواری...... میں جاتی ہوں۔'' شاہدہ نے کہا اور بوتل لے کر دروازے سے نکل گیا۔

☆......☆......☆

سارہ سے بات کر کے صارم کو یک گونہ سکون پہنچا، فون کر کے وہ شاہ صاحب کے کمرے میں پہنچا تو وہ اسے مصلے پر بیٹھے نظر آۓ، وہ خاموشی سے ان کے کمرے سے پلٹ آیا اور دروازہ بند کر دیا۔

اس وقت خاصی خنکی ہوگئی تھی، اس نے اپنے بیگ سے گرم چادر نکالی اور اسے اوڑھ کر باہر نکل آیا، اس کا ارادہ باہر ٹہلنے کا تھا، وہ ریسٹ ہاؤس سے نکل کر پختہ سڑک پر آ گیا، یہ سڑک اونچائی پر تھی، اس سڑک سے اسے اپنا اور برابر والا ریسٹ ہاؤس دکھائی دے رہا تھا۔

جب وہ سڑک پر آیا تو چاندنی میں جیسے نہا گیا، اتنی تیز چاندنی، ایسا روشن چاند...... ایسے چاند کا تصور تو کراچی والا کسی صورت نہیں کر سکتا۔ کراچی کی مسموم اور گرد آلود فضا میں چاند کا حسن بھی گہنا جاتا ہے۔ یہاں کی ٹھنڈی، شفاف اور صحت بخش فضا میں چودھویں رات کا حسن، پورے چاند کا دلکش نظارہ روح کی گہرائیوں میں اتر رہا تھا، صارم کو بے اختیار سارہ یاد آئی۔ کاش سارہ اس وقت اس کے ساتھ ہوتی تو اس چاندنی رات کا حسن دوبالا ہو جاتا، وہ اس کا نرم ملائم ہاتھ پکڑے اسے اپنے قریب کئے، اس لمبی سڑک پر دور تک ٹہلتا جاتا...... خیر اب تو وہ اکیلا ہی تھا، اب اسے اکیلے ہی اس حسین رات کو اپنے اندر جذب کرنا تھا۔

ہر سو گہرا سناٹا طاری تھا، کبھی کبھی کسی ریسٹ ہاؤس سے کسی قہقہے کی آواز آجاتی تھی یا کبھی چوکیداروں کے ہنسنے بولنے کی آوازیں پہاڑوں میں گونج جاتی تھیں۔

صنوبر کے اونچے درخت جو چاندنی میں سیاہی مائل دکھائی دے رہے تھے، آپس میں سرگوشیوں میں مصروف تھے، فضا میں گہری خاموشی طاری تھی لیکن اس خاموشی میں ایک آہنگ تھا۔

صارم جانے کتنی دیر تک اس چاندنی رات میں ٹہلتا رہا، اسے وقت کا احساس ہی نہ ہوا، جب اس نے گھڑی دیکھی تو رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔

وہ واپس ریسٹ ہاؤس کی طرف پلٹا، اس حسین رات کا سحر اس پر طاری تھا، وہ واپسی پر

راستہ بھول گیا، غلطی سے کسی اور سڑک کی طرف مڑ گیا، تب اسے احساس ہوا کہ وہ غلط راستے کی طرف جا رہا ہے۔

اس نے رک کر اِدھر اُدھر دیکھا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے، صنوبر کے اونچے درخت چاروں طرف تھے اور کچی سڑک نیچے جا رہی تھی، وہ واپس پلٹا، اس نے سوچا پہلے پکی سڑک پر آۓ اور پھر وہاں سے وہ سڑک تلاش کرے جس پر آگے جا کر ''انوشہ ہاؤس'' تھا۔

وہ واپس پکی سڑک کی طرف چلا تو اس نے اوپر سے کچھ لوگوں کو آتے ہوۓ دیکھا، وہ بہت تیزی سے نیچے کی طرف آ رہے تھے، وہ سارے کے سارے سیاہ لباس میں تھے اور انہوں نے کوئی لمبی سی گول چیز اپنے ہاتھوں میں اٹھائی ہوئی تھی، دیکھتے ہی دیکھتے وہ سیدھے ہاتھ کو ایک بڑے سے کھلے گیٹ میں داخل ہو گئے۔

جب صارم اس کھلے گیٹ تک پہنچا تو اسے گیٹ کے اندر بڑی گہما گہمی نظر آئی، اسے لگا جیسے یہاں کسی تقریب کا اہتمام کیا جا رہا ہو......تقریب کا اہتمام......؟ اور وہ بھی رات کے ساڑھے بارہ بجے اور ایسی سنسان جگہ پر......اس کے دل میں تجسس جاگا، دیکھے یہ کس قسم کی تقریب ہے......اس نے اپنے گرد کالی چادر لپیٹ رکھی تھی، وہ بے دھڑک گیٹ کے اندر داخل ہو گیا۔

یہ ایک بڑا سا کھلا میدان تھا، درمیان میں ایک اسٹیج سا بنا ہوا تھا، یہ لوگ جو ابھی گیٹ میں داخل ہوۓ تھے، وہ اسٹیج پر پہنچ چکے تھے اور اس لپٹی ہوئی چیز کو کھول رہے تھے، وہ ایک بڑا سا سرخ انتہائی خوبصورت قالین تھا، وہ قالین پورے اسٹیج پر آ گیا، چند لمحوں بعد وہاں ایک زرنگار اونچی سی کرسی رکھ دی گئی۔

اسٹیج کے ساتھ دریاں اور ان پر سفید چاندنیاں بچھائی جا رہی تھیں اور یہ کام اتنی تیزی سے ہو رہا تھا کہ صارم کی آنکھیں یہ دیکھ کر حیران تھیں، چاندنیوں پر سرخ مخمل والے گاؤ تکیے رکھے جانے لگے، یہ کام سیاہ لباس والے کر رہے تھے، ان کے آدھے چہرے کھلے ہوۓ تھے۔

فرش بچھنے کے بعد لوگوں نے آنا شروع کر دیا، وہ لوگ گیٹ سے تیزی سے داخل ہو رہے تھے اور اتنی ہی تیزی سے چاندنیوں پر بیٹھتے جا رہے تھے، کسی قسم کی کوئی ہلڑ بازی تھی، نہ شور شرابہ......نہ کسی کی آگے بیٹھنے کی کوشش تھی، سب پورے اطمینان اور سکون کے ساتھ بیٹھتے جا رہے تھے جیسے سب کی اسٹیج کے ساتھ نشستیں مقرر ہوں، اسٹیج کے ساتھ سب سے آگے سرخ لباس والے بیٹھے تھے اس کے بعد سفید لباس والے اور اب کالے لباس والے اپنی نشستوں پر بیٹھتے جا رہے تھے، جتنے مہمان تھے، ان کے بھی پورے چہرے نظر نہیں آ رہے تھے، صارم بھی ان کالے لباس والوں کے ساتھ شامل ہو کر بیٹھ گیا، اس کے پیچھے بھی لوگ بیٹھتے گئے۔

پھر ایک شخص سبز لباس میں اچانک اسٹیج پر نمودار ہوا، اس نے اسٹیج کے درمیان کھڑے ہو کر اپنے دونوں بازو پھیلاۓ اور پھر انہیں اوپر اٹھاتا چلا گیا، جب اس کے ہاتھ رکے تو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے دونوں ہاتھ پر بڑا سا پیالہ رکھا ہو پھر اس نے فوراً ہی اپنے ہاتھ نیچے کئے اور جس طرح نمودار ہوا

تھا، ویسے ہی کسی چھلاوے کی طرح اسٹیج سے اتر کر غائب ہو گیا۔

اب ایک ہلکا سا شور اٹھا اور لوگ اپنی نشستیں چھوڑ کر کھڑے ہونے لگے، صارم بھی ان کے درمیان کھڑا ہو گیا شاید یہ سب لوگ کسی کی آمد پر اس کے احترام میں کھڑے ہوئے تھے۔

صارم نے اسٹیج کی طرف دیکھا تو اسے ایک شخص زرق برق لباس میں کرسی کی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا، اس کے کرسی پر بیٹھتے ہی سب لوگ اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔

جب زرق برق لباس میں ملبوس شخص کے چہرے پر صارم کی نظر پڑی تو اس کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

وہ بابا حسن علی تھے۔

اسے فوراً بابا اسد کی بات یاد آئی۔ انہوں نے بابا حسن کے بارے میں کہا تھا ''وہ بادشاہ بھی ہے اور فقیر بھی''

بابا اسد کی یہ بات اب پورے طور پر اس کی سمجھ میں آ گئی تھی، اس نے بابا حسن کا فقر دیکھ لیا تھا، ایک ریسٹ ہاؤس کے مالی تھے اور ایک رلی بچھائے زمین پر پڑے رہتے تھے، اب وہ انہیں کرسی زرنگار پر بڑی شان سے بیٹھا دیکھ رہا تھا، ان کا لباس بڑا قیمتی تھا، سنہری پگڑی پر چمکتے ہیروں کی مالا بندھی ہوئی تھی، بابا حسن کو اس شان سے بیٹھا دیکھ کر صارم کو بڑی خوشی ہوئی تھی۔

اب اسے احساس ہوا کہ شاہ صاحب نے اسے جس کے پاس بھیجا تھا، وہ کوئی معمولی شخصیت نہ تھے، وہ کرسی زرنگار پر بیٹھے ہوئے زیارت کے حکمران لگ رہے تھے۔

اسی وقت زرد لباس میں ایک شخص اچانک نمودار ہوا، وہ پروقار انداز میں چلتا ہوا بابا حسن کے سامنے پہنچا، وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا جھکا اور کچھ کہا شاید اس نے جلسے کی کارروائی شروع کرنے کی اجازت مانگی تھی، بابا حسن نے جواب میں سیدھا ہاتھ اٹھایا شاید یہ جلسہ شروع کرنے کا اشارہ تھا۔

وہ زرد لباس والا پلٹا، دو قدم آگے بڑھ کر اسٹیج کے درمیان حاضرین کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا، اس کا بھی آدھا چہرہ ڈھکا ہوا تھا، بابا حسن کے علاوہ وہاں جتنے بھی لوگ تھے، سب کے چہرے آدھے ڈھکے ہوئے تھے۔ اس زرد لباس والے نے کچھ کہا لیکن صارم اس کی بات نہ سمجھ سکا۔ جب حاضرین میں سے ایک شخص اٹھ کر اسٹیج کی طرف بڑھا تو صارم نے سمجھا کہ حاضرین میں سے کسی کا نام پکار کر اسٹیج پر بلایا گیا تھا۔

ابھی وہ شخص اسٹیج پر پہنچ کر اس زرد لباس والے کے پاس جا کر کھڑا ہوا ہی تھا کہ حاضرین جلسہ میں سرگوشیاں سی شروع ہوئیں اور پھر آناً فاناً سرگوشیاں ایک شور میں تبدیل ہو گئیں، لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

صارم کالی چادر اوڑھے بیٹھا تھا اور اس نے دوسرے لوگوں کی طرح اپنا آدھا چہرہ چھپا رکھا تھا تا کہ وہ ان میں بیٹھا ان جیسا ہی لگے لیکن جب لوگ ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے تو اسے تشویش ہوئی، اس نے سوچا کہیں اسے دیکھ تو نہیں لیا گیا۔

ابھی اس نے یہ سوچا ہی تھا کہ برابر بیٹھے ہوئے شخص نے اس کے چہرے سے چادر اٹھا دی، اس کا چہرہ عیاں ہوتے ہی ایک دم خاموشی چھا گئی جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔

تب برابر بیٹھے ہوئے دو بندوں نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھا دیا، اس کے کھڑے ہوتے ہی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔

''یہ ہم میں سے نہیں......!''

''اسے یہاں کون لایا؟''

''یہ یہاں کیسے آیا......؟''

جب شور زیادہ بڑھا تو اسٹیج پر موجود زرد لباس والے نے ہاتھ اٹھا کر خاموش رہنے کی تلقین کی اور صارم کو پکڑے ہوئے بندوں کی طرف اشارہ کیا کہ وہ اس شخص کو اسٹیج پر لے آئیں۔

چند لمحوں میں اسے اسٹیج پر پہنچا دیا گیا، اب وہ بابا حسن کے سامنے کھڑا تھا اور بابا حسن، صارم کو اپنی چمکیلی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، ان کی آنکھوں میں غصے کی کوئی جھلک نہ تھی، ایک نرم سا تاثر تھا اور ہونٹوں پر ایک باریک سی مسکراہٹ تھی۔

بابا حسن نے زرد لباس والے کو دیکھا اور اپنی آنکھ سے ہلکا سا اشارہ کیا، اس زرد لباس والے نے تفہیمی انداز میں گردن ہلائی اور پھر دو بندے جو صارم کو اسٹیج پر کسی کھلونے کی طرح اٹھا کر لائے تھے، ان کی طرف دیکھ کر کچھ کہا جو صارم کی سمجھ میں نہیں آیا۔

حکم کی تعمیل میں ان دونوں بندوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور جیسے ہی صارم قالین پر بیٹھا، ان دونوں نے اسے بازوؤں سے پکڑ لیا پھر اسے ایسا لگا جیسے وہ صارم کو اڑائے لئے جا رہے ہوں۔

چشم زدن میں سارا منظر تبدیل ہو گیا، اب وہ ریسٹ ہاؤس میں اپنے کمرے کے دروازے کے سامنے بیٹھا تھا، وہ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا، اس نے آگے بڑھ کر سارے ریسٹ ہاؤس پر نظر ڈالی، اسے دور تک کچھ نظر نہ آیا۔

شاہ صاحب کے کمرے کی لائٹ بند تھی۔ شاید وہ سو چکے تھے، اس نے گھڑی پر نظر ڈالی، اس وقت تین بجکر بیس منٹ ہوئے تھے۔ اسے یہ بات اچھی طرح یاد تھی کہ وہ جب ٹہل کر اپنے ریسٹ ہاؤس کی طرف پلٹا تھا تو ساڑھے بارہ بجے تھے، اسے اندازہ تھا کہ تقریب میں اسے مشکل سے آدھا گھنٹہ لگا ہو گا لیکن گھڑی بتا رہی تھی کہ وہ اس تقریب میں ڈھائی تین گھنٹے گزار کر آیا ہے۔

یہ سب کیا تھا......اس نے کیا دیکھا تھا، اس نے بابا حسن کو ایک نئی شان میں دیکھا تھا، وہ کرسی زرنگار پر بڑی تمکنت سے کسی بادشاہ کی طرح بیٹھے تھے، کیا یہ کوئی خواب تھا۔

تب اسے کچھ خیال آیا، وہ برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر اس جگہ پہنچا جہاں بابا حسن کا ٹھکانہ تھا، جب وہ صنوبر کے درمیان بنے ہوئے چبوترے کے نزدیک پہنچا تو اس نے وہاں کسی کو کمبل اوڑھے لیٹا ہوا پایا، وہ نزدیک پہنچا، اس نے سونے والے کا چہرہ دیکھا۔

یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ بابا حسن تھے اور وہ بڑے پرسکون انداز میں سو رہے

تھے، کالی پگڑی ان کے سر پر بندھی تھی لیکن ذرا آگے آئی ہوئی تھی، ان کی روشن پیشانی پوری ڈھکی ہوئی تھی۔ وہ فوراً وہاں سے پلٹ آیا، اب اس کا دماغ چکرا چکا تھا۔

وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں پہنچا اور کمبل لپیٹ کر دبک کر لیٹ گیا۔

صبح اس کی آنکھ شاہ صاحب کی آواز پر کھلی۔

''میاں...... ! کیا ابھی تک سو رہے ہو؟'' شاہ صاحب کہہ رہے تھے۔ ''بھئی کیا کھانا نہیں کھانا ؟''

اس نے فوراً اپنے منہ سے کمبل ہٹایا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے جلدی سے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا، ایک بجا تھا۔

''میاں! گھڑی کیا دیکھتے ہو...... کھانے کا وقت ہو گیا ہے؟'' شاہ صاحب نے اسے ٹوکا۔

''شاہ صاحب ...... ! میں نے تو ابھی ناشتہ بھی نہیں کیا۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''ماشاءاللہ...... ! میاں کیا رات بھر جاگتے رہے ہو؟'' شاہ صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''شاہ صاحب...... ! میں نے رات کو بابا حسن کو عجیب رنگ میں دیکھا۔'' صارم کی آنکھوں میں رات کا منظر گھوم گیا۔

''کوئی خواب دیکھ لیا کیا؟'' شاہ صاحب نے پوچھا۔

''شاہ صاحب...... ! اب تو وہ مجھے خواب ہی محسوس ہو رہا ہے۔'' صارم بولا۔

''خواب تھا نہیں؟'' شاہ صاحب نے تصدیق چاہی۔

''نہیں...... شاہ صاحب! وہ ہرگز خواب نہیں تھا، جو کچھ دیکھا، وہ میں نے اپنی ان جیتی جاگتی آنکھوں سے دیکھا۔'' صارم نے بڑے یقین سے کہا اور پھر چاندنی رات کی سیر اور تقریب کا احوال پوری تفصیل سے شاہ صاحب کے گوش گزار کر دیا۔

شاہ صاحب نے اس کی ساری بات پوری توجہ سے سنی اور ہنس کر بولے۔ ''میاں! تم نے جو کچھ دیکھا، اسے خواب ہی سمجھو تو بہتر ہے۔''

''اس کا مطلب ہے میں نے جو کچھ دیکھا، وہ خواب نہیں تھا؟'' صارم نے شاہ صاحب کی طرف تصدیق طلب نظروں سے دیکھا۔

شاہ صاحب نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا بس مسکرا کر کھڑے ہو گئے اور کمرے سے باہر جاتے ہوئے بولے۔ ''میاں...... ! منہ، ہاتھ دھو کر آ جاؤ، کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔''

''جی اچھا۔'' صارم نے فرمانبرداری سے کہا اور واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

شاہدہ رکشہ پکڑ کر قبرستان پہنچا۔

اس نے ایک شاپر میں وہ بوتل ڈالی ہوئی تھی جس میں الو کا خون بھرا تھا اور جو سیاہ ہو چکا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا، قبرستان میں دور تک کوئی نہ تھا۔

شاہدہ، گرو کی ہدایت کے مطابق کسی ٹوٹی قبر کی تلاش میں تھا، چلتے چلتے اس کی نظر ایک قبر پر پڑی،

یہ ٹوٹی قبر نہ تھی، یہ ایک پختہ قبر تھی لیکن اس قبر پر جگہ جگہ پان کی پیک پڑی ہوئی تھی حتیٰ کہ کتبے پر بھی کسی نے پان کی پچکاری ماری ہوئی تھی حالانکہ ایسا ہوتا نہیں، قبریں ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں، زمین میں دھنس جاتی ہیں لیکن کبھی کسی قبر پر پانوں کی پیک نہیں دیکھی گئی، قبر پر کوئی پان کی پیک نہیں تھوکتا۔

شاہدہ نے کتبے پر نظر ڈالی، کتبے پر لکھا تھا۔ بابا کمبل......

شاہدہ کو اور حیرت ہوئی، مرنے والا کوئی بابا تھا، اس کی قبر کا تو خاص طور سے احترام ہونا چاہئے تھا لیکن لوگوں نے اس قبر کو پیک دان بنا لیا تھا، اس قبر کو دیکھ کر خواہ مخواہ ایک غصے کی لہر دل میں اٹھتی تھی اور کیوں نہ اٹھتی اس قبر میں جو شخص پڑا تھا، اس نے اللہ کی مخلوق کو دکھ دینے کے علاوہ کوئی کام نہیں کیا تھا، جانے یہ کتنے لوگوں کا قاتل تھا، جانے اس نے کتنے گھر اجاڑے تھے، جانے کتنے دلوں کی آہ لی تھی اور مرنے کے بعد بھی اس کی روح اسی کام پر لگی ہوئی تھی، اس نے اسرار ناصر کو پاگل کر دیا تھا۔

اس قبر کو دیکھ کر شاہدہ کو بھی غصہ آیا، ایک نفرت کا سا احساس جاگا، اس کا دل چاہا کہ وہ سیاہ خون والی بوتل کھول کر اس قبر پر ڈال دے، اس نے خود کو بڑی مشکل سے روکا، اسے گرو کی ہدایت پر عمل کرنا تھا، اس بوتل کو کسی ٹوٹی قبر میں ڈالنا تھا۔

وہ بابا کمبل کی قبر پر نفرت بھری نظر ڈالتا آگے بڑھا تو اسے قبر کے سرہانے کی طرف ایک سوراخ نظر آیا، یہ اتنا بڑا سوراخ تھا کہ بوتل با آسانی اندر جا سکتی تھی، یہ سوراخ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی جانور نے بنایا ہو، بس اب سوچنے کی کوئی گنجائش نہ تھی، شاہدہ نے وہ بوتل بابا کمبل کی قبر میں دکھائی دینے والے سوراخ میں ڈال دی، اس نے دیکھا کہ یہ بوتل تیزی سے قبر کے اندر چلی گئی۔

ادھر یہ بوتل قبر کے اندر گئی اور ادھر اسرار ناصر نے آنکھیں کھول دیں۔

''ابے ہوش آ گیا تجھے؟'' گرو نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ اسرار کے بے ہوش ہوتے ہی اس نے جاپ شروع کر دیا تھا، اسے بے چینی سے شاہدہ کا انتظار تھا، اس کا خیال تھا کہ اسرار کو شاہدہ کی واپسی پر ہی ہوش آئے گا لیکن اسے کچھ جلدی ہی ہوش آ گیا تھا۔

اسرار ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا، اس کے چہرے کی رنگت بدل چکی تھی، وہ اپنی زرد آنکھوں سے گرو کو گھور کر دیکھ رہا تھا۔

''ابے...... ! ہمیں گھورتا کیا ہے بول بکار...... !'' گرو نے بڑے سکون سے کہا۔

''او ہیجڑے...... ! آخر تو باز نہیں آیا۔''

''دیکھ لیا تو نے ہمارا کمال...... ! اب تیری ادھر دال نہیں گلے گی، چھوڑ دے اسے۔''

''تو نہیں جانتا کہ اس نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے؟'' اسرار کی آواز بدل چکی تھی۔

''ابے...... ! یہ معصوم تیرے ساتھ کیا کرے گا تو تو مجھے کوئی پھٹا تنگ چیز لگتی ہے، ذرا اپنا نام تو بتا۔'' گرو نے الو کے خون سے بھری ہوئی بوتل اٹھائی۔ ''جلدی اپنا نام بتا ورنہ ہم تجھے خون میں نہلا دیں گے۔''

''میں بابا کمبل ہوں۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''اے اچھا..... اب ہم سمجھے تبھی تو اس بے چارے کے ساتھ کمبل ہو گیا ہے، چل اب تو نکل یہاں سے، چھوڑ اس کا پیچھا۔'' گرو نے تیز لہجے میں کہا۔

ابھی گرو نے اتنا ہی کہا تھا کہ اسرار ناصر بہت زور سے چلایا جیسے اسے شدید تکلیف پہنچی ہو۔

''او ہیجڑے.....! تو نے یہ کیا کیا؟''

''اے..... ابھی تو ہم نے کچھ نہیں کیا، ابھی تو بوتل ہمارے ہاتھ میں ہے۔''

''او میں مر گیا..... ہیجڑے تیرا ستیاناس.....!'' وہ بڑے دردناک انداز میں ڈکرایا۔

بس اس سے زیادہ وہ کچھ نہ کہہ سکا پھر بے ہوش ہو گیا۔ گرو کی سمجھ میں نہ آیا کہ بوتل کھولے بغیر اس ''مردار'' کو کیا ہوا، وہ کیسے چل بسا۔ چلو اچھا ہوا وہ بوتل کی ''کارروائی'' سے پہلے ہی اس کا جسم چھوڑ گیا، اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی تھی۔

پھر بھی احتیاطاً گرو نے تھوڑا سا خون نکال کر اس کے ہاتھ، پیروں پر مل دیا پھر منتر پڑھنے لگا۔

کوئی ایک گھنٹے کے بعد شاہدہ واپس آ گیا، اس نے دیکھا کہ اسرار ابھی تک بے ہوش پڑا ہے اور گرو کچھ پڑھنے میں لگا ہے۔ شاہدہ خاموشی سے گرو کے سامنے اور اسرار کے نزدیک بیٹھ گیا۔

شاہدہ کو دیکھ کر گرو نے کچھ دیر کے بعد اپنا جاپ ختم کیا اور بے قراری سے بولا۔ ''اے کیا ہوا؟''

''گرو.....! ڈال آئی بوتل ٹوٹی قبر میں۔'' شاہدہ نے خوشی بھرے لہجے میں کہا۔

''چل شاہدہ.....! تو خوش ہو جا..... چھوٹ گئی جان اس کی..... وہ پھٹا نگ کوئی بابا کمبل نکلا۔'' گرو نے بتایا۔

''ہیں گرو.....! وہ کون نکلا.....؟ کیا نام بتایا؟'' بابا کمبل کا نام سن کر شاہدہ بری طرح چونکا۔ اس نے سوچا کہیں غلط نام تو نہیں سنا..... اس نے تصدیق چاہی۔

''اے.....! بابا کمبل تھا وہ..... پھٹا نگ اس غریب کے ساتھ کمبل ہی ہو گیا تھا۔'' گرو نے کہا۔

''اے گرو.....! میری بات غور سے سنو..... میں وہ بوتل اسی کی قبر میں ڈال کر آئی ہوں۔''

''ہیں شاہدہ.....! تو سچ کہہ رہی ہے؟'' گرو حیرت اور خوشی کے ملے جلے انداز میں بولا۔

''اے گرو.....! میں تجھ پر واری..... بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔'' شاہدہ نے کہا۔

''اے اچھا.....! ذرا مجھے تفصیل سے تو بتا۔'' گرو نے بے چینی سے کہا۔

تب شاہدہ نے قبر کا حال پوری تفصیل سے گرو کے گوش گزار کر دیا۔

اب گرو کے ذہن میں ساری بات صاف ہو گئی تھی۔ وہ ہنس کر بولا۔ ''اے شاہدہ.....! تبھی میں کہوں کہ وہ مردار بوتل کے عمل سے پہلے ہی کیسے اسے چھوڑ گیا..... اے یہ چمتکار تو تو نے دکھایا، اسی کی قبر میں بوتل پھینک آئی، وہ بوتل قبر میں جاتے ہی ایٹم بم بن گئی، اے وہ تو اڑ گیا بھک سے..... ہمیں گالیاں دینے کی حسرت بھی پوری نہ ہو سکی اس کی۔''

''اے واہ.....! گرو میں تجھ پر واری..... کیا کام دکھایا تم نے۔'' شاہدہ خوش ہو کر بولا۔ ''اب تو یہ ٹھیک ہو گیا۔''

''اے شاہدہ.....! اٹھا اسے اندر لے چل۔'' گرو نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''ہوش میں آئے تو پتہ چلے ٹھیک ہوا ہے یا نہیں۔''

''ٹھیک ہے گرو.....!'' شاہدہ بھی کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

پھر دونوں نے مل کر اسے اٹھا کر اندر پہنچایا۔ گرو، اسرار کے پاس بیٹھ گیا اور بولا۔ ''اے شاہدہ.....! جھاڑو اٹھا، اسے ہوش میں لاؤں۔''

شاہدہ نے الماری کے اوپر پڑی جھاڑو گرو کے ہاتھ میں دے دی اور خود اسرار کے پیروں کی طرف کھڑا ہو گیا۔

گرو نے ہاتھ میں جھاڑو لے کر زور زور سے کچھ بولنا شروع کیا۔ جب گرو نامانوس سے الفاظ بولتا بولتا ایک خاص لفظ پر آتا تو شاہدہ بھی اس لفظ کو دہرا کر زور سے تالی بجاتا۔

دس پندرہ منٹ کے بعد گرو نے اپنا ''پاٹھ'' بند کیا اور تین بار آہستہ آہستہ اس کے سر، سینے اور پیروں پر جھاڑو ماری پھر بولا۔ ''پانی لا۔''

شاہدہ بھاگتا ہوا کچن میں گیا اور ایک گلاس میں پانی بھر کر لے آیا۔ ''لو گرو!''

''اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار۔'' گرو نے ہدایت کی۔

شاہدہ نے چلو میں پانی بھر کر اس کے منہ پر چھینٹے مارنے شروع کیے، تیسرے چھینٹے پر اسرار نے آنکھیں کھول دیں، آنکھیں کھولتے ہی سب سے پہلے اس کی نظر گرو پر پڑی، گرو کی شکل دیکھتے ہی اسرار ناصر نے گھبرا کر اپنی آنکھیں بند کر لیں، اسے لگا کہ وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا ہے۔

''اے گرو.....! اس نے تو پھر آنکھیں بند کر لیں..... کیا پھر بے ہوش ہو گیا؟'' شاہدہ نے فکرمند لہجے میں کہا۔

''نہیں بے ہوش نہیں ہوا..... ہمیں دیکھ کر ڈر گیا ہے۔'' گرو نے ہنس کر کہا۔ ''چل تو ایسا کر اس پر جھاڑو لگا، اس کی صفائی کرنا ہو گی۔''

شاہدہ نے گرو کے ہاتھ سے جھاڑو لے لی اور اس کے چہرے سے پیروں تک اس طرح جھاڑو لگانے لگا جیسے فرش پر لگائی جاتی ہے، صفائی جو کرنی تھی۔

اسرار ناصر نے جھاڑو چہرے پر لگتے ہی اٹھنے کی کوشش کی تو گرو نے ڈانٹ کر کہا۔ ''اے لیٹا رہ..... صفائی ہو جانے دے، کاٹھ کباڑ نکل جانے دے۔''

پھٹے بانس جیسی آواز سن کر اسرار سہم گیا، اب وہ ساکت ہو کر لیٹا تھا اور اس کے جسم کی صفائی جاری تھی، پھر شاہدہ سے گرو نے جھاڑو مانگ لی۔ ''لا..... ادھر دے۔''

شاہدہ نے جلدی سے گرو کے ہاتھ میں جھاڑو تھما دی، جھاڑو ہاتھ میں لیتے ہی گرو، اسرار سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''چل اٹھ۔''

اسرار کسی معمول کی طرح اٹھ کر بیٹھ گیا، گرو نے جھاڑو الٹی پکڑ کر اس کی پیٹھ پر تین بار آہستہ سے ماری اور پھر شاہدہ سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''اے شاہدہ.....! چل نام پوچھ۔''

شاہدہ یہ سن کر اسرار کے پاس بیٹھ گیا اور اس کی تھوڑی پر ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اٹھایا تو جانے کیوں اسرار کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

"اے جاناں......! اپنی آنکھیں کھولو...... اپنا نام بولو کون ہو تم...... کیا نام ہے تمہارا......؟"

شاہدہ نے بڑے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"میرا نام اسرار ناصر ہے۔" اسرار نے اپنی آنکھیں کھول کر شاہدہ کو دیکھا پھر گرو کو دیکھا تب اسے اندازہ ہوا کہ وہ کن لوگوں میں ہے۔ وہ گھبرا کر بولا۔ "یہ میں کہاں آ گیا؟"

"اے واہ گرو......!" شاہدہ نے اٹھ کر ایک زور دار نعرہ لگایا۔ "تیرا جواب نہیں گرو! تو نے اس پاگل کو ٹھیک کر دیا...... اے واہ گرو!"

شاہدہ نے تالی بجا بجا کر گرو کے گرد ڈانس شروع کر دیا۔

"اے شاہدہ......! بیٹھ جا۔ یہ تو ٹھیک ہو گیا اب کہیں تو پاگل نہ ہو جانا...... دیکھ لے پھر یہ جھاڑو ہے میرے پاس۔" گرو نے اپنی کاجل بھری آنکھوں سے شاہدہ کو دیکھ کر تنبیہ کی۔

شاہدہ فوراً اس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ "تیرا شکریہ گرو! تم نے بہت بڑا احسان کیا ہے مجھ پر۔"

"کیا میں پاگل ہو گیا تھا؟" اسرار ناصر نے پوچھا۔

"اے ایسا ویسا۔" گرو نے بھنویں نچا کر کہا۔ "یہ شاہدہ کی مہربانی ہے کہ تجھے ہمارے پاس لے آئی۔"

تب اسرار ناصر نے شاہدہ کی طرف تشکر آمیز انداز میں دیکھا اور بولا۔ "آپ کا شکریہ شاہدہ......! مجھے کچھ یاد نہیں لیکن مجھے یہ ضرور احساس ہے کہ میرے ساتھ بہت کچھ ہوا ہے، ذرا مجھے تفصیل سے بتاؤ۔"

اور پھر شاہدہ نے پان کی دکان سے لے کر آج تک کا حال پوری تفصیل سے سنا دیا۔

☆......☆......☆

رات پھر آئی۔

چاند پھر نکلا، چاندنی پھر چٹکی، چاندنی رات کا فسوں پھر دلوں پر چھانے لگا، صارم اپنی کالی چادر اوڑھ کر پھر اپنے ریسٹ ہاؤس سے باہر آ گیا، ساڑھے بارہ بجے تک وہ سڑک پر ٹہلتا رہا، رات کا سحر اس پر طاری ہوتا رہا۔

پھر وہ اپنے ریسٹ ہاؤس کی طرف واپس چلا، وہ بہت آسانی سے اپنے گیسٹ ہاؤس کے گیٹ پر پہنچ گیا۔ وہ واپس پلٹا، پختہ سڑک پر آ کر اس نے ایک کچی سڑک کا رخ کیا تو وہ مختلف راستوں سے گھومتا ہوا مارکیٹ میں آ نکلا، اس نے مارکیٹ میں ایک چائے کے ہوٹل پر چائے پی اور پھر اپنے ریسٹ ہاؤس کی طرف چلا۔

اس نے آس پاس کا سارا علاقہ چھان مارا لیکن اسے وہ جگہ کہیں نظر نہ آئی جہاں کل رات تقریب منعقد ہوئی تھی، وہ تقریباً دو گھنٹے اِدھر اُدھر گھوم کر واپس اپنے ریسٹ ہاؤس آ گیا۔

اپنے کمرے کی طرف بڑھا تو اسے شاہ صاحب برآمدے میں کھڑے نظر آئے، وہ جلدی سے آگے بڑھا۔ "شاہ صاحب...... آپ!"

"میاں! اتنی رات گئے کہاں گھوم رہے ہو؟" شاہ صاحب نے بڑے نرم لہجے میں پوچھا۔

"بس شاہ صاحب......! چاندنی رات کی سیر کر رہا تھا۔"

"میاں......! اتنی رات گئے باہر نکلنا ٹھیک نہیں۔" شاہ صاحب نے کہا۔ "ہر مخلوقِ خدا کا اپنا اپنا وقت ہوتا ہے، یہاں یہ وقت انسانوں کے گھومنے کا نہیں...... جائیں سو جائیں۔"

"جی اچھا" صارم نے فرمانبرداری سے کہا اور اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔

اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ شاہ صاحب کو اس کا اس وقت باہر گھومنا پسند نہیں آیا، شاید وہ جان گئے تھے کہ صارم اس وقت کس چیز کی تلاش میں نکلا تھا۔

کائنات کے راز صرف اللہ جانتا ہے یا وہ جانتے ہیں جنہیں اللہ جاننے کی اجازت دیتا ہے۔

اور صارم ہرگز ان "جاننے والوں" میں سے نہ تھا، اس کے حق میں یہی بہتر تھا کہ وہ خاموشی سے سو جائے...... اور اس نے ایسا ہی کیا، وہ سو گیا۔

☆......☆......☆

اسرار ناصر نے اپنے ٹھیک ہونے کی روداد سنی تو اسے بڑی حیرت ہوئی۔ وہ لوگ اس کے کام آئے تھے جن کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ انسان کی اس طرح مدد کر سکتے ہیں۔ گرو دعا رانی نے جو کام کیا تھا، اس سے اسرار بڑا متاثر ہوا تھا، وہ خود سفلی کا ماہر تھا اور بابا کمبل جیسے جادوگر کا چیلا رہ چکا تھا، وہ اس کالے علم کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا اسی لئے گرو کی اس کی نظر میں اہمیت بڑھ گئی تھی، اس نے بابا کمبل جیسے شخص کی موذی روح سے نجات دلا دی تھی، یہ اس کا بڑا کارنامہ تھا اس کے ماہر ہونے کا بین ثبوت۔

اسرار کو سب کچھ یاد آ گیا تھا، بابا کمبل کی شاگردی سے بابا کمبل کے قتل تک کی ساری فلم اس کے آنکھوں کے سامنے سے تیزی سے گزر گئی تھی البتہ بابا کمبل کے آسیب میں مبتلا ہونے اور شاہدہ کے گھر تک پہنچنے کا عرصہ اس کے ذہن سے محو ہو گیا تھا، اسے کچھ یاد نہیں تھا کہ یہ تکلیف دہ عرصہ اس نے کہاں اور کیسے گزارہ...... ابھی تو وہ اپنی پوری کہانی سے واقف بھی نہیں ہوا تھا، اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ اسپتال سے فرار ہوا ہے اور اس کی تلاش میں اس کا بھائی کیا کچھ کرتا پھر رہا ہے اور اس کیلئے کس قدر فکرمند ہے۔

گرو دعا رانی نے جب اسرار کی زبانی بابا کمبل کی کہانی سنی تو اسے بابا کمبل کی حیثیت کا اندازہ ہوا، اب یہ بڑا ضروری تھا کہ اس عفریت سے ہمیشہ کیلئے نجات حاصل کر لی جائے۔ اگرچہ گرو نے اب تک جو عمل کیا تھا، وہ اس سے نجات کیلئے کافی تھا لیکن یہ معلوم ہونے کے بعد وہ اونچے درجے کا جادوگر تھا، ضروری تھا کہ اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی جائے۔

تب گرو نے ایک اور بوتل تیار کر دی، اس نے منتر پڑھ کر الو کے خون میں مسان اور قبر کی مٹی ملائی

اور جب اسے زور سے ہلایا تو خون کا رنگ سیاہ ہوگیا۔

گرو نے بوتل اسرار ناصر کے ہاتھ میں دے دی اور اسے اچھی طرح سمجھا دیا کہ کیا کرنا ہے۔

جب اسرار ناصر، گرو کا شکریہ ادا کر کے رخصت ہونے لگا تو شاہدہ بھی اس کے ساتھ ہولیا۔ گرو نے شاہدہ کو اس کے ساتھ جاتے دیکھ کر پوچھا۔ ''اے شاہدہ......! تو کہاں جارہی ہے؟''

''ان کے ساتھ۔'' شاہدہ نے بڑے شرما کر اسرار کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ تو قبرستان جارہے ہیں، کام پورا کر کے اپنے گھر چلے جائیں گے۔'' گرو نے اسے بتایا۔

''میں ان کے ساتھ ہی جارہی ہوں۔'' شاہدہ نے کہا۔

''شاہدہ......! کیا تو نے گرو کو چھوڑنے کا ارادہ کرلیا ہے؟'' گرو نے پوچھا۔

''اے گرو......! میں تم پر واری...... یہ تم نے کیسی بات کر دی...... اے کیا میں تمہیں چھوڑ کر اپنی عاقبت خراب کروں گی...... میں آتی ہوں لوٹ کر...... ذرا ان کا گھر دیکھ آؤں۔'' شاہدہ نے کہا۔

''جا دیکھ آ...... پر یہ بات اپنے دماغ میں بٹھا لے گھر تیرا یہی ہے...... خیال رکھنا کہیں اس گھر کے دروازے تجھ پر بند نہ ہو جائیں...... تو مجھے اچھی طرح جانتی ہے...... جانتی ہے نا؟'' گرو نے اسے تیز نظروں سے دیکھا۔

''بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔'' شاہدہ نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

وہ اسرار کو ساتھ لے کر گھر سے نکلا۔ اسرار کو اس کے ساتھ چلنا عجیب سا لگ رہا تھا، گلی میں لوگ اسے گھور گھور کر دیکھ رہے تھے، اسرار کچھ دیر تک پریشان رہا لیکن جب اسے یہ خیال آیا کہ شاہدہ نے اس پر کتنا بڑا احسان کیا ہے تو وہ رک گیا۔ وہ اس سے آگے چلنے کی کوشش کر رہا تھا، جب وہ اس کے برابر آگیا تو وہ اپنے ''محسن'' کے ساتھ پورے اطمینان سے چلنے لگا۔ دنیا اسے کس نظر سے دیکھتی ہے، اس کی اب اسے پروا نہ رہی تھی۔ شاہدہ نے اسے اس ''کرم'' پر ممنون بھری نگاہوں سے دیکھا۔

سڑک پر پہنچ کر انہوں نے ایک رکشہ لیا اور قبرستان کی طرف روانہ ہوگئے۔

جب وہ قبرستان پہنچے تو مغرب کا وقت ہو رہا تھا، گرو کی ہدایت تھی کہ یہ عمل سورج چھپنے کے فوراً بعد کیا جائے...... شاہدہ اس دن اتفاقاً بابا کمبل کی قبر پر پہنچ گیا تھا، وہ تو کسی ٹوٹی قبر کی تلاش میں سرگرداں تھا، اسے کیا معلوم تھا کہ یہ ظالم شخص ہی بھوت بن کر اسرار سے لپٹ گیا ہے۔

''مجھے وہ قبر یاد نہیں ہے کہ کہاں ہے؟'' شاہدہ نے قبرستان میں داخل ہو کر کہا۔

''مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے اس منحوس کی قبر کہاں ہے۔'' اسرار نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

پھر وہ دونوں تیز قدموں سے چلتے ہوئے بابا کمبل کی قبر پر پہنچ گئے۔ اندھیرا ہونے والا تھا بس یہی صحیح وقت تھا عمل کا...... شاہدہ نے اسے شاپر سے بوتل نکال کر دی۔

اسرار ناصر بوتل کا ڈھکن کھولنے لگا۔ ڈھکن کھولتے کھولتے گزرے ہوئے واقعات کی فلم بہت تیزی سے اس کی نظروں کے سامنے سے گزر گئی۔ اس خبیث شخص نے اس کا گھر جلا دیا تھا، اس کی چہیتی بیوی کو مار دیا تھا، اس کے دماغ پر قبضہ کرلیا تھا، اسے پاگل کر دیا تھا، غصے کی ایک تیز لہر اس کے

دل سے اٹھی۔ اس نے بوتل کا ڈھکن کھول کر ایک طرف پھینکا اور تین چکروں میں اس کالے خون سے قبر کے گرد حصار کھینچ دیا پھر کچھ خون اس نے کتبے پر ڈال دیا۔ کتبے کے نیچے ہی وہ سوراخ تھا جس سے شاہدہ نے وہ بوتل اندر پھینکی تھی، تھوڑا خون ابھی بوتل میں موجود تھا، وہ اس کے سوراخ کے ذریعے اندر انڈیل دیا اور پھر خالی بوتل بھی قبر میں ڈال دی۔

''آؤ شاہدہ......!'' اسرار نے ایک گہرا اطمینان کا سانس لے کر کہا۔

''کام ہوگیا؟'' شاہدہ نے پوچھا۔

''ہاں شاہدہ......! کام ہوگیا اور وہ بھی پکا......! اب یہ منحوس ہمیشہ کیلئے بندھ گیا ہے، اب یہ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔'' اسرار نے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''آؤ چلیں۔''

''چلو بابو......!'' شاہدہ نے مسکرا کر کہا۔

وہ دونوں باتیں کرتے قبرستان سے باہر آئے، ایک رکشہ لے کر وہ جبار ناصر کے گھر کی طرف عازم سفر ہوئے۔

جب گھر کے دروازے پر رکشہ رکا اور وہ رکشہ سے نکل کر دروازے کی طرف بڑھا تو اس کی عجیب سی کیفیت ہوگئی، اسے یوں لگا جیسے وہ کئی سالوں بعد یہاں آیا ہو۔ وہ کیا جانتا تھا کہ ابھی چند دن پہلے ہی تو وہ یہاں سے گیا ہے۔ اسرار ناصر نے ہاتھ بڑھا کر اطلاعی گھنٹی بجائی۔

جبار ناصر کا آج آف تھا، وہ اس وقت گھر میں موجود تھا، گھنٹی کی آواز سن کر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ مہ ناز سے ابھی اسرار کی باتیں کر رہا تھا، اسپتال سے فرار ہوئے اسرار کو چار پانچ دن ہو چکے تھے، ابھی تک اسرار کا کوئی سراغ نہ ملا تھا، وہ اپنے اخبار میں اسپتال سے فرار کی نیوز کے ساتھ تلاش گمشدہ کا اشتہار بھی لگوا چکا تھا لیکن ابھی تک کہیں سے اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہ ملی تھی۔ اسرار کی ذہنی حالت کے پیش نظر سب سے زیادہ اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں وہ کسی گاڑی کے نیچے نہ آجائے لیکن ایسی بھی کوئی خبر نہ آئی تھی، وہ حیران تھا کہ اس کا بھائی آخر کہاں چلا گیا، اسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔

انہی خیالات میں الجھا ہوا وہ دروازے کی طرف بڑھا اور جب اس نے دروازہ کھولا تو اسے یقین نہ آیا کہ وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے، وہ حقیقت ہے یا محض تصور......! لیکن یہ تصور نہ تھا، وہ حقیقت میں اس کے سامنے موجود تھا اور حیرت کی بات یہ تھی کہ بڑی محبت بھری نظروں سے جبار ناصر کو دیکھ رہا تھا، اس کے چہرے پر شناسا مسکراہٹ تھی۔

''بھائی جان......!'' اسرار ناصر نے بڑے والہانہ انداز میں اپنی بانہیں کھول دیں۔

''او میرے بھائی......!'' جبار ناصر نے اسے بڑی بے قراری سے اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ ''ارے اسرار......! تم کہاں چلے گئے تھے؟''

''کہیں نہیں بھائی جان......! میں آپ کو چھوڑ کر بھلا کہاں جا سکتا ہوں۔'' اسرار ناصر نے اپنا چہرہ جبار کی گردن میں گھساتے ہوئے کہا۔

''آؤ .....اسرار اندر آؤ۔'' جبار ناصر نے اسے الگ کر کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''جی بھائی جان ..... !وہ؟'' اسرار ناصر نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ ''شاہدہ.....!ادھر آؤ۔''

شاہدہ کا نام سن کر جبار ناصر ایک دم چونکا۔ یہ چار دن میں کیا سے کیا ہو گیا، چار دن پہلے تک تو وہ کسی کو پہچانتا بھی نہیں تھا، خود سے کیا ... دنیا اس کیلئے اجنبی تھی، اب ان چار دنوں میں ایسی آنکھیں چار ہوئیں کہ وہ اپنے ساتھ کسی شاہدہ کو بھی لے آیا، اس کا بھائی چار دنوں میں کچھ زیادہ ہی ٹھیک نہیں ہو گیا..... اور جب شاہدہ رکشہ سے اتر کر اس کے سامنے آیا تو جبار ناصر کے چھکے چھوٹ گئے یا اللہ خیر.....!

''بھائی جان .....!اس وقت جو میں گھر چلا آیا ہوں، آپ کو پہچان رہا ہوں تو یہ پہچان شاہدہ نے مجھے دی ہے۔'' اسرار ناصر نے بڑی احسان مندی سے شاہدہ کو دیکھا۔

''نہیں ..... صاحب جی.....! میں نے کچھ نہیں کیا، جو کیا میرے گرو نے کیا۔'' شاہدہ نے فوراً تردید کی۔

''بھائی جان اندر چلیں ..... میں آپ کو بتاتا ہوں کہ انہوں نے کیا کیا ہے؟'' اسرار ناصر بولا۔

''ہاں..... ہاں ..... !اندر آؤ۔'' جبار ناصر نے کہا۔ ''آؤ تم بھی آؤ۔''

''بابو میں چلوں ..... گرو انتظار کرتے ہوں گے۔'' شاہدہ، اسرار ناصر سے مخاطب ہوا۔

''نہیں ..... شاہدہ! تم ایسے نہیں جا سکتے، کھانا کھا کر جانا۔'' اسرار ناصر بولا۔

''نہیں بابو.....! میں کھانا نہیں کھاؤں گی، کھانا گرو کے ساتھ ہی کھاؤں گی..... ہم سب اکٹھا ہو کر کھانا کھاتے ہیں۔'' شاہدہ نے بتایا۔

''اچھا.....!اندر تو آؤ..... چلے جانا۔'' اسرار ناصر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اب شاہدہ کیلئے انکار ممکن نہ رہا وہ مجبور ہو کر اسرار کے ساتھ گھر میں داخل ہوا۔ اسرار نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا، شاہدہ نے ڈرائنگ روم میں چاروں طرف نظریں گھمائیں اور پھر وہ قالین پر بیٹھ گیا۔

''ارے شاہدہ.....!اوپر بیٹھو۔'' اسرار ناصر نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

''نہیں بابو.....! میں یہاں ٹھیک ہوں۔'' شاہدہ نے کہا۔

''او نہیں شاہدہ..... !تم یہاں ٹھیک نہیں ہو..... اوپر بیٹھو صوفے پر۔'' اسرار ناصر نے اصرار کیا۔

تب شاہدہ نے اسرار کو ممنون نگاہوں سے دیکھا اور قالین سے اٹھ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

اسرار کی آمد کا گھر میں ہنگامہ مچ چکا تھا، نہ صرف اسرار آ گیا تھا بلکہ پورے ہوش و حواس میں آیا تھا، مہ ناز کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

☆.....☆.....☆

ابھی صارم سوچ ہی رہا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی، صارم کی فوراً آنکھ کھل گئی، اس نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا، ساڑھے دس بج رہے تھے۔

اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا، سامنے جابر خان کھڑا ہوا تھا۔

''جناب.....! آپ کا فون ہے کراچی سے۔'' اس نے بتایا۔

''اچھا۔'' صارم اس کے ساتھ ہو لیا۔ جابر خان کا کمرہ نزدیک ہی تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ کس کا فون ہے، اس کا اندازہ تھا کہ یہ فون سارہ کا ہوگا پھر اسے خیال آیا کہ اگر یہ فون کسی خاتون نے کیا ہوتا تو جابر خان بتا دیتا کہ آپ کی مسز کا فون ہے، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ فون ظفر مراد نے ملایا ہو۔ جب اس نے جابر خان کے کمرے میں پہنچ کر ریسیور اٹھایا تو یہ فون ظفر مراد کا تھا نہ سارہ کا بلکہ یہ فون جبار ناصر کا تھا۔

''او یار.....! بڑی زبردست خبر ہے، سنے گا تو حیران رہ جائے گا۔'' جبار ناصر نے اس کی ''ہیلو'' کے جواب میں کہا۔

''ہاں کیا ہوا..... جلدی بتاؤ۔'' صارم نے بے چین ہو کر کہا۔

''یار.....! اسرار واپس آ گیا ہے اور بالکل ٹھیک ہو کر۔'' جبار کے لہجے میں خوشی تھی۔

''ہیں.....! یہ کیسے ہوا؟'' صارم واقعی حیران رہ گیا۔

''بھئی تمہاری ڈرامہ سیریل میں ایک شاہدہ نامی ہیجڑا کام کر رہا تھا شاید اس کا گھریلو ملازم کا رول ہے۔'' جبار ناصر نے اسے یاد دلایا۔

''ہاں..... ہاں.....! میں اسے جانتا ہوں۔'' صارم فوراً پہچان گیا۔

''بس..... یہ کارنامہ اسی کا ہے، اسرار زخمی حالت میں اسے ملا تھا، وہ اسے اپنے گھر لے گیا۔ وہاں اس کے گرو نے جو اسرار کی حالت دیکھی تو فوراً سمجھ گیا کہ یہ آسیب زدہ ہے۔ بھئی وہ گرو تو بڑا زبردست نکلا، کالے علم کا ماہر..... اس کا نام بھی عجیب سا ہے۔''

''گرو دعا رانی تو نہیں.....؟'' صارم نے ہنس کر پوچھا۔

''یار.....! تم کیسے جانتے ہو؟'' جبار ناصر حیران ہوا۔

''یہ شاہدہ اسے میرے گھر لا چکا ہے۔'' صارم نے بتایا۔

''پھر کیا ہوا؟'' جبار ناصر نے پوچھا۔

''ہونا کیا تھا..... اس منحوس نے گرو سمیت سب کو نہ صرف مفلوج کر دیا بلکہ آواز بھی بند کر دی ... بس پھر کیا تھا یہ لوگ تو، چمٹا پھینک میرے گھر سے بھاگ لئے۔'' صارم نے بتایا۔

''پر یار.....! اس نے اسرار کو ٹھیک کر دیا..... بابا مبل کی خبیث روح سے اسے نجات دلا دی۔'' جبار ناصر نے کہا۔

''چلو..... یہ بہت اچھا ہوا، میں تو اس دن اسرار کی حالت دیکھ کر لرز گیا تھا۔'' صارم نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہم سمجھ رہے تھے کہ صدمے کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہوئی ہے اسی لئے اسے نفسیاتی اسپتال میں داخل کروایا تھا، اس کا وہاں سے فرار ہونا اس کے حق میں بہتر ہی ہوا، نہ وہ فرار ہوتا نہ شاہدہ اس

ترس کھا کر اپنے گھر لے جاتا۔'' جبار ناصر نے کہا۔

''بس یار......! اب اس کو سختی سے تنبیہ کرنا کہ اس جادو وادو کے چکر میں نہ پڑے۔'' صارم نے فکرمندی سے کہا۔

''میں کیا تنبیہ کروں گا...... اس کی تو خود جان نکلی ہوئی ہے...... جادو کے نام پر سو بار کان پکڑتا ہے، وہ آستانہ کمالیہ جانے کو کہہ رہا تھا۔'' جبار ناصر نے اسے بتایا۔

''شاہ صاحب کے پاس؟'' صارم نے پوچھا۔

''ہاں۔'' جبار ناصر بولا۔

''اس سے کہو میرا انتظار کرے کیونکہ شاہ صاحب یہاں ہیں میرے ساتھ۔'' صارم نے کہا۔

''ہاں یار......! تم اپنا تو بتاؤ...... کیا ہو رہا ہے؟'' جبار ناصر کو یکدم یاد آیا۔

''بڑے عجیب و غریب واقعات پیش آئے ہیں یہاں...... آکر بتاؤں گا۔'' صارم نے جابر خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کب تک آؤ گے واپس؟'' جبار ناصر نے پوچھا۔

''کچھ کہہ نہیں سکتا...... آج شاہ صاحب سے بات کروں گا۔''

''تم آؤ...... میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں، اپنا خیال رکھنا۔'' جبار ناصر نے پرخلوص لہجے میں کہا۔

''او کے...... اللہ حافظ۔'' صارم نے ریسیور رکھ دیا اور جابر خان کا شکریہ ادا کر کے اس کے کمرے سے نکل آیا۔

☆......☆......☆

اسرار ناصر پر اب تک جو بیتی تھی، وہ اس پر پوری طرح آشکار ہو گئی تھی، اسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کن عذابوں سے گزرا تھا، عملیات کے شوق نے اسے کہیں کا نہ چھوڑا تھا، وہ دین کا رہا تھا نہ دنیا کا...... وہ دھوبی کا کتا بن گیا تھا جو گھر کا ہوتا ہے نہ گھاٹ کا......

اسرار کو عملیات سے ضرور دلچسپی تھی لیکن عملیات کے ذریعے کسی کی جان لینا اسے پسند نہ تھا، یہ اور بات ہے کہ بابا کمبل کی شاگردی میں رہ کر اسے ان کاموں میں تعاون کرنا پڑا، ایسا اس نے مجبوراً کیا، اس کا دل ہمیشہ کڑھتا رہا۔ بابا کمبل ایک سفاک قاتل تھا، اس نے اپنی طاقت بڑھانے کیلئے اسرار کی بلی دینا چاہی لیکن اسرار نے اپنے گرو کے تیور پڑھ لئے اور اس سے پہلے کہ وہ اسے قربان کر کے اپنی طاقت بڑھا لیتا، اسرار نے اس پر تیزاب پھینک کر اپنی جان بچا لی، اسرار کی جان تو بچ گئی پھر بابا کمبل کی خبیث روح نے انتقامی کارروائی شروع کر دی، اس نے ثمینہ کی جان لی، اس کے گھر کو جلایا، طرح طرح سے اس کا سکون برباد کیا پھر بھی انتقام کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی تو اس کے دماغ پر قبضہ کر کے پاگل کر دیا...... اسے دربدر کر دیا۔ اس کی آنکھوں سے پہچان مٹ گئی، جانے کہاں کہاں بھٹکتا پھرا وہ تو بھلا ہو شاہدہ کا کہ جانے اس کے دل میں کیا آیا کہ وہ اسے اپنے گھر لے گیا۔ جب کسی کو ٹھیک ہونا ہوتا ہے تو ایسے ہی راستے کھلتے ہیں۔ گرو دعارانی نے بابا کمبل کی خبیث روح کو ایسا چت کیا کہ اسے اسرار کی

جان چھوڑتے ہی بنی۔

اسرار، گرو دعارانی کا بہت ممنونِ احسان تھا، اس نے وہ کام دکھایا تھا کہ بڑے بڑے عامل نہ کر پائیں، اسرار کی بینک میں ایک خطیر رقم موجود تھی، اس نے ایک لاکھ روپے بینک سے نکلوائے اور گرو کے ہاتھ پر جا رکھے۔

گرو نے اس رقم کو قبول کرنے سے پہلے شاہدہ کی طرف دیکھا۔ ''شاہدہ......! کیا کہتی ہے؟''

''لے لو گرو......! خوشی سے دے رہے ہیں تو قبول کر لو۔'' شاہدہ نے فوراً کہا۔

تب گرو نے وہ رقم خوشی سے قبول کر لی، آدھی رقم اپنے پاس رکھ کر گرو نے اسی وقت بقیہ رقم اپنے چیلوں میں تقسیم کر دی، رقم ملتے ہی گھر میں جشن کا سا سماں ہو گیا۔

پھر اسرار اپنی سابقہ سسرال پہنچا، اسرار کو اپنے ہوش و حواس میں دیکھ کر سب خوش ہو گئے۔ اسی گھر سے تو اس پر جنون کی کیفیت طاری ہوئی تھی اور وہ گلے میں ٹیلیفون لٹکا کر ہوش و خرد کی دنیا سے بیگانہ ہو گیا تھا۔ اسرار کو دیکھ کر والدین کو اپنی بیٹی ثمینہ یاد آئی، زرینہ اپنی بہن کے تصور میں گم ہو گئی، اس گھر اور اس گھر کے مکینوں نے اسرار کا دل تڑپا دیا، ثمینہ کی یاد اس کی آنکھوں سے آنسو بن کر بہنے لگی، پر اب کیا ہو سکتا تھا، جانے والی لوٹ کر نہیں آ سکتی تھی۔ جانے والے کبھی لوٹ کر نہیں آتے۔

اسرار کو ثمینہ کے گھر والوں نے روک لیا، وہ رات بھر اس کے ساتھ محوِ گفتگو رہے، اسرار کی سنتے رہے، اپنی سناتے رہے، صبح کے وقت یہ نشست برخاست ہوئی، اسرار کو بیڈ پر لیٹتے ہی نیند آ گئی۔ اسے سوتے ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ بڑا حیران ہوا۔

وہ خواب ہی ایسا تھا، ثمینہ آئی تھی اس کے خواب میں...... وہ کہہ رہی تھی میری چھوٹی بہن زرینہ سے شادی کر لو۔

☆......☆......☆

صارم کو زیارت میں رہتے ہوئے آج ساتواں دن تھا۔

اسے ابھی تک کوئی واضح جواب نہیں ملا تھا، بابا حسن کچھ بولتے تھے نہ شاہ صاحب کھل کر کچھ کہتے تھے، بس شاہ صاحب کی زبانی اسے اتنا ضرور معلوم ہوا تھا کہ بابا حسن نے کراچی جانے کی ہامی بھر لی ہے، کب جائیں گے، اس بارے میں کوئی جواب نہ ملتا تھا، شاہ صاحب بس اتنا کہتے تھے کہ بابا حسن نے چھٹی کی درخواست دی دی ہے، چھٹی منظور ہو جائے تو پھر وہ چلیں۔

صارم کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ بابا حسن نے چھٹی کی درخواست کس کو دی ہے اور وہ منظور کیوں نہیں ہو رہی......؟ وہ اس ریسٹ ہاؤس میں مالی تھے، صارم انہیں دن بھر پیڑ، پودوں کی دیکھ بھال کرتے دیکھتا تھا یا وہ اپنے ٹھکانے پر لیٹے نظر آتے تھے اور جب وہ لیٹے ہوتے تو اسے کرسیوں پر بیٹھے دو چار آدمی دکھائی دیتے، ان میں کبھی کبھی شاہ صاحب بھی ہوتے، یہ کون لوگ ہوتے تھے، صارم کو معلوم نہیں تھا۔

صارم سوچتا تھا کہ آخر بابا حسن اس ریسٹ ہاؤس میں ایسا کیا کام کرتے ہیں کہ مالک ان کی چھٹی

منظور نہیں کر رہا تھا۔ اس راز سے شاہ صاحب پردہ اٹھاتے تھے نہ بابا حسن......؟

ساتواں دن آ پہنچا تھا، اب صارم کچھ الجھن کا شکار ہونے لگا تھا، آج صبح اٹھتے ہی اس نے سوچا تھا کہ وہ شاہ صاحب سے دوٹوک انداز میں بات کرے گا تا کہ اسے روانگی کا دن معلوم ہو سکے۔

لیکن دوٹوک انداز میں بات کرنے کی نوبت نہ آئی۔

شاہ صاحب خود ہی دستک دے کر اس کے کمرے میں چلے آئے اور مسکرا کر بولے۔ ''میاں! تم چلو، ہم آتے ہیں۔''

صارم کو واپسی کیلئے کچھ نہیں کرنا تھا، وہ ایک گھنٹے کے اندر ضروریات سے فارغ ہو کر کوئٹہ کیلئے عازم سفر ہو گیا، کوئٹہ پہنچ کر اس نے کراچی کیلئے کوچ پکڑ لی۔

رات ساڑھے گیارہ بجے وہ کراچی پہنچا۔ ظفر مراد نے اگرچہ اس سے کہا تھا کہ وہ اڈے پر اسے لینے پہنچ جائے گا لیکن صارم نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ خواہ مخواہ زحمت ہو گی، وہ بآسانی ٹیکسی پکڑ کر گھر پہنچ جائے گا۔

اور جب وہ ٹیکسی کے ذریعے گھر پہنچا تو ایک جان لیوا خبر اس کی منتظر تھی۔

سارہ گھر سے غائب ہو گئی تھی۔

صارم زیارت سے بڑا خوش خوش واپس آیا تھا۔ اسے نہ صرف بابا جی مل گئے تھے بلکہ وہاں شاہ صاحب بھی موجود تھے۔ وہ دونوں اس کے گھر سے گدھوں کا بسیرا ختم کرنے آ رہے تھے۔ صارم کی کراچی روانگی سے قبل تفصیلی بات ہوئی تھی۔ اسے پوری امید تھی کہ یہ دونوں بزرگ کاکور سے نہ صرف نجات دلا دیں گے بلکہ اس کو ایک عبرتناک انجام سے بھی دوچار کریں گے۔ تب ہی اس کے دل میں بھڑکی آگ ٹھنڈی ہو گی۔

کراچی پہنچا تو اس کے دل میں بھڑکی آگ ٹھنڈی ہونے کے بجائے مزید بھڑک گئی۔ سارہ گھر سے غائب ہو گئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس کارروائی کے پیچھے کاکور کا ہاتھ ہے۔ اس شری مخلوق نے تو زیارت میں بھی اسے ہاتھ دکھا دیا تھا۔ یہاں پہنچا تو ایک روح فرسا خبر اس کی منتظر تھی۔

سارہ جب سے ظفر مراد کے گھر آئی تھی، بڑے پرسکون انداز میں رہ رہی تھی۔ اس نے یہاں آ کر پہلی رات تو بے قراری دکھائی تھی لیکن صارم کے غصہ ہونے کی وجہ سے وہ پھر حسن کا نام اپنے لبوں پر نہیں لائی تھی۔ اسے حسن کے بارے میں کسی سے بات کرنے کی اب ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔ اس کے لاشعور نے حسن تک پہنچنے کا ایک اور ذریعہ نکال لیا تھا یا اس میں شری مخلوق کی شرارت شامل تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا۔

پھر جیسے ہی سارہ کو صارم کی واپسی کی اطلاع ملی۔ بظاہر اس نے خوشی کا اظہار کیا لیکن اندر ہی اندر اس پر افسردگی کا دورہ پڑ گیا۔ اسے بے اختیار حسن یاد آنے لگا۔ اس نے کئی بار کمرہ بند کر کے اپنے گھر ٹیلی فون کیا لیکن کسی نے نہیں اٹھایا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہی رہی۔

پہلے یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے گھر یہ سوچ کر ٹیلی فون ملاتی کہ ادھر سے کوئی اٹھا لے گا اور ہوتا بھی

یہی ادھر سے نہ صرف ٹیلی فون اٹھا لیا جاتا بلکہ ٹیلیفون اٹھاتے ہی منظر بدل جاتا، وہ خود کو حسن کے پاس پاتی۔

آج باوجود کوشش کے ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ حسن کے لئے بے چین پھر رہی تھی۔ حسن کی یاد اسے پاگل کئے دے رہی تھی۔ بار بار کوئی اسے اکسا رہا تھا۔ کہہ رہا تھا۔ ''اپنے گھر چلو، اپنے گھر چلو''

اس کی بڑھی ہوئی بے چینی نے بالآخر اسے اس نتیجے پر پہنچا دیا تھا کہ وہ چپکے سے گھر سے نکل بھاگے۔ ظفر مراد کے گھر میں وہ پورے اطمینان اور سکون سے رہ رہی تھی۔ اس لئے اس پر پہرہ اتنا سخت نہیں رہا تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ سارہ جب چاہے اس گھر سے اونٹ کی طرح منہ اٹھائے نکل جائے۔ ایک دو بار اس نے آزمائش کے طور پر گیٹ سے نکلنے کی کوشش کی تھی تو گیٹ پر موجود گارڈ نے اسے روکنے کی تو جرأت نہ کی لیکن فوراً ہی انٹرکام پر ظفر مراد یا زمرد کو اطلاع دی تھی۔ وہ اطلاع ملتے ہی گیٹ پر آ گئے تھے۔ ''باجی، کہاں جا رہی ہیں۔'' اس سے پوچھا گیا تھا۔

''کہیں نہیں۔'' اتنا کہہ کر وہ گیٹ کے اندر آ گئی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ اس طرح گھر سے نہیں نکل پائے گی۔ اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھ رہی تھی۔ کوئی برابر اس کے دماغ میں بول رہا تھا۔ ''اپنے گھر چلو...... اپنے گھر چلو۔'' اس کے ساتھ ہی حسن کی یاد دل تڑپا رہی تھی اور وہ گھر سے نکلنے کی ترکیب سوچ رہی تھی۔ تب پھر اچانک ہی اس کے دماغ میں ایک بجلی سی چمکی۔ ایک خیال اس کے دل میں آیا۔

سارہ نے زمرد سے کہا کہ وہ صارم کے لئے کچھ شاپنگ کرنا چاہتی ہے۔ زمرد نے فوراً جواب دیا۔ ''ہاں باجی...... ضرور جائیں۔ اپنے ساتھ خالہ بجو کو لے جائیں اور گاڑی پر چلی جائیں۔''

سارہ نے شکر یہ ادا کیا کہ زمرد نے خود جانے کی پیشکش نہیں کی ورنہ اس کا منصوبہ ذرا مشکل ہو جاتا۔ مارکیٹ پہنچ کر سارہ نے ڈرائیور کو گاڑی کے پاس ہی رہنے کی ہدایت کی اور خالہ بجو کو ساتھ لے کر آگے بڑھ گئی۔ اس نے دو تین سوٹ صارم کے لئے خریدے پھر اس نے خالہ بجو سے کہا کہ وہ یہ پیکٹ گاڑی میں رکھ کر واپس آ جائے۔ آگے جیولرز کی دکانیں تھیں، وہ کچھ سیٹ دیکھنا چاہتی تھی۔

خالہ بجو اسے فٹ پاتھ پر کھڑا چھوڑ کر تیز تیز قدموں سے گاڑی کی طرف جانے لگی تا کہ جلد از جلد واپس آ جائے۔ بس اتنا موقع سارہ کے لئے بہت تھا۔ خالہ بجو کے جاتے ہی اس نے ایک خالی رکشہ کو ہاتھ دیا اور فوراً اس میں سوار ہو گئی۔

خالہ بجو جب ڈبے گاڑی میں رکھ کر واپس آئی تو سارہ اپنی جگہ سے غائب تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر جوئیلرز کی دکانوں میں جھانکا لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔ پھر ڈرائیور اور اس نے مل کر سارہ کو پورے بازار میں تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کہیں نظر نہیں آئی۔

جب خالہ بجو نے گھر واپس آ کر سارہ کے غائب ہونے کی خبر سنائی تو ظفر مراد کے ہوش اڑ گئے۔

صارم کی آمد سے قبل یہ واقعہ رونما ہو چکا تھا لیکن ظفر مراد نے اسے یہ خبر سفر کے دوران دینا مناسب نہ سمجھا اور جب صارم گھر پہنچا تو اسے سب سے پہلے یہ منحوس خبر سننے کو ملی۔

پہلا خیال صارم کے دماغ میں یہی ابھرا کہ سارہ اپنے گھر چلی گئی ہے اور اس کارروائی میں یقینی طور پر اس شری مخلوق کا ہاتھ ہے۔ اس نے ظفر مراد کو فوراً گاڑی نکالنے کو کہا اور گھر سے باہر نکلتے نکلتے اس نے جبار ناصر کو فون کیا، وہ اپنے دفتر میں موجود تھا۔ جبار ناصر نے اسے تسلی دی اور کہا کہ وہ اسرار کو گھر فون کئے دیتا ہے، وہ تمہارے گھر پہنچ جائے گا اور وہ ہر ممکن مدد کرے گا۔ اگر خدانخواستہ سارہ گھر پر نہ ملے اور پولیس کی مدد درکار ہو تو بتانا...... یہ کارروائی وہ خود کرے گا۔

صارم نے اپنے گھر پہنچ کر گاڑی دیوار کے ساتھ کھڑی کی۔ وہ دونوں گاڑی سے اتر آئے۔

پورا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایک گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔

صارم نے مین گیٹ کا تالا کھولا اور دونوں پٹوں کو زور سے اندر کی طرف دھکیلا۔ دونوں پٹ تیزی سے کھلتے چلے گئے۔

''آؤ...... ظفر۔'' صارم نے کہا۔

پھر وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ اس کے گھر کے چاروں طرف گارڈن تھا اور گھر میں داخلے کے دو راستے تھے۔ ایک راستہ ڈرائنگ روم سے تھا اور دوسرا دروازہ براہ راست لاؤنج میں کھلتا تھا۔ ڈرائنگ روم والا راستہ قریب تھا۔ وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔

ابھی وہ گھر میں لگا تالا کھول ہی رہا تھا کہ اسرار بھی آ پہنچا۔ اسرار کو دیکھ کر صارم خوش ہوا۔ اسرار وہ واحد شخص تھا جو اس گھر کے حالات سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہی پہلی بار صارم کو شاہ صاحب کے پاس لے کر گیا تھا اور یہاں ہونے والی ساری کارروائی میں موجود رہا تھا۔ یہ اور بات کہ وہ بابا کمبل کے چکر میں آ کر شاہ صاحب کی لگائی بندش کو توڑ بیٹھا تھا۔ بہرحال اس وقت آنے والا اسرار پہلے کے اسرار سے بالکل مختلف تھا۔

اب وہ صدق دل سے چاہتا تھا کہ صارم اس شری مخلوق سے نجات پا جائے۔ اس سلسلے میں وہ ہر ممکن مدد کرنے کو تیار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جبار کا فون ملتے ہی آدھی رات کو صارم کے گھر آ پہنچا تھا۔ جو غلطی اس سے ماضی میں سرزد ہوئی تھی اب وہ اس کا ازالہ کرنا چاہتا تھا۔ ایک طرح سے اسے نئی زندگی ملی تھی۔ وہ ہوش و خرد کی دنیا میں دوبارہ واپس آیا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد اب وہ کسی قیمت پر اپنے ہوش گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے جادو کی دنیا سے ہمیشہ کے لئے ناتا توڑ لیا تھا۔ پوری سچائی اور دل کی گہرائیوں سے توبہ کر لی تھی۔ آگ بھرا راستہ چھوڑ دیا تھا۔ وہ ابلیسی راستہ جس کی ہر شاخ دوزخ کی طرف جاتی تھی، ترک کر دیا تھا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ لوگوں کی خدمت کرے گا۔ نوری راستے پر چلے گا۔ اب وہ شاہ صاحب کے قدموں میں بیٹھے گا۔ ان کی جوتیاں سیدھی کرے گا۔ ان سے کچھ سیکھے گا۔

وہ پیسہ جو اسے بابا کمبل کے گھر سے حاصل ہوا تھا اور وہ رقم جو اس نے اس کالے علم کے ذریعے کمائی تھی، وہ اس کیلئے مٹی ہو گئی تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس رقم کو وہ کسی فلاحی ادارے کو دے دے گا۔ لیاقت آباد کا وہ گھر جسے بابا کمبل نے جلا دیا تھا اور جسے اس نے بابا کمبل کا گھر بیچ کر خریدا تھا، چاہتا تھا کہ اس گھر کو شاہدہ کو عطا کر دے، وہ لوگ کرائے کے مکان میں رہتے تھے۔ وہ بے گھر تھے۔

غرض ہوش و خرد کی دنیا میں واپسی نے اس کے اندر ایک انقلاب بپا کر دیا تھا۔ اب وہ ہر وقت مثبت خیالات میں گھرا، ہوا کے دوش پر اڑا اڑا پھرتا تھا۔

اور وہ خواب جو اس نے ثمینہ کے گھر میں دیکھا تھا۔ اس خواب نے اس کے دل و دماغ پر گہرا تاثر چھوڑا تھا۔ اس رات خواب میں اسے ثمینہ دکھائی دی تھی۔ خواب میں اس نے درخواست ظاہر کی تھی کہ وہ اس کی چھوٹی بہن سے شادی کر لے اور یہ خواہش اس نے صرف اسرار سے نہیں کی تھی بلکہ اس نے امی اور اپنی بہن زرینہ کے خواب میں بھی آ کر اس خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس طرح ثمینہ نے ایک رات میں بیک وقت تین اشخاص سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا۔

جب مہ ناز کو اسرار نے اس خواب کے بارے میں بتایا تو یہ بات اس کے دل کو اچھی لگی تھی۔ وہ خوش ہو کر بولی۔ ''اسرار یہ خواہش تو بری نہیں۔ میں جبار سے بات کرتی ہوں۔ پھر چل کر زرینہ کا رشتہ مانگتے ہیں۔''

اسرار نے کوئی جواب نہ دیا تھا۔ بس وہ ہنس کر رہ گیا تھا۔ لیکن چہرے پر آنے والی سرخی نے سارا راز کھول دیا تھا۔

اسرار اس وقت صارم کے گھر میں تھا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ سارہ گھر سے غائب ہو گئی تھی۔ وہ کہاں تھی اس راز سے پردہ اٹھانا تھا لیکن یہ راز کھلتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

صارم جس کمرے میں بھی داخل ہو رہا تھا، اس کمرے کی لائٹ جلاتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اب پورا گھر روشن ہو چکا تھا...... اور انہوں نے گھر کا کونا کونا چھان مارا تھا لیکن سارہ کا کوئی سراغ نہ لگا تھا۔ صارم نے اوپر کا پورشن بھی اچھی طرح دیکھ لیا تھا لیکن سارہ اس گھر میں کہیں موجود نہ تھی۔

پورا گھر چیک کرنے کے بعد وہ ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔

''یہاں تو سارہ موجود نہیں۔'' صارم نے پریشان کن انداز میں کہا۔

''آخر بھابھی کہاں چلی گئیں۔'' اسرار بولا۔

''صارم بھائی...... ہمیں پولیس میں رپورٹ کرنا چاہئے۔ کہیں کسی نے اغوا نہ کر لیا ہو۔'' ظفر مراد نے کچھ سوچ کر کہا۔

''شاہ صاحب...... اس وقت کہاں ہیں؟'' اسرار نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے۔ وہ راستے میں ہوں گے۔ انہوں نے یہاں صبح پہنچنے کو کہا تھا۔'' صارم نے بتایا۔

''یہ تصدیق کیسے ہو کہ وہ راستے میں ہیں۔'' اسرار بولا۔

صارم سوچ میں پڑ گیا۔ شاہ صاحب کے پاس موبائل فون نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ اگر موبائل ہوتا تو فوری طور پر رابطہ کر کے معلوم ہو سکتا تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہیں۔ صارم نے وقت دیکھا رات کا ڈیڑھ بجا تھا۔ اب ایک ہی ذریعہ تھا کہ وہ زیارت فون کر کے دیکھے۔ جابر خان سے اتنا ضرور معلوم ہو جائے گا کہ وہ زیارت سے چل پڑے ہیں یا نہیں۔

صارم نے اپنے موبائل سے زیارت کے ''انوشہ ہاؤس'' پر رابطہ قائم کیا، تین گھنٹیاں بجنے کے بعد جابر خان کی نیند میں ڈوبی آواز ابھری۔ ''ہالو۔''

''جابر خان۔ میں صارم بول رہا ہوں۔ کیا شاہ صاحب چلے گئے۔'' صارم نے براہ راست مطلب کی بات کی۔

''چلا گیا۔'' یہ کہہ کر اس نے کھٹ سے ریسیور رکھ دیا۔ اگلا سوال کرنے کا موقع نہ دیا۔

صارم نے موبائل کان سے ہٹا کر آف کیا اور اسرار کو دیکھا۔

''کیا ہوا؟'' اسرار نے پوچھا۔

''شاہ صاحب...... زیارت سے تو نکل گئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس وقت کوئٹہ سے آنے والی کوچ میں ہوں گے۔'' صارم نے بتایا۔ ''پھر وہ اٹھتے ہوئے بولا۔'' چلو پھر...... یہاں بیٹھ کر کیا کرنا۔''

''صارم بھائی پولیس کو اطلاع دیں؟'' ظفر مراد نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ شاہ صاحب کے آنے کا انتظار کرلیا جائے۔'' صارم کے بجائے اسرار نے جواب دیا۔

پھر وہ یہ فیصلہ کر کے کہ صبح تک انتظار کرنا ہے، گھر سے باہر نکل آئے۔ اسرار نے مین گیٹ کا تالا بند کر کے چابی صارم کو دی۔ صارم نے پوچھا۔ ''تمہیں کہاں چھوڑوں؟''

''مجھے کہیں نہ چھوڑیں...... میں آپ کے ساتھ چل رہا ہوں۔'' اسرار پرخلوص لہجے میں بولا۔

''چلو...... یہ اچھا ہے۔'' صارم نے خوش ہو کر کہا۔

جب وہ لوگ گیٹ بند کر کے گاڑی میں بیٹھ رہے تھے تو سارہ اندھیرے میں گیٹ کے پیچھے کھڑی تھی۔ سارہ کا بے اختیار جی چاہا کہ وہ صارم کو آواز دے کر بتائے کہ وہ یہاں کھڑی ہے لیکن وہ اپنے اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکی۔ کسی نے اس کا ارادہ بھانپ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔ ''نہیں۔''

اتنے میں صارم کی گاڑی تیزی سے گیٹ کے سامنے سے گزر گئی۔

☆......☆......☆

صارم اور اسرار آستانہ کمالیہ میں داخل ہوئے شاہ صاحب انہیں سامنے بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ وہ دونوں جوتے اتار کر ان کے نزدیک پہنچے۔ اسرار فوراً ان کے قدموں میں بیٹھ گیا اور گھٹنے پکڑ کر بولا۔ ''شاہ صاحب، مجھے معاف کر دیں۔ آپ کی تنبیہ کے باوجود میں نے کفر کا راستہ اختیار کیا۔''

''اس راستے پر چل کر تم نے جو کمایا، وہ سب کے سامنے ہے۔'' شاہ صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''اب تم نے توبہ کرلی ہے تو اس پر قائم رہنا۔ اللہ بہتر کرے گا، چلو اٹھو۔''

اسرار نے بڑی عقیدت سے شاہ صاحب کا ہاتھ چوما اور پھر اٹھ کر سامنے پڑے مونڈھے پر بیٹھ گیا۔ صارم پہلے ہی دوسرے مونڈھے پر بیٹھ چکا تھا۔

''شاہ صاحب، سارہ رات سے غائب ہے۔ وہ میرے گھر پہنچنے سے پہلے ہی نکل چکی تھی۔ میرا شبہ تھا...... شبہ کیا یقین تھا کہ وہ اپنے گھر چلی گئی ہوگی لیکن شاہ صاحب وہ وہاں بھی نہیں۔'' صارم نے اپنی داستان الم بیان کی۔

شاہ صاحب نے صارم کی بات سن کر اپنی آنکھیں بند کرلیں، ساتھ کچھ پڑھتے رہے۔ پھر اچانک آنکھیں کھول کر صارم کو دیکھا۔ چند لمحے اسے دیکھتے رہے۔ صارم ان کی آنکھوں کی تاب نہ لا سکا۔ اس نے اپنی آنکھیں جھکالیں۔ اسی وقت اس کے کانوں میں آواز آئی۔

''میاں...... سارہ اپنے گھر میں ہی ہے۔ وہ تمہیں دکھائی نہیں دی۔ وہ دکھائی دے بھی نہیں سکتی تھی۔ یہ ساری کارروائی اس خبیث کا کورکی ہے۔ خیر کاٹھ کی ہنڈیا کب تک چولھے پر رہے گی۔ بس آج آخری دن ہے۔ ہر فریب کا پردہ چاک ہو جائے گا۔'' شاہ صاحب نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''شاہ صاحب...... بابا حسن آگئے؟'' صارم نے پوچھا۔

''ہاں...... وہ آرہے ہیں۔ راستے میں ہیں۔'' شاہ صاحب نے کچھ اس انداز سے جواب دیا کہ صارم میں مزید سوال کرنے کی ہمت نہ رہی۔

☆......☆......☆

بابا حسن ابھی تک نہیں آئے تھے۔ شاہ صاحب کے حکم کے مطابق سارے انتظامات مکمل تھے۔ باہر صوفہ ڈال دیا گیا تھا۔ دو مزدور بلائے گئے تھے جو گھر کے باہر دیوار کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ظہر کے بعد اسرار شاہ صاحب کو ان کے آستانے سے لے آیا تھا۔ صارم اپنے گھر میں پہلے سے موجود تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ظفر مراد اور جبار ناصر کو بھی یہاں بلا لے لیکن شاہ صاحب نے اجازت نہیں دی تھی۔ انہوں نے کہا تھا۔ ''میاں یہ کوئی تماشا نہیں جو سب کو دکھایا جائے۔''

صارم صبح اسرار کو شاہ صاحب کے پاس چھوڑ کر اپنے گھر آ گیا تھا۔ شاہ صاحب نے بہت واضح لفظوں میں سارہ کی یہاں موجودگی کا اظہار کیا تھا۔ صارم نے پھر ایک ایک کمرہ اچھی طرح اور بار بار دیکھا تھا۔ دو تین مرتبہ اس نے آوازیں بھی لگائی تھیں۔ ''سارہ...... تم کہاں ہو؟''

لیکن اس کی آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوئی تھی اور آنکھیں بے بصارت ثابت ہوئی تھیں۔

امرود کے درخت کے نیچے صوفے پر بیٹھے شاہ صاحب اس وقت کچھ پڑھنے میں مشغول تھے۔ صارم اور اسرار بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھے تھے۔ شاہ صاحب وقفے وقفے سے گھر کے چاروں اطراف چکر لگا کر صوفے پر آ بیٹھتے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے گھر کے چاروں اطراف حصار کھینچ رہے ہوں۔ وہ اس دوران ایک مرتبہ بھی گھر میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

بابا حسن ابھی تک نہیں آئے تھے۔ شاہ صاحب نے ان کے بارے میں کوئی واضح بات نہیں کہی تھی۔ یہ بتایا تھا کہ کس وقت آئیں گے اور نہ یہ بتایا تھا کہ وہ کس کے ساتھ صارم کے گھر پہنچیں گے۔ بابا حسن کس طرح اس کا گھر تلاش کریں گے۔ صارم کو بابا حسن کے سلسلے میں جب زیادہ پریشان دیکھا تو شاہ صاحب گویا ہوئے۔ ''میاں پریشان کیوں ہوتے ہو...... بابا حسن جیسی ہستیوں کے سامنے

سارے راستے کھلے ہوئے ہیں۔ ان کے لئے کہیں پہنچنا کوئی مشکل نہیں۔''

پھر ہوا بھی ایسا ہی کوئی چار بجے کے قریب گیٹ پر کھٹکا ہوا۔ شاہ صاحب نے صارم سے کہا۔ ''جاؤ میاں دروازہ کھولو۔''

اسرار بھی صارم کے ساتھ ہی اٹھ گیا۔ جب صارم نے گیٹ کھولا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ سامنے بابا حسن کھڑے تھے۔ سفید شلوار قمیص، کالی ویسٹ کوٹ، سر پر کالی پگڑی، لبوں پر دلآویز مسکراہٹ۔ بابا حسن نے بلند آواز میں سلام کیا۔ صارم نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن وہ مسکراتے ہوئے گیٹ میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے ہاتھ نہیں ملایا۔ اسرار نے بابا حسن کو دیکھا تو وہ انہیں سلام کرنا ہی بھول گیا۔ ایسا پروقار، پرکشش اور پرسحر شخص اس نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ وہ انہیں دیکھتا ہی رہ گیا اور وہ اس کے سامنے سے گزر گئے۔

شاہ صاحب انہیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ بابا حسن نے شاہ صاحب سے ہاتھ ملایا۔ پھر وہ دونوں صوفے پر بیٹھ گئے۔ صارم اور اسرار بھی گیٹ بند کر کے ان کے قریب آ کھڑے ہوئے۔

''وہ یہاں نہیں ہے۔'' شاہ صاحب نے بابا حسن کو بتایا۔

''وہ اب کہیں نہیں جا سکتا۔ وہ چھپ سکتا ہے اور نہ فرار ہو سکتا ہے۔ کچھ ہی دیر جاتی ہے وہ آپ کے سامنے ہوگا۔'' بابا حسن نے پورے اطمینان سے کہا اور پھر ان کے ہاتھ میں موجود کالے چمکتے دانوں کی تسبیح تیزی سے گھومنے لگی۔

اسی وقت گھر کے اندر سے آوازیں آنے لگیں۔ گھر کے دروازے دھاڑ دھاڑ بند ہو رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے تیز ہوا کے باعث دروازے کھل رہے ہوں اور بند ہو رہے ہوں۔ جب دروازہ بند ہوتا تو ایک زوردار دھماکے کی آواز آتی..... ٹھاک.....!

بابا حسن اور شاہ صاحب پورے سکون سے بیٹھے ہوئے تھے البتہ ان کی نظریں گھر کی طرف ضرور تھیں جیسے کسی چیز کے منتظر ہوں۔

تب وہ چیز جس کے وہ دونوں منتظر تھے گھر سے برآمد ہوئی۔

وہ لاؤنج کے دروازے سے گھوم کر باہر آیا تھا اور پختہ فرش پر گھٹنوں کے بل بہت تیزی سے چلتا ہوا آ رہا تھا۔ وہ چھ سات ماہ کا گول مٹول سا بچہ تھا۔

صارم ابھی اس بچے کو دیکھ کر حیران ہی ہو رہا تھا کہ اچانک اسے سارہ نظر آئی۔ وہ کسی معمول کی طرح بچے پر نظریں جمائے اس کے پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی۔ صارم، سارہ کو دیکھ کر بے قرار ہو گیا۔ وہ لپک کر اس کی طرف بڑھنے کو تھا کہ بابا حسن نے اس کو ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ ''نہیں۔''

وہ رک گیا لیکن اس کی بے چینی دور نہ ہوئی۔ یہ کیا طلسم تھا جس بچے کو وہ اب تک سارہ کا فریب سمجھتا رہا تھا وہ تو حقیقت میں موجود تھا اور ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل بڑی تیزی سے چلتا آ رہا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ سارہ سچ کہتی تھی کہ اس کا حسن یہاں رہتا ہے۔

پھر وہ بچہ چلتے چلتے رک گیا۔ بچے کے ساتھ سارہ بھی دو قدم پیچھے رک گئی۔ اس کی نظریں اب بھی

بچے کی طرف تھیں۔ اس نے ان لوگوں کی موجودگی کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔ جیسے اسے احساس ہی نہ ہو کہ بچے اور اس کے علاوہ وہ یہاں کوئی اور بھی ہے..... سب سے بڑھ کر اس کا چہیتا شوہر صارم......

بابا حسن نے اشارہ کیا۔ اس اشارے کو سمجھتے ہوئے شاہ صاحب نے اسرار سے کہا۔ ''پانی۔''

یہ سنتے ہی اسرار فوراً گھر کے اندر کی طرف بھاگا اور چند لمحوں میں ایک گلاس پانی لے آیا۔ بابا حسن نے اس گلاس میں تین بار پھونکیں ماریں اور گلاس اسرار کو واپس کرتے ہوئے کہا۔ ''اسے بچے کے سر پر ڈال دو۔''

اسرار پانی سے بھرا گلاس لے کر بہت احتیاط سے آگے بڑھا۔ پھر اس نے بچے کے نزدیک پہنچ کر پورا گلاس اس کے سر پر الٹ دیا۔

پانی سر پر گرتے ہی بچے نے ایک زوردار چیخ ماری۔ یہ ایک غیر انسانی چیخ تھی اور ساکت ہو گیا۔ جیسے چابی ختم ہو گئی ہو۔ پھر وہ یکدم غبارے کی طرح پھٹا۔ اس کے اندر سے روئی نکل کر چاروں طرف بکھر گئی اور اس روئی کے درمیان سے ایک گدھ برآمد ہوا اور تیزی سے پرواز کرتا سارہ کے اوپر سے گزرتا فضا میں تحلیل ہو گیا۔

سارہ جو بچے کے پیچھے کسی روبوٹ کی طرح چلتی ہوئی آئی تھی۔ بچے کے پھٹتے ہی اس کے جسم میں ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے بچے کو پھٹتے اور اس سے گدھ کو نکلتے، پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا، پھر اسے کئی لوگ نظر آئے۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ گھر سے باہر کیوں نکل کر آئی اور یہ کون لوگ بیٹھے ہیں۔ وہ فوراً پلٹ کر گھر کی طرف بھاگی۔

بابا حسن نے سارہ کو گھر میں واپس جاتے دیکھ کر شاہ صاحب کو اشارہ کیا۔ انہوں نے صارم سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''جاؤ..... میاں سنبھالو اپنی بیوی کو..... وہ اب بچے کے فریب سے نجات پا چکی۔''

صارم صوفے سے اٹھ کر تیزی سے اندر جانے لگا تو بابا حسن اس سے مخاطب ہوئے۔ ''اپنی بیوی کو تسلی تشفی دے کر فوراً واپس آؤ۔ اپنی بیوی سے کہنا کہ مشکل دن اب ختم ہوئے۔ اسے اب کوئی نہیں ستائے گا اور نہ فریب میں مبتلا کر سکے گا۔''

''جی اچھا۔'' صارم نے بابا حسن کی بات سن کر کہا اور تیز تیز قدموں سے چلتا گھر کی طرف چلا گیا۔

صارم اندر پہنچا تو اس نے سارہ کو ڈائننگ ٹیبل کے ساتھ کرسی پر بیٹھا دیکھا۔ وہ الجھن کا شکار تھی۔ صارم کے دیکھتے ہی وہ بے اختیار اس کی طرف بڑھی۔ صارم نے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ سارہ کا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

''صارم اس نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ میں بے بس ہو گئی تھی۔'' سارہ نے لرزتی آواز میں کہا۔

''میں جان گیا ہوں۔ سارہ بس اس منحوس کے دن پورے ہوئے۔ باہر بابا حسن بیٹھے ہیں۔ شاہ صاحب ہیں، اسرار ہے۔'' صارم نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ''اب تمہیں کوئی نہیں ستا سکے

گا، نہ کوئی فریب دے سکے گا۔ تم آرام سے بیڈ پر لیٹ جاؤ، میں باہر جا رہا ہوں۔ وہ منحوس آنے والا ہے۔ بچے کا طلسم تو ختم ہوا، اب اس کا بسیرا اٹھنے والا ہے۔''

صارم نے اسے ایک گلاس پانی پلایا اور اسے بیڈ پر لٹا کر باہر آ گیا۔

صارم ابھی باہر آ کر بیٹھا ہی تھا کہ اس نے اپنے سامنے عجب منظر دیکھا۔

وہ اچانک ہی نمودار ہوئے تھے۔ وہ دو تھے، سرخ لباس میں۔ ان کے آدھے چہرے ڈھکے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک بہت بڑے گدھ کو پروں سے پکڑا ہوا تھا۔ اس گدھ کے دونوں پنجے رسی سے بندھے تھے۔ اس کے پنجے سرخ تھے۔ چونچ پر لوہے کا خول چڑھا ہوا تھا۔

وہ سرخ لباس والے بابا حسن سے کچھ فاصلے پر رک گئے۔

بابا حسن نے اس گدھ کو ایک نظر دیکھا اور پھر بلند آواز میں مخاطب ہوئے۔

''کاکور...... میں تجھ سے کوئی لمبی چوڑی بات نہیں کروں گا تو اچھی طرح جان لے اور سمجھ لے کہ میں تجھے سزا دینے آیا ہوں۔ تیرا بسیرا اٹھانے آیا ہوں۔ تو نے اس گھر کے مکینوں پر بہت ظلم ڈھائے ہیں۔ تو نے کئی انسانوں کا خون کیا ہے۔ سب سے بڑا جرم، سب سے بڑا گھناؤنا فعل تیرا اس معصوم کی جان لینا ہے جو سات سال بعد میاں بیوی کی زندگی میں خوشیاں بکھیرنے آیا تھا۔ اس پر ہی تو نے بس نہیں کیا۔ اس کی بیوی کو بچے کے فریب میں مبتلا کر دیا۔ میں جانتا ہوں کہ تو اس بچے کے ذریعے اسے اپنی گرفت میں لینا چاہتا تھا، اس پر قبضہ جمانا چاہتا تھا۔ تجھ سی خبیث، عیار اور شری مخلوق میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ تو نے ہر شخص کو جو تیرے مقابلے پر آیا، اسے شکست سے دوچار کر دیا۔ اب دکھا اپنی عیاری، اپنی خباثت، ہم دیکھیں تو کتنے پانی میں ہے۔'' اتنا بول کر بابا حسن خاموش ہو گئے۔

کاکور نے اپنی جھکی گردن ایک لمحے کے لئے اوپر اٹھائی، بابا حسن کی طرف گردن گھما کر دیکھا۔ چند لمحے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے آخری کوشش کے طور پر اپنے پروں کو زور زور سے جھٹکا لیکن وہ سرخ لباس والوں کی مضبوط گرفت سے خود کو آزاد نہ کرا سکا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور گردن جھکا لی۔ جیسے اپنی شکست تسلیم کر لی ہو۔

''اکھاڑ دو بازو اس کے۔'' بابا حسن نے ہاتھ اٹھا کر حکم دیا۔

حکم سنتے ہی ان دونوں سرخ لباس والوں نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر بیک وقت جھٹکا مارا۔ کاکور کے دونوں بازو اکھڑ کر ان کے ہاتھوں میں آ گئے اور کاکور زمین پر اوندھے منہ جا گرا اور اس کے ساتھ ہی ایک کریہہ چیخ سنائی دی۔

کاکور کے بازو اکھڑتے اور اس طرح بے پر گرتے دیکھ کر صارم کے دل میں بھڑکتی انتقام کی آگ دھیمی ہونے لگی۔ اس نے کھڑے ہو کر ایک پرجوش نعرہ مارا اور بولا۔ ''بابا...... مجھے اجازت دیجئے۔ اب میں اس کی کھال ادھیڑوں گا۔ اس کے ٹکڑے کروں گا۔''

''ہاں...... ضرور۔'' بابا حسن نے بخوشی اجازت دے دی۔

صارم اجازت ملتے ہی چند لمحوں میں گھر کے اندر سے ایک بڑی سی چھری لے آیا اور کاکور کی طرف

بڑھا۔ اس نے چھری کے پے در پے وار کر کے اس کے جسم کو چھلنی کر دیا۔ آنکھیں پھوڑ دیں۔ گردن کاٹ دی۔ پنجے الگ کر دیئے۔ جسم کی بوٹی بوٹی کر دی۔ تب جا کر اس کے دل کو قرار آیا اور پھر وہ اس کے ٹکڑوں پر چھری پھینک کر واپس صوفے پر آ بیٹھا۔

کاکور کے ختم ہوتے ہی اچانک فضا میں بے شمار گدھ منڈلانے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورا گھر گدھوں سے بھر گیا۔ ایک بار صارم نے بہت سے گدھ بیک وقت اپنی چھت پر دیکھے تھے لیکن وہ تو کچھ بھی نہ تھے۔ اس وقت اتنے گدھ تھے کہ گھر کا سارا حصہ ان سے پٹا ہوا تھا۔

ان گدھوں کو بابا حسن بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ یہ گدھ بابا حسن سے چھ فٹ دور تھے۔ جب بابا حسن نے دیکھا کہ اس شری مخلوق کا پورا قبیلہ اکٹھا ہو چکا ہے تو انہوں نے بلند آواز میں کہا۔

''اب کون ہے تمہارا سردار...... جو بھی ہے باہر آئے۔''

چند لمحوں بعد ایک گدھ اگلی صفوں سے باہر نکل کر آیا اور دو قدم چل کر رک گیا۔

''کاکور کا تم نے حشر دیکھ لیا۔ تمہارے حق میں بہتر یہ ہے کہ اپنے قبیلے کو لے کر یہاں سے چلے جاؤ۔ یہاں سے اپنا بسیرا اٹھا لو۔ یہ گھر چھوڑ دو۔'' بابا حسن نے کہا۔ ''اگر تمہارے دماغ میں بھی کوئی خناس ہے تو بتاؤ۔''

بابا حسن نے چند لمحے توقف کیا جیسے جواب سن رہے ہوں، پھر بولے۔ ''تم یہاں سے جانے کے لئے تیار ہو اچھی بات ہے۔ اگر تم رضا کارانہ طور پر راضی نہ ہوتے، تب بھی میں ہر صورت تمہارا بسیرا ختم کر دیتا۔ پھر یہاں سے تمہارے قبیلے کا ایک بھی فرد زندہ واپس نہ جاتا۔ اب کیونکہ تم اس گھر کو چھوڑنے کے لئے راضی ہو تو میں انعام کے طور پر تمہاری میراث جو یہاں دفن ہے واپس کر دیتا ہوں۔ اسے لے کر یہاں سے ہمیشہ کے لئے چلے جانا۔ پلٹ کر اس گھر کی طرف نہ دیکھنا۔ ویسے میں یہاں ایسا انتظام کر کے جاؤں گا کہ تم پھر کبھی پڑاؤ نہ ڈال سکو گے۔''

پھر بابا حسن صوفے سے اٹھ گئے۔

انہیں اٹھتے دیکھ کر بیٹھے ہوئے گدھوں میں کھلبلی مچ گئی۔ بابا حسن کے قدم بڑھاتے ہی گدھوں نے ان کے لئے جگہ چھوڑ دی۔ کائی سی پھٹ گئی۔ بابا حسن اس چھوٹے سے راستے پر چلتے ہوئے کھڑکی کی طرف چلے۔ ان کے پیچھے شاہ صاحب اور صارم اور اسرار تھے۔ یہ ایک عجیب منظر تھا۔ اس راستے کے دونوں طرف گدھ بیٹھے ہوئے تھے، سکڑے سمٹے، اپنے پر دبائے۔ صارم اور اسرار ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے ایک احساس تفاخر کے ساتھ ان سہمے ہوئے گدھوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے بابا حسن کے ساتھ گھر میں داخل ہو گئے۔

بابا حسن لاؤنج میں داخل ہو کر درمیان میں کھڑے ہو گئے۔ پھر چند لمحے انہوں نے کچھ پڑھنے کے بعد فرش پر ایک جگہ کی نشاندہی کی اور بولے۔ ''یہاں کھدوائیں۔''

شاہ صاحب کی ہدایت پر مزدور پہلے ہی سے بلوائے ہوئے تھے جو گیٹ پر بیٹھے تھے۔ انہیں اندر بلا کر بابا حسن علی کی نشان زدہ جگہ پر کھدائی شروع کرا دی گئی۔

بابا حسن لاؤنج میں ہی ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ شاہ صاحب بھی ساتھ بیٹھ گئے۔ صارم اور اسرار مزدوروں کے پاس کھڑے ہوگئے۔ سارہ بیڈروم کے دروازے پر موجود تھی۔ وہ بڑی دلچسپی سے اس کارروائی کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے کاکور کی گرفتاری اور سزا کو کچن کی کھڑکی سے دیکھا تھا۔ صارم نے جب کاکور کے ٹکڑے کیے تو سارہ کے دل کو بڑا سکون ملا۔ یہ وہ منحوس تھا جس نے بڑی سفاکی سے اس کی گود اجاڑ دی تھی۔

فرش توڑ کر کھدائی کر کے مطلوبہ شے تک پہنچنے میں دس پندرہ منٹ صرف ہوئے۔ اسرار نے گڑھے میں کھڑے ہوکر اس شری مخلوق کی میراث نکالی جو یہاں دفن تھی...... یہ ایک پتھر تھا۔ کوئی پانچ انچ لمبا اور دوڈھائی انچ چوڑا۔ یہ ایک انتہائی چمکدار زرد پتھر تھا۔

اسرار نے اس زرد پتھر کو بابا حسن کے سامنے کیا۔ بابا حسن نے اسے ایک نظر دیکھا اور اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے اسے ہاتھ نہیں لگایا۔ پھر اس نے پتھر شاہ صاحب کو دکھا کر صارم کے ہاتھ میں دیا۔ اس نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ بابا حسن اور شاہ صاحب باہر جاچکے تھے۔ صارم نے شری مخلوق کی مدفون میراث کو سارہ کو دکھایا اور پھر وہ دونوں باہر آگئے۔

صارم کے ہاتھ میں اپنی ''میراث'' دیکھ کر تمام گدھوں نے اپنی گردنیں جھکالیں۔ یوں لگا جیسے انہوں نے اس چمکتے زرد پتھر کو احترام دیا ہو۔

بابا حسن اور شاہ صاحب صوفے پر بیٹھ چکے تھے۔ جب صارم ان کے نزدیک پہنچا تو بابا حسن نے اس گدھ کی طرف اشارہ کر کے جواب اس قبیلے کا سردار تھا، کہا۔ ''اس کے سامنے رکھ دو۔''

صارم نے وہ زرد پتھر زمین پر اس گدھ کے سامنے رکھ دیا جو سب سے آگے تھا اور خاصا جسیم تھا۔

وہ گدھ گردن جھکائے زرد پتھر کے قریب آیا۔ اس نے اس پتھر کو اپنی چونچ سے چھوا۔ جیسے اسے چوما ہو اور پھر الٹے قدموں پیچھے ہٹا ایک چیخ مار کر اپنے پر پھڑپھڑائے اور پھر اڑان بھری۔

جب وہ اڑا تو اس کے پنجوں میں وہ زرد پتھر دبا ہوا تھا۔ اس کے اڑتے ہی دوسرے گدھوں نے بھی پرواز شروع کردی۔ ان اڑتے گدھوں سے آسمان بھر گیا۔ اڑتے ہوئے گدھ بری طرح چیخ رہے تھے جیسے بسیرا اٹھنے پر تکلیف میں مبتلا ہوں۔

صارم اس نظارے کو بڑی آسودگی سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ٹھنڈک اتر رہی تھی۔

پھر دو تین منٹ میں آسمان گدھوں سے خالی ہوگیا۔ صارم کے گھر سے اس شری مخلوق کا بسیرا ختم ہوگیا تھا۔ سب کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ صارم کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

تب شاہ صاحب نے صارم کو اشارے سے اپنے قریب بلا کر سرگوشی کی۔

''جی اچھا۔'' صارم شاہ صاحب کی بات سن کر تیزی سے اندر گیا اور سارہ کو بلا لایا۔ وہ بابا حسن کے سامنے سر جھکا کر کھڑی ہوگئی۔

''یہ ان کی بیگم ہیں۔ آپ کی توجہ کی طلب گار۔'' شاہ صاحب نے بابا حسن سے مخاطب ہو کر کہا۔

''ارے...... شاہ صاحب ہم کیا اور ہماری توجہ کیا۔'' یہ کہہ کر بابا حسن اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ سر پر

امرود کا درخت تھا۔ ہاتھ بڑھا کر ایک امرود توڑا اور سارہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔ ''یہ لو...... دونوں مل بانٹ کر کھالینا۔''

''شکریہ بابا۔'' سارہ نے بڑی عقیدت سے وہ امرود لے لیا اور پھر کہا۔ ''آپ اتنی دور سے ہمارے لئے آئے۔ آپ کو زحمت ہوئی۔''

''یہ سارا کارنامہ ان کا ہے۔'' بابا حسن نے شاہ صاحب کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ ہمیں کھینچ کر یہاں لے آئے۔ اچھا بھئی اب ہم جاتے ہیں۔'' انہوں نے صارم کی طرف دیکھا اور پھر شاہ صاحب سے مخاطب ہوئے۔ ''چلیں۔''

''جی بالکل۔'' شاہ صاحب نے فوراً آگے قدم بڑھا دیئے۔ صارم اور سارہ نے بہت روکا کہ کم از کم ایک رات تو ہمارے ہاں قیام کیجئے۔ اگر آپ قیام نہیں کرتے تو رات کا کھانا ہی ہمارے ساتھ تناول فرمائیے...... لیکن انہوں نے کوئی پیشکش قبول نہ کی۔ مجبوراً سارہ، صارم کو ''اللہ حافظ'' کہنا پڑا۔ وہ اسرار کے ساتھ انہیں گاڑی میں آستانہ کمالیہ چھوڑ آیا۔

واپس آکر انہوں نے کاکور کے ٹکڑے ایک شاپر میں جمع کیے۔

''اس خبیث کا کیا کریں۔ اسے کیسے ٹھکانے لگائیں۔'' صارم نے پوچھا۔

''صارم بھائی...... مجھے معلوم ہے اس کا کیا کرنا ہے۔ میں ٹھکانے لگاؤں گا اسے۔'' اسرار بولا۔

''کیا کرو گے؟'' صارم نے استفسار کیا۔

''میں اسے قبرستان میں دفن کروں گا۔ بابا کمبل کے ساتھ اس کی قبر بناؤں گا۔ دو خبیثوں کو ایک جگہ اکٹھا کروں گا، بڑا مزہ آئے گا۔'' اسرار نے ہنستے ہوئے کہا۔

اور پھر اسرار نے ایسا ہی کیا۔ بابا کمبل کے برابر اسے دفنا دیا۔ اس کی پختہ قبر بنوادی اور اس پر کاکور کے نام کا کتبہ لگوادیا۔

صارم نے اپنا گھر از سر نو سجایا۔ لاؤنج کا پورا فرش تڑوا کر دوبارہ بنوایا۔ گھر کا پورا فرنیچر تبدیل کیا گیا۔ سارہ اور صارم نے مل کر گھر کی ایک ایک چیز دوبارہ سیٹ کی۔ باہر گارڈن میں نئے پودے لگائے گئے۔ جب گھر ہر زاویے سے سج بن گیا تو ایک زبردست پارٹی کا اہتمام کیا گیا۔

صارم نے اپنے تمام احباب کو اس پارٹی میں شریک کیا۔ وہ اپنے سابقہ باس محسن نقی کو مدعو کرنا نہ بھولا۔ محسن نقی آتے ہی شگفتہ انداز میں بولے۔ ''بھئی تم نے بلایا اور ہم آگئے۔ ویسے یہ تو بتاؤ، یہ دعوت کس سلسلے کی ہے؟''

''سر...... یہ کاں لکھا ہے؟'' صارم نے ہنس کر انہیں چھیڑا۔

''کیا کاں لکھا ہے۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟'' محسن نقی ایک دم سنجیدہ ہوگئے۔

''یہی کہ گھر آکر دعوت کی وجہ پوچھی جائے؟'' صارم نے شرارت سے کہا۔ ''ویسے سر، بات یہ ہے کہ ایک عرصہ ہوگیا تھا آپ کو دیکھے ہوئے، سوچا چھوٹی سی تقریب کرلوں۔''

''اچھا تو یہ تقریب ہمارے اعزاز میں ہے۔'' محسن نقی کی آنکھوں میں یکا یک چمک آگئی۔ ''بھئی

تو پھر ہمارے گلے میں ہار پھول ڈالو۔"
کہیں سے آواز آئی۔ "کاں لکھا ہے۔"
یہ سنتے ہی محفل کشت زعفران بن گئی۔

☆......☆......☆

وہ امرود اگرچہ بابا حسن نے ان کے گھر میں لگے ہوئے درخت سے توڑ کر دیا تھا لیکن اس کا ذائقہ بالکل مختلف تھا۔ وہ بے حد میٹھا، انتہائی خوشبودار اور انوکھے ذائقے کا حامل تھا۔ صارم نے اس امرود کو بابا حسن کی ہدایت کے مطابق مل بانٹ کر کھایا۔ اسے چھری سے کاٹ کر آدھا نہیں کیا بلکہ وہ اپنے ہاتھ سے ایک دوسرے کو کھلاتے رہے یہاں تک کہ امرود ختم ہو گیا۔

"یار...... یہ کچھ جلدی نہیں ختم ہو گیا۔" صارم چٹخارے لیتا ہوا بولا۔

"صارم...... یہ امرود تھا...... کوئی تربوز نہیں تھا۔" سارہ نے اپنی مسکراتی آنکھوں سے دیکھا۔

صارم بڑے غور سے سارہ کو دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں یکدم محبت کا دریا اُمڈ آیا تھا۔

"کیا ہو گیا۔" سارہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ نچایا۔ "اب مجھے کھاؤ گے کیا؟ خبردار جو مجھے امرود سمجھا۔"

"بہت دن کے بعد مجھے میری سارہ ملی ہے۔ میں اس لہجے، اس انداز کو جیسے ترس گیا تھا۔" صارم نے اسے قریب کرتے ہوئے کہا۔ "سارہ، تم کہاں کھو گئی تھیں۔"

"میں کھوئی نہیں تھی...... اُلجھ گئی تھی۔ تم نے مجھے بچا لیا صارم ورنہ میرا جانے کیا حشر ہوتا۔" سارہ نے اس کے کندھے پر اپنا سر رکھتے ہوئے کہا۔

"سارہ میری تکمیل تم سے ہے۔ تمہارے بغیر میں ادھورا ہوں۔" صارم نے اس کی ریشمیں زلفوں کو اپنی مٹھی میں بھر لیا۔

"او مجنوں کے ابا...... میرے بال چھوڑو...... کھنچ رہے ہیں۔" سارہ نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"یار...... تم میں یہ بڑی خرابی ہے۔ اچھے بھلے موڈ کا ستیاناس کر دیتی ہو۔" صارم اس سے دور ہو کر بیٹھ گیا۔

"میری پیاری بیوی، اب ایسے تو نہ روٹھو۔" سارہ نے اس کے نزدیک ہو کر کان میں سرگوشی کی۔ "میں بھی ادھورا ہوں تمہارے بغیر۔"

"میرے شرارتی شوہر، آ پھر ہم ایک ہو جائیں۔" صارم نے اسے بازوؤں میں سمیٹتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

ابھی دو ماہ ہی گزرے تھے کہ ایک دن سارہ منہ دھوتے دھوتے چکرا کر واش روم میں گر پڑی۔ صارم گھر میں موجود تھا۔ وہ اسے لے کر ڈاکٹر کے پاس بھاگا۔ خالہ بجو ساتھ تھی۔

لیڈی ڈاکٹر نے اچھی طرح معائنہ کرنے کے بعد صارم کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ "مبارک ہو جناب۔"

یہ ایک زبردست خوشخبری تھی۔ ایسی خوشخبری جس کے بارے میں امید نہ تھی کہ اتنی جلدی اسے مل جائے گی۔ اس خبر نے گویا اسے دیوانہ کر دیا تھا۔ ایک گول مٹول سے مہمان کی نوید دی گئی تھی۔

"اوہ...... سارہ، میں کس قدر خوش قسمت ہوں۔" صارم والہانہ انداز میں کہتا۔

"میں بھی تو۔" سارہ اس کی ناک پکڑ کر بولتی۔

"ہاں...... ہم دونوں۔" وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے اور بے اختیار ہنس پڑتے۔

☆......☆......☆

ایک دن اسرار سو کر اٹھا تو اس کی بے چینی اسے قبرستان لے گئی۔ قبرستان پہنچ کر اس بے چینی کی وجہ معلوم ہوئی۔ بابا کمبل اور کاکور کی قبریں غائب تھیں، قبروں کی جگہ ہموار تھی جیسے وہاں کبھی قبریں تھیں ہی نہیں۔ پہلے تو اسرار کو شبہ ہوا کہ وہ ان قبروں کی جگہ بھول گیا ہے...... پھر اس نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ ساری نشانیاں موجود تھیں۔ بس قبریں غائب تھیں۔

اسرار نے گورکن سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا۔ "صاحب جی...... ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔ میری اور میرے باپ دادا کی ساری زندگی انہی قبروں کے ساتھ گزر گئی۔ کبھی کسی نے ایسے واقعہ کی نشاندہی نہیں کی۔"

"ہوا کیا آخر؟" اسرار نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"صاحب جی...... دونوں قبریں رات کو دھماکے سے بیٹھ گئیں۔ قبریں بارشوں سے ضرور بیٹھ جاتی ہیں لیکن یہاں تو کوئی بارش ہوئی اور نہ زلزلہ آیا۔ پھر بھی دونوں قبریں بیٹھ گئیں۔ دونوں قبریں زمین میں اس طرح دھنس گئیں کہ ان کا وجود مکمل طور پر مٹ گیا۔ جب میں دھماکے کی آواز سن کر قبروں کے نزدیک گیا تو میں نے ایک سفید پوش بزرگ کو وہاں سے جاتے دیکھا۔"

"کیا بزرگ کے سر پر چھوٹی سی کالی پگڑی تھی۔" اسرار نے فوراً پوچھا۔

"ہاں جی۔" گورکن نے اقرار کیا۔ "بڑے نورانی چہرے والے بزرگ تھے جی وہ۔"

یہ بات اسرار نے صارم کو بتائی تو وہ بڑا حیران ہوا۔ بابا حسن کی شخصیت ایک معمہ بنی ہوئی تھی۔ صارم نے انہیں زیارت کے ایک ریسٹ ہاؤس صنوبر کے درختوں کے سائے میں رلی پر لیٹے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر وہ اسے کرسی زرنگار پر متمکن نظر آئے...... باوجود اصرار کے شاہ صاحب نے اس اسرار کو کھول کر نہ دیا۔ بس اتنا کہا۔ "میاں تمہارا کام ہو گیا۔ تمہیں اس شری مخلوق سے نجات مل گئی۔ اتنا کافی ہے، اب کھوج کس بات کی۔"

لیکن کھوج تو برقرار تھی۔ تجسس اپنی جگہ قائم تھا۔

آخر وہ تھے کون؟

اسرار کا خیال تھا کہ وہ انسان نہ تھے...... اس شبہ کی وجہ یہ تھی کہ بابا حسن نے شاہ صاحب کے علاوہ کسی اور سے ہاتھ نہیں ملایا تھا۔

اسرار نے جب ان کے غیر انسان ہونے کے سلسلے میں اس دلیل کو پیش کیا تو صارم کی سمجھ میں بات نہ آئی۔اس نے پوچھا۔"ہاتھ ملانے سے کیا فرق پڑتا...... یار۔"

"صارم بھائی بات یہ ہے کہ جنات کے ہاتھ میں ہڈی نہیں ہوتی۔ان کے ہاتھ روئی کی طرح ملائم ہوتے ہیں۔وہ ہم سے ہاتھ ملا کر اپنی پہچان کیوں کراتے؟" اسرار نے انکشاف کیا۔

اس انکشاف پر صارم کو حیرت ضرور ہوئی لیکن یقین پھر بھی نہ آیا۔

بابا حسن علی کون تھے؟

اس کے بارے میں حتمی انداز سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

کائنات کے راز، خالق کائنات کے سوا کوئی نہیں جانتا یا صرف وہ جانتے ہیں جنہیں اللہ جاننے کی اجازت دیتا ہے...... لیکن مسئلہ یہ تھا کہ جو جانتے تھے، وہ کچھ کہنے کے لئے تیار نہ تھے۔

☆............ختم شد............☆